The Drinched Book

سلسلۂ نصابات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

اصول قانون

جلد دوم

تصنیف

سر جان سامنڈ

سولیسیٹر جنرل فار نیوزیلینڈ

ترجمہ

مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ لا

سابق رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۴۶ھ م ۱۳۳۷ف م ۱۹۲۸ع

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

اُصُولِ قانون

جلد دوم

انسانی قانون اور اُس کے اصول، آسمانی قانون اور اُس کے اصول سے جدا ہیں۔

فقہ اسلام کے ماخذ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے بعد اجماع و قیاس کا درجہ ہے کہ ان کا مدار بھی اسی پر ہے۔

اصول فقہ بھی اسی ماخذ پر مبنی ہیں۔

انگریزی قوانین اور اُن کے زیر نظر اُصول کو ان ماخذ و مبانی سے کچھ سروکار نہیں۔

اس نکتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعلمین کے لئے ان ابواب کی طباعت و اشاعت میں مضائقہ نہیں کیونکہ اس کتاب میں نہ مذہب و پیشوایان مذہب کیساتھ کسی قسم کی گستاخی کی گئی ہے اور نہ کوئی متعصبانہ حملہ ہے۔ فقط

عبداللہ العمادی

ناظر مذہبی جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

فہرست مضامین اُصولِ قانون جلد دوم

ضمیمہ جات

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصول قانون جلد دوم

بارھواں باب

ملکیت

فصل ۱۱۸ تعریف ملکیت

بلحاظ نہایت وسیع اور جامع مفہوم کے لفظ ملکیت سے مراد وہ نسبت ہے جو شخص اور اس کے حق محصلہ کے درمیان پائی جاتی ہے۔ چاہے ملکیت کی کوئی مثال کیوں نہ لی جائے ہر ایک شکل میں انسان کسی نہ کسی حق کا مالک ہوتا ہے۔ موضوع ملکیت حق کے سوائے خواہ وہ کسی قسم کا کیوں نہ ہو کوئی دوسری شے نہیں ہو سکتی۔ لیکن لوگ ملک سے مراد شے مادی لینے کے عادی ہو گئے ہیں اور ملک کے لئے شے کا مادی ہونا ضروری خیال کرتے ہیں حالانکہ اس طرح کا طرز کلام صنائع اور بدائع زبان میں داخل ہے ملک کا اطلاق جو مادی اشیاء پر کیا جاتا ہے اس کو ایک قسم کا استعارہ یا مجاز سمجھنا چاہئے اور کثرت استعمال سے بظاہر اس کی شان مجازی باقی نہیں رہتی ہے مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں قطعہ اراضی ایک شخص کی ملک ہے تو اس کا صحیح مفہوم اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ شخص مذکور اس قطعہ زمین میں ایک مخصوص حق کا مالک ہے یعنی اُس زمین کی حقیت مستقل و قابل ارث ملک ہے۔

اس مفہوم عام (یعنی نہایت وسیع اور جامع معنوں) کے لحاظ سے اصطلاح

ملکیت میں تمام قسم کے حقوق خواہ وہ مالکانہ ہوں کہ شخصی خواہ متعلق اشیا ہوں کہ خلاف اشخاص یا حقوق بر جائداد غیر اور بر جائداد خود کیوں نہ ہوں داخل ہیں مثلاً میں کسی قرضے کا یا رہن کا یا پٹے کا یا کسی حق راہ کا یا زمین کی حیثیت منتقل و قابل ارث کا مالک ہو سکتا ہوں۔ ہر ایک حق ایک نہ ایک قسم کی ملک ہے اور سوائے حق کے کوئی دوسری شئے ملک نہیں ہو سکتی اور اس لئے ہر ایک شخص اپنے ان تمام حقوق کا جو اس کو حاصل ہیں مالک ہے۔

ملکیت کے جس مفہوم عام کا فقرات بالا میں ذکر کیا گیا ہے اور جو ایک قسم کی نسبت ہے کہ صاحب حق اور اس کے حق کے مابین پائی جاتی ہے اس لحاظ سے ملکیت کا دوسری دو ایسی نسبتوں سے تقابل کیا جاتا ہے جن کا حقدار اور اس کے حق کے درمیان واقع ہونا ممکن ہے چنانچہ اس بنا پر اولاً ملکیت کا قبضہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے لیکن قبضہ ایک ایسا ہی نہایت دقیق اور دشوار تصور قانونی ہے کہ اس کے متعلق ہماری رائے میں ملکیت کے بعد ایک علحدہ باب میں تفصیل وار اور مصرح بحث کرنی مناسب ہے لہذا ہم نے اس کتاب کے تیرھویں اور چودھویں دو باب بیان قبضہ کے لئے وقف کردیئے ہیں۔ ہمکو آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ قبضۂ حق سے مراد وہ تصرف اور تمتع ہے جو فی الواقع قابض حق کو حق مقبوضہ سے مسلسل حاصل ہوتا ہے اور برعکس اس کے ملکیت کی کیفیت ہے جو از روے استحقاق مالک کو حاصل ہوتی ہے۔ لاطینی اور جرمن زبانوں میں قبضۂ حق کے متعلق مخصوص اصطلاحات ہیں (Bos Possesio Juris) اور (Richtsbesitz) جن کی وجہ سے اصطلاح قبضہ کا منشا ان زبانوں میں قبضۂ حق لیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ایک شخص کسی حق کے مالک ہونے کے بغیر اس کا قابض ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص جو دوسرے کی زمین پر ناجائز طور سے قابض ہو جائے اس کو اس طرح استعمال کرسکتا ہے کہ حق مرور یا کوئی اور حق آسائش ظاہری سکو حاصل ہو سکے۔ دوسری وہ شکل ہے جب کہ مالک ہونے کے بغیر حق کا قابض ہو سکتا ہے۔ تیسری صورت میں ملکیت اور قبضہ ایک سمجھے جاتے ہیں یعنی مالک حق اور حق کے درمیان جو فی الواقع اور بالاستحقاق نسبتیں پائی جاتی ہیں وہ وقت واحد میں متحد ہو کر واقع ہوتی ہیں۔

ثانیاً ملکیت حق کا اس بار اور مواخذہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو اس پر عائد

ہوتا ہے جس شخص کو کہ حق حاصل ہوتا ہے وہ مالک حق ہے اور وہ شخص جس کے حق کا بار اور مواخذہ حق اول پر پڑتا اور جس کی وجہ سے وہ تابع و محدود ہوتا ہے مواخذہ گیر کہلاتا ہے۔ مالک کے حق کو حق تابع اور مواخذہ گیر کے حق کو حق متبوع وعلیٰ ہذالقیاس کہتے ہیں۔ مثلاً ا ایک جائداد کا مالک ہے اور اس کا ب پٹہ دار ج پٹہ دار ذیلی (تحویلدار) د مرتہن اول ھ مرتہن ثانی ہو سکتے ہیں اور مواخذہ گیروں کے اس سلسلے کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ادب قانونی میں ہر ایک مواخذہ گیر کے لئے علیحدہ علیحدہ نام نہیں تجویز کئے گئے ہیں چنانچہ اس شخص کے لئے جس کو جائداد غیر پر حق آسائش حاصل ہو کوئی لقب ایسا نہیں مقرر کیا ہے جس کے ذریعے سے مالک جائداد اور حق آسائش کے رکھنے والے میں بآسانی امتیاز ہو سکے۔ اسی طرح عدم تسمیہ قانونی کے سبب سے مالک جائداد اور اس شخص میں جو کسی معاہدے کی بناء پر جس کا اس جائداد سے تعلق ہو اور جو اس کی بقا کے ساتھ جاری رہے اس جائداد سے مستفید اور متمتع ہوتا ہے فرق کرنا مشکل ہے۔

اگرچہ مواخذہ اور ملک دو جداگانہ حالتیں ہیں اور ان میں فرق عظیم ہے لیکن مواخذہ گیر اپنے بار اور مواخذہ کا مالک سمجھا جاتا ہے ایسا ہی مرتہن زمین اپنے رہن کا اور پٹہ دار (زمین) اپنے پٹے کا اور زمین کا مرتہن ثانی (ذیلی) اپنے رہن ثانی (ذیلی) کا مالک سمجھا جاتا ہے یعنی جس شخص کو کسی حق پر بار یا مواخذہ حاصل ہوتا ہے اس شے کے اور اس مواخذہ کے درمیان نہ صرف ایک معینہ نسبت پائی جاتی ہے بلکہ اس شخص میں اور حق زیر بار یا حق تابع میں بھی ایک مخصوص نسبت قرار پاتی ہے۔ بلحاظ حق ثانی وہ شخص مواخذہ گیر لیکن بلحاظ اول وہی شخص اس حق تابع کا مالک سمجھا جاتا ہے۔

ہر چند ملکیت کے مختلف اور متعدد اقسام ہیں لیکن ذیل میں صرف انھیں چند انواع کی تقسیم پیش کی جاتی ہے جو زیادہ اہم اور مفید خیال کئے جاتے ہیں اور جن کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا مناسب ہے۔

۱۔ ملکیت مادی و غیر مادی۔

۲۔ ملکیت منفردہ و مشترکہ

۳ - ملکیت اماَنتی (ملکیت امین) و ملکیت منفعتی (ملکیت مامون لہ)
۴ - ملکیت قانونی و نصفتی (ملکیت از روئے قانون و ملکیت از روئے نصفت)۔
۵ - ملکیت مجمل و ملکیت منحصر بر واقعہ غیر معین۔

فصل ۲ - ملکیت مادّی و غیر مادّی

ہرچند ملکیت کا موضوع صحیح خواہ کوئی ایک شکل کیوں نہ لی جائے حق ہے لیکن بہ لحاظ محاورۂ زبان ہم اشیاء مادی پر ملکیت کا اطلاق کرنے کے عادی ہو گئے ہیں چنانچہ انگریزی زبان میں لوگ حقوق بر زمین یا حقوق بر مال کو ملک نہیں کہتے اور نہ ان کے متعلق حصول اور انتقال کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں بلکہ زمین اور مال کو ملک کہنا فصاحت سمجھی جاتی ہے اور انھیں چیزوں کی نسبت حاصل اور منتقل کرنے کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں یعنی لوگ اس مادی شئے کو جو حق کا موضوع ہے کنایتاً (از روئے صنعت تلمیح) حق کے مساوی سمجھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ اس صنعت کے استعمال سے نہ صرف عوام کو سہولت ہے بلکہ مخلوق اس کی عادی بھی ہو گئی ہے اس کے علاوہ الفاظ کے اس غلط استعمال میں ایک اور فائدہ ہے لفظ کے سننے سے جب سامع کا ذہن کسی مادی شئے کی جانب منتقل ہو جائے اور اس کی تصویر اس کی آنکھوں میں کھنچ جائے تو اس کی طبیعت پھر اس کے مجرد تصور و مفہوم کے سمجھنے کی طرف راغب نہیں ہوتی۔ ملکیت کا اشیائے مادی پر اطلاق کرنے سے عوام کو اس مجرد خیال اور تصور کے سمجھنے سے نجات ملتی ہے جو ملکیت حق سے پیدا ہوتا ہے اور یہ محض تصور ہی تصور ہے۔

ظاہر ہے کہ حقوق مجردات و تصورات کی دھندلی تصویریں ہیں اور ان کے برخلاف اشیائے مادی مثل موجودات بخوبی نظر آتی اور محسوس ہوتی ہیں اور اس لئے انسان ان دوسری چیزوں کا بہت جلد تصور کر سکتا اور اس کی زبان سے بآسانی اس تصور کا اظہار ہو سکتا ہے حالانکہ صنعت زبان کے ذریعے سے ہی ادائے مطلب کیوں نہ کیا جائے اس میں شک نہیں کہ یہ تدبیر جو اختیار کی گئی ہے اس کے ذریعے سے نہ صرف الفاظ کا اختصار مدنظر ہے بلکہ لفظ کا جو مفہوم ہے یعنی مسمی بہ اس کے سمجھنے میں

بھی آسانی ہوتی ہے۔

لیکن یہ مجاز و کنایہ جس کے ذریعے سے موضوع حق بجائے حق استعمال کیا جاتا ہے ہر ایک موقع پر بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً میں ان روپیوں کا جو میرے ہاتھ میں ہیں مالک ہو سکتا ہوں لیکن ان روپیوں کا جو مجھکو وصول طلب ہیں نہیں کیونکر مالک ہو سکتا ہوں کیونکہ میں ان روپیوں کے وصول پانے کے حق کا مالک ہوں پہلی شکل میں ان مادی سکوں کا مالک ہوں جو میرے ہاتھ میں ہیں اور دوسری شکل میں میں صرف قرضہ غیر مادی یا حق وصول قرضہ بذریعہ نالش کا مالک ہوں۔ اسی طرح سے میں اپنی زمین کا مالک ہوں لیکن میں صرف اس حق کا مالک ہوں جو مجھکو میرے پڑوسی کی زمین پر سے راستہ چلنے کے لئے ملا ہے۔ اگر ہم ان مثالوں سے قطع نظر کرکے صرف نفس معاملے کے محاورہ زبان ہی پر غور کریں تو ہمکو معلوم ہوگا کہ موضوع ملکیت کبھی شئے مادی اور کبھی حق محض ہوا کرتا ہے لیکن ایک ہی لفظ کا دو مختلف مفہوم کے لئے استعمال کیا جانا از روے منطق ایک مہمل بات معلوم ہوتی ہے۔ اصولاً لفظ ملکیت کا اطلاق کسی ایک چیز کے لیئے ہونا چاہیئے۔ اس سے مراد یا تو شئے مادی یا حق ہونا چاہیئے بہر حال ان دونوں چیزوں کے لئے بھی ایک مفرد لفظ نہیں استعمال ہو سکتا۔ پھر بھی اس لفظ کو کنایتاً استعمال کرنے میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تھوڑی سہولت ہے لیکن اگر اس کو حق کے عوض کوئی دوسری شئے تصور کرکے اس کے متعلق عملی تدبّر کرنا چاہو تو سوائے پریشانی اور غلط فہمی کے کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

جب صورت حال یہ ہے تو اس مقام پر چند سوالات مبصر کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں کس خاص شکل میں ہمکو اس صنعت یا کنایہ کا استعمال کرنا چاہئے وہ کیا اصول ہے جس کی بنا پر ہم کبھی حق کو اس کے موضوع کے عوض استعمال کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے کبھی تو ہم حق کو اس کا موضوع سمجھتے ہیں اور کبھی نہیں سمجھتے ملکیت مادی اور غیر مادی میں فرق کرنے کا کیا اصول ہے ان سوالات کا جواب اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ زبان میں جو یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے وہ ایک حد تک خود مختار اور مشتبہ ہے۔ الفاظ میں استعارہ و کنایہ کے استعمال کا منطق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ بات عوام کے طرز عمل اور رائے پر منحصر ہے۔ اس پر بھی ہم ایک عام اصول بیان کرتے ہیں شئے مادی

کی ملکیت سے مراد بلحاظ شے زیر بحث حق برجائداد خود کی ملکیت علیحدہ ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے قطعۂ زمین یا اس کے مال پر مواخذہ یا بار ڈالنے کا حق حاصل ہو تو اس کو اس زمین یا اس مال کا مالک نہیں کہتے ہیں حالانکہ پہلے شخص کے حق کی وجہ سے دوسرے شخص کا حق محدود اور زیر بار ہوتا ہے اگرچہ حق برجائداد غیر کا موضوع شے مادی ہوتا ہے لیکن اس طرح کے حق کی ملکیت ہمیشہ شے غیر مادی ہوتی ہے چنانچہ اگر مجھکو کسی مال یا جائداد منقولہ کے پانے کا یا اس کی کفالت یا اس کے استعمال عارضی کا حق حاصل ہو جائے تو ان وجوہ کی بنا پر میں اس مال یا جائداد منقولہ کا مالک نہیں کہلا سکتا۔

اس کے برعکس اگر حق اس قسم کا حق ہے جو کسی دوسرے حق کے لئے بار یا مواخذہ نہ ہو بلکہ وہ بذات خود اور حق برجائداد خود ہو تو ایسی صورت میں حق اس کے موضوع کے برابر جو ایک شے مادی ہوتا ہے سمجھا جاتا ہے یعنی اُس شے مادی پر جو اس حق کا موضوع ہے اس حق کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن انگریزی زبان میں ملکیت کے متعلق جو اس طرح کا استعمال ہوا ہے اس کا اصلی سبب دریافت کرنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ شخص کو جو کسی شے مادی پر حق برجائداد خود حاصل ہوتا ہے وہ بلحاظ تمتع و تصرف یا جائز کامل درجہ کا حق سمجھا جاتا ہے۔ مالک حق کو اس شے کے استعمال و تصرف میں اور اس سے نفع اُٹھانے کی پوری آزادی حاصل رہتی ہے۔ وہ جس طرح چاہے قانوناً اس شے پر تصرف کر سکتا ہے اور جس طریقے سے چاہے اس کو منتقل کر سکتا ہے۔ اختیار تصرف و انتقال کے لحاظ سے یہ ایک نہایت وسیع اور عام حق ہے۔ برخلاف اس کے وہ دوسرے تمام حقوق جن کا جائداد غیر سے تعلق ہوتا ہے ایک قسم کے مخصوص اور محدود حقوق ہیں۔ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے حق میں کمی واقع ہونے سے اور اس کی قطع و برید سے اس دوسری قسم کے حقوق وجود پذیر ہوتے ہیں۔ بہر حال پہلی قسم کا حق ایک ایسا حق ہے جو مطلق اور جامع ہے اور جس کو لاطینی ادب قانونی میں "حق عام" کہتے ہیں۔ بہرکیف یہی ایک ایسا حق ہے جو اپنے موضوع کے برابر اور مساوی سمجھا جاتا ہے اور لوگ اس کا اس کے موضوع پر اطلاق کرتے ہیں۔ حق کو موضوع کہنے کا سبب یہ ہے کہ یہ حق بعض حالات کے نظر کرتے اپنے موضوع کا ہمتا ہے اور جو قانونی مفہوم موضوع حق کا ہے وہ اس حق کے ذریعے سے

بخوبی ادا ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر حقوق ہیں ان سب سے یہی ایک حق بہ لحاظ و بنا سبت موضوع عظیم ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے متعلق جس قدر دوسرے ادنیٰ درجے کے حقوق ہیں وہ اسی ایک اعلیٰ درجے کے حق میں شامل ہیں لہٰذا جو شخص ایسے حق کا مالک ہو اس کو اس شے کا یعنی موضوع حق کا مالک کہنا سہولت زبان پر دلالت کرتا ہے۔

اگرچہ فقرۂ بالا میں بیان کیا گیا ہے کہ ملکیت مادی سے مراد ایک ایسے کامل حق کی ملکیت ہے جس کی وجہ سے مالک حق موضوع حق پر جس قدر جائز تصرفات ہیں ان سب کو کمال آزادی سے عمل میں لاسکتا ہے لیکن اس کا دائرۂ عمل بعض وقت حقوق برجائداد غیر کے مخالفانہ اثرات کی وجہ سے جو دوسرے اشخاص کو حاصل ہوتے ہیں محدود ہوجاتا ہے چنانچہ ایک مالک شے کا حق پٹہ داروں مرتہنوں اور دیگر مؤخذہ گیروں کے حقوق متنوع کی وجہ سے کل کا کل غائب ہو کر اس کی ملکیت برائے نام باقی رہ جاتی ہے اس پر بھی اس شے کا وہی شخص اصلی مالک سمجھا جاتا ہے اور دوسرے اشخاص محض ان حقوق کے مالک متصور ہوتے ہیں جو اس شے (موضوع حق) پر ان کو حاصل ہوئے ہیں۔ مالک کے حق پر ان عام مواخذوں کے عائد ہونے کے باوجود اس کی ملکیت کے زائل نہ ہونے کا سبب بخوبی ظاہر ہے چونکہ مالک کو حق برجائداد خود حاصل ہے اس لئے اگر یہ دوسرے تمام مواخذات کا بار اس حق سے اٹھا لیا جائے تو اس کے حدود اپنی اصلی حالت پر عود کرکے وسیع ہوسکتے ہیں اور وہ حق دوبارہ حق عام ہوسکتا ہے اور مالک اپنا تصرف اس پر قائم کرکے اس سے دوامًا متمتع ہوسکتا ہے۔ المختصر شے مادی کے مالک سے مراد وہ شخص ہے جو کسی حق کے عام تمتع و تصرف کے حق کا مالک ہو یا ان تصرفات[1] کا مالک ہو جو دوسرے تمام مخصوص اور محدود حقوق

---

[1] اصول قانون مولفہ پالک طبع دوم صفحہ ۱۷۵ "ملکیت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ان تمام اختیارات تمتع و انتقال کے مجموعہ کا نام ہے جو از روے قانون کسی شخص کو حاصل ہوسکتے ہیں ...... مالک شے بننے کے لئے شخص کو ہمیشہ تمتع اور انتقال کا کامل اختیار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے املاک کی بعض ایسی شکلیں بھی پیش آتی ہیں جن میں بسا اوقات مالک جائداد کو اس طرح کے کامل اختیارات حاصل نہیں رہتے۔ لہٰذا جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کو تلاش کرکے اُس شخص کا پتہ لگانا چاہیئے

تصرف وتمتع کے وضع ہونے کے بعد جو غیروں[1] کو بطور بار و مواخذہ حاصل ہوں باقی
رہے ہوں۔ اچھا تو اس حق کا کیا نام ولقب ہے جس کو ہم لوگ اس کے موضوع
مادی کے عوض کہتے ہیں اس حق کا کیا نام ہونا چاہیئے جس کے حاصل ہونے سے زمین
کا کوئی ٹکڑا یا کوئی مال اس حق کے مالک کی ملک کہلاتا ہے مگر ان سوالات کا جواب
ہمکو تاسف سے ادا کرنا پڑتا ہے کاش اس قسم کے حق کے لئے کوئی نام مقرر رہتا تو
تو تسمیہ الفاظ قانونی میں نہایت صفائی اور آسانی پیدا ہو جاتی۔ لہذا اگر ہم لاطینی
زبان کی کسی قدر ثقیل اور نامانوس اصطلاح حق بر شئے خود استعمال کرنے پر آمادہ نہوں
تو ہمکو لامحالہ اس حق کے لئے وہی لفظ ملکیت تجویز کرنا پڑے گا۔ لیکن اس میں قباحت
یہ ہے کہ اس مقام پر ملکیت کا مفہوم اس معنائے ملکیت سے بالکل مغائر ہے جس کا
فقرات بالا میں اب تک ذکر ہوتا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فقرے میں ملکیت سے
ہماری مراد ایک مخصوص قسم کا حق ہے حالانکہ ملکیت کے معنی ایک مخصوص قسم
کی نسبت ہے جو صاحب حق اور اس کے حق کے درمیان پائی جاتی ہے عام ازانکہ حق کسی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ جس کے یہاں دوسرے اشخاص کے حقوق مواخذہ وبار کی منہائی کے بعد ان
اختیارات تمتع وانتقال کا بھی حصہ رہگیا ہے۔ ملک یا جائداد پر چاہے کسی غیر کا بالراست اختیار کیوں نہو
لیکن مالک وہی شخص سمجھا جائے گا جس کو تمتع اور انتقال کا باقی حق ملا ہو۔

[1] اگرچہ اشیائے مادی کے متعلق موضوع حق بجائے حق مجازاً استعمال کیا جاتا ہے اور اگرچہ موضوعات
حقوق کے اقسام میں سب سے زیادہ یہی اہم مثال ہے لیکن اس مجاز و استعارہ کا استعمال اشیاء مادی
کے لئے مخصوص نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ بنظر سہولت تقریر اس طرح کا مجاز و کنایہ اختیار کیا گیا ہے
پھر بھی ان موضوعات حقوق کے لئے جو غیر مادی ہیں مجازاً لفظ حق استعمال کیا جاتا ہے اور اس دوسری
شکل میں بھی گفتگو اور خیال یعنی تصور کی آسانی کی غرض سے یہی صنعت تلویح رائج ہو گئی ہے اور خصوصاً
ایسے موقع پر اس صنعت سے کام لیا جاتا ہے جبکہ حق بر شئے خود موضوع کا مخصوص لقب ہو چنانچہ نشان تجارت
یا تجارت و دوکان داری کی شہرت ومقبولیت عامہ پر لفظ ملکیت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور بلحاظ محاورہ زبان ان چیزوں
کو ملک کہنا فصیح خیال کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر چند لوگ نشان تجارت وغیرہ کو ملک وملکیت کہتے ہیں لیکن ان کا
منشا اس سے ان چیزوں کے متعلق حق بر شئے خود ہے۔

قسم کا کیوں نہ ہو اور اس باب کی پہلی فصل اور دوسری فصل کے تمام فقرات میں بجز اس فقرے کے ملکیت کے بھی دوسرے معنی لئے گئے ہیں لہٰذا اس طرح کی دو مختلف ملکیتوں کی ایک قسم نہیں ہو سکتی اور نہ حق ملکیت کو ملکیت حق سمجھنا جائز ہے برایں ہم حق ملکیت پر جو ملکیت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور لوگ اس محاورے کے عادی ہو گئے ہیں اس کو بھی اس مجاز اور تلویح کا لازمی نتیجہ سمجھنا چاہئے جس کی نسبت فقرات بالا میں مکمل بحث ہو چکی ہے۔ ہر چند ملکیت زمین وغیرہ کہنے کا زبان میں رواج پڑ گیا ہے لیکن اس محاورے سے قطع نظر کرتے اگر ان الفاظ کے لفظی معنوں پر غور کیا جائے تو یہ بات بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کہ اس طرح کے مرکب الفاظ میں ملکیت اس حق کا نام ہے یا ملکیت سے وہ حق مراد ہے جو اس کے مالک کو زمین زیر بحث وغیرہ میں حاصل ہے۔[1]

فصل ۸۵ اشیائے مجسم وغیر مجسم (مادی وغیر مادی)

جو فرق کہ مجسم اور غیر مجسم ملکیت میں ہے بالکل اسی قسم کا فرق اشیائے مجسم وغیر مجسم میں کیا جاتا ہے۔ اصطلاح شئے کا استعمال تین مختلف معنوں میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ بلحاظ مفہوم اولیٰ جو نہایت صاف وسلیس ہے شئے سے مراد وہ مادی شئے

---

[1] مادی وغیر مادی ملکیت میں جو فرق کہ اس فصل میں بتلایا گیا ہے اس کے متعلق بعض اساتذہ نے بھی اپنی تصنیفات میں یہی بیان کیا ہے جن کے حوالے ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔ ونڈ سیڈ جلد ا فصل ۴۲ زبان کا عام محاورہ ہو گیا ہے کہ لوگ حق ملکیت (Eigenthumsricht) کے بجائے اس شئے کو کہتے ہیں جو اس حق کی موضوع ہے۔ یا ڈری لیا کسن ٹی نیری کتاب ۲ (ڈیلن تھیں) فصل ۹ اگرچہ حق ملکیت کے عوض ملکیت کہنا جائز نہیں ہے لیکن ان معنوں میں جو لفظ ملکیت استعمال کیا جاتا ہے لوگ اس طرح سے کہنے کے لئے مجبور ہیں اور ان کی مجبوری کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ حق ملکیت دوسرے تمام حقوق سے جن کے موضوعات اشیاء ہو سکتے ہیں زیادہ مکمل ہے اسکے علاوہ وہ ایک ایسا حق ہے جو مطلق و بذات خود قائم ہے اس میں دوسرے حقوق شامل نہیں ہیں اسلئے لوگ اس کو اس شئے کے مساوی خیال کرتے ہیں جو اس کی موضوع ہے برنس (کتاب ۱) درس رجسٹ ولیس کے پبیسی ٹیز صفحہ ۷۸۔ جی رارڈ قانون روما صفحہ ۲۴۴ طبع دوم۔

ہے جو کسی حق کا موضوع ہو سکتی ہے[1]۔ اس مفہوم کی بنا پر بعض حقوق کے موضوعات اشیا ہیں اور بعض کے نہیں ہیں چنانچہ مالک مکان ایک شئے کا مالک ہے اور اگرچہ موجد و مخترع اپنی ایجاد و اختراع کا مالک ہے لیکن ایجاد و اختراع شئے نہیں ہے اور اس تئے وہ شئے کا مالک نہیں ہے۔

۲۔ شئے کا دوسرا مفہوم اپنے پہلے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے اور اس سے مراد ہر ایک قسم کا موضوع حق ہے خواہ وہ مادی ہو کہ نہ ہو۔ ان معنوں کے لحاظ سے ہر ایک حق کا موضوع عام ازیں کہ وہ مادی ہے کہ غیر مادی ایک شئے سمجھی جاتی ہے مثلاً انسان کی جان اس کی نیک نامی صحت اور اس کی آزادی یہ سب امور قانون میں اشیا ر خیال کئے جاتے ہیں ان میں اس کی زمین اور مال میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے[2]۔ ظاہر ہے کہ ان معنوں کے لحاظ سے اشیا کی دو قسمیں مادی اور غیر مادی قرار پاتی ہیں اور جو امتیاز کہ اس طرح سے اشیار میں کیا جاتا ہے اس کو اس فرق کے ساتھ خلط نہ کر دینا چاہیئے جو اشیا مجسم اور غیر مجسم میں پایا جاتا ہے اور جس کو ہم ابھی بیان کرنے والے ہیں۔

۳۔ شئے کا تیسرا مفہوم انسان کی جائداد و ملک ہے اور ملک کا اطلاق ان حقوق پر کیا جاتا ہے جو کسی شخص کی ملک برابر سمجھے جاتے ہوں اور ان کی مالیت اور قیمت قرار پا سکتی ہو لہذا اس تیسرے معنوں کے لحاظ سے شئے سے مراد شخص کی ایسی جائداد یا ملک ہے جس کی قیمت اور مالیت ہو سکتی ہے فصل سابقہ میں ہم نے دیکھا ہے کہ صنعت زبان کے لحاظ سے ملکیت کا اطلاق مجازاً کبھی شئے مادی پر اور کبھی حق پر کیا جاتا ہے بنائً علیہ موضوعات ملکیت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ شئے مجسم ملکیت مجسم کا موضوع اور شئے غیر مجسم ملکیت غیر مجسم کا موضوع ہے یعنی شئے مادی ملکیت مادی کا موضوع اور شئے غیر مادی ملکیت غیر مادی کا موضوع ہوتی ہے۔ بہر حال غیر مادی شئے ہر ایک حق ملکیت کا موضوع ہو سکتی ہے بجز اس صورت کے جبکہ حق ملکیت کسی مادی شئے پر واقع ہو اور جیسا کہ سابق میں توضیح کر دی گئی ہے لوگ حق کو مجازاً اس کا موضوع

---

[1] آسٹن صفحہ ۵۰۲۔ جرمن سول کوڈ فصل ۹۰۔

[2] دیکھو اس کتاب کی فصل ۷۳۔

کہتے ہوں ۔ مثلاً ایک کھیت میری ملک ہے اور ایک دوسرے شخص کے کھیت پر سے چلنے کا مجکو حق حاصل ہے تو پہلی صورت میں میرا کھیت ایک شئے مجسم اور دوسری شکل میں میرا حق راہ شئے غیر مجسم سمجھے جائیں گے ۔ میری جیب میں ایک پونڈ (سکہ طلائی) ہے جس کا میں مالک ہوں اور میرے ایک مدیون سے مجکو ایک پونڈ وصول پانے کا حق ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس مثال میں پہلا پونڈ شئے مجسم و مادی ہے اور دوسرا پونڈ ایک غیر مجسم یا غیر مادی شئے ہے ۔ چنانچہ اس بنا پر اس دوسرے پونڈ کو باصطلاح قانون انگلستان شئے قابل رجوع نالش کہتے ہیں اور اس کے برخلاف جو پونڈ میری جیب میں ہے شئے بقبض کہلاتا ہے [۱]۔

اگر لفظ شئے کے لفظی معنوں پر غور کریں تو اس فرق کا جو اشیائے مادّی اور غیر مادّی میں قائم کیا گیا ہے مہمل اور خلاف منطق ہونا بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے ۔ حقوق اور موضوعات حقوق کو ایک جنس کی دو نوعیں قرار دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اگر اصطلاح شئے کے معنی حق لئے جائیں تو مالک زمین کا حق اسی طرح غیر مجسم ہے جس طرح پٹہ دار یا اسامی کا حق غیر مجسم ہے اور اگر اس کے برخلاف ان دونوں اشکال میں اصطلاح شئے سے مراد موضوع حق ہے تو پٹہ دار یا آسامی کا حق اسی طرح مجسم و مادی ہے جس طرح مالک زمین کا حق مادی ہے ۔ اشیاء میں جو مجسم اور غیر مجسم ہونے کا فرق کیا جاتا ہے اس کی بنا وہی صنعت زبان ہے جس کے ذریعے سے مجسم اور غیر مجسم

---

[۱] انگریزی ادب قانون میں اصطلاح شئے کا جو استعمال کیا جاتا ہے اور مادی اور غیر مادی اشیاء میں جو فرق قائم کیا گیا ہے اس کا ماخذ قانون روما ہے چنانچہ جسٹی نین کے انسٹی ٹیوٹس کتاب دوم فصل ۲ فقرہ (۱) میں لکھا ہے کہ بعض چیزوں کی دو نوعوں میں تقسیم کی جاتی ہے مجسم اور غیر مجسم یعنی مادی اور غیر مادی ۔ مادی اشیاء محسوس بالمس ہیں ایسی چیزیں جن کو انسان چھونے سے محسوس کرتا ہو اشیاء مادی کہلاتی ہیں ۔ اس کی مثالیں زمین غلام لباس چاندی سونا اور اسی طرح کی اکثر چیزیں ہیں ۔ غیر مادی اشیاء ان چیزوں کو کہتے ہیں جو محسوس بالمس نہیں ہیں ۔ اس قسم کے اشیاء کا اکثر حقوق سے تعلق ہے مثلاً وراثت تمتع اور تصرف پیدا وار یا جائداد کے منافع لینے کے حقوق اور وہ تمام فرائض جو بذریعہ معاہدہ وجود پذیر ہوتے ہیں اس دوسری قسم کے اشیاء کے زمرے میں داخل ہیں "۔

ملکیت میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ بہرحال جبتک اس صنعت تلویح کو ملحوظ خاطر نہ کریں جس کی وجہ سے لوگ موضوع حق کا مجازاً حق کے عوض استعمال کرتے ہیں اشیاء اور ملکیت میں مادی اور غیر مادی ہونے کا جو امتیاز ہے وہ بخوبی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

فصل ۸۹ ملکیت منفردہ اور ملکیت مشترکہ

اگرچہ عموماً ایک حق کا ایک ہی مالک ہوتا ہے لیکن ایک ہی حق یا ملک کے ایک سے زیادہ مالک بھی ہوسکتے ہیں اور وقت واحد میں دو یا دو سے زیادہ اشخاص کو ایک ہی حق حاصل ہوسکتا ہے۔ ہرچند حقوق مشترکہ کے متعدد اقسام ہیں لیکن اس میں سب سے زیادہ صاف وصریح مثال ملک مشترکہ ہے۔ مثلاً ایک دکان کے متعدد شرکاء ہوتے ہیں لیکن اس سرمائے کے جو اس دکان کے مال میں لگایا جاتا ہے اور اس عمارت کے جو اس دکان کے لئے کرایہ پر لی جاتی ہے اور ان قرضہ جات کے جو اس دکان کو اس کے خریداروں سے وصول طلب ہیں وہ سب کے سب ملکان مشترک ہیں۔ مالکان مشترک کے حق کو منقسم کہنا یا ان میں کے ہر ایک مالک کے حق کو اس مجموعی اور مشترک حق کا ایک جز سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ حق مشترک گویا ایک عدد واحد ہے جس کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور مالکان مشترک کو وہ وقت واحد میں حاصل ہوا ہے۔ مثلاً اگر کسی دکان کے شرکاء دو ہوں اور اس دکان کا کھاتہ کسی بینک سے قرار پاکر اس کے نام (حساب میں) پر ایک ہزار پونڈ جمع کئے جائیں تو بینک ان دونوں شرکاء کا مدیون سمجھا جائے گا اور اس کے ذمے بجائے دو دین فی پانچ پانچ سو پونڈ صرف ایک ہزار پونڈ کا ایک دین دونوں شرکاء کو واجب الادا متصور ہوگا یعنی ان میں کا ہر ایک شریک اپنا منقسمہ پانسو پونڈ کا حصہ پانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ

۱؎ انگریزی ادب قانون میں جائداد کی جو دو قسمیں مادی اور غیر مادی قرار دی گئی ہیں اس متعلق بھی یہی توضیح پیش کی جاتی ہے جو نوٹ حاشیہ صفحہ ۱۱ پر درج کی گئی ہے چنانچہ اسی بنا پر شخص کی جائداد حقوق مادی اور غیر مادی پر مبنی ہوتی ہے۔ اصطلاح جائداد کے مختلف استعمالات اور مفاہیم کے متعلق اس کتاب کا بیسواں باب دیکھا جائے۔

ہر ایک شریک کو کامل ایک ہزار پونڈ کا قرضہ وصول کرنے کا استحقاق ہے۔ جس طرح ان میں کا ہر ایک شریک اس فاضل رقم کی ادائی کے لئے ذمہ دار ہے جو اغراض دُکان کے لئے رقم مجتمعہ کے علاوہ لی جاتی ہے اسی طرح وہ دین وصول طلب یہ دُکان کے کامل حاصل کرنے کا مستحق ہے۔ جزو کی ملک منفرد اور کل کی ملک مشترک میں فرق ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں شرکا اپنے حق کے آپس میں حصے کرلیں تو ان میں کا ہر ایک شریک اپنے حصۂ حق کا منفرد مالک ہوگا اور ان کی ملک مشترک زائل ہو کر ملک منفرد میں بدل جائے گی۔ اس طریقہ کا نام تقسیم ہے اور تقسیم کے ہی ذریعے سے اس قسم کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ ملک مشترک کے معنی ہی یہ ہیں کہ حق جو اس ملکیت کا موضوع ہے اس کی تقسیم اور حصے بخرے نہیں ہوئے ہیں۔

جس طرح دوہری ملکیت کی تمام دوسری صورتوں کا وجود پذیر ہونا قانون پر موقوف ہے اسی طرح ملکیت مشترکہ بھی ان شرائط و قیود کے ساتھ قائم ہوتی ہے جو منجانب قانون اس پر رکھے جاتے ہیں اگر قانون کی جانب سے اس طرح کا انتظام نہ کیا جائے تو مالکان مشترک کے حقوق متضاد ہوں گے سب سے بجائے اشتراک ان میں افتراق واقع ہوگا اور ملک مشترک ہونے کے بجائے ٹکڑے ہو کر منفرد ہو جائے گی چنانچہ اس غرض سے قانون نے مالکان مشترک پر چند ایسے فرائض عائد کئے ہیں جن کی وجہ سے جائداد مشترک سے متمتع اور اس پر متصرف ہونے میں ان کو ایک دوسرے کا لحاظ کرنا پڑتا ہے بالفاظ دیگر ہر ایک مالک مشترک کے حقوق تمتع و تصرف محدود ہیں اور ایک حقدار دوسرے حقدار کے تمتع و تصرف میں دست اندازی نہیں کر سکتا۔

چونکہ مختلف قسم کے قیود و شرائط منجانب قانون ملکیت مشترکہ پر عائد کئے جاتے ہیں اس لئے اس کی مختلف صورتیں ہیں مگر قانون انگلستان میں صرف دو شکلیں رائج ہیں جن کے القاب ملکیت منفقہ (ownership in Common) اور ملکیت بالاشتراک (Joint ownership) ہیں ملکیت مشترک کی جو اس طرح دو قسمیں کی گئی ہیں اس کا سبب اثر وفات مالک مشترک ہے۔ اگر ملکیت منفقہ ہے تو اس کے کسی ایک مالک شریک کے فوت ہونے پر اس کا حق اُس کے ورثہ کو پہنچتا ہے اور اس کے

برخلاف بصورت ملکیت بالاشتراک اگر دو مالکان مشترک سے ایک مرجائے تو اس کا حق اس کے وارث کو پہنچنے کے بجائے شریک پس ماندہ پر عود کرتا ہے اور اس حق پس ماندگی کی بناء پر شریک ثانی اس ملک کا منفرد مالک بن جاتا ہے۔

فصل ۹ ملکیت امانتی اور ملکیت منفعتی

دُہری ملکیت کی ایک نہایت اہم اور نازک مثال امانت ہے۔ امانت اس جائداد یا ملک کو کہتے ہیں جس کے دو شخص مالک ہوتے ہیں لیکن اس نسبت کی رو سے جو ان کے مابین قائم ہوتی ہے ان میں سے ایک شخص پر یہ فرض عائد کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت یعنی اختیار تمتع و تصرف کو محض دوسرے شخص کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے عمل میں لائے بظاہر پہلے مالک کو اسی جائداد پر تمام حقوق ملکیت حاصل رہتے ہیں مگر اصل میں اس جائداد سے دوسرا مالک متمتع و مستفید ہوتا ہے اور اس ملک کا تمام نفع اس دوسرے مالک کو پہنچانا پہلے مالک کا فرض ہے۔ چنانچہ اس بناء پر پہلا شخص امین اور دوسرا شخص مامون لہٗ یا مالک منفعتی کہلاتا ہے۔ پہلے شخص کی ملکیت کو ملک امانتی اور دوسرے شخص کی ملکیت کو ملک منفعتی کہتے ہیں[1]۔

امین کو اگرچہ جائداد امانتی پر اختیار تصرف حاصل رہتا ہے لیکن اس سے وہ کسی قسم کا نفع نہیں اُٹھا سکتا اس لئے امین کی ملکیت ایک قسم کی اصطلاح ہے اور اصل میں کچھ بھی نہیں جائداد امانتی کا حقیقی مالک تو مامون لہٗ ہے اور تمام کا مالک امین ہوتا ہے۔

---

[1] مالک جو اپنی ملک سے بلا توسط امین متمتع اور اس پر تصرف کرتا ہے وہ مالک بلا واسطہ کہلاتا ہے اور اس طرح کے مالک اور امین و مامون لہٗ یا مالک منفعتی میں فرق عظیم ہے مثلاً اگر الف اپنی زمین کا ب کے فائدے کے لئے امانت رہبہ کرنے کا اعلان کردے تو تاوقتیکہ الف اس زمین کو ب کو منتقل نہ کرے وہ اس کا امین اور ب مامون لہٗ متصور ہوگا۔ الف کی ملکیت امانتی متصور ہوگی اور ب کو اس سلسلے میں الف کے مقابل ملکیت منفعتی حاصل ہوگی لیکن ب کو زمین منتقل ہوتے ہی اس کی ملک منفعتی حیثیت زائل ہوکر وہ مالک بلا واسطہ قرار پائے گا اور الف کے امین ہونے کی شان باقی نہیں رہے گی۔

حالت ظاہری کے بجائے اگر حقیقت پر غور کریں تو اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ امین محض ایک گماشتہ یا کارندہ ہے جس کو از روئے قانون شخص غیر کی جائداد کا انتظام تفویض کیا جاتا ہے لیکن بلحاظ قانونی کی رو سے امین نہ صرف گماشتہ ہے بلکہ مالک بھی ہے اس کی ذات مالک اور مختار دونوں کی شان لئے ہوئے ہے۔ امین وہ شخص ہے جو از روئے قانون ملک ایک غیر شخص کی جائداد کا مالک فرض کیا جاتا ہے اور حقوق و اختیارات کہ جائداد امانتی پر اس طرح کے برائے نام مالک کو حاصل رہتے ہیں ان کو ایک دوسرے حقیقی مالک کے فائدے کے لئے استعمال کرنا اس کا فرض منصبی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امین اور مامون لہ کے مقابلے میں قانون کو حقیقت سے کام لینا پڑتا ہے اور اس لئے امانت کا مالک دوسرا نہ کہ پہلا شخص از روئے قانون تسلیم کیا جاتا ہے لیکن امین اور اشخاص ثالث کے مقابلے میں اس فرض کو جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے ترجیح دی جاتی ہے۔ امین گویا اپنے مامون لہ کی ردائے حقوق کو اوڑھے ہوئے رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ بحیثیت مختار مامون لہ تمام دنیا سے جائداد امانتی کی نسبت معاملت کر سکتا ہے۔

جو اشخاص کسی سبب سے قانون میں اپنے حقوق و منافع کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں سمجھے جاتے ان کے حقوق و منافع کی صیانت و حمایت کی غرض سے امانت کا طریقہ رائج ہوا ہے گویا کہ قانون اس طرح کے نا قابل لوگوں کے حقوق و منافع کو ایک شخص غیر کی حراست و نگرانی میں رکھ آتا ہے تاکہ وہ ان کی حفاظت و انتظام کرے اور ان کا نفع ان نا قابل اشخاص کو پہنچانا بھی اس کا فرض قانونی ہے۔ بہر حال ان اشخاص سے جن کے حقوق کی اس طرح حفاظت کرنے کی ضرورت ہے چار مخصوص گروہ ہیں۔ گروہ اول میں وہ لوگ داخل ہیں جن کی ابھی ولادت نہیں ہوئی ہے لیکن ان کی جائداد اور ملک کا وجود ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی جائداد کی حفاظت اور انتظام کا کسی ایک یا ایک سے زیادہ امنا کے سپرد کیا جانا لازم و مفید ہے اور اگر یہ تدبیر اختیار نہ کی جائے تو اس طرح کے نا زائیدہ مالکوں کی جائداد کو ہلاکت سے بچانا نہ صرف دشوار بلکہ نا ممکن ہے۔ اس لئے امین کے قبضہ و تصرف سے ایسی غیر مولود مالکوں کو نفع پہنچتا ہے۔ گروہ دوم میں وہ اشخاص داخل ہیں جو کسی سبب سے

جیسا کہ نابالغی جنون یا غیر حاضری اور غیر موجودگی سے اپنی جائداد کا انتظام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ثالثاً کثرت مالکان مشترک کی صورت میں بھی جائداد کو بصیغۂ امانت تفویض کرنے کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے اور اگر مالکوں کی تعداد میں بعض وجوہ سے کمی واقع ہونے لگے تو ملک مشترک کی پیچیدگیاں اور دشواریاں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ کسی کے سلجھائے سے ان کا سلجھنا ممکن نہیں لہٰذا ان دشواریوں کو روکنے کی غرض سے ایسی شکل میں ملک مشترک کا امانت میں دیا جانا ضرور ہے اور اسی لئے یہ دوہری ملکیت اصطلاحاً امانت کہلاتی ہے۔ رابعاً جب ایک جائداد پر مختلف اشخاص کو مختلف حقوق حاصل رہتے ہیں جیسا کہ ایک شخص مالک اور دوسرا اسی جائداد کا مواخذہ دار ہو یا ایک ہی جائداد پر متعدد لوگوں کو مواخذہ یعنی حق استغراق حاصل ہو تو اس صورت میں جائداد کا امنا کے حوالے کیا جانا مناسب ہے تاکہ ان اختیارات اور فرائض کی بدولت جو امنا کو بصیغۂ امانت حاصل ہوتے ہیں اس طرح کے مختلف دعویداروں کے متضاد حقوق و اغراض متضاد کی بخوبی حفاظت ہو سکے۔

امانت کے مشابہ اور دو تعلقات قانونی ہیں اور جو امتیاز کہ اس میں اور ان میں ہے اس کا اس مقام پر ذکر کر دینا مناسب ہے۔

اولاً یہ کہ امانت بادی النظر میں ایک قسم کا معاہدہ معلوم ہوتی ہے۔ معاہدے کے ذریعے سے جو فرض کہ ایک شخص پر عائد کیا جاتا ہے کہ وہ دوسرے شخص کی جائداد پر قابض و متصرف ہو کر اس کا نفع اس کو پہنچائے وہی فرض بصیغۂ امانت امین پر عائد ہو سکتا ہے لیکن حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ امانت میں معاہدے سے زیادہ ذمہ داری ہے اور امین کا فرض ہے کہ وہ جائداد امانتی کا نفع ماموں لہٗ کو پہنچائے اس قسم کے فرض سے جو معاہدے کے ذریعے سے معاہدے پر عائد کیا جاتا ہے زیادہ سنگین ہے یہ ایسا فرض ہے جس کی وجہ سے گویا ایک مالک مشترک جائداد کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھکر اس کے منافع سے دوسرے مالک مشترک کو مستفید کرتا ہے۔ ماموں کو نہ صرف امین سے فرائض امانت کی نفاذ و تعمیل کرانے کا حق حاصل ہے بلکہ اس کے حق کی اہمیت اس حق خلاف شخص سے زیادہ ہے ماموں کو اس قسم کا حق نہ صرف امین کے مقابلے میں حاصل ہوتا ہے بلکہ جائداد امانتی کا وہ بھی ایک مالک ہے جس شے کا امین مالک ہے

وہی شے ماموں لہٗ کی بھی ملک ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر جائداد امانتی بمقابلہ امین ماموں لہٗ کی ملک نہ متصور ہو تو ماموں لہٗ کو محض ایک حق خلاف امین حاصل ہوگا یعنی ماموں لہٗ صرف امین کو اپنے فرائض متعلق امانت کی انجام دہی کی بابت مجبور کرسکے گا جو خلاف مقصد و تعریف امانت ہے اور اس لئے یہ شکل امانت کی نہیں بلکہ معاہدے کی ہوگی۔ چنانچہ اس دلیل کی بنا پر اگر شوہر اپنی جائداد کو بلا بدل اور زوجہ کے فائدے کے لئے امانت میں دینے کا اقرار کرے تو تاوقتیکہ وہ اس جائداد کو بہ تکمیل معاہدہ منتقل نہ کردے وہ اس کا مالک متصور سمجھا جاتا ہے اور اس اثناء میں زوجہ کی ملک بجز اس قرض کے جو شوہر کے معاہدے کے ذریعے سے شوہر پر عائد ہوتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس شکل میں امانت نہیں قائم ہوسکتی مگر اس کے برعکس اگر شوہر اپنے کو اس جائداد کا جو وہ زوجہ کو ہبہ کرنے والا ہے امین مقرر کرکے اس کا اعلان کردے تو اس معاہدے کا نتیجہ پہلی شکل سے مختلف ہوگا۔ ہرچند اس دوسری شکل میں بھی جائداد کا زوجہ کے نام منتقل کرنا شوہر پر قرض ہے لیکن زوجہ کو اس صورت میں اس قرض کی بنا پر شوہر سے اپنے نام جائداد موعودہ منتقل کرانے کا جو حق پیدا ہوا ہے وہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ اس حق کے علاوہ اس کو جائداد کی ملکیت منفعتی بھی اس معاہدہ اور اس کے اظہار کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر امانت کا اعلان کردیا جانا ہی کافی ہے کہ (قانون میں) بلا تکمیل شرائط امانت قائم ہوکر زوجہ ماموں لہا متصور ہوسکتی ہے حالانکہ شوہر کی ملکیت زائل بھی نہیں ہونے پاتی۔ امانت کا اعلان ہوتے ہی شوہر کی ملکیت مبدل بہ ملکیت امانتی ہو جاتی ہے اور زوجہ کی حقیت (اس جائداد میں) منفعتی قرار پاتی ہے اور بلحاظ اسی ایک جائداد کے شوہر اور زوجہ کی حیثیت مالکان مشترک کی بنجاتی ہے۔

ثانیاً یہ کہ امین اور گماشتہ میں بظاہر مشابہت پائی جاتی ہے اور دونوں کی ایک سی حیثیت معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل ان دونوں میں فرق ہے۔ ہرچند گماشتہ یا مختار کا فرض اپنے مالک کی جائداد کا انتظام کرنا اور اس کا نفع مالک کو پہنچانا ہے تاہم ازروئے قیاس قانونی مالک اور گماشتہ کے تعلق میں اور اس نسبت میں جو امین اور ماموں لہٗ کے مابین ہے فرق عظیم ہے اور یہ دونوں نسبتیں

ایک دوسرے سے بالکل مغائر و مختلف ہیں۔ بصورت گماشتگی و مختاری جائداد زیر گماشتگی مختار کی نہیں بلکہ اصل مالک کی ملک سمجھی جاتی ہے اور اس کے برخلاف بہ شکل امانت جائداد امانتی کا امین تنہا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کا شریک مامون لہ سمجھا جاتا ہے۔ امین کی دو حیثیتیں ہیں وہ جائداد زیر انتظام کا مختار و گماشتہ بھی ہے اور مالک برائے نام بھی۔

قیام امانت کے لئے کسی فعل یا واقعہ کی ضرورت ہے اور اس کی بناء پر جائداد کی ملکیت کے دو حصے ہو کر ملکیت امانتی ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص کو اور ملکیت منفعتی کسی دوسرے شخص یا زیادہ اشخاص کو ملتی ہے۔ مثلاً جائداد کا مالک بلا واسطہ اپنے کو کسی دوسرے شخص کے نفع کی غرض سے اس جائداد کا امین قرار دے سکتا ہے اور اس کے اس فعل کی بنا ر پر دوسرا شخص اس کی جائداد کا مالک منفعتی یا مامون لہ بن سکتا ہے۔ اسی طرح مالک بلا واسطہ اپنی جائداد کو کسی دوسرے پر منتقل کر کے اس کو اس جائداد کا ایک تیسرے شخص کے فائدے کے لئے امین مقرر کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شکل میں جائداد امانتی کا قبضہ و تصرف امین کو ملتا ہے اور مامون لہ ایک شخص ثالث ہے۔ جس طرح امانت کسی واقعہ یا فعل کے ذریعے سے قائم ہوتی ہے اسی طرح فعل اور واقعہ کی بناء پر اس کا خاتمہ بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ملکیت کی وہ دو قسمیں جو بصورت امانت وجود پذیر ہوئی تھیں جائداد ایک ہی شخص کو منتقل ہونے سے متحد ہو کر بجائے دو کے منفرد ملکیت بن جاتی ہیں۔

مثلاً اگر امین جائداد بنام مامون لہ منتقل کردے تو بھی مامون لہ اس جائداد کا مالک بلا واسطہ قرار پا سکتا ہے اور اسی طرح سے اگر مامون لہ اپنی ملک منفعتی (حق انتفاع) امین کو منتقل کردے تو امین اس جائداد کا پھر امین نہیں رہتا بلکہ مالک بلا واسطہ بنجاتا ہے۔

جس غرض سے کہ امانتی ملکیت اور منفعتی ملکیت کا قیام ہوتا ہے وہ بالکل ایک دوسرے سے جداگانہ ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک ملکیت کے منتقل ہونے سے دوسری ملکیت پر اس کا اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی وہی حالت رہتی ہے جو قبل انتقال تھی۔ بالفاظ دیگر یہ دونوں ملکیتیں بہ لحاظ مقصد قیام و نتیجہ انتقال ایک دوسرے کی محتاج نہیں ہیں۔ مثلاً اگر امین اپنی ملک امانتی کسی دوسرے شخص کو منتقل کردے تو منتقل الیہ بجائے پہلے شخص کے امین بن جاتا ہے اور جو شخص کہ قبل انتقال جائداد امانتی مامون لہ تھا اب بھی وہی شخص اس جائداد کا مامون لہ رہے گا اور اگر مامون لہ اپنی ملک منفعتی منتقل کردے

تو اس کا کسی قسم کا اثر ملکیت امانتی پر نہیں عائد ہوسکتا۔ اسی طرح سے ان دونوں قسم کی املاک ایک دوسرے کو متاثر کرنے کے بغیر فرداً فرداً زیر بار مستغرق ہوسکتی ہیں چنانچہ امین ان اختیارات کے حدود میں رہکر جو از روئے دستاویز امانت اس کو حاصل ہیں بلا شرکت و رضامندی مامون لہٗ جائداد امانتی پٹہ پر دلیسکتا ہے یا اس کو رہن کرسکتا ہے اور ایسا ہی مامون لہٗ اپنی ملک منفعتی کو بغیر رضامندی و اجازت امین مستغرق کرسکتا ہے۔

بانی امانت یا مالک منفعتی کے ملک منفعتی کو مستغرق یا زیر بار کرنے کی صورت میں امین نہ صرف مالک منفعتی کے فائدے کے لئے جائداد امانتی کا قابض و متصرف ہوتا ہے بلکہ ان اشخاص کے نفع اور تمتع کے واسطے بھی وہ امین سمجھا جاتا ہے جن کو ملک منفعتی پر مواخذات (حقوق استغراق) حاصل ہوتے ہیں یعنی امین اور ان تمام اشخاص کے درمیان جن کو جائداد امانتی میں حقوق انتفاعی حاصل ہیں تعلق یا نسبت امانتی قائم ہوتی ہے جس طرح قبضہ اور تصرف جائداد امانتی سے مامون لہٗ کو نفع پہنچانا امین کا فرض ہے اسی طرح ان تمام اشخاص کو فائدہ پہنچانا جن کو ملک منفعتی پر حقوق استغراق حاصل ہیں امین کا فرض منصبی ہے مثلاً اگر جائداد بصیغۂ امانت (الف) کو بدیں شرط منتقل کی جائے کہ اس امانت کا نفع (ب) کو اس کی حیات اور (ب) کے بعد وہی نفع (ج) کو ملا کرے اس شکل میں (ج) کی مابقی حقیقت اور (الف) نہ صرف (ج) کے مقابلے میں جو اس جائداد کا مالک منفعتی ہے امین ہے بلکہ وہ (ب) کا بھی جسکو ملک منفعتی میں حق استغراق حاصل ہے یا جو اس ملک کا مواخذہ دار ہے امین سمجھا جاتا ہے (ب) اور (ج) دونوں اس امانت کے مامون لہما ہیں اور (الف) جو اس جائداد کا امین ہے گویا وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ فرض امانتی کی زنجیر سے جکڑ دیا گیا ہے[۱]۔

فصل ۹۱ — قانونی اور نصفتی ملکیت

جو فرق کہ ملک امانتی منفعتی میں ہے تقریباً اسی قسم کا اختلاف قانونی اور نصفتی ملکیت میں پایا جاتا ہے لیکن ان دوسری دو چیزوں میں جو فرق ہے وہ بعینہ وہ

---

[۱] امانتوں کی نوعیت اور اصلیت کے متعلق دیکھو لا کوارٹرلی ریویو (سہ ماہی تبصرۂ قانون) کی جلد ۲۸ صفحہ ۲۹۰ (اصول قانون میں امانت کا مقام کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے مولفہ ڈبلیو۔ جی۔ ہارٹ)۔

فرق نہیں ہے جو پہلی دو چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وقت واحد میں ایک ہی شے کے دو شخص مالک ہو سکتے ہیں جن میں کا ایک ازروے قانون اور دوسرا ازروے نصفت اس کے مالک سمجھے جاتے ہیں یعنی ایک شخص مالک قانونی اور دوسرا مالک نصفتی کہلاتا ہے قانونی ملکیت اُس ملکیت کو کہتے ہیں جو انگلستان کے قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کے قواعد پر مبنی ہو اور نصفتی ملکیت سے مراد وہ ملکیت ہے جس کی بناء قواعد نصفت پر رکھی گئی ہو۔ ابتداءً قانون غیر موضوعہ اور نصفت بالکل دو جداگانہ قانونی نظامات تھے۔ جن عدالتوں میں قانون غیر موضوعہ نافذ تھا وہ عدالتیں ملکیت نصفتی کو تسلیم نہیں کرتی تھیں اور مالک نصفتی کے مالک مانے جانے سے انکار کیا جاتا تھا۔ اس کے برخلاف عدالتوں کے احکام کو بے اثر کرنے کی غرض سے عدالت چانسری نے ایک دوسری تدبیر اختیار کی۔ یہ عدالت مالک قانونی کو اس طرح تسلیم کرتی تھی جس طرح اس میں مالک نصفتی تسلیم کیا جاتا تھا لیکن پہلا شخص دوسرے شخص کا امین سمجھا جاتا تھا۔ عدالت چانسری کی رائے میں دعوی نصفتی کو دعوی قانونی پر ترجیح حاصل تھی لیکن اس نے حقوق و دعاوی نصفتی کا جن کو قانون غیر موضوعہ کی عدالتوں میں شکست ہوتی تھی ایک دوسرے طریقے سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ چانسری نے ملک اور مالک قانونی کی نسبت تو انکار نہیں کیا بلکہ ان دونوں کے وجود کو مانکر مالک قانونی کو اس ملک کا امین تصور کیا اور جائداد کا نفع مالک نصفتی کو دلایا۔ چانسری نے جائداد کو مالک قانونی کے قبضے میں رہنے دیا لیکن اس کو اس جائداد کے تمتع اور نفع سے محروم کر کے اس سے دعویدار نصفتی کو مستفید کیا۔

قانون محکمہ جات عدالت بابت ۱۸۷۳ء نافذ ہونے اور اس کے ذریعے سے قانون اور نصفت میں الحاق واقع ہونے کے باوجود جو فرق کہ اس طرح کی دو ملکیتوں میں تھا وہ منسوخ نہیں ہوا بلکہ اس قانون کے ذریعے سے چانسری کے مسائل اصولی کا لحاظ کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی قانون غیر موضوعہ کی عدالتوں کو ہدایت کی گئی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے اور دوسرے اس سبب سے کہ ملک نصفتی نے کہیں ملک قانونی کو چانسری میں زائل اور مستاصل نہیں کیا تھا ابھی تک یہ دونوں قسم کی ملکیت باقی رہ گئی ہے۔

قانونی اور نصفتی ملکیت میں جو اختلاف ہے وہ بعینہ ویسا فرق نہیں ہے جو قانونی اور نصفتی حقوق میں پایا جاتا ہے اور جس کا بیان سابق کے کسی باب میں آچکا ہے۔ اگر حقوق کا قانونی اور نصفتی فرق مٹ بھی جائے یعنی حقوق میں از روئے قانون نصفت کسی قسم کا فرق نہ کیا جائے تو بھی یہ اختلاف جو ملکیت کے متعلق اس طرح کیا جاتا ہے وہ زائل نہیں ہو سکتا بلکہ باقی رہے گا۔ حق قانونی کی ملکیت نصفتی اور حق نصفتی کی ملکیت (قانونی) میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قانون اور نصفت میں نہ صرف حقوق کے متعلق اختلاف ہے بلکہ ان حقوق کی ملکیت کی نسبت بھی جن کو وہ دونوں تسلیم کرتے ہیں ان میں سخت مغائرت ہے۔ مثلاً اگر (الف) بذریعہ تقریر (ب) کو اپنا وصول طلب قرض منتقل کردے تو (الف) اس دین کا بعد انتقال لسانی اسی طرح مالک قانونی ہے جس طرح کہ وہ قبل انتقال تھا لیکن انتقال لسانی کا واقع ہونا ہے کہ (ب) اس دین کا مالک نصفتی بن جاتا ہے۔ لیکن ایک قرض کے دو مالک یا دائن قرار پانے سے دین دو نہیں ہوتے بلکہ مثل سابق قرض ایک ہی ہے حالانکہ قرض کے زبانی منتقل ہونے سے اس کے مالک دو شخص بن گئے ہیں۔ اسی طرح اگر (الف) اپنے ان حصص میں سے جو اس نے ایک کمپنی میں لئے ہیں اور جن کا وہ مالک ہے ایک حصے کی (ب) کے فائدے کے لئے امانت قائم کرنے کا اظہار کرے تو اس طرح اظہار و اعلان کئے جانیکی دیر ہے کہ (ب) اس حصے کا مالک نصفتی بن جاتا ہے حالانکہ حصہ وہی ہے جو اعلان امانت کے قبل تھا۔ بہر حال ان دونوں مثالوں میں جو شئے کہ ملک نصفتی قرار پاتی ہے وہ ایک حق قانونی ہے جس کا (الف) مالک قانونی ہے اور جو (الف) کی ملک قانونی ہے۔ علی ہذا القیاس رہن نصفتی کی ملکیت اور شئے ہے اور رہن قانونی کی ملکیت نصفتی شئے دیگر ہے۔

قانونی اور نصفتی ملک میں جو فرق ہے وہ محض اس اختلاف کے مساوی نہیں ہے جو امانتی اور منفعتی میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ پہلی قسم کا فرق دوسری قسم کے فرق سے کچھ زیادہ ہے اس میں شک نہیں کہ امانت کی شکل صرف اس وقت قائم ہوتی ہے جب کہ اس جائداد امانتی پر ایک شخص کو حق قانونی اور دوسرے شخص کو حق نصفتی حاصل ہوتا ہے یا ایک شخص کے پاس اصل امانت کی جائداد قانونی اور دوسرے شخص کے پاس اصل امانت کی جائداد نصفتی رہتی ہے

اور یہ بھی صحیح ہے کہ اگر کسی جائداد کا ایک شخص مالک نصفتی ہو تو اسی جائداد کا مالک قانونی ہر ایک صورت میں پہلے مالک کے لئے امین متصور ہوتا ہے لیکن اس کے برخلاف مالک نصفتی بذات خود ایک دوسرے شخص کے واسطے امین ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے مفاد نصفتی کو جو اسے کسی سرمایہ امانتی میں حاصل ہو بصیغۂ امانت کسی دوسرے شخص کو عطا کر سکتا ہے اور اسی طرح سے وہ اپنے اس حق نصفتی کو بصیغۂ امانت ایک غیر شخص کو ہبہ کر سکتا ہے جو اسے اس کی زمین مرہونہ میں حاصل ہے۔ اس شکل میں جو شئے کہ امین اور ماموں لہ کو حاصل ہوتی ہے وہ محض ملک نصفتی ہے اور کچھ نہیں۔

اگر مالک نصفتی امین بن سکتا ہے تو کیا مالک قانونی بھی ماموں لہ قرار پا سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قانون ملک کی حالت موجودہ کے نظر کرتے مالک قانونی ماموں لہ نہیں ہو سکتا۔ اس مجبوری کو قانون انگلستان کی تاریخ ترقی میں ایک قسم کا سوئے اتفاق سمجھنا چاہیئے جس کا سبب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں قانون غیر موضوعہ کی عدالتیں امانتوں کو تسلیم کرنے سے اور ان کے وجود کو ماننے سے بالکل گریز کرتی رہی ہیں۔ اگر یہی عدالتیں قدیم ایام میں ایسا نہ کرتیں تو زمانۂ موجودہ میں مالک قانونی کا ماموں لہٗ قرار دیا جانا از روئے قانون جائز اور ممکن تھا۔ از روئے قیاس قانونی امین اور ماموں لہٗ دونوں نہایت آسانی سے اسی طرح مالکان قانونی ہو سکتے ہیں جس طرح وہ مالکان نصفتی قرار پا سکتے ہیں۔ اگر قانون غیر موضوعہ کی عدالتیں امانتوں کے متعلق خود کوئی اصول اپنی عقل و فکر کے ذریعے سے قائم کرتی ہوتیں تو اس طرح کی مشترک اور دوہری ملکیت کا وجود پذیر ہونا بالکل اور فی الواقع ممکن تھا۔

علی نقطۂ نظر سے قانونی اور نصفتی ملکیت کے فرق کی وہی اہمیت ہے جو حقوق قانونی اور نصفتی کے امتیاز کو حاصل ہے اور جس کے متعلق سابق میں صراحت کر دی گئی ہے[1]۔

فصل ۹۲ ملکیت محصلہ و ملکیت مشروط (یا ملکیت موقوف واقعہ غیر معین)

پانچویں تقسیم کے لحاظ سے ملکیت کی دو قسمیں محصلہ اور مشروط ہیں۔ ملکیت محصلہ

---

[1] اس کے متعلق اس کتاب کی فصل ۸۵ دیکھی جائے۔

اس ملک کو کہتے ہیں جس کے مالک کی حقیقت پہلے سے کامل ہوگئی ہو اور ملکیت مشروط یا ملکیت منحصر بر واقعہ غیر معین وہ ملک ہے جس کے مالک کی حقیقت باوصف اس کے مالک ہونے کے غیر مکمل اور ناتمام سمجھی جائے لیکن کسی شرط کے پورے ہونے پر اس حقیقت کی تکمیل ہوسکتی ہو۔ پہلی صورت میں حق ملکیت اپنے مالک کا ملک مطلق ہے اور دوسری صورت میں حق اپنے مالک کا ملک مشروط ہے۔ پہلی شکل میں مناط حق یعنی وہ واقعہ جو حق کا ماخوذ عنہ ہے ہر ایک طرح سے مکمل ہوتا ہے لیکن دوسری شکل میں کسی ایک ضروری جزو کی کمی کی وجہ سے حق کا ماخوذ عنہ نامکمل رہتا ہے مگر اس جزو کی جس کی کمی تھی زمانۂ آئندہ میں تکمیل ہونے سے اس میں کامل ہونے کی قابلیت رہتی ہے۔ لہذا جب تک کہ شرط ضروری کی تکمیل نہ ہوجائے اس طرح کی ملک ملکیت مشروط ہے اور بعد تکمیل شرط وہی ملک ملکیت محصلہ بن جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی موصی اپنی زوجہ کے لیئے اس کے حین حیات ایک جائداد چھوڑ جائے اور زوجہ کے بعد (الف) کو وہی جائداد ملنے کے متعلق ہدایت کرے بشرطیکہ بوقت وفات زوجہ (الف) زندہ رہے اور اگر اس وقت (الف) زندہ نہ رہے تو وہی جائداد ب کو دی جائے ظاہر ہے کہ اس شکل میں الف اور ب دونوں جائداد زیر وصیت کے مالک ہیں لیکن ان کی ملکیت مشروط محض ہے کیونکہ الف کی ملکیت کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اگر وہ بیوہ موصی کے بعد زندہ رہے تو اس کو جائداد زیر بحث عطا ہونی چاہیئے اور ب کی ملکیت مشروط بر وفات الف ہے بشرطیکہ الف کی موت بیوہ کی زندگی میں واقع ہو۔

اگر کسی حق کی ملکیت مشروط ہو تو اس حق کا بذات خود مشروط ہونا لازم نہیں ہے۔ چنانچہ حصص (سرمایہ) اور دوسرے اشیاء قابل ارجاع نالش کا غیر مشروط وجود ہوسکتا ہے یعنی ایسی چیزیں بغیر کسی شرط کے وجود پذیر ہوسکتی اور قائم رہ سکتی ہیں حالانکہ ان کی ملکیت اگر (الف) اور (ب) کو باری باری سے حاصل ہو تو مشروط ہوسکتی ہے۔ اسی طرح روپیہ جو بنک میں رکھا یا جاتا ہے اس کا پانے والا کوئی ایک شخص ہوسکتا ہے لیکن اس روپے کی ملکیت (ج) یا (د) کو دیئے جانے کی شرط کے ساتھ مشروط کی جاسکتی ہے۔ اس کے برعکس بعض وقت

حق بلحاظ اپنے وجود کے اسی طرح مشروط ہوسکتا ہے جس طرح اس حق کی ملکیت مشروط قرار پاسکتی ہے۔ یہ صورت اکثر ان موقعوں پر پیش آتی ہے جہاں کہ حق کا ایک ہی مالک مقرر کیا جاتا ہے اور حق اس کا ملک مشروط قرار پاتا ہے اس لئے حق شرط نافذہ کی تکمیل کے بغیر شخص نامزد شدہ کی ملک محصلہ نہیں ہوسکتا اور جب تک شرط کی تکمیل نہ ہو وجود حق اسی طرح مشروط رہتا ہے جیسا کہ اس کی ملکیت مشروط قرار دی گئی ہے یہ امر قابل غور ہے کہ حق کی ملکیت مشروط اس حق کے مالک بننے کے امکان اور احتمال سے کہیں زیادہ ہے حصول حق کی توقع اور امکان اور ملکیت مشروط میں بہت بڑا فرق ہے مثلاً محض اس امکان کی بنا پر کہ فلاں قطعہ زمین کو میں خرید سکتا ہوں یا اس کا مالک بذریعہ وصیت اس زمین کو میرے لئے چھوڑ جائے تو وہ میری ملک مشروط ہوسکتی ہے اور نہ میں اس کا ملک مشترک قرار پاسکتا ہوں ملکیت مشروط کی بنا اس حق یا شے کے زمانۂ آئندہ میں حاصل ہونے کا امکان یا توقع نہیں ہے جو اس ملکیت کی موضوع ہے بلکہ اس کا وجود حق موجودہ کے غیر مکمل ہونے پر منحصر ہے۔

جن شرائط پر ملکیت مشروط کا انحصار ہے ان کو باصطلاح قانون شرائط مقدم کہتے ہیں۔ ان شرائط میں اور ایک دوسری قسم کی شرائط میں جن کا لقب شرائط موخر ہے فرق ہے۔ شرط مقدم سے مراد وہ شرط ہے جس کی تکمیل ہوجانے سے ایک غیر مکمل حق اور حقیت مکمل ہوجاتی ہے۔ شرط موخر ایسی شرط ہے جس کی تکمیل پانے سے حق جو پہلے سے مکمل ہو ختم اور زائل ہوجاتا ہے۔ پہلی صورت میں مثلاً جو شے کہ مجکو مشروط طور پر ملی ہے وہ میری ملک مطلق ہوجاتی ہے (یعنی میرے مالک کامل بننے کے لئے پھر کسی شرط کے پورا کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی) دوسری صورت میں وہ شے جس کو میں بعد تکمیل شرط حاصل کرتا ہوں یعنی جو چیز کہ میری ملک مطلق ہے وہ بالکل میری ملک سے خارج ہوجاتی ہے شرط مقدم ایک ایسے واقعہ پر مشتمل ہوتی ہے جو ناکمل اور مستخرج حق ہے اور شرط موخر کے ذریعے سے ایک ایسا واقعہ مشروط کیا جاتا ہے جو غیر مکمل اور مزیل حق ہے[1]۔ مثلاً اگر ایک شخص کی جائداد پر دوسرے شخص کو اختیار بیع یا اختیار تقرر (امین وغیرہ)

---

[1] واقعات موجد و مزیل حق کے متعلق دیکھو اس کتاب کا سولھواں باب فصل ۱۲۰۔

حاصل رہے تو اگرچہ پہلا شخص اس جائداد کا مالک ہے لیکن وہ ایک شرط موخر کے تابع سمجھا جاتا ہے اور ہر چند اس کی حقیقت (حق) مکمل ہے لیکن اس کے ساتھ ایک ایسا غیر مکمل اور مزیل حق واقعہ مشروط کیا گیا ہے جس کے کسی نہ کسی روز مکمل ہوجانے سے پہلے شخص کی ملکیت منقطع ہوسکتی ہے۔

اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ جس ملک پر شرط موخر عائد کی جاتی ہے وہ مشروط نہیں بلکہ ملک محصلہ ہے۔ ملک محصلہ کے آغاز سے نہیں بلکہ اس کے اجرا سے یہ شرط ملحق کی جاتی ہے ملک محصلہ کے قائم اور وجود پذیر ہونے پر شرط مقدم کا اثر نہیں پڑتا بلکہ اس ملک کا جاری رہنا اس شرط کے زیر اثر منقطع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملک مشروط سے مراد وہ ملک ہے جو ابھی تک ملک محصلہ نہ بنی ہو لیکن جس کے آئندہ ملک محصلہ بننے کا احتمال ہو۔ اس کے برخلاف ملکیت جو کسی شرط موخر کے تابع ہوتی ہے وہ شرط کے عائد کیے جانے کے پہلے سے ملک محصلہ سمجھی جاتی ہے لیکن آئندہ چل کر اس شرط کی تکمیل پانے کے سبب سے وہ زائل یا ختم ہوسکتی ہے۔ بالفاظ دیگر جس ملکیت سے شرط موخر لاحق کی جاتی ہے وہ ملکیت مشروط نہیں بلکہ ملکیت قابل اختتام ہے۔ یہ ایک قسم کی ملک محصلہ ہے لیکن کسی ایک مزیل حق واقعہ کی تکمیل سے جس کا ایک حصہ پہلے سے موجود رہتا ہے قبل از وقت اس ملک کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔

یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک حق کے دو شخص مالکان مشروط ہوسکتے ہیں کیونکہ ان میں کا ہر ایک شخص باری باری سے اس حق کا مالک قرار پاتا ہے اور اس لئے ان میں سے ایک شخص کی ملکیت کا محصلہ اور دوسرے کی ملکیت کا منقطع ہونا لازم ہے۔ اسی طرح سے ایک شخص کی ملکیت محصلہ کے ساتھ دوسرے شخص کی ملکیت مشروط کا وجود پذیر ہونا ممکن ہے کیونکہ جس واقعہ کی بنا پر ایک شخص کو حق ملکیت ملتا ہے اسی واقعہ کے ذریعے سے دوسرے شخص کا حق زائل ہوتا ہے۔ مثلاً اگر موصی اپنی زوجہ کے حق میں وصیت کرے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی جائداد بدیں شرط زوجہ کو دی جائے کہ بصورت عقد ثانی جائداد وصیتی بیوہ سے لے لی جاکر موصی کی اولاد کو عطا ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس مثال میں زوجہ کی ملک محصلہ اور اولاد کی ملک مشروط ہے اور یہ دونوں قسم کی املاک ایک ہی وقت میں اور ایک ہی واقعہ کے

ذریعے سے وجود پذیر ہوتی ہیں لیکن عقد ثانی کے خلاف جو شرط لگائی گئی ہے وہ شرط موخر ہے اور اس کا تعلق بیوہ کی ملکیت محصلہ سے ہے اور وہی شرط اولاد کی ملکیت مشروط کے لحاظ سے اس ملک ثانی کے لئے شرط مقدم ہے[۵]

[۵] ملکیت محصلہ و مشروط کے متعلق دیکھو نظام قانون مرتبہ ونڈشیڈ فصل ۸۶ تا ۹۵ - پینڈکٹن (مجموعۂ قوانین) مرتبہ ڈرن برگ جلد ا - فصل ۸۲ و فصول ۱۰۵ تا ۱۱۲ آسٹن کا اصول قانون لکچر ۵۳ -

خلاصہ

ملکیت - نسبت جو کسی شخص اور اُسکے حق محصلہ کے درمیان قائم ہوتی ہے

ملکیت، قبضہ، استغراق } یہ تین ایسی منفعتی نسبتیں ہیں جو اشخاص اور ان کے حقوق کے درمیان پائی جاتی ہیں -

اقسام ملکیت -

۱ - مجسم اور غیر مجسم (مادی اور غیر مادی)

ملکیت اشیا ر و ملکیت حقوق -

ملکیت حقوق و حق ملکیت

شے مجسم اور شے غیر مجسم

اصطلاح شے کے مختلف مفاہیم و استعمالات

(الف) شے مادی -

(ب) موضوع حق -

مادی اور غیر مادی اشیا

(ج) موضوع ملکیت

مجسم اور غیر مجسم اشیار

۲ - ملک منفردہ و ملک مشترکہ

ملک بالاشتراک اور ملک مشترکہ۔

۳۔ ملک امانتی اور ملک منفعتی۔

اصلیت امانت۔

مقاصد امانت۔

۴۔ ملک قانونی و ملک نصفتی۔

۵۔ ملک محصلہ و ملک مشروطہ (موقوف بر واقعۂ غیر یقینی)

شرائط مقدم و موخر۔

ملک مشروطہ اور ملک قابل اختتام۔

تیرھواں باب[1]

قبضہ

فصل ۹۳ تمہید

نظریۂ قانونی میں تصور قبضہ سے زیادہ کسی دوسرے موضوع قانونی کا تصور دشوار اور دقیق نہیں ہے۔ رومی مقننین کے سر اس کا سہرا باندھنا چاہیئے کہ انھوں نے سب سے پہلے اس تصور کی نسبت اپنی اعلیٰ فہم اور ذکاوت سے تشریح و توضیح کی اور اس زمانے سے ابتک اس مسئلے کے متعلق ضخیم کتابیں تصنیف ہوتی رہی ہیں اور اس زمانے میں بھی ماہرین قانون مسئلہ قبضہ کے متعلق رائے زنی کرنا ایک قسم کا فرض اور اظہار فراست و ذکاوت کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ علما اور ائمۂ قانون کے نزدیک جو اس مسئلہ کی قدر ہے اس کی وجہ نہ صرف ان کی علمی دلچسپی اور شوق تحقیق ہے بلکہ جس طرح وہ دقیق و پیچیدہ ہے اسی طرح اسی مسئلے کی علمی اہمیت ہے۔ دنیا میں کون شخص ہے جس کو قبضے کے ان نتائج قانونی کی کثرت اور نزاکت سے انکار ہو سکتا ہے جو اس کے حاصل یا زائل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ قبضہ ہی ملک کا ثبوت خیال کیا جاتا ہے اور یہی مضمون اس طرح سے ادا کیا جاتا ہے۔ القبضۃ دلیل الملک۔ جس شخص کے قبضے میں جو شے ہو اس کا وہی مالک قیاس کیا جاتا ہے اور جس قدر لوگ اس شے کے متعلق ادعا کرتے ہیں ان کو اپنی حقیت ثابت کرنی پڑتی ہے اور اسی بنا پر قبضہ دیرینہ کے ذریعے سے قابض کو غیر کی چیز میں ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ انتقال قبضہ انتقال ملکیت کی دلیل ہے اور ملک کے منتقل کرنے کے جو طریقے مقرر کیے گئے ہیں ان سب میں انتقال قبضہ زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ قبضۂ اول کی بنا پر قابض شے مقبوضہ کا مالک بن جاتا ہے

[1] دیکھو حاشیہ باب ۱۲۔

مثلاً اگر ایک شخص اس چیز پر جو کسی دوسرے کی ملک نہ ہو قبضہ کر لے تو اس کو اس شے پر حق ملکیت حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی پر کیا موقوف ہے بلکہ قبضۂ ناجائز کے ذریعے سے بھی قابض کی حقیت شے مقبوضہ میں سوائے اس کے حقیقی مالک کے تمام دنیا کے مقابلہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ قانون میں قبضے کی ایک خاص تاثیر ہے چنانچہ اکثر صورتوں میں قابض جس کو شے مقبوضہ پر کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہوتا وہ ایک دوسرے شخص کی بحوالگی قبضہ اس شے میں حقیت پیدا کرانے کا باعث ہوتا ہے مثلاً اگر میں کسی چور سے کسی بنک کا ایک نوٹ حاصل کر لوں یا کسی دوکاندار کا آڑھتیا اپنے مالک کو فریب دیکر میرے ہاتھ اس دوکان کا کچھ مال فروخت کرے تو میں ان چیزوں کا مالک قرار پا سکتا ہوں" یہ چیزیں میری ملک اور حقیت ہو جاتی ہیں۔ بہرحال جن اثرات قبضہ کا اس تمہید میں ذکر کیا گیا ہے وہ منجملہ ان متعدد نتائج کے چند نتیجے ہیں جن کو قانون ملک نے خواہ قبضہ جائز ہو کہ ناجائز اس کے لئے مخصوص کر دئے ہیں۔ ہماری رائے میں ان چند مثالوں سے جو اثرات قبضہ کے متعلق پیش کی گئی ہیں تصور قبضہ کی اہمیت اور کسی معقول و موزوں تجربے کے ذریعے سے اس کی حقیت واصلیت کو دریافت کرنے کی ضرورت بخوبی ثابت ہو سکتی ہے۔

فصل ۹۴ قبضۂ واقعی و قانونی (قبضہ از روئے واقعہ و قبضہ از روئے قانون)

یہ امر ناظرین کتاب کے پیش نظر رہے کہ قبضۂ واقعی اور قبضۂ قانونی بالکل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور ہمکو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقت اشیاء اور قانونی اصول و قواعد میں کم و بیش اختلاف کا واقع ہونا ممکن ہے۔ بعض صورتوں میں اشیا کی حالت حقیقی قانون میں نہیں تسلیم کی جاتی ہے اور قانون کی نظروں میں جو چیز کہ قبضہ متصور ہوتی ہے اسی کا حقیقت اور واقفیت کی نظروں میں قبضہ متصور ہونا لازم نہیں ہے اور اس کے برعکس جن امور اور صفات پر عرف اور حقیقت میں لفظ قبضے کا اطلاق ہوتا ہے وہی امور اور حالات خواہ اس طرح سمجھنے کی وجہ جائز ہو کہ ناجائز قانون ملک میں قبضہ نہیں خیال کئے جاتے ہیں چنانچہ حقیقت اور قانون کے اختلاف باہمی کے سبب سے قبضے کے متعلق اس قسم کی تین شکلیں قائم ہو سکتی ہیں۔ صورت اول میں

ازروئے قانون اور ازروئے حقیقت دونوں طرح سے قبضہ کا وجود پذیر ہونا ممکن ہے۔ جس شے پر یا جس حالت پر کہ ازروئے واقعہ قبضے کا اطلاق ہوتا ہے قانون ملک بھی اسی شے یا اسی حالت کو قبضہ تسلیم کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی اور شے یا حالت قانون میں قبضہ متصور نہیں ہوتی ہے بشرطیکہ اس کلیہ کے خلاف عمل کرنے کے لئے قانون کے نزدیک کوئی مخصوص وجہ نہ ہو۔ صورت ثانی میں قبضے کا ازروئے واقعہ موجود ہونا ممکن اور ازروئے قانون اس کا وجود پذیر ہونا ممکن ہے۔ جو شے کہ ازروئے حقیقت قبضہ سمجھی جاتی ہے وہی شے اور حالت قانون ملک کے نزدیک قبضہ نہیں سمجھی جاتی۔ چنانچہ آقا کے مال پر جو ملازم کا قبضہ ہوتا ہے اس کو قانون ملک تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس قسم کا قبضہ قانون میں نگرانی حراست یا حفاظت سمجھا جاتا ہے شکل ثالث۔ اس صورت میں جو شے اور حالت ازروئے قانون قبضہ تسلیم ہوتی ہے وہی شے اور حالت ازروئے حقیقت قبضہ نہیں سمجھی جاتی ایسے موقع پر قانون ملک کسی ایسے شخص کو جو حقیقت میں قبضے کے صفات سے معرا ہے کسی مخصوص وجہ سے قبضے کے کل صفات سے متصف قرار دیتا ہے اس فرضی و مجازی قبضے کے لئے مقننین انگلستان نے قبضہ معنوی کی اصطلاح تجویز کی ہے لیکن مقننین روما کی اصطلاحات قبضہ واقعی اور قبضۂ قانون کے لئے قبضۂ فطری اور قبضہ ازروئے قانون ملک ہیں[1]۔

قبضۂ قانونی اور قبضۂ واقعی میں جو اس طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے اس کا سبب کچھ تو لوگوں کا ارادہ اور رضامندی ہے اور کچھ سوئے اتفاق اور رضامندی ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے کسی ایسے مجرد نظریہ کے قائم کرنے میں دشواری لاحق ہوتی ہے جس کی کسی عین مجموعۂ قانون کے مفصل قواعد کے ساتھ مطابقت

---

[1] بعض وقت قبضۂ قانونی سے اس کے کم وسیع مفہوم سے مراد لی جاتی ہے جس کا منشا محض قبضۂ قانونی ہوتا ہے اور اس مفہوم میں قبضۂ واقعی شامل نہیں ہوتا یعنی قبضے کے ان تنگ معنوں کے لحاظ سے قبضۂ قانونی کا اطلاق قبضۂ معنوی (قبضہ مصنوعی) پر کیا جاتا ہے بہر حال قبضۂ قانونی کا یہ تنگ مفہوم ہے اور اس کے برعکس اس کے وسیع مفہوم میں ہر ایک قسم کا قانونی قبضہ داخل ہے حالانکہ حقیقت میں اس کا وجود ہو کہ نہ ہو۔

ہو سکے۔ کسی موضوع قانونی کے متعلق نظریۂ قانونی اور مفصل قواعد کے درمیان صرف اس نظام قانونی میں تطبیق ہوتی ہے جس کے نشو و نما میں کسی قسم کے حادثات تاریخی کے ذریعے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا ہوئی ہو اور جس پر ان مخصوص خیالات کا اثر نہ پڑا ہو جن کی وجہ سے اس ملک کے قانون کے اکثر حصوں پر غیر اصلاح پذیر اور خالص عام اصول کا اطلاق کیا جانا نہ رکا ہو۔

قانون اور حقیقت کے اختلاف کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ قبضے کے متعلق اگر کوئی نظریہ قائم کیا جائے تو اس کے دو حصے قرار دینے کی ضرورت پیش آتی ہے جس کا پہلا حصہ قبضے کے تصور پر اور دوسرا حصہ اس بیان پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے سے اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کس طرح اس نظریہ کا اطلاق انگلستان کے اصلی نظام قانون پر کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر ہمکو بھی نظریۂ قبضہ کے جزو اول سے بحث کرنا مقصود ہے۔

ہمکو یاد رکھنا چاہیے کہ اصل میں قبضے کے دو تصور قانونی اور فطری نہیں ہیں اگر حقیقت میں ایسا ہوتا تو قبضۂ واقعی کے متعلق بحث کا نظر انداز کرنا ممکن تھا حقیقت میں قبضے کا صرف ایک تصور ہے اور قانون ملک میں جس قدر قواعد قبضے کے متعلق پائے جاتے ہیں ان کی کم و بیش اسی ایک تصور سے تطبیق ہوتی ہے۔ دماغ انسانی میں کوئی ایک مخصوص تصور ایسا نہیں ہے جس کا اطلاق محض قبضۂ قانونی پر کیا جا سکتا ہو اور جو حالت کہ قبضۂ قانونی نہ ہو وہ اس میں شامل نہ ہو سکتی ہو۔ لہذا قبضے کی اس طرح تعریف کرنی کہ قبضے کے متعلق جس قدر عین قانون ہے وہ صحیح طور پر از روئے منطق اس تعریف سے اخذ ہو سکے ناممکن ہے۔ بہر حال ہمارا کام تلاش کر کے اس تصور کو حاصل کرنا ہے جو ملک کے ان قواعد اور قوانین میں مضمر ہے جو قبضے کے متعلق وضع ہوئے اور رائج ہیں۔ اسی مجموعۂ قواعد و قوانین کا نامکمل طور پر اس تصور پر اطلاق کیا جاتا ہے اور انہی قواعد کے ذریعے سے خفیف سا اس کا اظہار ہوتا ہے۔

قانون انگلستان کی دشواریاں اور پیچیدگیاں ایک نازک خیالی کی بنا پر اور بھی زیادہ ہو گئی ہیں۔ اس نظام قانونی میں قبضۂ قانونی کی دو جداگانہ قسمیں تسلیم کی جاتی ہیں اور ان کے

القاب سی زن (Seisin ۔قبضہ مالکانہ) اور قبضہ ہیں۔قبضہ قانونی کی یہ دونوں قسمیں مختلف قواعد کے تابع ہیں اور ان کے اثرات بھی مختلف ہیں۔مثلاً ایک قطعہ زمین پر میں قبضہ رکھ سکتا ہوں لیکن اس کا سی زن (قبضہ مالکانہ یا تصرف و تملک) مجھکو حاصل نہیں ہوسکتا یا یہ کہ مجھکو اسی زمین کا سی زن مل سکتا ہے لیکن میرا قبضہ اس زمین پر نہیں ہوسکتا یا یہ کہ وقت واحد میں میں اس زمین پر اپنا قبضہ اور سی زن دونوں رکھ سکتا ہوں لیکن لطف یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں اس زمین کے قبضۂ واقعی (یعنی قبضہ از روئے واقعہ یا حقیقت) کا مجھکو ملنا ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی۔سی زن کا مسئلہ زمین سے مخصوص ہے کہ یہ عجیب و غریب مسئلہ منجملہ ان عجائبات اور غرائبات کے ہے جو کہ عقل انسانی نے انگلستان کے قانون جائداد غیر منقولہ کی شکل میں ایجاد کیا ہے برعکس اس کے مسئلہ قبضہ زمین اور مال دونوں پر شامل ہے اور مال و زمین دونوں کا قبضہ ہوسکتا ہے لیکن قبضہ قانونی کی اس طرح جو دو قسمیں قرار دی گئی ہیں اس کا تعلق تاریخ قانون سے نہ کہ نظریۂ قانون سے ہے۔

مالک زمین کا سی زن حاصل کرنا اور اس کو قائم رکھنا کچھ دنوں پہلے تک قانون انگلستان میں نہایت اہم سمجھا جاتا تھا سی زن کے بغیر اس کے حق ملکیت کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی اور وہ اس زمین کا برائے نام مالک سمجھا جاتا تھا۔جو شے جس شخص کے قبضے میں ہوتی وہی شخص اس کا مالک متصور ہوتا تھا اور قابض ہی کو مالک سمجھنے کے متعدد اور مختلف وجوہ تھے ملکیت کے لئے قبضے کی بھی ایک شکل سی زن لازم و ضروری تھی۔اگر مالک زمین بیدخل ہوجاتا تو وہ ان نہایت موثر چارہ ہائے قانونی سے محروم رہتا تھا جن کے ذریعے سے مالک اپنی جائداد پر دخل پا سکتا ہے اس کے علاوہ مالک بیدخل نہ تو اپنی جائداد (زمین کو) منتقل کرسکتا تھا نہ بذریعہ وصیت کسی کو ہبہ کرسکتا تھا اور نہ اس کے ورثا کی اس میں توریث قائم ہوسکتی تھی انگلستان کے موجودہ قانون کا رجحان سی زن کے تمام مسئلہ کو نظریۂ قبضہ سے خارج کرکے قبضے کی صرف ایک نوعیت قبضۂ قانونی قرار دینے کا ہے چونکہ سی زن قدیم زمانے کے خیال کی ایک یادگار ہے اور اس کا عملی اثر حال کے بعض قوانین نافذہ کے ذریعے سے بہت کچھ زائل ہوگیا ہے لہذا نظریۂ قانونی سے اس کا خارج کردیا جانا نہ صرف قانون کے طالب علموں کی سہولت کا باعث ہوگا بلکہ عدالتوں اور وکلاء کی دماغ پاشی اور کاوش میں کمی ہوجائے گی[1]

---

[1] تصور سی زن اور اس کی موجودگی اور عدم موجودگی کی نسبت پروفیسر میٹ لینڈ نے نہایت

فصل ۹۵ قبضہ مجسّم اور غیر مجسّم

ہم نے اس کے قبل ایک باب میں ملکیت کی دو قسمیں مجسم اور غیر مجسم بیان کی ہیں اور جو فرق کہ ملکیت کی ان دو قسموں میں ہے ویسا ہی فرق قبضہ کی صورت میں پایا جاتا ہے قبضۂ مجسم سے مراد کسی شے مادی کا قبضہ ہے اور اس کی مثالیں مکان کھیت سکہ وغیرہ ہوسکتی ہیں۔ قبضۂ غیر مجسم اس شے کے قبضے کو کہتے ہیں جو غیر مادی ہو مثلاً راستہ جو غیر کی زمین پر سے گزرتا ہے، راہ جس کے ذریعے سے روشنی کسی شخص کے مکان کے دریچوں میں آتی ہے، مکان میں روشندان رکھنے کا حق، خطاب جس کے ذریعے سے کسی کا رتبہ اعلیٰ ظاہر ہوتا ہو عہدہ اور منصب وغیرہ اس زمرے میں داخل ہیں۔ یہ عام اشیاء مملوکہ اور مقبوضہ دونوں ہوسکتی ہیں۔ ان کے قابض کے لئے ان کا مالک ہونا ضرور نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں ایک ہی شے کے دو مختلف اشخاص قابض اور مالک ہوتے ہیں۔ قابض شے کا اس شے کا مالک ہونا یا نہ ہونا اور مالک شے کا اپنی شے پر قابض ہونا اور نہ ہونا دونوں صورتیں ممکنات سے ہیں۔ چونکہ حق ملکیت کے بغیر کوئی شخص کسی شے وغیرہ کا مالک نہیں بن سکتا اس لئے اگر کوئی شخص کسی غیر کی شے پر مسلط ہوجائے یعنی اس پر قبضہ اور تصرف کرے تو اس کا قبضہ از روئے واقعہ نہ کہ از روئے استحقاق کہلاتا ہے اور اس لئے وہ اس شے کا حقدار اور مالک نہیں بلکہ قابض ہے اور ایسی ہی اشکال میں قبضہ بلا ملک وجود پذیر ہوتا ہے۔

قانون روما میں قبضۂ مجسم کے لئے (Possessio Corpris) اور قبضۂ غیر مجسم کے واسطے (Possessio juris) اصطلاحات ہیں جس طرح ملکیت غیر مجسم سے مراد ملکیت حق ہے اسی طرح قبضۂ غیر مجسم کا مفہوم کسی حق کا قبضہ ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ دلچسپ مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا ہے جو قابل دید ہے لہذا اس کے متعلق دیکھو لاکوارٹرلی ری ویو (سہ ماہی تبصرہ قانون) جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ جلد ۴ صفحہ ۲۴ اور صفحہ ۲۸۶۔ اس کے علاوہ دیکھو پوزیشن آف لینڈ (قبضۂ زمین مولفہ لائیٹ ووڈ صفحات ۱ از ۴ تا ۸)۔

جرمنوں نے بھی باتباع اہل روما ان دو قسم کے قبضوں کے لئے (Bechtsbesitz) اور (Sachenbesitz) الفاظ تجویز کئے ہیں پہلی اصطلاح سے شئے مادی کا قبضہ اور دوسری اصطلاح سے حق کا قبضہ مراد ہے۔ اسم تسمیہ کی خوبی اور فائدے کے متعلق نیز اس امتیاز کے حقیقت کی نسبت جو اس کے ذریعے سے قبضے میں کیا جاتا ہے ہم آئندہ بتفصیل سے بحث کریں گے۔

ہر چند قبضۂ غیر مجسم کے مسئلے کے متعلق نہایت طویل بحثیں ہو چکی ہیں لیکن یہ مسئلہ ابھی تک لاینحل اور تصفیہ طلب ہے کہ اس قسم کے قبضے کو فی الحقیقت قبضہ مانا چاہیئے یا نہیں۔ بعض مصنفین کی رائے میں صحیح اور حقیقی قبضہ وہی ہے جو قبضۂ مجسم کہلاتا ہے اور لوگ جو دوسری قسم کے قبضے کو قبضہ کہتے ہیں وہ اصل میں قبضہ نہیں بلکہ بشنا بہت قبضۂ مجسم قبضہ کہلاتا ہے۔ غیر مجسم قبضے پر مجازاً لفظ قبضے کا اطلاق کیا جاتا ہے مصنفین کا استدلال ہے کہ چونکہ قبضے کے متعلق کوئی ایسا تصور جنسی موجود نہیں ہے جس کے دو انواع قرار دیے جا سکیں لہذا قبضے کی جو دو انواع مجسم اور غیر مجسم تجویز کی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور نہ ان کی ضرورت ہے چنانچہ مقننین روما نے بھی قبضے کی دو قسمیں قرار دینے کے باوجود ان کو ایک جنس کے دو انواع بتلانے میں پس و پیش کیا ہے اور انہیں کے بیان سے ان کی مقرر کردہ تقسیم رد ہو جاتی ہے۔ مثلاً بعض وقت یہ لوگ لفظ قبضے کا اطلاق ان دونوں قسم کے قبضے پر کرتے ہیں اور بعض وقت ازراہ احتیاط قبضۂ غیر مجسم کو ماثل قبضۂ حقیقی بتلاتے ہیں جس سے ان کی مراد قبضۂ واقعی یا صحیح قبضہ نہیں بلکہ ایسا قبضہ جو قبضۂ حقیقی کے مانند و مشابہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قبضۂ غیر مجسم ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے پر ایں ہم جس رائے کو ہم نے تسلیم کیا ہے اور جو اس کتاب میں اختیار کی گئی ہے اس رائے کے مطابق قبضہ جنس ہے اور اس کی دو انواع قبضۂ مجسم اور قبضۂ غیر مجسم ہیں اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس طرح ملکیت کا صحیح تصور ملکیت مجسم سے وسیع تر ہے اسی طرح قبضے کا صحیح تصور قبضۂ مجسم سے زیادہ وسیع ہے مثلاً جنسیت کے لحاظ سے حق مرور کا قبضہ اور اس زمین کا قبضہ جس پر سے وہ راستہ گزرتا ہے ایک ہیں ان دونوں میں کسی قسم کا فرق نہیں لیکن بہ لحاظ نوعیت ان میں اختلاف اور فرق ہے۔

بہر حال جب ہم نے اس رائے کو تسلیم کر لیا ہے تو قبضے کے بیان اور اس کی

تشریح کرنے میں ہم کو بپابندی قواعد منطق اس ترتیب کو اختیار کرنا لازم ہے جس کی رو سے سب سے پہلے قبضے کے جنسی تصور کا کامل طور پر تجزیہ کرنا ضرور ہے اور بعد ازاں اس فرق کو دکھلانا چاہیے جس کی وجہ سے قبضہ مجسم اور قبضہ قانونی میں امتیاز کیا جاتا ہے لیکن ہم بعض وجوہ سے قبضے کے متعلق ایک دوسرا طرز بیان اختیار کرنا چاہتے ہیں جس میں ہم سب سے پہلے قبضہ مجسم کی تشریح اور اس کے بعد قبضہ قانونی کا تجزیہ کریں گے اور سب سے آخر میں جنس قبضہ کے تصور کی تصریح کی جائے گی جس میں اس کے ان دونوں انواع کی تفصیل داخل رہے گی۔ ہم نے جو یہ نیا طریقہ اختیار کیا ہے اس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً قبضے کا مسئلہ ایسا دشوار اور دقیق ہے کہ اس میں پہلے تصور جنس کے بجائے اس کی انواع کے تصور سے بحث کرنے میں وہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جاتا ہے اور اگر اس کے برعکس عمل کیا جائے تو مسئلہ مذکور میں اور بھی الجھن پڑ جاتی ہے ثانیاً چونکہ قبضہ مجسم کا تصور قبضہ غیر مجسم کے تصور سے کہیں زیادہ اہم ہے اس لیے اس دوسرے تصور کو پہلے تصور کا تتمہ اور ضمیمہ قرار دینا اور اس کو پہلے تصور سے کم رتبہ سمجھنا جائز ہے۔

فصل ۹۶ قبضہ مجسم

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ قبضہ مجسم ایک ایسی نسبت ہے جو شخص اور کسی مادی شے کے درمیان علی التواتر پائی جاتی ہے اور یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہے کہ اس نسبت کا تعلق حق سے نہیں بلکہ واقعہ او رحقیقت سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک صورت میں یہ نسبت ماخذ حق ہوتی ہے اور کبھی حق نہیں ہو سکتی۔ مثلاً انسان کا قبضہ شے پر خلاف قانون اور مطابق قانون دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔ شخص قانون کی خلاف ورزی کرکے نیز بتائید قانون کسی چیز پر قابض ہو سکتا ہے اور قابض کا قبضہ از روے قانون جائز اور ناجائز قرار پاسکتا ہے۔ اس کے قبل ہم نے جو شکل بیان کی ہے کہ قبضہ قانونی اور واقعی دونوں طرح کا ہو سکتا ہے اس کے متضاد بھی ہمارا یہ بیان نہیں ہے چنانچہ قانون میں وزد یعنی چور کے قبضے کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے حالانکہ اس کا قبضہ ناجائز اور خلاف قانون ہے اور از روے قانون ملک اس طرح کا قبضہ معدوم سمجھا جاتا ہے

اس پر بھی اس ناجائز اور مذموم قبضے کے از روئے قانون تقریباً وہی اثرات اور نتائج ہیں جو جائز قبضے کے ہو سکتے ہیں[۵۱]۔

اچھا تو اس مسلسل اور متواتر نسبت کی کیا اصلیت ہے جو از روئے واقعہ شخص اور شے کے درمیان قائم ہوتی اور قبضہ کہلاتی ہے؟۔ اس سوال کا جواب بظاہر یہ ہے کہ شے مادی کے قبضے سے مراد ایک شخص کا مسلسل اور متواتر ادعا کرنا کہ اس کے سوائے شخص غیر اس شے سے متمتع نہیں ہو سکتا اور اس ادعا پر عمل کرنا ہے۔ بہرحال قبضہ کی یہ تعریف دو جداگانہ اجزا اور عناصر پر مبنی ہے اس کا ایک عنصر ذہنی یا داخلی ہے اور دوسرا عنصر جسمانی یا خارجی ہے۔ شے مقبوضہ کی نسبت جو قابض کی نیت ہوتی ہے اس سے اس جواب یا تعریف کے ایک جزو کو تعلق ہے اور اس کا دوسرا جزو ان خارجی واقعات اور حالات سے متعلق ہے جن کے ذریعے سے یہ نیت عمل میں لائی جاتی اور اس کی تحصیل و تکمیل ہوتی ہے۔ رومی مقننین نے ان دو عنصروں میں امتیاز پیدا کرنے کی غرض سے ان کے لیے روح (Animus) اور جسم (Corpus) کے الفاظ تجویز کیے تھے لیکن حال کے مصنفین نے بھی بنظر سہولت انھیں اصطلاحات کو قائم رکھا ہے۔ خصوصاً عنصر داخلی کے لئے اب بھی وہی رومی الفاظ روح (یعنی نیت) قبضہ اپنے قبضے میں رکھنے کی نیت اور نیت ملکیت استعمال کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ **پال**[۵۲] جو ایک مشہور **رومی مقنن** ہو گزرا ہے لکھتا ہے کہ قبضے کی بنا دو چیزوں پر ہے جسم اور روح (یعنی نیت) محض جسم یا محض نیت سے قبضے کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی یہی کہ قبضے کے ان دو جزو ترکیبی میں سے صرف کسی ایک جزو

---

[۵۱] جو نسبت کہ از روئے واقعہ قابض اور شے مقبوضہ کے درمیان پائی جاتی ہے وہ قبضہ کہلاتی ہے۔ اگر حق قبضہ کسی قسم کا حق ہو سکتا ہے تو وہ ایک ایسا حق ہے جس کا ماخذ قبضہ ہے۔ قبضہ پانے کا حق اگر کوئی حق ہو سکتا ہے تو وہ ایسا حق ہے جس کے ذریعے سے آدمی قبضے کو حاصل کر سکتا یا اس کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہی حق قبضہ مالکانہ ہے۔

[۵۲] ڈائجسٹ ۴۱، ۲، ۳، ۱۔

کے ہونے سے قبضے کا وجود اور قیام نہیں ہوسکتا بلکہ ان دو عنصروں کے ملنے سے قبضے کا آغاز ہوتا ہے اور جب تک ان میں اتحاد رہتا ہے قبضہ قائم رہتا ہے اور ان میں سے کسی ایک عنصر کے زائل ہونے کی دیر ہے کہ قبضے کا استیصال ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص خواہ اس کا دعویٰ یا نیت کتنی قوی اور حق بجانب کیوں نہ ہو کسی شے پر قبضہ پانے اور رکھنے کا مستحق نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ فی الواقع اس کو اس شے پر تصرف حاصل رہا ہو۔ محض تصرف کرنے کی نیت سے کسی شخص کا شے پر قبضہ سمجھا نہیں جاتا اور اس کے برعکس جسم (تصرف شے) بنیت کے بغیر بنائے قبضہ کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس ضروری عنصر یعنی نیت تصرف کا خارجی طور پر اظہار نہ ہو محض جسمانی نسبت کے ذریعے سے جو شخص اور شے کے درمیان قائم ہوسکتی ہے آدمی اس شے کا قابض نہیں ہوسکتا مثلاً اگر ایک شخص کسی کھیت پر چہل قدمی کرتا ہوا نظر آئے تا وقتیکہ اس کی نیت دوسروں کو اس کھیت کے استعمال سے خارج کرنے کی نہ ہو اور اس نیت کا اس نے عملی طور پر اظہار نہ کیا ہو اس شخص کا اس کھیت پر قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔ فرض کرو میں تنہا ایک کمرے میں ہوں اور وہاں ایک میز پر کچھ روپے رکھے ہوئے ہیں جو میری ملک نہیں ہیں اگرچہ ان روپیوں پر مجھکو کامل جسمانی اختیار حاصل ہے اور اگر میں چاہوں تو ان کو وہاں سے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں بریں ہمہ ان روپیوں پر میرا قبضہ نہیں ہے کیونکہ میری نیت ان کو اپنے تصرف میں لانے کی اور دوسروں کو ان سے محروم کرنے کی نہیں ہے۔

فصل ۹۷ روح قبضہ (نیت قبضہ)

تصرف قبضہ کے دو جزو ترکیبی کے متعلق ہم علٰحدہ علٰحدہ بحث کرنا چاہتے ہیں اور ان سے پہلے روح قبضہ یعنی نیت قبضہ کی بابت تصریح کی جاتی ہے۔ بنائے قبضہ کے لئے جس نیت کی ضرورت ہے اس سے مراد ایک شخص کا شے مقبوضہ پر بلا شرکت غیرے تصرف کرنے کا قصد ہے۔ جب انسان کسی مادی شے کو بالکلیہ اپنے تصرف میں لانے کا اور دوسرے اشخاص کے دخل و تصرف کو اس شے سے روکنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس ارادے پر نیت قبضہ یا قبضہ رکھنے کی نیت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ قابض

کی اس ضروری حالت ذہنی کے متعلق چند قابل غور امور کو ذیل میں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ شئے کو اپنے قابو اور گرفت میں رکھنے کی نیت کے لئے اس طرح کی نیت اور دعوے کا کسی حق پر مبنی ہونا ضرور نہیں ہے۔ قابض یہ جان کر بھی کہ اس کا دعویٰ اور نیت ناجائز ہے شئے پر قبضہ رکھنے کا ارادہ کر سکتا ہے۔ سارق کا قبضہ اسی طرح حقیقی اور واقعی ہے جس طرح اصل مالک کا قبضہ واقعی اور حقیقی ہو سکتا ہے قابض شئے وہ شخص نہیں ہے جس کو اس شئے پر کوئی حق حاصل ہو یا جو باور کرے کہ اس کو اس پر کسی قسم کا حق حاصل ہے بلکہ قابض وہ شخص ہے جس کی نیت بطور مالک اس شئے پر تصرف کرنے کی ہو بالفاظ دیگر قابض شئے وہ شخص ہے جس کا ارادہ ہو کہ اگر میں اس شئے کا مالک و حقدار ہوتا تو دوسروں کو اس میں دخل نہ دینے دیتا اور خود تنہا اس سے متمتع ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ غیر کی ملک پر نیک نیتی سے جو قبضہ کیا جاتا ہے اس قسم کے قابض کے ساتھ قانون ملک بہت کچھ مراعات سے پیش آتا ہے اور جو قبضہ کہ فریب سے حاصل کیا جاتا ہے اس کے قابض کو اس طرح کے فوائد اور مراعات نصیب نہیں ہوتے بایں ہم قبضے کے مقابلے میں خصوصاً جب کہ کوئی شخص محض اپنی دلی خواہش کی بنا پر قابض ہونا چاہے قابض کی نیک نیتی قانون میں امر غیر متعلق سمجھی جاتی ہے۔

۲۔ شئے مقبوضہ سے دخل غیر کو خارج کر کے قابض کی نیت خود تنہا متصرف ہونے کی ہونی چاہئے۔ قبضے کی بنا اس قسم کی نیت پر رکھی گئی ہے اور جب تک شخص دوسروں کو محروم کر کے شئے مقبوضہ سے خود تنہا مستفید ہونے کا ارادہ نہیں کرتا وہ اس کا قابض نہیں سمجھا جاتا اور تا وقتیکہ دوسروں کو خارج اور محروم کرنے کی نیت نہ ہو مادی شئے کا قبضہ نہیں ہو سکتا حالانکہ اکثر صورتوں میں اس طرح کا قبضہ قبضۂ مجسم یا قبضۂ غیر مادی ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص کو دوسرے کی زمین پر حق مرور حاصل ہے اور وہ اس حق کا قابض ہے ایسی صورت میں پہلے شخص کو قبضۂ غیر مجسم حاصل ہے لیکن وہ اس زمین کا جس پر سے راستہ گزرتا ہے قابض نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے اشخاص کو اس راستے پر چلنے سے محروم کرنے کی نیت نہیں رکھتا ہے۔

بہر حال جس اخراج اور محرومیت کا فقرۂ بالا میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلق اور کامل ہونا ضرور نہیں ہے اگرچہ قابض شے کی نیت کا دوسروں کو شے مقبوضہ کے استعمال اور تمتع سے خارج اور محروم کرنا لازم ہے لیکن جن صورتوں میں اشخاص غیر کو بیانے شخص کی شے پر تصرف کرنے کا اور اس کو استعمال میں لانے کا از روئے قانون وغیرہ حق ہو ان صورتوں میں قابض شے کی نیت اخراج و محرومیت مطلق نہیں بلکہ محدود و مشروط ہوتی ہے۔ مثلاً اگر بعض اشخاص یا عوام کو میری زمین پر سے راستہ چلنے کا حق حاصل ہو اور وہ اس حق کے قابض ہوں تو میری زمین پر اس طرح سے باوجود دوسروں کے قابض ہونے کے میں اس زمین کا قابض متصور ہوں گا کیونکہ اس حق مرور کے تابع ہونے پر بھی میری نیت میری زمین پر اپنا قبضہ رکھنے اور دوسروں کے دخل اور استفادہ کو روکنے کی ہے۔ بجز اس جائز محدود اور مخصوص حق استفادہ کے جو دوسروں کو میری زمین پر حاصل ہوا ہے غیروں کی مداخلت کو روکنا اور ان کو اس کے استعمال سے محروم کرنا میری غرض ہے۔

۳۔ قبضہ رکھنے کی نیت کے متعلق قابض کا اپنے دعوے یا ارادے کا اس طرح اظہار کرنا کہ وہ مثل مالک مقبوضہ شے پر تصرف کرنا چاہتا ہے ضرور نہیں ہے چنانچہ اسامی یا پٹہ دار اور اس شخص کا قبضہ جس کو کوئی چیز مستعار دی جاتی ہے یا جس کے ہاں کوئی شے گرو رکھا دی جاتی ہے اسی طرح صحیح اور حقیقی ہے جس طرح کہ مالک کا قبضہ حقیقی ہو سکتا ہے۔ بہر حال نیت تصرف کی نوعیت اور مقدار کے متعلق کوئی معیار نہیں قائم کیا جا سکتا لیکن اس کی شناخت محض اس امر پر منحصر ہے کہ قابض بزمانہ قبضہ اس شے کو دوسروں کی شرکت اور دخل کے بغیر اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے بنائے قبضہ کے لئے یہی ایک امر مکتفی ہے۔

۴۔ قابض بننے کی نیت یا نیت قبضہ کے واسطے لازم نہیں ہے کہ قابض اپنی ذات سے اور اپنے ہی فائدے کے لئے اس نیت کا اظہار کرے مثلاً میں اپنی جانب سے یا کسی دوسرے شخص کی طرف سے قبضہ رکھ سکتا ہوں۔ چنانچہ اس بنا پر ملازم نائب اور امین کا قبضہ جائز سمجھا جاتا ہے حالانکہ جس تصرف بلا شرکت کا یہ لوگ ادعا کرتے ہیں اس سے ان کا فائدہ نہیں مقصود ہے

بلکہ وہ اپنے مالک اور منیب اور ماموں لہ کے نفع رسانی کی غرض سے اس دعوے کو پیش کرتے ہیں[۵]۔

۵۔ قبضہ رکھنے کی نیت کا مخصوص اشیا سے متعلق کیا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ نیت عام اشیا سے بھی متعلق ہو سکتی ہے۔ قابض کا کسی مخصوص شے کے ساتھ مسلسل تعلق رکھنا یا اس کے لئے اس شے کا یاد رکھنا یا اس شے کی حالت موجودہ کے متعلق علم رکھنا لازم نہیں ہے۔ قبضہ رکھنے کی عام نیت سے بشرطیکہ اس نیت میں وہ ضروری نسبت یا تعلق جسمانی جو شے اور قابض میں قائم ہوتا ہے شامل ہو قابض کا قبضہ اُن چند مفرد اشیا پر متصور ہوتا ہے جن کے امثال کی کثرت ہوتی حالانکہ قابض ان معدودے چند اشیا کے وجود سے لاعلم ہی کیوں نہ رہے مثلاً میرے کتب خانہ میں جس قدر کتابیں ہیں وہ سب میرے قبضے میں ہیں ہر چند میں ان میں سے اکثروں کے نام بھول کیوں نہ جاؤں اور ان میں کی اکثر میری یاد سے خارج ہی کیوں نہ ہو گئی ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس اگر میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے پانی میں جال بچھاؤں تو ان تمام مچھلیوں کی نسبت جو میرے جال میں آنے والی ہیں میری نیت اور ارادۂ قبضہ عام ہے اس لاعلمی کی وجہ سے کہ جال میں مچھلیاں آگر گرفتار رہ گئی ہیں یا نہیں میرے قبضے میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسی طرح مجھے اپنے

---

[۵] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس مقام پر قبضے سے ہماری مراد قبضہ ازروئے واقعہ یعنی قبضۂ واقعی ہے اس مقام پر ہمارا مقصد اس مسئلے کا تصفیہ کرنا نہیں ہے کہ وہ تمام قواعد جو قبضۂ قانونی کے ذریعے سے قابض کو حاصل ہوتے ہیں ان سے ہر ایک قابض واقعی مستفید ہو سکتا ہے یا ان میں کے معدودے چند اور ہر ایک قبضہ ازروئے واقعہ قبضۂ قانونی ہو سکتا ہے یا محض اس قسم کے چند قبضے قبضۂ قانونی میں داخل ہو سکتے ہیں۔ قانون روما میں مالک یا اُس شخص کا قبضہ جو مالک کی جانب سے قابض ہوتا قبضۂ قانونی سمجھا جاتا تھا اور ان کے سوا کسی تیسرے شخص کے قبضے پر بجز مخصوص صورتوں کے قبضۂ قانونی کا اطلاق نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن برخلاف اس کے قانون انگلستان میں قبضۂ قانونی کے متعلق اس طرح کی حد بندی نہیں کی گئی ہے بلکہ لطف یہ ہے کہ بعض وقت ملازم کے قبضہ کو قانون تسلیم نہیں کرتا ہے۔

مویشیوں کے ریوڑ اور بھیڑ بکریوں کے گلّوں پر قبضہ حاصل ہے اور نیز اس اضافے پر جو بذریعہ تولید وغیرہ ان ریوڑوں اور گلّوں میں ہونے والا ہے قبضہ ہے حالانکہ میں اس اضافہ سے ناواقف ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی خط مجھکو وصول ہو تو اس کے پہنچتے ہی جو شے کہ اس میں ملفوف ہے اس کو اپنے قبضے میں رکھنے کی میری نیت ہوتی ہے (یعنی اس طرح کا میرا قبضہ بالکانہ اور شئے ملفوفہ میری ملک ہے) اور جب میں اس خط کو کھولکر دیکھتا ہوں تو ایک چک برآمد ہوتی ہے لیکن اس پر پہلے سے مجھے قبضہ حاصل نہیں ہوتا[۵۱]۔ مگر برخلاف اس کے اگر میں ایک خانہ دار میز خریدوں اور میرا ظن غالب ہو کہ اس میز میں کوئی شے نہیں رکھی ہوئی ہے اور اس کے خانے خالی ہیں لیکن ایک چور خانے میں سے کچھ روپیے برآمد ہوں تو جب تک میں ان روپیوں کو نہ پالوں وہ میرے قبضے میں نہیں سمجھے جائینگے کیونکہ روپیوں کے دیکھنے اور پانے کے پہلے ان کے متعلق میری کسی قسم کی نیت عام یا خاص نہیں تھی[۵۲]۔

فصل ۹۸ جسم قبضہ

قبضے کے وجود پذیر ہونے کے لئے محض مالک بننے کی نیت کافی نہیں ہے بلکہ اس نیت کا کسی جسم یعنی شئے مقبوضہ کے ذریعے سے اظہار کیا جانا بھی ضرور ہے۔ قابض کے ادعا کا موثر طور سے بذریعۂ واقعات ظاہر ہونا لازم ہے یعنی اس کے تصرف کا نفس الامر میں مسلسل اظہار رہونا چاہیئے۔ قابض کی مرضی اسی وقت موثر سمجھی جاتی ہے جب کہ فی الواقع شئے مقبوضہ کو وہ بطور اپنی ملک کے کام میں لاتا ہے اور ایسا ہی قبضے کے متعلق حالت جسمانی یعنی تصرف واقعی اس وقت موثر ہوسکتی ہے جب کہ اس میں نیت اور مرضی کا بھی لگاؤ ہوتا ہے۔ بہرحال قبضے کے وجود پذیر ہونے کے لئے قابض کے قبضہ پانے کی نیت نیز اس کے ساتھ اس کے حقیقی تصرف کا ہونا لازم ہے اور اگر ایسی نیت کا کہ شئے مقبوضہ کو بطور اپنی ملک کے کام میں لانا موثر اور واقعی طور پر اظہار ہوجائے

---

۵۱ بادشاہ (انگلستان) بنام مک لوکر اؤن کیسز (فیصلہ جات فوجداری) مرتبہ موڈی صاحب جلد ا صفحہ ۱۶۰
۵۲ میری بنام گرین (رپورٹ مرتبہ) میسن اور ویلزبی صاحبان جلد ، صفحہ ۶۲۳

تو اسی حالت کا نام قبضہ ہے۔

قبضے کے متعلق جو قیاس اور نظریہ ہے اور جو دشواریاں اس سے ملحق ہیں ان میں سب سے زیادہ دشوار یہ امر ہے کہ کس حالت اور کیفیت پر صحیح اور واقعی تصرف کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ ہماری رائے میں اس استفسار کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر شئے مقبوضہ سے دست اندازی غیر کو قابض روک سکتا ہے اور اس امر کے باور کرنے کے معقول وجوہ ہوں کہ زمانہ آئندہ میں بھی غیروں کی مداخلت اور دست برد سے قابض اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا تصرف موثر اور واقعی ہے۔ بہرحال اسی ایک صورت میں قابض کے قبضہ پانے کی نیت کا فی الواقع اظہار ہوسکتا ہے اور صرف اسی حالت کو تصرف مالکانہ از روئے واقعہ کہہ سکتے ہیں اور یہی وہ حالت ہے جس میں غیروں کو شئے مقبوضہ میں دست اندازی کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ تصرف کا وجود دو چیزوں پر منحصر ہے۔

(۱) نسبت جو قابض اور دوسرے اشخاص کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور

(۲) نسبت جو قابض اور شئے مقبوضہ میں قائم ہوتی ہے۔

جسم قبضہ کے ان دو عنصروں کے متعلق جداگانہ طور پر بحث کرنا مناسب ہے۔

فصل ۹۹ نسبت مابین قابض و دیگر اشخاص

ایک شخص کا قبضہ دوسرے اشخاص کے مقابلے میں اس حالت میں سمجھا جاتا ہے جب کہ پہلے شخص کو بوجوہ معقول اس امر کا اطمینان ہو کہ غیر لوگ اس کے تصرف اور تمتع میں دخل نہیں دیں گے۔

قابض کے لئے اس کے تصرف کا غیروں کی دست برد اور مداخلت سے محفوظ اور مصئون رہنا لازم ہے۔ ملکیت از روئے واقعہ کے متعلق کسی نے کیا خوب معیار قرار دیا ہے[۱] اگر ان لوگوں میں جو ان کی ملک میں دست اندازی کرنا چاہتے ہیں نسبت

[۱] انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کی رو سے قبضے کا بیان مصنفہ پالک اور رائیٹ صفحہ ۱۴۔

معکوس واقعہ ہو تو اس ملک کو حقیقی اور واقعی سمجھنا چاہیے" یعنی کسی شخص کی ملک کے متعلق جس قدر دوسرے اشخاص کو کم دست اندازی کرنے کا اور اس کے مالک کے تصرف میں کم مداخلت کرنے کا موقع ملتا ہے اسی قدر وہ ملک حقیقی اور واقعی ہو سکتی ہے۔ ملک اور شے مقبوضہ سے متمتع ہونے کی نسبت جو مالک اور قابض کو اطمینان ہونا چاہئے اس کے مختلف مدارج ہیں۔ بعض صورتوں میں قابض کو اپنے تصرف میں مداخلت نہ کئے جانے کے متعلق امید ہی امید ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں اس کو یقین ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اخلاقاً اس کے تصرف و تمتع میں ہرگز دست اندازی نہیں کریں گے۔ بہرحال اس اطمینان اور ضمانت تصرف کے جو درجے قائم کئے گئے ہیں ان کے متعلق کسی معیار یا پیمانے کا قرار دینا مشکل ہے لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبضے کے لئے کس قسم کی اور کس درجے کی ضمانت اور اطمینان کی ضرورت ہے اس کا صرف ایک جواب ہے وہ یہ کہ اطمینان اور ضمانت ایسی صحیح اور معقول ہونی چاہئے جس سے مالک بننے کی نیت کا بخوبی اظہار ہوتا ہو۔ شے مقبوضہ اس شے کو کہتے ہیں جس کے قابض کو یہ اعتماد ہو کہ دوسرے اشخاص اس کے دعوے قبضہ کا لحاظ کر کے اس شے میں دست اندازی نہیں کریں گے اور جہاں وہ چیز رکھی ہوئی ہے اسی مقام پر رکھے رہنے کا قابض کو بوجہ احسن اطمینان ہو۔ ذیل میں ان چند نہایت اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے ذریعے سے قابض کو شے مقبوضہ کے محفوظ رہنے کے متعلق اطمینان[۱] ہو سکتا ہے۔

---

[۱] بین ڈیکسن مرتبہ ڈیرن برگ جلد اول فصل ۱۶۹ میں لکھا ہے کہ "غیروں کی دست اندازی سے شے مقبوضہ کا زمانہ آئندہ میں محفوظ و مصئون رہنا شرط ضروری نہیں ہے اور نہ کامل حفاظت آئندہ قبضے کے لئے معیار قرار دی جا سکتی ہے۔ اس حفاظت ضمانت کے متعلق جو امر کہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ معمولی اور موجودہ حالات کے نظر کرتے قابض کو اطمینان ہونا چاہئے کہ جس طرح حالت موجودہ میں وہ اپنی مقبوضہ شے پر متصرف ہو سکتا ہے اسی طرح آئندہ بھی غیر لوگ اس کے تصرف کے متعلق معترض نہ ہوں گے اور مداخلت غیر کی نسبت بوجوہ معقول اس کو توقع کرنی چاہئے" اس جلد کی فصل ۷۸ الائق مطالعہ ہے۔ اس کے علاوہ اس مضمون کے متعلق پالک اور رائٹ کی کتاب مسمی قبضہ کا

۱۔ قابض کی قوت جسمانی۔ اس میں شک نہیں کہ غیروں کی مداخلت سے چیز کے محفوظ رکھنے پر اور اس حفاظت کے ساتھ اس ضروری نیت کے موجود رہنے پر جس کا دو تین فصول میں ذکر کیا گیا ہے قبضے کی بنا ہے کیونکہ اس طرح کی حفاظت اور صیانت کے ذریعے سے قابض کو اپنے تصرف اور تمتع کے متعلق اطمینان ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر میرے پاس کچھ روپے ہوں اور ان کو ایک کیسے میں رکھکر اس کیسے کو ایک ایسے محفوظ صندوق آہنی میں مقفل کروں جو چوروں اور نقب زنوں کی دست برد سے مال کو محفوظ رکھنے کی غرض سے بنایا گیا ہو تو یقیناً ان روپیوں پر میرا قبضہ متصور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ میرے اس طرح کے انتظام سے میں نے اپنے قبضہ رکھنے کی نیت کا اظہار کر دیا ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ میری رضامندی کے بغیر ان روپیوں کو ہاتھ تک لگا سکے ان کے علاوہ مجھکو ان پر تصرف کرنے کا کامل اختیار حاصل ہے قبضے کے اقسام میں اس طرح کا قبضہ جسکی بنا قابض کی قوت جسمانی ہے سب سے اعلیٰ اور اکمل خیال کیا جاتا ہے اور مصنفین نے اسی کو قبضے کے دیگر انواع کے لئے نمونہ قرار دے رکھا ہے بلکہ اکثر مصنفین کی رائے میں قبضے کی بھی ایک قسم حقیقی اور صحیح ہے۔ باقی اقسام پر ان کے نزدیک قبضے کی تعریف صادق نہیں آسکتی چنانچہ ان لوگوں نے قبضے کی تعریف میں لکھا ہے کہ انسان کی اس نیت اور ارادے میں کہ وہ دوسرے اشخاص کو کسی شے مادی کے تصرف میں دست اندازی نہیں کرنے دے گا جب اس کا اقتدار جسمانی شامل ہوتا ہے تو قبضے کی بنا ہوتی ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بالکل صحیح اور کس نہیں ہے بلکہ جن مصنفین کا قبضے کے متعلق یہ تصور ہے اس سے ان کی تنگ خیالی کا ایک گونہ اظہار ہوتا ہے اور آئندہ چل کر ہم ان وجوہ کو بیان کریں گے جن سے یہ رائے باطل ہوتی ہے۔

۲۔ قابض کی شخصیت اور موجودگی۔ شئے مقبوضہ کی حفاظت اور صیانت کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ صفحہ ۱۲ قابل دید ہے چنانچہ اس میں عملی نقطۂ نظر سے ایک کلیہ بتایا گیا ہے کہ "اگر غیروں کی مداخلت اور دست اندازی کو قابض اپنے تمتع اور تصرف سے روک سکتا ہے تو اس کے قبضے کو قبضہ موثر سمجھنا چاہیے"

ایک ماخذ قابض کا اپنی ذات سے اس شے کے پاس موجود رہنا ہے لیکن اس ماخذ صیانت اور اس ذریعہ حفاظت میں فرق ہے جس کا ابھی اس کے پہلے ذکر آچکا ہے۔ اکثر صورتوں میں صیانت شے مقبوضہ کے ان ذریعوں میں بظاہر اختلاف نہیں پایا جاتا اور دونوں سے ایک ہی حالت مترشح ہوتی ہے لیکن ان دونوں ماخذوں کا ہمیشہ ایک ہونا ضرور نہیں ہے۔ چنانچہ میں اپنی مقبوضہ چیز کے نزدیک نہ رہنے کے باوجود دوسروں کو قوت جسمانی کی بدولت جو مجھکو چٹخنیوں (کھٹکوں) سلاخوں اور پتھر کی دیواروں کے ذریعے سے حاصل ہوسکتی ہے غیروں کی مداخلت کو روک سکتا ہوں اور اس کے برخلاف قابض اپنے میں دوسروں کو شے مقبوضہ سے خارج کرنے کی حقیقی قوت اور اختیار نہ رکھنے کے بغیر اپنی ذات سے اس چیز کے پاس موجود رہ سکتا ہے مثلاً اگر ایک طفل اپنی مٹھی میں کچھ روپے بند کرلے تو ظاہر ہے کہ وہ اُن روپیوں پر اپنا قبضہ رکھتا ہے حالانکہ وہ اپنی قوت جسمانی سے کسی مسن شخص کے حملے سے ان کو نہیں بچا سکتا۔ اسی طرح مرنے والا بھی اپنی شخصیت اور موجودگی سے شے پر قبضہ رکھ سکتا ہے حالانکہ اس کی قوت جسمانی سلب ہوجاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کسان اپنے کھیت سے دوسروں کی مداخلت بیجا کو اپنی موجودگی اور حضوری سے نہ کہ قوت جسمانی سے روکتا ہے اور اس کا اس کے کھیت پر حاضر اور موجود رہنا دوسروں کو اس کے حقوق میں دست اندازی کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ چونکہ ایک انسان دوسرے انسان کی موجودگی اور شخصیت کا لحاظ کرتا ہے اس لیے جن چیزوں کو وہ اپنی بتلاتا ہے اور جن کی وہ اپنی ذات سے حفاظت کرتا ہے لوگوں کو ان چیزوں کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ پوشیدگی حقیقی اور واقعی حفاظت کا ایک تیسرا ذریعہ پوشیدگی اور اخفا ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ چھپا دینے سے وہ اپنی چیز کی حفاظت کرتا ہے اور چیز کے مخفی رکھنے سے اس کو اس سے متمتع ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہے جس طرح ایک قوی اور مسلح شخص اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے مال کو کھلا رکھکر مطمئن ہوسکتا ہے اسی طرح ایک کمزور اور بے ہتھیار آدمی کو اس کی چیز کے پوشیدہ اور مخفی رہنے سے اس کے قبضے کے متعلق اطمینان ہوسکتا ہے۔

۴۔ رواج۔ انسان رسم و رواج کا دلدادہ ہے۔ رواجاً جو بات مقرر

ہو جاتی ہے آدمی نہایت خوشی سے اس پر عمل کرنے کا خوگر ہے چنانچہ اس بنا پر شے
کی حفاظت اور قبضہ واقعی کا ایک نہایت اہم ماخذ رواج ہے - مثلاً اگر میں نے سال گذشتہ
ایک کھیت میں بذریعہ ناگر مارنے اور قلبہ رانی زمین درست کر کے تخم ریزی کی اور
اس کی پیداوار یا فصل کو درو کیا تھا اور ایسا ہی سال پیوستہ بھی میں نے اس کھیت
میں یہی عمل کیا تھا تو مجھے بشرطیکہ کوئی امر اس کے مانع اور مخالف نہ ہو اس سال بھی اس
کھیت میں اس طرح زراعت کرنے اور پیداوار کے حاصل کرنے کی بوجہ معقول توقع ہو سکتی
ہے اور اس کھیت پر میرا قبضہ سمجھا جائے گا -

۵ — جائز دعوے کا لحاظ کیا جانا - قبضے کو حق سے نہیں بلکہ حقیقت اور واقعہ
سے تعلق ہے اور واقعات کی بنا پر ہی کسی شخص کے ادعائے قبضے کا جائز اور نا جائز ہونا
ثابت ہو سکتا ہے اس پر بھی جواز ایک ایسی شرط اور حالت ہے جو حصول قبضہ میں ایک
نہایت اہم عنصر خیال کیا جاتا ہے اور لوگوں کا یہ باور کر لینا کہ فلاں شخص کو فلاں شے پر
جائز قبضہ حاصل ہے اس کے قبضے کے لئے ایک قسم کی سند متصور ہوتا ہے - لوگوں کا
قاعدہ ہے کہ وہ کسی شخص کے جائز ادعائے قبضہ کو بہت جلد مان لیتے ہیں اور شے
مقبوضہ کی حفاظت واقعی کے لئے لوگوں کا اس طرح سے باور کرنا ایک نہایت ضروری
امر ہے - اس کے برخلاف قابض ناجائز کو اس کی مقبوضہ شے کی حفاظت کے متعلق اپنے
ابنائے جنس سے رعایا اور ہم وطنوں سے جو بالطبع پابند قانون ہیں کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی
تا وقتیکہ وہ اپنے ادعائے قبضہ کو ثابت نہ کرے چنانچہ مالک کو اپنی ملک پر قبضہ رکھنے
میں چنداں دشواری نہیں پیش آتی لیکن چور کے دل سے پوچھنا چاہئے کہ اس کو اپنی لوٹ
کی حفاظت کرنے میں کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں[۵] - محفوظیت کی جو دو قسمیں واقعی اور
بالاستحقاق یا محفوظیت از روئے واقعہ اور محفوظیت از روئے استحقاق بتلائی گئی ہیں
بعض وقت ان میں فرق کرنا مشکل ہے - قبضے سے ملکیت پیدا ہوتی ہے اور ملکیت سے
قبضہ حاصل ہوتا ہے - ان دونوں میں ایک شے کا دوسرے سے متخرج ہونیکا میلان ہے -

---

[۵] پالک اور رائٹ "قبضہ" صفحہ ۱۵ "حقیت کی شہرت کا قبضہ تابع ہے" یعنی جس شخص کی جس کسی شے پر حقیت
قائم ہو کر شہرت ہو جائے لوگ اس شے پر اس حقیت رکھنے والے کا قبضہ سمجھنے لگتے ہیں -

۶ ـ مالک ہونے کی نیت کا اظہار ـ چیز کو دوسروں کی مداخلت سے فی الواقع محفوظ رکھنے کے لئے شخص کو اپنے قبضے کا علی الاعلان ادعا کرنا لازم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قبضے کے قیام کے لئے محض نیت سے کام نہیں چلتا بلکہ قبضے کے حاصل ہو جانے سے قبضہ قائم ہوتا ہے پھر بھی ایسے قبضہ کے متعلق جس میں قابض اپنے مالک ہونے کی نیت کا بالاعلان اظہار کرتا ہے لوگ اس کو بلا تعرض تسلیم کرتے ہیں اور اس میں مداخلت کرنے کی عوام کو جرات نہیں ہوتی اور اس کے برخلاف اس قبضے میں جس میں قابض اپنی نیت ملکیت کو علانیہ ظاہر نہیں کرتا دوسروں کی جانب سے بہت جلد مداخلت ہوتی ہے چنانچہ اس اصول پر قبضے کے متعلق دخل عوالگی تصرف اور تمتع کی اہمیت قرار دی گئی ہے[1]۔

۷ ـ حفاظت (قبضہ) جو دوسرے اشیاء کے قبضے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر چند چیزیں ایک دوسرے سے متصل اور ملحق یا ایک دوسرے کی زمین میں واقع ہوں اور اگر ان میں سے ایک شئے پر کسی شخص کو قبضہ حاصل ہو جائے تو پہلی شئے کے قبضے کا اثر بعد کو دوسری شئے پر پڑتا جاتا ہے اور دوسری شئے بھی اسی شخص کی مقبوضہ خیال کی جاتی ہے ۔ زمین کے قبضے سے قابض کے قبضے میں وہ تمام اشیا اور جائداد منقولہ داخل ہو جاتی ہیں جو اس زمین سے ملحق یا اس پر واقع ہوتی ہیں۔ ایسا ہی کسی مکان کے قبضے سے جو مال یا جائداد منقولہ اس مکان میں ہے اس پر قابض مکان کا قبضہ سمجھا جاتا ہے ۔ صندوق یا پیکٹ ظرف کے قبضے سے محفوظ مظروف یا ان اشیا کا قبضہ حاصل ہوتا ہے جو اس میں رکھی ہوئی ہیں۔ لیکن ہر ایک شکل میں اس مثال پر عمل نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے اطلاق کا محل اور موقع ہے ۔ مثلاً اگر ایک شخص میری عدم موجودگی میں اینٹوں کا ایک بوجھ میری زمین پر لا کر اُتار دے تو اس طرح کی حوالگی میرے قبضے کے لئے بخوبی کافی ہو سکتی ہے لیکن اسی طرح

---

[1] اہرنگ کا قول ہے کہ قبضے کا اعلان اور اظہار اس کے لئے دلیل ہے اور قیام قبضے کے لئے جن امور کی ضرورت ہے ان سب میں یہی ایک امر اہم ہے ۔ دیکھو صفحہ ۹ ا کتاب کا جس کا نام (Grund des Besitzesschintzes) ہے۔

سے اگر کوئی شخص میرے مکان کے دروازے کے زینے پر بنک کے نوٹوں کا ایک
پلندا لاکر ڈالدے تو اس سے مجھے ان نوٹوں کا قبضہ نہیں مل سکتا اور نہ اس کا اس طرح
نوٹوں کا ڈالدینا حوالگی قبضہ کی دلیل ہوسکتا ہے۔ پہلی شکل میں شے جو مجھکو حوالہ
کی جاتی ہے اس کی حالت محفوظ ہے اور اس کا قبضہ ایک صحیح اور اطمینان بخش
طریقے سے میرے حوالے کیا جاتا ہے لیکن دوسری شکل میں حوالگی قبضے کا طریقہ
غیر مقبول اور غیر محفوظ ہے۔

ہرچند بعض ججوں کی شخصی رائیں ذیل کے مقولے کے خلاف ہیں لیکن قانون اور
حقیقت دونوں کی رو سے ہر ایک صورت میں زمین کے قبضے سے قابض کا ان تمام اشیا ریا
جائداد منقولہ پر جو اس مقبوضہ زمین کے اوپر یا اس سے ملحق ہیں قبضہ ہونا اور ایسا ہی اس شخص کا
قبضہ جو کسی ظرف جیسا کہ صندوق تھیلی اور میز خانہ دار پر قابض ہوتا ہے اس کے مظروف
پر ہونا لازم نہیں آتا۔ ایک شے پر قبضہ پانے سے دوسری شے پر جو اس سے متعلق و ملحق ہے
قبضے کا ملنا ہر ایک مقدمے کے حالات پر منحصر ہے۔ اگر اپنی زمین پر میں کسی مویشی کو چرتا ہوا
یا کسی مال کو پڑا ہوا پاؤں تو جبتک اس پر قبضہ کرنے کی میری نیت نہ ہو اور جبتک میں اس کو اپنے تصرف میں لے آؤں اس مال اور مویشی
پر میرا قبضہ نہیں ہوسکتا۔ بعض صورتوں میں نیت قبضہ موجود نہیں رہتی ہے مثلاً میرے ہمسایہ کی بکریوں
کا خواہ اس کا مجھے علم ہو کہ نہ ہو بھٹک کر چرنے کی غرض سے میرے کھیت میں چلے آنا اور بعض صورتوں
میں نیت تو موجود نہیں رہتی بلکہ قابض صرف تصرف کرسکتا ہے اور قبضے کے لئے یہ ایک عنصر
مکتفی نہیں ہوسکتا مثلاً اگر میرے باغ میں میرا ایک جواہر میرے ہاتھ سے گم ہوجائے اور تلاش
کرنے سے نہ ملے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے متعلق میری نیت قبضہ تو باقی رہتی ہے مگر اس
گم شدہ جواہر پر میرا تصرف باقی نہیں رہتا۔ بعض شکلوں میں تصرف اور نیت دونوں کی دونوں
مفقود رہتی ہیں مثلاً میرے علاقہ کی زمین میں ایک ٹھیلا مدفون ہو اور مجھکو اس کا علم نہ ہو۔ یہی
کیفیت جائداد منقولہ کے قبضے کی ہے۔ ظرف پر قبضہ پانے سے مظروف کا قبضہ ملنا لازم و ضرور
نہیں ہے جیسا کہ اس کے پہلے کسی ایک فقرے میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر میں ایک خانہ دار میز
خرید لوں اور اس کے کسی چور خانے سے روپیے برآمد ہوں تو جب تک میں ان روپیوں کو نہ پالوں
ان پر میرا قبضہ نہیں متصور ہوسکتا کیونکہ میز خریدنے کے پہلے اور اس کے بعد بھی جب تک کہ
مجھے اس کے چور خانہ اور روپیوں کا پتہ نہیں چلا تھا میری نیت اس چیز پر قبضہ کرنے کی نہیں تھی

جو اس میں سے برآمد ہوی ہے بلکہ میری نیت محض اس خالی میز پر قبضہ کرنے کی تھی۔

ظرف پر قبضہ پانے سے مظروف کے قبضے کے ملنے کا ضروری نہ ہونا قانون اور حقیقت دونوں سے ثابت ہے اور ذیل میں جن مقدمات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے اس سے اس مقولہ کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔

بریجیز بنام ہاکس ورتھ[1] کے مقدمے میں جس میں کہ مدعی نے جو مدعیٰ علیہ کا گاہک تھا مدعیٰ علیہ کی دکان میں بنک کے نوٹوں کا ایک پلندا زمین پر پڑا ہوا پاکر اٹھا لیا تھا عدالت سے تجویز ہوی کہ مدعی کے حق کو مدعیٰ علیہ کے حق پر ترجیح ہے اسلئے کہ پہلے شخص نے سب سے پہلے ان نوٹوں پر قبضہ کر لیا تھا اس کے علاوہ مدعیٰ علیہ کی نیت ان نوٹوں پر قبضہ کرنے کی نہیں تھی کیونکہ اس کو ان کا علم ہی نہ تھا اور یہ علم اس کو مدعی کے قبضے کے بعد ہوا اور نیت قبضہ کے بغیر کسی شخص کا قبضہ جائز نہیں ہو سکتا۔

بمقدمۂ بادشاہ (انگلستان) بنام مور ملزم[2] کی دکان میں غلطی سے کسی شخص کا ایک بنک نوٹ گر گیا تھا لیکن جب ملزم کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اسکو اٹھا لیا اور اپنے مصرف میں لایا اور وہ اس امر کو بخوبی جانتا تھا کہ دریافت کرنے سے اس کے مالک کا پتہ مل سکتا ہے یہ بات جان کر بھی مالک کو نوٹ واپس کرنے کے عوض خود ملزم اس سے متمتع ہوا سلئے پایا کہ ملزم پر جو سرقے کا الزام لگایا گیا ہے وہ درست ہے۔ اس تجویز سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ نوٹوں کے پانیکے بعد ملزم نے ان پر قبضہ کیا تھا۔

بمقدمہ میری بنام گرین[3] مدعی نے لکھنے کی ایک میز نیلام میں خریدی اور خریدنے کے بعد اس کے ایک چور خانے سے کچھ رقم برآمد ہوی جو بائع کی تھی لیکن مدعی ان روپیوں کو اپنے تصرف میں لایا۔ تجویز ہوی کہ تصرف میں لانے کی وجہ سے مدعی سرقے کا مرتکب ہوا کیونکہ میز تو اس نے نیک نیتی سے خریدی لیکن قبضہ اس وقت اس نے روپیوں پر کیا جب کہ اس کی نیک نیتی بدنیتی سے بدل گئی تھی۔

---

[1] لا جرنل کوئنز بنچ جلد ۲۱ صفحہ ۷۵۔

[2] ایل۔ اینڈ سی۔ آئی

[3] میسن اور ویلزلی جلد ۷ صفحہ ۶۲۳۔

کارٹ رائٹ بنام گرین[1] کے مقدمہ میں بغرض درستی و مرمت ایک لکھنے کی میز ایک نجار کے حوالے کی گئی تھی اور جب اسکے ایک چور خانے سے کچھ روپے نجار کے ہاتھ لگے تو اس نے ان پر تصرف کرلیا۔ تجویز ہوی کہ مجرمانہ طریقے سے ان روپیوں پر قبضہ کرنے کی وجہ سے نجار سرقے کا مرتکب ہوا۔

اسکے برعکس ظرف کے قبضے سے مظروف کا قبضہ بھی حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ قابض ظرف کو مظروف کے متعلق کسی قسم کا علم تک نہ رکھتا ہو بظاہر یہ مقولہ اس اصول کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو اوپر کے دو مقدموں میں جن میں کہ لکھنے کی دو میزوں کے چور خانوں میں رقم محفوظ کی گئی تھی طے پایا ہے لیکن غور کرنے سے اصول طے شدہ میں اور اس مقولے میں چنداں مغائرت نہیں ہے بلکہ مقولہ اس امر پر مبنی ہے کہ ظرف کے حاصل کرنے کے وقت اسکے مالک کی نیت قبضہ عام ہوتی ہے یعنی ظرف کے علاوہ جو اشیا اس ظرف میں ہیں ان سب پر مالک قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جو شخص کسی غیر کے روپیوں کی تھیلی چرا لیتا ہے وہ ان روپیوں کا بھی سرقہ کرتا ہے جو اس تھیلی میں ہیں حالانکہ تھیلی پر قبضہ کرنے کے وقت یا اسکے پہلے سارق کو تھیلی میں روپیوں کے رہنے یا نہ رہنے کا علم نہیں ہوتا۔

چنانچہ بادشاہ (انگلستان) بنام مک[2] کو کے مقدمے میں غلطی سے ایک خط بنک نے ملزم کے نام روانہ کیا جس میں بنک کا ایک حکمنامہ زر (چک) ملفوف تھا اور اتفاق سے ملزم کا نام بھی اس شخص کے نام کے مشابہ تھا جس کو بنک اصل میں وہ چک ارسال کرنا چاہتا تھا۔ ہر چند ملزم کا خط کو لینا اور اس کو کھولنا نیک نیتی پر مبنی تھا لیکن خط کھولنے کے بعد جب اس کو اس امر کا علم ہوا کہ وہ خط فی الحقیقت اس کے لئے نہیں روانہ کیا گیا تھا بلکہ صحیح مکتوب الیہ کوئی دوسرا شخص تھا اس پر بھی جب ملزم نے اس حکمنامہ پر تصرف کرلیا تو طے پایا کہ اس پر سرقے کا الزام نہیں عائد کیا جا سکتا کیونکہ جب خط پر قبضہ کرنا ملزم کا جائز تھا اور اسکی نیت نیک تھی تو اس جائز قبضے کی بدولت اس خط کے ملفوف پر بھی ملزم کو جائز قبضہ حاصل ہوا اور بعد ازاں ملزم نے شئے ملفوفہ سے جو اس کو جائز طور پر مل چکی تھی بدنیتی کی اسکا سرقے میں شمار نہیں ہو سکتا۔

بہر حال بعض نظائر سے ظاہر ہوتا ہے کہ قابض زمین کا قبضہ اس شئے پر بھی سمجھا جاتا ہے

---

[1] وی زی جلد ۸ صفحہ ۵۴۸ روائزڈ رپورٹس جلد ۷ صفحہ ۹۹۔

[2] موڈیز کرون کیسز (نظائر فوجداری مرتبہ موڈی صاحب جلد ۱ صفحہ ۱۶۰۔

جواس زمین کے اندر یا اوپر ہے۔

بہ مقدمہ ایل وس بنام برگ گیس کمپنی[1] مدعی علیہ کمپنی نے کارخانہ گیس قائم کرنے کی غرض سے مدعی سے ایک قطعۂ زمین پٹہ پر لی اور جب تعمیر کارخانۂ مذکور کے لئے وہ زمین کھودی جارہی تھی تو سطح سے ۶ فٹ اندر زمانۂ قبل تاریخ کی ایک کشتی (سفینہ) مدفون پائی گئی جس کو مدعی علیہ نے لیا عدالت سے طے پایا کہ کشتی مذکور مالک زمین (مدعی) کی ملک ہے اور اسکو پٹہ دار مدعی علیہ جس نے اسکو پایا ہے اپنی ملک نہیں تصور کرسکتا چیٹی جسٹس مدعی کی تائید میں لکھتا ہے کہ "چونکہ اس نے اس زمین کو جو کرایہ پر دی گئی ہے بربنائے حق وراثت حاصل کیا اور جو جائز قبضہ اس کا اس زمین پر ہے اس سے مراد محض سطح زمین کا قبضہ نہیں بلکہ ہر ایک شے کا قبضہ ہے جو اس قطعہ کی سطح کے نیچے اور مرکز کرۂ ارض کے درمیان واقع ہو اور اس لئے کشتی پر اسی مالک زمین کا قبضہ سمجھا جائے گا۔ میری رائے میں کشتی کے وجود سے مدعی کے لاعلم رہنے سے نفس مسئلہ قبضہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا"۔

اسی طرح سوتھ اسٹیفرڈ شراب رساں کمپنی بنام شرمن[2] میں مدعی کمپنی نے اپنی زمین کے ایک کنٹے کی صفائی اجرت پر مدعی علیہ کے تفویض کی تھی اور کنٹے کے صاف کرنے میں مدعی علیہ نے چند طلائی چھلے (یا انگوٹھیاں) تہ میں پڑی پائیں۔ عدالت سے تجویز ہوی کہ چونکہ چھلوں کا قبضہ پہلے مدعی کمپنی کو حاصل تھا اسلئے ان کو پالینے سے مدعیٰ علیہ کو ان پر کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہوا۔

بہرحال ایسے مقدمات کی توجیہ کے جیسا کہ اوپر کے دو مقدمے ہیں اور بھی اسباب ہیں لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان مقدموں کا جس اصول پر تصفیہ کیا گیا ہے وہ نظریۂ قبضہ کے مغائر و منافی ہے یا ان میں اور ان نظائر میں جنکا اقتباس ان مقدموں کے پہلے پیش کیا گیا ہے اور جو برجیبز بنام باکس ورتھ کے مقدمہ کے مانند ہیں اختلاف ہے۔ قبضے کے متعلق ایک عام اصول ہے کہ جس کو جو شخص سب سے پہلے پالے وہ اسی کی ملک ہوجاتی ہے اور شخص یابندہ کو اس چیز کے صحیح اور اصلی مالک کے سوائے دوسرے ہر ایک شخص کے مقابلے میں اس شے پر حق حاصل

---

[1] چانسری ڈیویژن جلد ۳۳ صفحہ ۵۶۲۔

[2] (سنہ ۱۸۹۶ء) کوئنز بنچ ڈیویژن جلد ۲ صفحہ ۴۴۔

ہوتا ہے خواہ ایسی شے کسی دوسرے کے علاقہ یا جائداد میں ہی پڑی ہوئی کیوں نہ پائی جائے (آرمری بنام ڈیلامری[1] - بریجیز بنام ہاکس ورتھ) بریں ہم اس اصول کے متعلق چند اہم مستثنیات ہیں اور ہر ایک مقدمہ کے مخصوص حالات کے نظر کرتے شے یافتہ پر بہتر حق اس شخص کا متصور ہوتا ہے جس کے علاقہ یا جائداد پر وہ شے پڑی پائی جاتی ہے۔ ذیل میں اس قسم کے مخصوص مستثنیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ جب ایک شخص کی جائداد میں دوسرے کو کوئی شے پڑی ہوئی ملے تو دیکھا جائے گا کہ ایسے قابض جائداد اور یابندہ میں سے کس نے پہلے قبضہ کیا ہے۔ اگر شے یافتہ پر پہلے سے اسی شخص کا قبضہ موجود ہو جو جائداد کا قابض ہے اور جس جائداد سے وہ برآمد ہوئی ہے تو ایسی صورت میں قابض جائداد کا شے یافتہ کی نسبت پہلے سے لاعلم رہنا اسکے قبضہ وملکیت کا منافی نہیں ہوسکتا بعض حالات میں اس طرح کے واقعات کا پیش آنا بہت کچھ ممکن ہے۔ لہذا قابض جائداد کو اسکے حق تقدم کی بنا پر یافتہ شے پر بہتر حق حاصل ہوتا ہے مثلاً اگر میں اپنا ایک کوٹ فروخت کروں اور اسکی جیب میں ایک کیسۂ زر جس کو میں نے راستہ میں پڑا پایا تھا غلطی سے رہ جائے تو میں وثوق سے کہتا ہوں کہ خریدار کے مقابلے میں اس کیسۂ زر کے متعلق مجھکو زیادہ حق ہے اور اس کے پانے کے لئے مجھکو خریدار کوٹ پر ترجیح ملنی چاہئے حالانکہ وہ نہ تو میری ملک ہے اور نہ خریداری کی۔

۲۔ حق یابندہ کے متعلق دوسرا استثنیٰ یہ ہے کہ جو شخص بہ حیثیت ملازم یا گماشتہ کسی شے کو پاتا ہے وہ اس کو اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے مالک و آقا کے واسطے حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ اگر میں اپنا ایک مقفل صندوق کھلوانے کی غرض سے کسی نجار کے حوالے کروں تو اس میں سے جو شے نکلے اسے مجھکو پہنچانا اُسکا فرض ہے۔ شارمین کے مقدمہ کی بھی اس سے بخوبی توجیہ ہوسکتی ہے۔ کنڈ کی تہہ میں جو انگوٹھیاں پائی گئیں اس میں شک نہیں کہ ان پر کمپنی کا حقیقی اور واقعی قبضہ تھا اور نہ از روئے قانون ہی ان پر اس کا قبضہ ہوسکتا تھا بلکہ ایسی حالت میں کمپنی کا قبضہ قانونی سمجھنا ایک مہمل بات ہے۔ بریں ہم شارمین نے سب سے پہلے ان پر قبضہ پایا تھا

---

[1] اسمتھس لیڈنگ کیسز (اسمتھ صاحب کے چوٹی کے مقدمات) طبع دہم جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ اسٹرینج جلد ۱ صفحہ ۵۰۴۔

اس سے اس کو نہیں بلکہ اس کے اجرت دینے والے (اجیروں) کو ان اشیاء پر حق پیدا ہوا تھا[1]

۳۔ اصول متذکرۂ بالا کے متعلق تیسرے مستثنیٰ کی شکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ یا بندہ مداخلت بیجا یا کسی دوسرے فعل ناجائز کا مرتکب ہو کر کسی شے کو پڑا پاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو مداخلت بیجا کے ذریعہ سے میری زمین میں بعد تلاش دفینہ ہاتھ لگے تو اس کو میرے حوالہ کر دینا اس شخص کا فرض ہے اور اس حوالگی کی وجہ دفینہ پر میرا قبضۂ اول نہیں ہے کیونکہ حقیقت حال اسکے برعکس ہے لیکن سلطنت یا بندہ کو اس کے فعل ناجائز سے فائدہ نہیں نہیں اٹھانے دیتی اور اس لئے وہ محروم کر دیا جا کر دفینہ مجھکو دلایا جاتا ہے۔ ایل ویس بنام پیبرگ گیس کمپنی کے فیصلے کی یہی توجیہ ہے چنانچہ چٹی جسٹس اپنی تجویز میں لکھتا ہے کہ کشتی زمین میں مدفون تھی اگر کوئی شخص مداخلت بیجا کے ذریعے سے اس زمین پر وارد ہوتا ہوتو اس کشتی پر ہرگز قبضہ نہ کر سکتا اور جب تک اس ملک موروثی کو غارت و برباد نہ کرتا اسکی اس کشتی تک رسائی نہ ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ زمین کے متعلق مدعی علیہ کمپنی کو جو پٹہ دیا گیا تھا اسکی رو سے جہانتک اس کی صحیح تعبیر ہو سکتی تھی پٹہ داروں کو زمین کھود کر مٹی لیجانے کا حق حاصل تھا لیکن مٹی کے سوائے کسی اور چیز کے لیجانے کی کمپنی مذکور مجاز نہ تھی بلکہ اختتام پٹہ پر زمین پٹہ کو اسی حالت میں مالک کو واپس کرنا ان کا فرض تھا جس حالت میں کہ زمین ان کے حوالے کی گئی تھی اور بجز خاص صورتوں کے شرائط مندرجۂ پٹہ کی خلاف ورزی کرنے کی انھیں اجازت نہ تھی

فصل ۱۵ نسبت مابین قابض و شے مقبوضہ

اس کے قبل جسم قبضہ (شے مقبوضہ) کا پہلا عنصر بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے مراد یہی نسبت ہے جو قابض اور دوسرے اشخاص کے درمیان پائی جاتی ہے لیکن اس فصل میں ہم کو اس کا دوسرا عنصر بیان کرنا مقصود ہے اور یہ وہ نسبت ہے جو قابض اور شے مقبوضہ میں قائم ہوتی ہے۔ بنائے قبضہ کے لئے نیت ملکیت کا ان دونوں

---

[1] اس مقدمہ کا جو اصول فیصلہ قرار دیا گیا ہے اسکی تنقید کے متعلق کلارک اور لینڈسیل کے قانون ٹارٹ کا ضمیمہ قابل مطالعہ ہے۔

نسبتوں یا تعلقات کے ذریعے سے اظہار کیا جانا لازم ہے۔ قابض کا شے مقبوضہ سے اس طرح تعلق ہونا چاہئے کہ اس شے کی حیثیت اور اپنے حق کی نوعیت کے لحاظ سے وہ اس پر متصرف ہو سکے اور ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی شے حائل نہ ہونے پائے جس سے یہ تعلق یا نسبت منقطع ہو کر قابض کے حق یا ادعا کی نوعیت کو گزند پہنچے مثلاً اگر میں یہ مچھلیاں پکڑنا چاہوں تو جب تک وہ میرے جال میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان گلوں کے ذریعے سے پھنس نہ جائیں جن کو میں نے ان کے لئے پانی میں ڈال رکھا ہے ان پر میرا قبضہ نہیں ہو سکتا اور جب تک ایسی حالت نہ ہو ان مچھلیوں کے متعلق میری نیت ملکیت کا واقعات کے ذریعے سے یا فی الواقع اظہار نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کو کسی شے پر ایک مرتبہ قبضہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس شے پر اختیار استعمال باقی نہ رہنے سے قبضہ محصلہ بھی زائل ہو جاتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کا پرندہ پنجرے سے اڑ جائے یا کسی کا جواہر سمندر میں گر جائے تو اس پر سے مالک کا قبضہ اٹھ جاتا ہے اور اس طرح کی شے بلا قابض سمجھی جاتی ہے۔ قابض اور شے مقبوضہ کے درمیان اتصال اور تعلق جسمانی کی ضرورت ہے ورنہ قابض کے پیش نظر مقبوضہ کا رہنا لازم ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان جو نسبت ہے وہ مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اس لئے فاصلہ کے واقع ہونے سے ان دونوں کی اس نسبت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے چنانچہ میری زمین دنیا کے دوسری جانب واقع ہو سکتی ہے اور میں اس کا قابض متصور ہو سکتا ہوں کیونکہ میں اپنی رضا و رغبت سے اس زمین سے دور رہتا ہوں اور میں جب چاہتا ہوں اس تک پہنچ سکتا ہوں اس لئے میری عدم موجودگی سے میرے اختیار تصرف میں کسی قسم کا خلل نہیں واقع ہو سکتا ہے۔

شے کے تصرف میں تھوڑی سی دشواری کے پیش آنے یا تصرف یا تمتع کے متعلق پورا یقین و اطمینان نہ ہونے سے قابض کے قبضہ موجودہ پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ شے مقبوضہ اس کے قبضے سے خارج سمجھی جا سکتی ہے۔ فرض کرو میرے مویشی چراگاہ سے بھٹک کر غیر کے علاقے میں چلے جاتے ہیں لفظاً ہر ان پر میرا قبضہ باقی نہیں رہتا ہے لیکن اس امر کی امید قوی ہے کہ تلاش کرنے سے ان کا پتا مل سکتا ہے لہذا وہ میرے قبضے سے خارج نہیں سمجھے جاتے ہیں اسی طرح اگر میرا کتا میرے مکان سے چلا جائے تو

اس کے واپس آنے کی امید ہوسکتی ہے اور اسلئے اس پر میرا ہی قبضہ متصور ہوتا ہے۔ اگر میں اپنے مکان میں ایک کتاب کہیں رکھکر بھول جاؤں تو وہ میرے قبضے سے نکل نہیں سکتی اور اگرچہ میں اس کو فوراً پا نہیں سکتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ میرے مکان میں کسی ایک مقام پر ہوگی اور تلاش کرنے کی تھوڑی سی زحمت سے وہ کتاب مجکو مل سکتی ہے۔ ہر چند ان چیزوں کا صحیح مقام جن کا ان مثالوں میں ذکر کیا گیا ہے مجھے معلوم نہیں ہے اور نہ میں جب چاہوں ان پر قابو پا سکتا ہوں تاہم مجکو ان پر تصرف کرنے کی معقول توقع ہے اور اس لئے وہ اشیا میری مقبوضہ اور میں ان کا قابض سمجھا جاتا ہوں۔ لیکن اس کے برعکس اگر میرا کوئی جنگلی پرندہ پنجرے سے اڑجائے یا میں کسی کتاب کو خواہ میرے مکان میں ہو کسی اور کے گھر میں رکھکر اس طرح بھول جاؤں کہ یاد کرنے سے خیال ہی نہ آسکے کہ میں نے اسے کہاں رکھا ہے ان صورتوں میں ان اشیا پر میرا قبضہ باقی نہیں رہتا اور جب قابض اور شئے مقبوضہ میں اس طرح نسبت منقطع ہو جاتی ہے تو قابض اور دوسرے اشخاص میں اس شئے کے متعلق جو نسبت تھی وہ بھی زائل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اصلی نسبت معدوم ہوتی ہے تو ضمنی نسبت کیونکر باقی رہ سکتی ہے مثلاً اگر میری جیب سے ایک شلنگ (انگلستان کا نقرئی سکہ) راستے میں گر جائے تو ان دونوں طرح سے میرا قبضہ اس پر باقی نہیں رہتا اور میں اس کے پانے کی بہت ہی کم توقع کر سکتا ہوں بلکہ اس امر کا ظن غالب ہے کہ وہ کسی راہرو کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کو اپنے تصرف میں لے آئے۔

چودھواں باب

قبضہ (سلسلۂ مضمون سابقہ)

فصل ۱۰۱ قبضہ بالواسطہ اور بلا واسطہ

ایک شخص دوسرے کی جانب سے یا اس کے واسطے کسی شئے پر قبضہ رکھ سکتا ہے اور ایسی حالت میں دوسرے شخص کی نیابت سے پہلے شخص کا اس شئے پر قبضہ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جب ایک شخص کے توسط سے دوسرا شخص کسی شئے کا قابض ہو تو اس قبضے کو اصطلاحاً قبضۂ بالواسطہ یا قبضہ بالنیابت کہتے ہیں اور برعکس اس کے اگر کسی شئے کو کوئی شخص راست اپنے قبضے میں رکھے اور اس کے اور اس شئے کے درمیان کسی دوسرے شخص کا واسطہ نہ ہو تو وہ قبضہ بلا واسطہ کہلاتا ہے۔ مثلاً میں اپنی ذات سے جا کر کسی کتاب کو خریدوں تو مجھے اس پر قبضہ بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے اور اگر میں اپنے ملازم کو بھیجکر اس کے توسط سے اس کتاب کو مول لوں تو جو قبضہ مجھے اس پر حاصل ہوگا وہ قبضہ بالنیابت یا قبضہ بالواسطہ کہا جائے گا۔

قبضۂ بالنیابت کی تین قسمیں[1] ہیں پہلی قسم کا قبضہ ملازم یا کارندے کے ذریعے سے مالک کو حاصل ہوتا ہے یعنی ایک شخص بہ حیثیت نائب اور اپنی ذاتی غرض اور فائدہ کے بغیر دوسرے کے لئے کسی شئے کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے اور اس شکل میں شئے مقبوضہ کا حقیقی قابض اس کا مالک اور منیب سمجھا جاتا ہے مثلاً اگر میرا ملازم اپنے کاروبار میں میرے

[1] سلطنت جرمنی کے مجموعۂ قوانین دیوانی میں قبضۂ بالنیابت کا نہایت وسیع پیمانہ پر شرح و بسط کے ساتھ بیان موجود ہے جس کی وجہ سے اس مجموعۂ قوانین کی ایک مخصوص شان اور عظمت ہو گئی ہے (مجموعۂ مذکور کے فصول از ۸۶ تا ۸۷۱ ملاحظہ طلب ہیں م۔) اگر ایک شخص دوسرے کی جائداد کو اپنے قبضے میں رکھکر اس کی پیداوار یا منافع سے مستفید ہو یا ایک شخص دوسرے کی شئے کو گرو

آلات زراعت بخاری وغیرہ کو استعمال کرے یا میں اس کے ذریعے سے کسی چیز یا مال منقولہ کو خرید وں یا عاریتاً لاؤں یا اگر میں اپنا مال کسی محافظ گودام کے یہاں رکھاؤں یا اگر میں اپنے بوتے کسی کفش دوز (موچی) کے یہاں درستی کے لئے بھیجوں تو ان تمام اشیا پر میرا ہی قبضہ متصور ہوگا۔ اگرچہ ان تمثیلات میں اشیاء متذکرہ کا قبضہ بلا واسطہ میرے ملازم محافظ گودام اور کفش دوز کو حاصل ہے لیکن ان اشیا پر میرا ہی قبضہ بالواسطہ سمجھا جائیگا کیونکہ جو قبضہ کہ ان لوگوں کو ملا ہے وہ نیابتاً ہے اور میری نسبت انکا نہ کا حالات اور واقعات سے بخوبی ظہار ہو سکتا ہے۔

قبضۂ بالنیابت کی دوسری نوع وہ ہے جس میں ایک غیر شخص اپنی جانب نیز مالک شئے کی جانب سے اس شئے پر راست قبضہ تو رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مالک کے اس اعلیٰ اور افضل حق کو بھی تسلیم کرتا ہے جس کی بنا پر مالک کو جب منظور ہو اس شئے کو وہ اس طرح کے شخص غیر سے راستاً اپنے قبضہ میں لا سکتا ہے یعنی کسی شئے کے مستعار یا کرایہ پر لینے یا ایسے اسامی یا کرایہ دار کو جائداد وغیرہ منقولہ بمعاوضہ زر تحصیل یا کرایہ دینے کی صورت میں اس قسم کا قبضہ وقوع پذیر ہوتا ہے جس کی مدت قبضہ مالک جائداد کی مرضی پر منحصر رہتی ہے۔ اگر میں اپنی چیز کسی ایسے شخص کو مستعار دوں جو اس کے متعلق میری حقیقت کو تسلیم کرتا ہوا جب میں اس سے طلب کروں تو وہ اس کو مجھے واپس دینے پر آمادہ ہو اور جب تک میری شئے مستعار لینے والے کے پاس رہے تو وہ اس کا خبر گیر اور نگراں رہے تو ظاہر ہے کہ ایسی شکل میں اس شئے سے میرا قبضہ ہٹ نہیں سکتا۔ اس لئے جو شئے کہ نوکر کے تفویض کی جاتی ہے یا کسی امین یا محول کے حوالے کی جاتی ہے یا کسی شخص کو مستعار دی جاتی ہے ان سب کی ایک سی کیفیت ہے اور ان تینوں شخصوں کے قبضے میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ اگرچہ میری شئے ان تینوں میں سے کسی ایک کے قبضے میں رہ سکتی ہے لیکن مجھے اس امر کا اطمینان کلی حاصل ہے کہ کوئی دوسرا غیر شخص مجھے اپنی شئے کے تمتع اور استفادے سے محروم نہیں کر سکتا جس طرح میرے قبضے میں رہنے سے میری شئے محفوظ و مصئون رہ سکتی ہے اسی طرح اس پر میرے ملازم وغیرہ کا قبضہ رہنے سے مجھے اطمینان ہو سکتا ہے اور دوسرے کے قابض ہوتے کے بعد بھی میری شئے پر اسی طرح میرا قبضہ سمجھا جاتا ہے جیسا کہ وہ میرے قبضے میں بلا واسطہ ہے[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ لینے والے یا اسامی یا عاریتاً لینے والے یا امانت محول دار یا اسی قسم کی کسی وثیقہ سے ایک محدود اور معین مدت کے لئے اپنے پاس رکھے تو اس قسم کے غیر شخص کو اس شئے پر قبضۂ بالواسطہ حاصل رہتا ہے۔ دیکھو کتاب مسمی (Das burgerliche Recht:) جلد ۳ فصل ۱۳۔ مولفہ ڈرن برگ۔ ونڈ شیڈ جلد ا صفحات از ۶۹۷ تا ۷۰۱۔

[1] مقدمہ انکونا بنام راجرس (۱-۱ ای ایکس۔ڈی صفحہ ۲۹۲) عدالت اعلیٰ انگلستان کے فیصلہ میں

قبضہ بالنیابت کی پہلی دو قسمیں بیان کرنے کے بعد اس فقرے میں اب ہم اس کی ایک ایسی تیسری نوع کا ذکر کرتے ہیں جس کے ماننے میں اکثر لوگوں کو بظاہر شبہ ہوتا ہے لیکن بنظر امعان دیکھا جائے تو قیاسی و نظریۂ صحیح کو اس نوع کو ایک قسم کا صحیح اور جائز قبضہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ قبضے کی یہ شکل ان حالات میں پیدا ہوتی ہے جبکہ کسی شے کے قبضہ بلا واسطہ کا ایک شخص مدعی ہو اور وہ اس کو حاصل ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس شے کا ایک دوسرے شخص کو مالک سمجھتا ہو اور جب اس کا عارضی دعوی ختم ہو جائے تو وہ اس کو اصلی مالک کو واپس کرنے کے لئے آمادہ رہے۔ مثلاً میں اپنی ایک شے کسی شخص کو مدت معینہ کے لئے مستعار دوں یا اس کو گرو رکھوں اگر قرض لوں اور ادائی قرضہ تک وہ شے گرو گیرندہ کے یہاں رہے۔ تو ان صورتوں میں بھی بمقابل اشخاص ثالث ان اشیاء پر میرا ہی قبضہ متصور ہوگا۔ کیونکہ نیت قبضہ اور تصرف ایسی حالت میں بھی مجھ ہی کو حاصل ہے۔ نیت کی موجودگی اس وجہ سے سمجھی جائے گی کہ شخص غیر کے عارضی حق قبضہ کے سوائے میرا ادعا کہ بجز میرے اس سے کوئی بشر اشخص مستفید نہیں ہو سکتا مفقود نہیں ہوا ہے اور تصرف کا وجود اس لئے ہے کہ محول یا گرو گیرندہ کے توسط سے جو اس کو میرے لئے محفوظ رکھتا ہے میں دوسرے تمام اشخاص کو فی الحقیقت اس سے علحدہ کرتا ہوں اور اس طرح اس شے سے متمتع ہونے کا مجھے اطمینان کامل حاصل ہے۔ بہ لحاظ نیت مالکانہ کارندے اور ایسے محول ہیں جس کی مدت تحویل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ درج ہے کہ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ جس شخص نے اپنا سامان کسی امین کے سپرد کیا ہے اس غرض سے کہ وہ اس کی طرف سے اس کو امانتاً رکھے اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سامان مذکور کو اپنے قبضہ میں تصور کرے اور جو شخص ناجائز طور سے اس میں دست انداز ہو اس کے مقابلہ میں مداخلت بیجا کا دعوی کرے۔ مگر بعد بحث یہ قرار پایا کہ یہ سامان کا محض قانونی یا تعبیری قبضہ ہوگا۔ . . . . . . ہمکو اس دلیل سے اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جو سامان امین کو اس غرض سے حوالے کیا جائے کہ وہ امانت دہندہ کی طرف سے اس کی حفاظت کرے مثلاً کسی شخص کے چاندی سونے کے ظروف مہاجن کے پاس یا اسکا فرنیچر کسی گودام میں تو سامان مذکور عام اور نیز قانونی مفہوم میں امانت دہندہ ہی کے قبضہ میں متصور ہوگا۔

حوالہ کرنے والے کی مرضی پر منحصر ہو اور اس محول میں جس کی مدت تحویل معین ہو نیز اس قرضخواہ میں جس کے یہاں مال گرو رکھا جاتا ہے کسی قسم کا فرق نہیں ہے اور ان تمام اشکال میں دوسرے کے قبضۂ بلا واسطہ سے مالک شے استفید ہوتا ہے اور اگرچہ غیر شخص غیر شے پر قابض رہتا ہے لیکن وہ اس چیز کی اس کے مالک کے واسطے حفاظت کرتا ہے۔ لیکن اگر میں اپنی کتاب جلد بندھنے کے لئے جلد ساز کے حوالے کروں تو کیا میرے قبضے کا جاری رہنا اس امر پر منحصر ہوگا کہ آیا جلد ساز کو اپنی قیمت پانے کے لئے حق کفالت (کتاب کو روک رکھنے کا حق) حاصل ہے کہ نہیں ؟ اسی طرح اگر میرا ایک دوست مجھ سے کوئی کتاب عاریتاً لے جائے تو کیا میرا قبضہ اس امر کا محتاج ہوگا کہ میرا رفیق میرے مانگنے پر اس کتاب کو واپس کرتا ہے کہ اس کو کل تک وہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے ؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے احتمالات اور موشگافیاں مسئلۂ قبضہ سے غیر متعلق ہیں اور ان دونوں مثالوں میں اشخاص ثالث کے مقابلہ میں میرے قبضے پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔

جس قدر مثالیں فقرات بالا میں قبضہ بالنیابت کے متعلق بیان کی گئی ہیں اسکی آزمائش قانون متعلق قدامت کے ذریعے سے بخوبی ہو سکتی ہے اگر حقیقت میں قبضہ بالواسطہ ہے۔ تو اس پر قانون قدامت کا ضرور اثر پڑ سکتا ہے اگرچہ حق قدیم کی بنا ہمیشہ طولانی اور مسلسل قبضے پر ہوا کرتی ہے لیکن جو شخص اس طرح کسی شے کی ملکیت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اس شے پر قبضہ بلا واسطہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنی زمین کا پٹہ چند سال کے واسطے کسی اسامی کو دے سکتا ہے اور اس کے قابض نہ رہنے کے باوجود اس کے قبضے کو قدیم بنانے کے لئے مدت کا شمار پٹہ دینے والے ہی کے حق میں کیا جاتا ہے۔ اگر پٹہ دینے والا بربنائے قدامت اس زمین پر راستہ چلنے کا حق حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسامی پٹہ دار کی آمد و رفت جو اس زمین پر ہوتی ہے پٹہ دینے والے کی آمد و رفت شمار ہوگی۔ غرض قانون قدامت کے لئے جس قدر قبضہ بالواسطہ کی قسمیں ہیں وہ اسیطرح مفید اور موثر ہیں جسطرح اس کام کیلئے قبضہ بلا واسطہ کے انواع مفید اور موثر ہو سکتے ہیں۔ ہیگ بنام ویسٹ[1]

---

[1] (۱۸۹۳ء) کوئنز بنچ جلد ۲ صفحہ ۳۰ و ۳۱۔

کے مقدمہ میں لارڈ جسٹس لینڈلے نے تحریر فرمایا ہے کہ ویسٹری (مجلس انتظامی کلیسا) نے ان گلیوں اور پیدل کے راستوں سے جو پیرش (علاقہ کلیسا) میں واقع ہیں اپنے اسامیوں کے ذریعے سے تمتع حاصل کیا ہے...... ہماری رائے میں قانون میعاد سماعت کے زیر اثر پیرش کو ان راستوں پر حق مالکانہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ویسٹری نے اپنے اسامیوں کے توسط سے ان راستوں پر ایک سو برس سے زیادہ قبضہ رکھا ہے۔ اور متمتع ہوتی رہی ہے۔

جائداد منقولہ کی صورت میں قبضہ بالنیابت کی تمام قسمیں جس طرح از روے قانون تسلیم کی جاتی ہیں ان کو آزمانے کا ایک اور عمدہ طریقہ حوالگی (دخلیابی) بذریعہ اسامی و رعیت کا قانون ہے۔ بمقدمہ ایلمور بنام اسٹون[1] الف نے ب سے جو وردی پوش کوچمین اور سائیسوں کی سات گاڑیاں اور گھوڑے اپنے اصطبل میں رکھتا تھا ایک گھوڑا خریدا اور اقرار کیا کہ گھوڑا اس اصطبل میں ب کے پاس رہے گا۔ عدالت سے طے پایا کہ اس معاہدے کی بنا پر ب نے گویا فی الواقع گھوڑا الف کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ گھوڑا ب کے مسلسل قبضہ جسمانی میں تھا یعنی اس معاہدے کی رو سے الف کو قبضہ بالواسطہ اور ب کو بحق الف اس گھوڑے پر قبضہ بلا واسطہ حاصل ہو گیا۔ بمقدمہ ماروِن بنام ولیس[2] قبضہ بالنیابت کی اس سے بھی زیادہ تصریح کی گئی ہے الف نے ایک گھوڑا ب سے خریدا اور ب کے قبضہ بلا واسطہ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہونے کے بغیر اسی گھوڑے کو الف نے عاریتاً ب کے یہاں ایک مہینے تک رہنے دیا۔ اگرچہ اس صورت میں الف حوالہ کرنے والا اور ب محول ہے لیکن تجویز ہوئی کہ معاملہ خریداری طے پانے ہی گھوڑے پر الف کا قبضہ قائم ہو گیا اور گھوڑا موثر طور پر الف کے حوالے ہو چکا حالانکہ بظاہر اس پر سے ب کا قبضہ ہٹا نہ تھا۔ یہ ایک تیسری قسم کا قبضہ بالنیابت ہے جو مالک اسپ یعنی الف کو اس کے محول ب کے توسط سے ایک مدت معینہ کے واسطے حاصل ہوا ہے کرامپٹن جسٹس اسی فیصلہ میں ایلمور بنام اسٹون کا حوالہ دیتے ہوے تحریر فرماتے ہیں کہ پہلے مقدمے میں ایک قسم کی امانت اور تفویض پائی جاتی ہے جو اصلی قبضے سے بالکل جداگانہ ہے لیکن اس دوسرے مقدمہ میں جو زیر تجویز ہے ہم کو ایک قسم کے قرضہ کا تصفیہ

---

[1] ٹانٹ جلد ۱ صفحہ ۴۵۸ ریوائزڈ رپورٹس (نظائر جن کی نظر ثانی کی گئی ہے)۔ ۱ صفحہ ۸۷۵

[2] ایلس اینڈ بلیک برن جلد ۶ صفحہ ۷۲۶۔

کرتا ہے لیکن ان دونوں مقدموں میں جو قبضہ محول یا مفوض کا ہے وہی قبضہ اس شے کے حوالے اور تفویض کرنے والے کا سمجھا جاتا ہے اور اگر اس قسم کے مقدموں میں تفویض کنندہ اور مفوض کے قبضہ میں فرق کیا جائے تو مخلوق کو اس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے

قبضہ بالواسطہ کی جس نوع پر غور کرو صرف ایک امر کا پتہ ملتا ہے کہ وقت واحد میں ایک شے کے دو شخص قابض پائے جاتے ہیں قابض بلا واسطہ اور قابض بالواسطہ کے درمیان ایک قسم کی نسبت ہے اور پہلا شخص دوسرے شخص کے توسط سے کسی شے پر قبضہ رکھتا ہے مثلاً اگر میں اپنا سامان یا مال کسی کارندے کے یہاں رکھا دوں تو میں اور وہ اس سامان اور مال کے قابض سمجھے جاتے ہیں کارندہ تو میری جانب سے اور میرے فائدے کے لئے اور میں اس کے واسطے سے سامان پر قبضہ رکھتا ہوں۔ اسی طرح آقا اور ملازم مالک زمین اور اسامی حوالہ کنندہ اور محول گرو رکھانے والا اور گرو رکھنے والے کی صورتوں میں دوہرا قبضہ وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن قبضہ بالواسطہ کا اثر اشخاص ثالث پر پڑتا ہے اور بمقابلہ قابض بلا واسطہ اس طرح کے قبضے کا وجود تسلیم نہیں کیا جاتا اور برعکس اس کے بشمول قابض بالواسطہ تمام دنیا کے مقابلے میں قبضہ بلا واسطہ جائز اور صحیح سمجھا جاتا ہے مثلاً اگر میرا مال کسی محافظ گودام کی تفویض میں رکھا جائے تو دوسرے تمام اشخاص کے مقابلہ میں اس کا قابض میں سمجھا جاؤں گا کیونکہ ان سب کے مقابلے میں محافظ گودام کے قبضہ اور نگرانی سے صرف میں مستفید ہوتا ہوں لیکن محافظ گودام اور میرے مقابلے میں وہ نہ کہ میں اس مال کا قابض سمجھا جاؤں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں میں اپنی نیت قبضہ کا اظہار کر سکتا ہوں اور نہ مجھے اس مال سے متمتع ہونے اور اس پر تصرف کرنے کا اطمینان ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی بہ شکل گرو تمام دنیا کے مقابلے میں مدیون اپنی گرو شدہ شے کا قابض متصور رہتا ہے لیکن اس کے اور داین (گرو رکھنے والے) کے مقابلے میں قابض شے یہ دوسرا شخص سمجھا جاتا ہے مدیون کو قبضہ بالنیابت اور قبضہ نسبتی حاصل ہے مگر داین اس شے پر قبضہ بلا واسطہ اور قبضہ مطلق رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس زمیندار اور کسان (مالک زمین اور اسامی) حوالہ کنندہ اور محول مالک اور ملازم نیب اور نائب مالک اور کارندہ قبضہ بالنیابت اور دوسرے تمام اشکال میں یہی کیفیت پیش آتی ہے۔

فقرۂ بالا میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی آزمائش بھی قدامت (ادر امتدادِ زمانہ کے) ذریعے سے کی جاتی ہے کیونکہ زمیندار اور اسامی کے مقابلے میں اگر قانون قدامت کا اثر ہو سکتا ہے تو مدت دیرینہ کا شمار اسامی کے حق میں کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جائداد کے صحیح اور اصلی مالک کے مقابلے میں زمیندار (کرایہ دار) کے حق میں قدامت یا مدت دیرینہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ ہر ایک شکل میں زمین پر حق ملکیت پیدا کرنے کے لئے بیس سال کا قبضہ کافی ہے اور بطور مثال یہ بھی فرض کرو کہ الف نے ب کی زمین پر دس سال تک ناجائز طور پر قابض رہنے کے بعد ج کو کسی معاوضہ کے بغیر اسے اپنے استعمال میں لانے کی اس شرط سے اجازت دی کہ جب وہ چاہے ج کو بیدخل کر سکتا ہے اور اس طرح سے وہ زمین دس سال تک ج کے قبضے میں رہی لیکن اس دوسری مدت کے اختتام پر زمین مذکور کا حق ملکیت الف کو حاصل ہوتا ہے حالانکہ الف اس پر بیس سال تک مسلسل قابض نہیں رہا لیکن ج کا اگر اور دس سال تک اس پر قبضہ رہے تو اس کو بمقابلہ الف حق پیدا ہوگا کیونکہ زمیندار (یا پٹہ دہندہ) کے مقابلے میں وہ مسلسل بیس سال تک قابض سمجھا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ قدامت اور مدت دیرینہ کا شمار قابض بلا واسطہ کے حق میں اور قابض بالواسطہ کے خلاف کیا جاتا ہے لیکن قابض بالواسطہ اور اشخاص ثالث کے مقابلے میں پہلے شخص کے حق میں اس مدت کا شمار کیا جاتا ہے۔

فصل ۱۰۲ قبضۂ باہمی

قدیم قانون رومانی کا نظریہ تھا کہ وقت واحد میں دو شخص ایک شے کے قابض نہیں ہو سکتے[۱]۔ اگرچہ ایک عام مقولۂ قانونی کے طور پر یہ مسئلہ صحیح ہے کیونکہ قبضہ کے وجود کے لئے ایک شے پر ایک ہی شخص کا قابض و متصرف ہونا اور دوسروں کا اس تصرف میں مداخلت کرنے کے لئے مجاز نہ ہونا لازم ہے۔ دو شخص ایک ہی وقت میں بمقابلہ یکدیگر موثر طور پر کسی شے کے تصرف و استعمال کی نسبت اپنے دو متضاد دعووں کا اظہار نہیں کر سکتے ہیں اور نہ واقعات سے ان کے متضاد ادعا کا ظہور ہو سکتا ہے لیکن

---

[۱] ڈائجسٹ ۴۱-۲-۳-۵۔

جب قابضین کے تصرف میں یکجہتی اور اشتراک ہو اور اس بنا پر ایک کا ادعائے قبضہ دوسرے کے دعوے مقابلت سے متصادم نہ ہوتا ہو تو دو یا دو سے زیادہ اشخاص کا ایک ہی شے پر قبضۂ مشترک (قبضۂ باہمی) ہو سکتا ہے لہذا قبضۂ باہمی کی حسب ذیل چند صورتیں ہیں۔

ا۔ ایک ہی شے کے متعلق جیسا کہ فصل سابقہ میں بیان کیا گیا ہے بالواسطہ اور بلاواسطہ دو قسم کا قبضہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ جس طرح ایک شے کے دو یا دو سے زیادہ اشخاص مشترک مالک ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک شے پر چند اشخاص کا مشترک قبضہ ہو سکتا ہے اور قانون روما کی شرح لکھنے والوں نے اس کے لئے قبضۂ مشترکہ یا قبضۂ بالاشتراک اصطلاح قرار دی ہے۔

۳۔ جس طرح ملکیت مادی اور غیر مادی کا وجود ہو سکتا ہے اسی طرح ایک ہی مادی شے کے متعلق قبضۂ مادی اور غیر مادی کا قیام ہو سکتا ہے۔ مثلاً الف کی مقبوضہ زمین پر ب کو راستہ چلنے کا حق ہو سکتا ہے کیونکہ الف کے قبضے کے لئے جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بیان کیا ہے اس زمین پر اس کا عام تصرف رکھنا کافی ہے اور دوسروں کو محروم کر کے اپنا مطلق و منفرد تصرف رکھنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

فصل ۱۰۳ حصول قبضہ

قبضے کے ہستی اس کے دو عنصروں (اجزائے ترکیبی) نیت اور شے مقبوضہ پر منحصر ہے جس شخص کو جب کبھی ان دو عنصروں پر قبضہ حاصل ہوتا ہے تو وہ کسی شے کا قابض سمجھا جاتا ہے اور ان ضروری عناصر کے بغیر قبضے کا وجود ناممکن ہے۔ ایسا ہی ان دو میں سے کسی ایک عنصر کے ناپید ہونے سے قبضہ معدوم ہو جاتا ہے حصول قبضہ کے دو طریقے ہیں یعنی لینا (گرفت کرنا) اور حوالے کرنا۔ لینے اور گرفت کرنے سے قابض سابق کی رضامندی کے بغیر کسی شے کا قبضہ حاصل کرنا مراد ہے۔ جو شے کہ لی جاتی ہے اس کا پہلے سے کسی اور کے قبضے میں رہنا اور نہ رہنا ممکن ہے اور اس طرح سے ان دونوں صورتوں میں حصول قبضہ جائز اور ناجائز ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس حوالگی

کی کیفیت ہے اور اس کا مفہوم قابض کی رضامندی اور موالات سے قبضے کا حاصل کرنا ہے۔
حوالگی کی دو قسمیں ہیں، اور انگریزی مقننین نے ان کے دو علیحدہ نام مقرر کئے ہیں یعنی حوالگی واقعی اور حوالگی معنوی۔ حوالگی واقعی سے مراد قبضہ بلاواسطہ کی منتقلی ہے یعنی شے کو دست بدست منتقل کرنا گویا ایک شخص اپنے ہاتھ سے ایک چیز اُٹھا کر دوسرے شخص کے حوالے کرتا ہے۔ چونکہ منتقل کرنے والا شے کا قبضۂ بالواسطہ کبھی اپنے پاس رکھتا ہے اور کبھی نہیں رکھتا اس لئے حوالگی واقعی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جائداد منقولہ کا بذریعہ بیع حوالہ کرنا مثال ہے اس حالت کی جس میں اس کا منتقل کرنے والا اپنے پاس اس کا قبضۂ بالواسطہ نہیں رکھتا ہے اور مال یا جائداد منقولہ کا کسی شخص کو قرض دینا یا کسی کو بطور امانت تفویض کرنا تمثیل ہے اس صورت کی جس میں منتقل کرنے والے کو شے محولہ یا منتقل شدہ کا قبضہ بلاواسطہ حاصل رہتا ہے۔

اس کے برعکس ہر ایک قسم کی حوالگی کو جو حوالگی واقعی نہ ہو حوالگی معنوی کہہ سکتے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کی حوالگی معنوی وہ ہے جس کے لئے علمائے قانون روما نے ٹریڈیشیو بریوی مانو (Ttaditio brevi manu حوالگی دست بدست) کی اصطلاح تجویز کی ہے اور انگریزی قانون میں بھی یہی اصطلاح قائم رکھی گئی ہے جس سے مراد کسی شے کا قبضۂ بالواسطہ اس شخص کے حوالے کیا جاتا ہے جس کو اس کا قبضہ بلاواسطہ پہلے سے حاصل رہتا ہے۔ مثلاً اگر میں اپنی کتاب ایک شخص کو مستعار دوں اور جب کہ کتاب اس کے قبضے میں رہے اس کے ہاتھ اس کتاب کو فروخت کرنے یا اس کو ہبہ کر دینے کے لئے اس شخص سے اقرار کر لوں تو محض میرے اس کہنے سے کہ وہ کتاب کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے میں اس بیع یا ہبہ کی تکمیل میں موثر طور سے کتاب کو اس شخص کے حوالہ کر سکتا ہوں اور اس شخص کے لئے

ٖلہ بہرحال یہ اصطلاحات بالکل صحیح اور موزوں نہیں ہیں کیونکہ جس حوالگی کا لقب حوالگی معنوی قرار دیا گیا ہے اس میں بھی کسی شے کا حقیقی قبضہ پوری طرح سے منتقل کیا جاتا ہے اور اس کارروائی میں کوئی بات فرضی اور بے اصل نہیں ہوتی لہذا اس قسم کی حوالگی پر حوالگی معنوی کا لفظ صحیح طور سے اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

اس کتاب کو مجھے واپس کر کے میرے ہاتھ سے دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کتاب کا قبضہ بلا واسطہ اسی شخص کو حاصل ہے اور بیع یا ہبہ کی تکمیل کے واسطے مجھکو صرف اپنی نیت قبضہ کا[1] ترک کر دینا کافی ہے اور اس ترک نیت سے جو قبضہ بالواسطہ مجھکو حاصل ہے وہ مفقود ہو جاتا ہے۔

حوالگی معنوی کی دوسری قسم وہ ہے جس کو قانون روما کے شرح کرنیوالوں نے کانسٹی ٹیوٹم پزیسیوریم Constitutum Possessorium (اقرار متعلق قبضہ) لکھا ہے اور یہ اقرار متعلق قبضہ برعکس ہے حوالگی محض بدست کا۔ اس حوالگی میں قبضہ بالواسطہ تو منتقل ہوتا ہے لیکن قبضہ بلا واسطہ منتقل کرنے والے ہی کے پاس رہتا ہے یعنی قابض شے کے اقرار کرنے سے کہ آئندہ سے وہ اس شے پر اپنے لئے نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص کے واسطے قبضہ رکھیگا اس شے کی موثر طور سے حوالگی عمل میں آسکتی ہے اور قابض سابق یا قابض جدید کو اس قسم کے قبضے کے حوالہ کرنے میں اپنے ہاتھ وغیرہ سے مدد لینے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کیونکہ منتقل کرنے والے کے قبضۂ بلا واسطہ کے توسط اور اس کے اقرار محض کے ذریعے سے منتقل الیہ کو اس شے کا قبضہ بالواسطہ حاصل ہو جاتا ہے لہذا اگر میں کسی متعلم گودام سے کچھ مال (جائداد منقولہ) خرید کر لوں تو اس کے اس معاہدے کے ساتھ ہی کہ وہ اس مال کو بطور محافظ گودام میرے لئے اپنے پاس رکھے گا وہ مال میرے حوالے ہو جاتا ہے اور یہ حالت اس شکل کے مشابہ ہوتی ہے کہ گویا وہ مال فی الواقع پہلے میرے حوالے کیا گیا بعد ازاں میں نے اس کو گودام واپس بھیجکر اس کے محافظ کی حفاظت میں رکھوایا[2]۔

---

[1] حوالگی دست بدست کی مثالوں کے لئے دیکھو ونٹر بنام ونٹر لاٹائمز (سلسلہ جدید) جلد ۴ صفحہ ۶۳۹ کیمن بنام میون ۱۸۹۶ء کوئنز بنچ جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ رچرڈ بنام واے ارلا ریورٹ پریوی کونسل جلد ۵ صفحہ ۱۶۴-۱۲۔

[2] اقرار متعلق قبضہ کی مثالوں کے واسطے دیکھو ایلموربنام اسٹون ٹاؤنٹن جلد ۱ صفحہ ۴۵۸ ریوائزڈ ریپورٹس جلد ۱۰ صفحہ ۵۷۰۔ مارون بنام ولیس ایلیس اینڈ بلیک برنڈ جلد ۶ صفحہ ۷۲۶ اس کے علاوہ دیکھو کتاب ہذا فصل ۱۰۱

حوالگی معنوی کی تیسری نوع وہ ہے جس کو قانون انگلستان کے ماہرین اٹورنمنٹ (Attornment - انتقال وتبدیل) کے نام سے موسوم کہتے ہیں[لہ] اس قسم کی حوالگی میں قبضۂ بالواسطہ منتقل کیا جاتا ہے اور قبضہ بالواسطہ کا پانے والا شخص ثالث ہوتا ہے اگر وہ شخص جس کو کسی شے کا قبضۂ بالواسطہ حاصل ہے قابض بلا واسطہ کو راضی کرلے کہ وہ منتقل الیہ کی جانب سے اور اس کے فائدے کے واسطے آئندہ اس شے پر مثل سابق قابض رہے گا تو قابض بالواسطہ وہ شے منتقل الیہ کو حوالہ کرسکتا ہے مثلاً اگر میرا مال الف کے گودام میں بصیغۂ تحویل یاامانت رکھا رہے اور میں اس کو ب کے ہاتھ بیع کردوں تو الف کے اس امر سے رضامند ہوتے ہی کہ وہ میری جانب سے نہیں بلکہ ب کی جانب سے وہ آئندہ اس مال کو اپنے قبضے میں رکھے گا میں موثر طور سے مال کو ب کے حوالے کر دیتا ہوں، حالانکہ قبضۂ واقعی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہونے پاتی۔ حوالگی معنوی کی اس مثال میں اور اس کی نہ کسی دوسری قسم میں انسان کو اس شے کے ہٹانے یا ہاتھ لگانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے جس کا قبضہ منتقل کیا جاتا ہے محض فریقین کی نیت قبضہ میں جن کے درمیان اس شے کے متعلق معاملۂ قانونی طے پاتا ہے تغیر ہونا حوالگی شے کے لئے کافی[۵۲] ہے۔

فصل ۱ قبضے سے مراد اصل میں قابض کا اپنی جسمانی قوت سے مداخلت غیر کو روکنا نہیں ہے ایک نہایت مشہور ومقبول نظریۂ قانونی کے مطابق شے مادی کے قبضہ کے متعلق قابض کا اپنی قوت جسمانی سے مداخلت غیر کا دفع کرنا اور روکنا

سلہ وسیع مفہوم کے لحاظ سے حوالگی دست بدست کو اصطلاحاً انتقال وتبدیلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲

سلہ ۵۲ قانون بیع متعلق جائداد منقولہ (جو برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ میں نافذ ہے۔) بابتہ ۱۸۹۳ء دفعہ ۲۹ (۳) کی رو سے حوالگی بذریعہ انتقال بحال رکھی گئی ہے :"جس صورت میں بوقت بیع مال کسی شخص ثالث کے قبضہ میں ہو بایع کی جانب سے مال کا مشتری کے حوالے کیا جانا اس وقت تک نہیں سمجھا جائیگا جب تک شخص ثالث اس امر کو تسلیم نہ کرلے کہ وہ منجانب مشتری مال مبیعہ کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے ۱۲ -

ایک امر ضروری ہے۔ اس نظریہ کے مطابق (جسم قبضہ) جسمانی قبضہ کی دو قسمیں ہیں قسم اول کا تعلق قبضہ کی ابتدا اور قسم دوم کا تعلق اس کے تسلسل اور اجرا سے ہے۔ جس قبضہ جسمانی کا تعلق قبضہ کی ابتدا سے ہے اس سے مراد ایک شخص کی موجودہ یا حقیقی قوت جسمانی ہے جس کی بدولت وہ دوسرے تمام اشخاص کو اپنی شئے مقبوضہ میں مداخلت کرنے اور اس پر تصرف کرنے سے روک سکتا ہے۔ دوسری قسم اس کی وہ قبضہ جسمانی ہے جس کے ذریعہ سے قابض اپنے قبضہ کو جب وہ ایک مرتبہ حاصل ہو جائے قائم رکھ سکتا ہے اور برخلاف پہلی قسم کے قسم ثانیہ سے مراد شئے مقبوضہ پر قبضہ رکھنے کی ایسی قابلیت ہے کہ قابض جب چاہے اس قابلیت کو اپنے میں پیدا کر سکے۔ مثلاً کسی گھوڑے کی باگ ہاتھ میں لینے یا اس پر سوار ہونے یا کسی اور طریقے سے اس کو اپنے قبضہ یا واسطہ میں لانے سے میں اس گھوڑے کا قبضہ حاصل کر سکتا ہوں اور اس طرح اس گھوڑے کے متعلق مداخلت غیر کو روک سکتا ہوں لیکن اس طریقے سے جو قبضہ مجھے حاصل ہوتا ہے اس کے قائم رکھنے کے لیے مجھ کو اس قسم کی جسمانی نسبت اس گھوڑے کے ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس گھوڑے کو اپنے اصطبل میں رکھ سکتا ہوں یا کسی کھیت میں کھلا چھوڑ سکتا ہوں جہاں اسے دوڑنے اور نقل و حرکت کرنے کی بالکل آزادی حاصل ہے۔ لیکن جب تک میں اپنی مرضی سے اس گھوڑے کے پاس پہنچ سکتا ہوں یا میں جب چاہوں اپنی قوت جسمانی کے اس تعلق کو جس کو میں نے ابتداً بوقت قبضہ پیدا کیا تھا وجود میں لا سکتا ہوں گھوڑے پر میرا قبضہ ختم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس قیاس قبضہ کے متعلق اعتراضات ذیل وارد کئے جا سکتے ہیں[1]۔

---

[1] قبضہ کے متعلق جس نظریۂ قانونی کا اس فقرے میں بیان کیا گیا ہے اس کا موجد سیوائنی ہے اور اس نے اس کو اپنی مشہور کتاب موسوم بہ "قبضہ" (Recht des Besitzes) مطبوعہ ۱۸۰۳ء کے ذریعے سے شائع کیا ہے۔ اس تصنیف کا اثر عرصہ دراز تک اقلیم یورپ پر عموماً اور انگلستان پر خصوصاً پڑا ہے اور ابھی تک اس کی قبولیت عام میں چنداں فرق نہیں آیا ہے سیوینی کے اس قیاس مسئلہ قانونی پر جو اعتراض وارد ہوئے ہیں ان کو اہرنگ نے اپنی تصنیف مسمی (Grund des besitzesschutzes)

ا - بلکہ کسی قابض کو قبضے کی ابتدا کے وقت دوسروں کو اپنی قوت جسمانی سے
خارج کرنے یا روکنے کی ضرورت نہیں ہے - اچھا ایسے شخص کے پاس جس نے ایک ایسی جائداد
پر دخل پایا ہو جس کا رقبہ چند مربع میل وسیع ہو دوسروں کی مداخلت بیجا کو روکنے کی
کیا قوت جسمانی ہے؟ کیا یہ بات مسلمہ نہیں ہے کہ شخص مذکور اس وسیع قطع زمین پر جو غیر
محصور اور غیر محفوظ ہے اور جس پر نہایت آسانی سے ہر ایک شخص مداخلت بیجا کر سکتا ہے
اپنا کامل قبضہ رکھ سکتا ہے؟ قوی اور مضبوط آدمی تو درکنار ایک طفل تک قبضہ حاصل
کرنے کے بعد اس کو قوی الجثہ اور بلند قامت اشخاص سے بچا سکتا ہے بلکہ ایسا مریض
بھی جو بستر مرگ پر بے بس پڑا ہوا ہو قبضہ حاصل کر سکتا ہے اگر میں سمندر میں جال
بچھاؤں تو کیا مجھکو ان مچھلیوں پر قبضہ حاصل نہیں ہو سکتا جو میرے جال میں
گرفتار ہوتی ہیں؟ بیشک جال میں ان کے داخل ہونے کی دیر ہے کہ میں ان کا
قابض بنجاتا ہوں برایں ہمہ ہر ایک ماہی گیر جو میرے نزدیک سے گزرتا ہے اور میرے
قریب میں مچھلیاں پکڑتا ہے اس کو مجھے محروم کرنے کا اس سے زیادہ اختیار حاصل
ہے کہ میں اس کو محروم کر سکوں - اسی طرح اگر میں جانوروں کے پکڑنے کے لئے جنگل
میں جال بچھاؤں تو میری ذات اور میری قوت جسمانی کی عدم موجودگی کے باوجود
میں ان تمام جانوروں کا قابض بنجاتا ہوں جو میرے جال میں گرفتار ہوتے ہیں -
اگر کوئی فروشندہ میری عدم موجودگی میں میری زمین پر پتھر یا جلانے کی لکڑی کا ایک
بوجھ لاکر اُتار دے تو اس بوجھ کے اُترتے ہی کیا اس پر میرا قبضہ نہیں ہوتا؟ حالانکہ
اس بوجھ پر میں اور نہ کوئی دوسرا شخص اپنی قوت یا اختیار جسمانی کا استعمال کر سکتا ہے
میرا کھیت یا زمین میری سکونت سے چاہے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو اور کسی شخص کو اس کی
نگرانی کے لئے متعین نہ کرنے کے باوجود وہ میرے قبضے میں رہ سکتا ہے اور میرے
مویشیوں میں جو اس زمین پر رہتے ہیں اضافہ ہو تو اس کا بھی میں قابض سمجھا جاؤں گا -
ان تمام مثالوں میں جن کا ذکر فقرہ بالا میں کیا گیا ہے مداخلت غیر کو خارج
کرنے کے لئے جس قوت جسمانی کو فرض کیا گیا ہے اس مفروضہ کی حیثیت ایک افسانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کے صفحات ۹۰ تا ۹۴ پر نہایت شد و مد سے دکھلائے ہیں ۱۲

سے زیادہ نہیں ہے قبضہ کی صحیح آزمائش مداخلت غیر کو روکنے والی قوت جسمانی نہیں ہے
بلکہ مداخلت غیر کے عدم امکان و احتمال کے ذریعے سے اس کی شناخت کی جاتی ہے
خواہ اس عدم امکان و احتمال کا ماخذ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شے مقبوضہ سے تمتع حاصل کرنیکے
اطمینان کو قبضہ کہتے ہیں قابض کی موجودگی اور قوت جسمانی کے علاوہ اس اطمینان کو
پیدا کرنے والے دوسرے متعدد ذرائع ہیں یہ سچ ہے کہ زمانۂ جنگ میں توپ اور
شمشیر ہی کے ذریعے سے ہر ایک مقام کا قبضہ ملتا اور محفوظ رہ سکتا ہے لیکن جن صلح پسند
شہریوں کی حکومت قانون کی ماتحتی میں بسر ہوتی ہے اور جس سنجیدگی اور سلامت روی
کے ساتھ ان کے معاملات باہمی طے پاتے ہیں ان کو قبضہ کے حاصل کرنے اور قائم
رکھنے کے لیے زمانۂ جنگ کے طریقوں سے کہیں زیادہ آسان و سہل طرز اور وضع پر عمل کرنا
پڑتا ہے۔ مدعی قبضہ کی قوت جسمانی کی محض مقدار مداخلت مخاصمانہ روکنے کے لئے کافی
نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی اسباب و ذرائع ہیں ہر ایک قوم اور ملک کے رسم و رواج
خیالات اور آرا امور جائز کو برقرار رکھنے کا میلان اور سچے دعووں کی حرمت جو اس کے
قلب میں ہوتی ہے اور جو باتیں معرض وقوع میں آجائیں ان سے رضامند ہونے کی
عادت بہر حال اس قسم کے مختلف اوصاف و عادات قومی پر مداخلت قبضہ کے موانعات
مبنی ہیں اور ان سب وجوہ پر ہمکو غور کرنا لازم ہے۔ ان کے علاوہ ہمکو اس امر پر بھی
غور کرنا چاہیے کہ شے مقبوضہ سے کس قسم کے تمتعات حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس کا
کیا استعمال ہو سکتا ہے قبضے کے قائم رکھنے کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر کن امور
کا انتظام کرنا ممکن ہے یا قیام قبضہ کے لئے عموماً کیا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے قوم کی
رائے میں اس ادعا کا جائز ہونا جس کے ذریعے سے مدعی اپنا قبضہ قائم کرتا ہے۔
سوسائٹی زیر بحث میں کس حد تک تشدد ناجائز رائج ہے قبضہ میں مداخلت کرنے کے
مواقع اور کیوں افراد قوم کی طبیعت اس کی جانب مائل ہے اور سب سے اخیر ہمکو
قابض کی قوت جسمانی کا لحاظ کرنا چاہیے جس کے ذریعے سے وہ اپنے دشمنوں کے
حملے کو رد کرتا ہے لیکن اسی ایک سبب کو مداخلت غیر کا مانع نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر
ان تمام حالات و اسباب کے لحاظ سے ظاہر ہو کہ قبضہ رکھنے کی نیت اس قدر
برومند اور پختہ ہو گئی ہے کہ اس کے عمل پذیر اور مکمل ہونے کے متعلق قابض کو معقول

اطمینان ہو گیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کا قبضہ قائم ہو گیا اور اگر اس طرح کا اس کو اطمینان نہ ہو تو اس کے قبضے کا وجود نہیں ہوا۔

یہ بات کسی طرح سے سمجھ میں نہیں آتی کہ قبضہ اپنی ابتدا اور اپنے جاری رہنے کے زمانے میں مختلف عناصر سے بنتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ قبضے کی بنا انسان کی وہ واقعی قوت جسمانی ہے جس کے ذریعے سے مداخلت غیر روکی جاتی ہے اور قبضے کے جاری رہنے کے زمانے میں وہ اس ابتدائی تعلق اور نسبت کے دوبارہ پیدا کرنے کی قوت پر منحصر ہے؟ قبضہ ایک ایسی نسبت کسی شخص اور شے کے درمیان ہے جو جاری رہتی ہے اور جس کی واقعات سے تصدیق ہوتی ہے لہذا قبضے کی از ابتدا تا انتہا ایک سی ماہیت ہونی چاہیے۔ یہ ماہیت کیا ہے؟ (قبضے کی اصل میں کیا ماہیت ہے؟) اس سوال کا جواب دینے میں **سیوائینی** کا نظریہ ساکت ہے۔ یہ نظریہ صرف اس امر کو بیان کرتا ہے کہ قبضے کی ابتدا اور اس کی انتہا کس طرح اور کیونکر ہوتی ہے لیکن ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے اور اس کے جاری اور بحال رہنے کے زمانے میں وہ کیا شے ہے۔

۳۔ نظریہ زیر بحث پر تیسرا اور آخری اعتراض یہ ہے کہ اس کا اشیا رغیر مادی کے قبضے پر اطلاق نہیں ہو سکتا اگر اس نظریہ کو قبضہ زمین کی توجیہ کرنے میں کامیابی ہو سکتی ہے تو اس کے ذریعے سے کسی حق راہ یا کسی دوسرے حق کے قبضے کی جو جائداد غیر پر ایک شخص کو حاصل ہوتا ہے اور جس کو **سروی ٹیوڈ** کہتے ہیں وجہ بیان کرنی ناممکن ہے کیونکہ سروی ٹیوڈ کا قبضہ نہ تو غیر کے خارج کیے جانے پر اور نہ قابض کی قوت جسمانی پر منحصر ہے جس کے ذریعے سے وہ مداخلت غیر کو دفع کرتا ہے بلکہ اس کے برعکس زمین ممنوع کے قابض کو سروی ٹیوڈ کو خارج کرنے کی جسمانی قوت اور اختیار رہے۔ اگر مجھے روشنی کا حق آسائش حاصل ہے تو کیا میں اپنی قوت جسمانی کے ذریعے سے اپنے ہمسایہ کی تعمیر وغیرہ کی کارروائی جس کے ذریعے سے وہ میرے اس حق کی پامالی کرتا ہے روک سکتا ہوں اس میں شک نہیں کہ سیوائینی کے تجزیہ کے لئے یہ کوئی قطعی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اعتراض کے رد کرنے میں منجانب سیوائینی یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ صحیح مفہوم کے لحاظ سے قبضے کا اطلاق محض اشیار مادی کے قبضے پر کیا جا سکتا ہے اور اسی قسم کے قبضے کے لئے یہ لفظ محدود ہے لیکن غیر مادی چیزوں کے لئے جو قبضے کا اطلاق کیا جاتا ہے

وہ محض ایک طرح کی مشابہت اور استعارہ ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ دنیا نے قبضہ کے مفہوم کو وسعت دیکر اس کا اطلاق غیر مادی اشیا کے قبضہ پر بھی کیا ہے اور یہ طریقہ اس قدر رائج ہو گیا ہے کہ اس کا انسداد ممکن نہیں ہے لہذا قبضہ کی تعریف اس نہج پر قرار دی جانی چاہیے جو اس کی دونوں قسموں پر شامل اور حاوی ہو سکتی ہو اور اسی وجہ سے ہم قبضہ کی اُس تعریف کو جو اس کی دونوں شکلوں پر مبنی ہے سیوانینی کی بیان کردہ تعریف پر جس میں قبضہ کی ایک نوع کو تسلیم کر کے جبراً اس کی دوسری نوع کو خارج کر دیا گیا ہے ترجیح دیتے ہیں

فصل ۵۔ قبضہ (اشیاء) غیر مادّی

یہانتک ہمنے اپنی توجہ اشیاء مادی کے قبضہ تک محدود رکھی تھی لیکن اب ہم غیر مادی اشیا کے قبضہ پر غور کر کے قبضہ کے ایک ایسے عام تصور کی تلاش کرتے ہیں جس میں اُس کی دونوں قسمیں شامل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً میں کسی زمین کا بھی قابض ہو سکتا ہوں اور اس راستہ کا بھی جو زمین پر سے گزرتا ہے یا مجرائے روشنی جو اس پر سے ہو کر میرے مکان کو آتی ہے یا اس مدد کا جو اس زمین سے میری متصل زمین کو ملتی ہے اسی طرح میں اختیارات امتیازات معافیات آزادیوں عہدوں مراتب مناصب خدمات اور اجاروں کا قابض ہو سکتا ہوں اور یہ تمام چیزیں انسان کی ملک اور قبضہ ہو سکتی ہیں بلکہ یہ اشیا ایک شخص کی ملک اور دوسرے کا قبضہ ہو سکتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو شخص ان چیزوں کا مالک ہے وہ ان کا قابض نہیں ہوتا اور جن اشخاص کے قبضہ میں یہ چیزیں ہوتی ہیں وہ ان کے مالک نہیں ہوتے۔

قبضہ مادی سے مراد جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بھی بیان کیا ہے ایک شخص کا اپنے ادعا کو جاری رکھنا ہے کہ اس کے سوائے کسی دوسرے شخص کو کسی شے مادی سے متمتع ہونے کا حق نہیں ہے اور صرف مدعی اس مادی شے کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ شے مادی کے سوائے دوسری جس کسی شے کے متعلق اس طرح کا مسلسل ادعا جو کیا جاتا ہے وہ قبضہ غیر مادی ہے اس دوسری قسم کے ادعا میں شے مدعا بہا سے مراد دوسرے اشخاص کو خارج کر کے کسی مادی چیز کے تمتع اور تصرف کے متعلق قابض کا دعویٰ کرنا ہے (اور اس کی مثال میں راستہ یا اور ایسی سروی ٹیوڈ داخل ہیں جو ایک قطعہ زمین پر واقع ہوں) یا ایسا کوئی حق نفع اور فائدہ جو مادی اشیا کے تصرف و تمتع سے غیر متعلق ہو جیسا کہ نشان تجارت کوئی ایجاد یا ایسا عہدہ اور خدمت جس کے انجام دینے سے اس عہدہ دار کو معاوضہ ملتا ہو تمثیلات ہو سکتے ہیں۔

قبضہ کی ہر ایک نوع ان ہی دو عنصروں یعنی قبضہ کی نیت اور اس کے جسم (شے مقبوضہ) پر

مشتمل ہے۔ نیت سے مراد وہ ادعا ہے جس کا اظہار قابض اپنی مرضی اور رغبت سے کرتا ہے اور جسم سے مطلب ایسی حالت واقعی ہے جس کے ذریعے سے قابض نے اپنے اس ادعا کا اظہار کر کے اس کی تکمیل کی ہو۔ قبضے کا خواہ وہ مادی ہو کہ غیر مادی صرف اسی وقت وجود ہوتا ہے جب کہ قابض اپنے قبضہ رکھنے کی نیت کو مسلسل عمل میں لا رہا ہو یعنی اس کی نیت قبضہ کا بطور واقعہ اور فعل کامیابی کے ساتھ پے در پے اظہار ہوا ہو جب تک بلحاظ حالات کسی فعل یا عمل کے آیندہ جاری رہنے کی نسبت اطمینان نہ ہو اس کا سلسلہ اور اجرا باقی نہیں رہ سکتا لہذا کسی شے کے قبضے سے مراد وہ حالت اطمینان ہے جو قابض کو بلا شرکت غیرے شے مقبوضہ سے مسلسل و متمتع ہونے کی نسبت حاصل رہتی ہے۔

قبضۂ مادی کی صورت میں جسم شے قبضہ سے مراد جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے مداخلت غیر کا مسلسل اور متواتر خارج کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی قابض کی ایسی قابلیت ہے جس کے ذریعے وہ شے مقبوضہ جس طرح چاہے استعمال کر سکے اور جسم قبضے کا اس کے سوا کچھ دوسرا مفہوم نہیں ہو سکتا نیز وجود قبضہ کے لئے شے مقبوضہ کا فی الواقع استعمال میں لایا جانا امر لازمی نہیں ہے مثلاً میں گھڑی کو اپنی جیب میں رکھنے کے عوض کسی محفوظ اور مضبوط آہنی صندوق میں بند کر سکتا ہوں اور اگرچہ میں اس گھنٹے تک بھی اس کے ذریعے سے وقت نہ دریافت کروں تاہم اس پر سے میرا قبضہ ہٹ نہیں سکتا کیونکہ میں نے دوسرے اشخاص کی مداخلت کو اس گھڑی سے مسلسل اور متواتر روکا ہے اور اپنے مالک ہونے کے ادعا کا مسلسل اظہار کیا ہے۔ اس کے برعکس قبضہ غیر مادی کی حالت میں چونکہ اس طرح کا دوسروں کے دخل کو خارج کرنے کا دعویٰ نہیں کیا جاتا ہے شے مقبوضہ کے حقیقی اور مسلسل تصرف اور تمتع کا اظہار کیا جانا امر لازمی ہے کیونکہ قابض کے تصرف کا عملی اظہار کسی اور طریقے سے نہیں ہو سکتا مثلاً میں کسی مقام پر راستہ چلنے کا حق حاصل کر کے صرف اسی وقت اس حق پر قبضہ رکھ سکتا ہوں جب کہ میں فی الحقیقت مسلسل و متواتر طور پر اس حق کو استعمال کرتا ہوں یعنی اس مقام سے گزرتا ہوں۔ اشیاء غیر مادی کا ترک استعمال قبضے کے لئے مضر ہے حالانکہ بصورت اشیائے مادی ترک استعمال کا برا اثر قبضہ پر نہیں پڑ سکتا۔

قبضۂ غیر مادی عرفاً قبضۂ حق کہلاتا ہے اور قبضۂ مادی کا دوسرا نام قبضہ شئے اور ان دونوں میں فرق ہے۔ قانون روما کے علما اور ماہرین قبضۂ حق اور قبضہ شے میں امتیاز کرتے ہیں اور ایسا ہی اہل جرمنی کے ہاں ان کے مساوی اور ہم معنی

اصطلاحات میں[۵۱] اس تسمیہ کو اختیار کر کے ہم قبضۂ غیر مادی کی تعریف کرتے ہیں کہ کسی دعوے پر عمل کرنے کے بجائے وہ کسی حق پر مسلسل عمل کرنا یا اس کو متواتر استعمال میں لانا ہے۔ اگرچہ ان الفاظ اور اصطلاحات کے استعمال میں یک گونہ سہولت ہے لیکن ان کے فرق کو سمجھ لینا چاہئے تاکہ خلط مبحث نہ ہونے پائے۔ حق پر عمل کرنے یا اس کو استعمال میں لانے کا مفہوم کسی دعوے پر عمل کرنا یا اسکو استعمال میں لانا گویا کہ وہ ایک قسم کا حق ہے بعض صورتوں میں جس شے کو ہم حق سمجھتے ہیں وہ فی الحقیقت حق نہیں ہوتی اور کبھی شے مقبوضہ حق ہو بھی تو وہ قابض کو حاصل ہونے کے بجائے کسی دوسرے شخص کو حاصل ہوتا ہے مثلاً اگر میں کسی دوسرے شخص کی زمین پر ایک حق مرور کا قابض ہو جاؤں تو اس کا حق مرور ہونا اور نہ ہونا دونوں صورتیں ممکن ہیں اور بالفرض شے مقبوضہ حق مرور ہو بھی تو اس حق کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو سکتا ہے حالانکہ اس حق کا میں قابض ہوں ایسا ہی جس نشان تجارت یا سند ایجاد کا میں قابض ہوں اور جس کو میں اپنے استعمال میں لاتا ہوں اس کا از روئے قانون جائز یا ناجائز ہونا ممکن ہے اسی نشان تجارت یا سند ایجاد کا از روئے واقعات (فی الواقع) وجود ہو سکتا ہے لیکن از روئے حق اس کا موجود نہ ہونا بھی ممکن ہے اور اگر از روئے قانون یہ شے جائز بھی ہو تو قانوناً کوئی دوسرا شخص نہ کہ میں اس کا مالک ہو سکتا ہوں یہ ممکن ہے کہ کسی اور شخص کو قانوناً اس نشان تجارت یا سند ایجاد کا حق حاصل ہو (اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا ہو)[۵۲] قبضۂ مادی اور غیر مادی میں جو فرق ہے

---

[۵۱] رومن لا اور قانون جرمنی میں حسب ذیل اصطلاحات ہیں:۔

Possessio Juris and possessio Corporis

Rechts besitz and Sachen besitz

[۵۲] برنیر قبضہ کی اس تعریف کو کہ وہ کسی حق پر مسلسل عمل کرنے کا نام ہے نامنظور کرتا ہے اور اس کے نزدیک قبضہ کی تعریف یہ ہے کہ قبضہ انسان کی وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے جب وہ چاہے حق پر عمل کر سکے چنانچہ اس کی تصنیف مسمیٰ "قبضہ حقوق" کے صفحہ ۷۵ پر لکھا ہے کہ جس طرح قبضہ مادی شے مقبوضہ کے اصلی تصرف پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی بنا قابض کی وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے جب وہ چاہے اس شے کے ساتھ برتاؤ کر سکتا ہے اسی طرح قبضہ غیر مادی کی بناء بھی کسی حق پر فی الواقع عمل کرنا نہیں ہے بلکہ اس قسم کا قبضہ اس قوت پر مشتمل ہے جس کے ذریعے سے قابض جب اس کو منظور ہو اپنے کسی حق پر فی الواقع عمل کر سکتا ہے یا اپنے اس حق کو استعمال میں لا سکتا ہے

وہ بالکل اس فرق کے مشابہ ہے جو ملکیت مادی اور غیر مادی میں ہے۔ جس طرح کسی شے کی ملکیت مادی ہوسکتی ہے اسی طرح اس شے کا قبضہ بھی مادی ہوسکتا ہے اور اس کے برعکس حق کا قبضہ مثل حق کی ملکیت غیر مادی کے غیر مادی ہوتا ہے۔ اس کے پہلے ملکیت کے بیان میں ہم نے اس امر کی توضیح کردی ہے کہ اشیاء اور حقوق کے درمیان مادی اور غیر مادی ہونے کا جو فرق کیا جاتا ہے وہ محض ایک صنعت زبان ہے جس کے ذریعے سے ایک قسم کا حق اس شے مادی کے بجائے قرار دیا جاتا ہے جو اس حق کی موضوع ہے۔ قبضہ کی بھی جو دو قسمیں مادی اور غیر مادی قرار دی گئی ہیں اس کے امتیاز کے سمجھنے کے لئے یہی توجیہ کافی ہے۔ جس طرح قطعۂ زمین کے قبضہ سے حقیقت میں اس قطعہ کا تصرف بلا شرکت غیرے مراد ہے اسی طرح کسی شخص کو زمین پر حق مرور کے قبضہ کے حاصل ہونے کا مفہوم اس شخص کا اس زمین پر ایک قسم کا تصرف مشترک پانا ہے اور صنعت تلمیح کے ذریعے سے لوگ شے مقبوضہ کے تصرف بلا شرکت کو وہی شے سمجھنے لگے ہیں حالانکہ اسی شے کا تصرف مشترکہ اس طرح نہیں خیال کیا جاتا ہے لہذا جس طرح ملکیت اشیاء اور ملکیت حقوق میں امتیاز کیا جاتا ہے اسی طرح قبضہ اشیاء اور قبضۂ حقوق میں فرق کیا جاتا ہے[۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ اور چونکہ جب تک اس طرح کے حق پر فی الحقیقت عمل نہیں کیا جاتا ایک واقعہ خارجی کے طور پر اس قوت واختیار کا ظہور پذیر نہیں ہوتا اس لئے قبضہ کی ابتدا اور بنیاد کے لئے حق کا فی الواقع استعمال میں لایا جانا شرط مقدم خیال کیا جاتا ہے۔ بہر حال ہماری رائے میں قبضہ کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے کیونکہ قبضہ زمانۂ آئندہ میں کسی دعوے پر عمل کرنے کی قوت پر مبنی نہیں ہے بلکہ قبضہ دعوے پر عمل کرنے کی وہ مسلسل قوت ہے جس کی زمانہ حال سے ابتدا ہوتی اور اس کا سلسلہ آئندہ زمانے تک جاری رہتا ہے۔

[۱] فرانس کے سول کوڈ (مجموعۂ قانون دیوانی) میں بھی اسی مضمون اور مطالب کو بصراحت دکھلایا گیا ہے مجموعۂ مذکور کی دفعہ ۲۲۲۸ ملاحظہ ہو)

اطالیہ کے مجموعۂ قوانین دیوانی میں قبضہ کی جو تعریف درج ہے وہ اسی قسم کی ہے (اس مجموعہ کی دفعہ ۶۸۵ ملاحظہ طلب ہے اور اس کا حسب ذیل ترجمہ ہے ''قبضہ سے مراد کسی شخص کا اپنی ذات سے ایک شے کو اپنے قابو میں رکھنا یا کسی حق سے متمتع ہونا ہے یا ایک شخص کی جانب سے دوسرے شخص کا کسی شے کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اپنی گرفت میں رکھنا یا کسی حق کو اپنے استعمال میں لانا ہے"۔

پادری لکنیتر نے اپنی تصنیف متعلق سول قانون کے اس باب میں جس میں قدامت اور حق قدامت سے عالمانہ بحث کی گئی ہے نہایت تحقیق اور قابلیت سے قبضہ کے تصور عام کا ایک نہایت عمدہ تجزیہ پیش کر کے اس نسبت کو ثابت کیا ہے جو قبضے کی دو قسموں میں پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو۔

Bandry-Lacantinerie's Traite de Droit Civil

De la Prescription,Sect,199

اس میں لکھا ہے کہ "قبضہ اس کے سوائے کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص اپنی ذات سے یا دوسرے شخص کے توسط سے کسی ایسے حق پر عمل کرتا یا اس سے متمتع ہوتا ہے جو اس کو کسی شے پر حاصل ہے یا اس حق کا وہ ادعا کرتا ہے۔ حق چاہے ملکیت سے متعلق ہو کہ کسی اور قسم کا قبضہ کی تعریف اور مفہوم میں اس سے کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جس طرح حق ملکیت سے متمتع ہونا اور استعمال میں لانا قبضہ ہے اسی طرح جائداد وغیرہ کی پیداوار یا منافع سے متمتع ہونے کا حق (یوسس فرکٹس Usus fructus) جائداد وغیرہ کو تصرف میں لانے کا حق (یوسس Usus) کسی مکان کو مثل مکان مسکونہ استعمال کرنے کا حق (ہبی ٹیٹیو۔ Habitatio) حق بتموع (سروی ٹس۔ Servitus) وغیرہ کے بھی استعمال میں لائے جانے سے قبضہ کا وجود ہو سکتا ہے۔ قدیم قانون روما کی رو سے قبضہ اور ہمشکل قبضہ (قبضہ حق) میں جو فرق کیا جاتا تھا اور جس امتیاز کا ابھی تک یا تفسیر کے مسئلہ قبضہ میں وجود پایا جاتا ہے متروک ہوگیا ہے اور اس کا ترک کرنا جائز و صحیح ہے۔ ہماری رائے میں یہ فرق اسی غلط فہمی کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے اگلے زمانے کے قانون داں حضرات حق ملکیت اور اس شے میں جو اس حق کا موضوع ہو خلط ملط کرتے تھے۔ ہم نے متعدد بار سمجھایا ہے کہ حق کے استعمال میں لانے ہی کو قبضہ کہتے ہیں اور در حقیقت بھی یہی ہے کہ جس شے پر آدمی قبضہ کرتا ہے اس سے قبضہ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اصل میں شخص اس حق پر جو اس کو حاصل ہے یا جس کا وہ ادعا کرتا ہے قابض ہوتا ہے۔ جس طرح حق ملکیت کا کسی شخص کے قبضہ میں رہنا صحیح و ممکن ہے اسی طرح سروی ٹیوڈ (حق در جائداد وغیرہ) اور یوسو فرکٹ (حق تمتع از پیداوار و منافع غیر) وغیرہ کے حقوق پر آدمی کا قابض ہونا صحیح و جائز ہو سکتا ہے۔ لہذا شئے کے قبضہ کیلئے قبضہ در حق نئے قبضہ کے واسطے ہمشکل قبضہ کی اصطلاحوں کا استعمال جائز نہیں ہو سکتا اور قبضہ کی اس طرح جو دو قسمیں قرار دی گئی جو امتیاز ان میں کیا جاتا تھا وہ ہرگز صحیح نہیں تھا بلکہ اس کو بے اصل اور بے سروپا سمجھنا چاہئے۔" اہرنگ اور برنز نے اپنی تصانیف میں بھی قبضہ کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

الحاصل جس طرح ملکیت کی دو قسمیں ایک ہی ہیں اسی طرح قبضہ کی دو شکلیں بھی اصل میں ایک ہیں۔ قبضہ کا مفہوم اس کے عام جامع اور وسیع معنوں کے لحاظ سے کسی دعوے یا حق کا مسلسل استعمال میں لایا جاتا یا اس پر عمل کرنا ہے۔

فصل ۱۰۶۔ نسبت مابین قبضہ اور ملکیت

اہرنگ لکھتا ہے کہ قبضہ ملکیت کا وجود خارجی ہے ملکیت کی حالت کو قبضہ کہتے ہیں جو شے بشکل حق ملکیت ہے وہی بشکل حقیقت و واقعہ قبضہ ہے۔ کسی ادعا کا فی الواقع یا از روئے حقیقت عمل میں لایا جانا قبضہ ہے اور اس ادعا کا بطور حق تسلیم کیا جانا ملکیت ہے۔ کوئی شے اس وقت میری ملک ہو سکتی ہے جب کہ سلطنت کی مرضی کا اظہار بذریعہ قانون ملک میرے اس دعوے کے برقرار اور بحال رکھنے کے واسطے کیا جاتا ہے جو میں اس شے کے متعلق کرتا ہوں اور اسی شے پر اس وقت میرا قبضہ ہو سکتا ہے جب کہ میں اپنی ذاتی خواہش سے اپنے ادعائے قبضہ کو اس شے کے متعلق برقرار رکھ سکتا ہوں۔ ملکیت ایک ایسی طمانیت ہے جو قانون ملک کے جانب سے مالک کو دی جاتی ہے اور حقیقت یا واقعات کے ذریعے سے جو طمانیت یا کفالت کسی شخص کو ملتی ہے وہ قبضہ ہے لیکن اگر کسی شخص سے ممکن ہو تو اس کے لئے وقت واحد میں کفالت کی ان دونوں صورتوں کا بہم پہنچانا مناسب ہے اور اکثر صحیح اور اعتدال کی حالتوں میں قبضہ اور ملکیت کا باہم وجود ہوتا ہے لیکن جب کسی شخص کو قانون ملک سے مدد نہ ملتی ہو یا وہ اس کے خلاف ہو تو اس کو کفالت واقعات پر (قبضہ) قناعت کرنی چاہئے جو مقابلہ ملکیت کم پائیدار اور غیر معین ہے بلکہ جس شخص کی تائید میں قانون ملک ہو اس کو لازم ہے کہ واقعات و حقیقت کو بھی اپنا طرفدار رکھنا ہے چنانچہ قانون روما کا مقولہ ہے کہ خوش بخت اور صاحب اقبال ہے وہ شخص جو قبضہ رکھتا ہے۔ لہذا قبضہ ایسا مقابل اور جواب ہے ملکیت کا جو از روئے واقعات پایا جاتا ہو بلکہ وہ ایک ایسی ظاہری اور خارجی صورت ہے جس کے ذریعہ سے لوگ اپنے جائز (ملکیت کے) دعووں کا عموماً اظہار کرتے ہیں۔ بالعموم یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ اور ایک ہی شخص کے پاس وجود پذیر ہوتی ہیں لیکن جب کبھی ان میں کی ایک شے کا ایک شخص کے پاس اور دوسری شے کا دوسرے شخص کے پاس وجود ہو تو اس کو

حالت مستثنیٰ سمجھنا چاہیئے بلکہ اکثر صورتوں میں کسی حادثہ سوئے اتفاق اور فعل ناجائز کے سبب سے ملکیت اور قبضہ میں افتراق پیدا ہوتا ہے اور کبھی فریقین مقدمہ کے خاص وجوہ ادعا کی بنا پر یہ دونوں چیزیں ایک ہی شخص کے پاس نہیں ہوتی ہیں۔ قبضہ بلا ملکیت ایک جسم بیجان ہے یعنی بلحاظ حقیقت اور واقعہ جسم کی ہستی پائی جاتی ہے لیکن اس میں حق (ملکیت) کی روح نہ ہونے سے جو عموماً قبضہ میں ہوتی ہے اس جسم کی محض ایک پتلے کی سی حیثیت ہے ایسا ہی ملکیت بلا قبضہ محض حق ہے اور حقیقت اور واقعہ کے ذریعے سے اس کا اظہار نہیں ہوسکتا حالانکہ عموماً اور صحیح طور پر ملکیت کا وجود اور ظہور اس طرح ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں عموماً ملی جلی ہوتی ہیں۔ ملکیت کی کوشش قبضہ کے ذریعے سے اپنے وجود کو قائم کرنے کی ہوتی ہے اور قبضہ کی جد وجہد ملکیت کے ذریعے سے اپنے کو جائز بنانے کی رہتی ہے۔ قانون متعلق قدامت امتداد زمانہ کے زیر اثر اس طریقے کا تعین کرتا ہے قبضہ اپنے ماخذ حق کے بغیر پختہ ہوکر ملکیت بن جاتا ہے اور ملکیت بلا قبضہ مثل اس پودے کے جو سینچا نہ جائے کملا کر خشک ہوجاتی ہے[1]

---

[1] قبضہ کو ملکیت کا جواب یا مقابل کہنے میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ مفکر ان دونوں اصطلاحات کو ان کے وسیع ترین معنوں میں استعمال کرتا ہے جس میں ان کی دونوں قسمیں یا شکلیں شامل ہیں۔ ملکیت اور قبضہ کو ایک دوسرے کا مقابل ٹھہرانے میں اگر ہم اپنے ذہن میں صرف ملکیت مادی اور قبضہ کا تصور کریں تو جو مشابہت ہم ان دونوں میں قائم کرنا چاہتے ہیں وہ نامکمل رہجاتی ہے چنانچہ کثرت سے ایسے دعوے ہیں کہ اگر ان پر از روے واقعہ عمل کیا جائے تو ان سے قبضۂ مادی کا وجود ہوتا ہے لیکن اگر ان ہی کو از روے حق تسلیم کیا جائے تو ان سے بھی ملکیت کا ظہور ہوتا ہے مثلاً اگر رہن اسامیوں محبوسوں اور گروی رکھنے والوں کے پاس قبضۂ مادی رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ملکیت غیر مادی بھی ان ہی کو حاصل رہتی ہے۔ ان لوگوں کے قبضہ میں زمین یا چیز (جائداد منقولہ) ہوتی ہے مگر ان کی ملکیت وہ حق کفالت (یا بارڈالنے کا حق) ہے جو ان کو اس زمین (جائداد غیر منقولہ) یا چیز (جائداد منقولہ) پر حاصل ہے۔ کتاب کی ملکیت سے مراد اس عام یا باقی ماندہ حق کی ملکیت ہے جو مالک کو اس کتاب پر حاصل ہوتا ہے اور برخلاف اس کے قبضۂ کتاب کا مفہوم محض ایسا حق استعمال یا تصرف کا قبضہ ہے جو کسی خاص وقت کے لئے قابض کو اس کتاب پر حاصل رہتا ہے ہماری اس صراحت کا

ملکیت اور قبضہ کا بالعموم ایک ہی موضوع ہوتا ہے۔ جو شے کہ مملوکہ ہوتی ہے وہی مقبوضہ بھی ہوتی ہے اور جس شے پر قبضہ ہوتا ہے وہی ملک بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ قول چند اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض ایسے دعوے ہیں جن کا حقیقت اور واقعہ کے ذریعہ سے وجود ہو سکتا ہے اور ان کا اسی ذریعے سے استعمال میں لایا جانا بھی ممکن ہے لیکن قانون ملک ان کے وجود اور استعمال کو تسلیم کرتا اور نہ ان کے بحال رکھے جانے میں ان کی امداد کرتا ہے کیونکہ نہ تو مدعی کو اور نہ کسی دوسرے شخص کو ان کے متعلق کسی قسم کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً لوگ حقوق تصنیف نشانات تجارت اور اسی طرح دوسرے سیکڑوں قسم کے اجاروں کے قابض ہو سکتے ہیں حالانکہ منجانب قانون ملک ان مرافق کے حقوق قانونی تسلیم کئے جانے اور انکی حفاظت وتائید کرنیکی نسبت انکار ہی کیوں نہ کیا جاتا ہو۔ اس طرح کے مرافق کی بابت جو دعوے پیش ہوتے ہیں ان کا بذریعہ واقعہ ظہور ہوتا ہے اور قانون ملک کی امداد کے بغیر ان کے قیام اور وجود کے متعلق واقعات کے ذریعہ سے ان کے قابضین کو ایک حد تک اطمینان حاصل ہوتا ہے اور ان کی قیمت قرار پاتی ہے۔

اس کے برعکس اکثر حقوق ایسے ہیں جن کا ملک میں شمار کیا جاتا ہے اور ان پر قبضہ کا اطلاق صادق نہیں آتا اس قسم کے حقوق کا شخص مالک ہو سکتا ہے لیکن ان کا قابض نہیں ہو سکتا اور ان کو اصطلاح میں حقوق عارضی کہتے ہیں۔ جن حقوق کا مسلسل استعمال نہیں ہو سکتا ان کا قبضہ بھی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس قسم کے حقوق کو پورے طور سے استعمال میں لانے سے ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی اس لئے ان پر قبضہ بھی نہیں ہو سکتا مثلاً دائن اپنے دین کا جو اسے وصول طلب ہے قابض نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عارضی حق ہے اور جب وہ اس پر عمل کرنا چاہے تو وہ اپنی ماہیت اور فطرت کے لحاظ سے قائم نہیں رہ سکتا بلکہ فنا ہو جاتا ہے اور برخلاف اس کے شخص کو زمین پر حق آسائش کا قبضہ حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اس حق کے مسلسل استعمال اور مسلسل وجود میں مطابقت و یگانگت ہے استعمال کے ذریعے سے اس حق کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس صنعت زبان کا ملکیت پر اطلاق کیا جاتا ہے اس کا قبضے پر نہیں اطلاق کیا جاتا لہذا اکثر قسم کا قبضہ کہ مادی ملکیت غیر مادی کا مشابہ اور جواب ہے ۱۲۔

وجود زائل نہیں ہو سکتا اور یہی سبب ہے کہ عموماً فرائض اور واجبات (یعنی حقوق خلاف شخص جو ضد ہیں حقوق متعلق شے کے) کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر اس امر کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ حقوق متعلق شے میں تواتر استعمال تسلسل استعمال و تمتع کے مساوی سمجھا جاتا ہے غیر کی زمین پر میں اپنی متواتر آمد و رفت رکھنے سے اس پر اپنے لئے حق مرور کا قابض ہو سکتا ہوں اور اسی طرح تمتع مسلسل کے ذریعے سے میں زمین غیر پر حق روشنی یا حق امداد پہلوئی کا قبضہ پا سکتا ہوں لہذا انسان کے لئے فرائض پر بھی قبضہ کرنا ممکن ہے بشرطیکہ ان کی ایسی ماہیت اور فطرت ہونی چاہئے جس کی وجہ سے وہ انسان کے مسلسل فعل اور عمل کے متحمل ہو سکیں اور ان کی ہستی فنا نہ ہونے پائے مثلاً یہ کہنا جائز ہے کہ مالک زمین یا مکان اپنے زر تحصیل یا زر کرایہ کا قابض ہے جس شخص کو سالانہ رقم وصول ہوتی ہے وہ اپنی سالانہ رقم کا قابض ہے وثیقہ دار (بانڈ ہولڈر یعنی شخص جو کسی سرکار یا کمپنی کا رقعہ مشعر قرضہ رکھتا ہو) اپنے اس سود کا جو اسے وصول طلب ہے قابض ہے اور آقا اپنے ملازم کی خدمات کا قابض ہو سکتا ہے[1]۔

سب سے آخر میں ہم قبضہ غیر مادی کے متعلق ایک نکتہ بیان کئے دیتے ہیں۔ اگرچہ ایسے تمام حقوق پر جن میں تسلسل اور تواتر پایا جاتا ہے انسان کا فی الواقع قبضہ ہو سکتا ہے لیکن اس صفت سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قانون کا اس قسم کے قبضہ کو تسلیم کرنا یا اس کو نتائج قانونی سے متصف کرنا اس کے لئے ضروری اور نفع بخش ہے ان امور کی بحث کہ قانون کس حد تک قبضۂ غیر مادی کے وجود کو مانتا اور از روے قانون اسکے نتائج کا کیا اثر ہو سکتا ہے اس مقام پر غیر متعلق ہے بلکہ ان باتوں کا ہر ایک سلطنت

---

[1] ونڈشیڈ جلد ۲ دفعہ ۴۶۴ ؂۲۲ اس سوال کا جواب کہ حقوق متعلق اشیاء کے سوا دوسرے کون سے حقوق ہیں جن پر انسان کا قبضہ ہو سکتا ہے یہ ہے کہ بلحاظ اصول دنیا میں ہر ایک ایسا حق جس کا مسلسل استعمال ہو سکتا ہے قبضہ کئے جانے کے قابل ہے"۔
اسی طرح اہرنگ نے بھی اپنی تصنیف متعلق قبضہ کے صفحہ ۱۵۰ پر لکھا ہے کہ "تصور قبضہ کا ان تمام حقوق پر اطلاق ہو سکتا ہے جن کا وجود دائرہستی ہو سکتی ہے یعنی جن حقوق کا استعمال کیا جانا یا جن حقوق پر عمل کرنا انسان کے مشاہدے میں آسکتا ہے۔ برنز نے بھی اپنی تصنیف میں اسی مضمون کا اعادہ کیا ہے۔

کے نظام قانونی سے تعلق ہے ۔

فصل ۷: قبضہ اور اس کا چارۂ کار

قبضہ ایک نہایت عمدہ ماخذ حق ہے اور قانون انگلستان کی رو سے قابض اپنے اس ماخذ حق کو ہر ایک ایسے شخص کے مقابلے میں جو اس سے بہتر ماخذ نہیں دکھا سکتا کامیابی کے ساتھ پیش کرسکتا ہے چنانچہ قابض ناجائز کے حقوق بھی بجز مالک اصلی اور قابضین متقدمین دوسرے تمام اشخاص کے مقابلے میں مثل حقوق مالک کے سمجھے جاتے ہیں اکثر ممالک غیر کے نظامات قانونی میں قابض کی اس سے بھی زیادہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور اصلی مالک کے مقابلے میں بھی قبضہ (حق ملکیت کا) ایک عارضی یا سرسری ماخذ خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ قابض ناجائز بھی بصورت بیدخلی محض قابض ہونے کا عذر پیش کرنے سے ہر ایک شخص کے مقابلے میں بیدخل شدہ جائداد کا قبضہ پاسکتا ہے بلکہ مالک اصلی بھی جو اپنے طور پر قابض ناجائز کے قبضے کو اٹھاتا ہے قبضہ واپس کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور اس کو عدالت اپنے بہتر اور اعلیٰ ماخذ حق کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ ان ممالک کے ضابطہ کا مقصد یہ ہے کہ مالک کو بمقابلہ قابض ناجائز اپنے قبضے سے دست بردار ہو کر دخل یابی کا ضابطہ چارہ کار بربنائے حق ملکیت اختیار کرنا چاہئے اور ان ملکوں کے قانون کے منشا کے مطابق قابض اس وقت تک اپنا قبضہ قائم رکھنے اور دخل پانے کا مستحق سمجھا جاتا ہے جبتک کہ فیصلہ عدالت کی رو سے وہ اپنے قبضے سے محروم نہ کیا جائے۔

تائید و تحفظ قبضہ کے لئے جن چارہ کارہائے قانونی کا تعین کیا گیا ہے وہ چارۂ کار متعلق قبضہ کہلاتے ہیں اور جس چارہ کار کے ذریعے سے ملکیت کی حفاظت کی جاتی ہے اس کو چارہ کار (یا دادرسی) متعلق ملکیت کہتے ہیں ۔ زمانۂ موجودہ اور قرون وسطی کے ممالک یورپ کے قانون دیوانی میں اس قسم کے چارۂ کار کے لئے متضاد اصطلاحات دعوی ملکیت اور دعوی قبضہ کا استعمال کیا جاتا ہے[۱]۔

---

[۱] بطور تمثیلات دیکھو جرمن سول کوڈ دفعات ۸۵۸-۸۶۱-۸۶۴ اور اٹیلین سول کوڈ دفعات ۶۹۴ تا ۶۹۶ ۔

ان دو قسموں کے جائزہ کاراوران کے سلسلے میں قبضہ کی جو حمایت کی جاتی ہے اس کا ماخذ اور مبدء قانون روما ہے لوگوں نے اس طریقہ کو قانون روما سے لیکر قانون کلیسائی میں داخل کیا جہاں وہ درجۂ کمال کو پہنچا اور قانون کلیسائی کے توسط سے یورپ کے زمانۂ وسطی کے قانون اور ضابطہ میں اس نے بہت وقعت حاصل کرلی تا اینکہ ممالک یورپ کے موجودہ نظامات قانونی میں بھی ان دعووں اور حمایت قبضہ کو رائج رکھا گیا ہے۔ اگرچہ قانون انگلستان میں بھی اگلے زمانے میں ان امور کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا لیکن مدتوں پہلے سے اس طریقۂ کارروائی کو غیر ضروری پیچیدہ اور ناموزوں خیال کرکے ترک کردیا گیا ہے۔

حمایت قبضہ کے متعلق جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان پر بہت کچھ بحثیں ہوچکی ہیں اور ان کا اس مقام پر بیان کرنا مفید و مناسب بھی نہیں ہے بہر حال تین قوی دلیلیں ایسی ہیں جن کا ذیل میں بالاجمال ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ بذریعۂ تشدد اپنی مدد آپ کرنے کے اس قدر نتائج بد پیدا ہوتے ہیں کہ ہر ایک شخص کو جو اپنی مدد آپ کرتا ہے سلطنت کو روکنا لازم ہے اور جو فوائد اس کو اس طریقے سے حاصل ہوتے ہیں ان سے اس کو محروم کرنا بھی سلطنت کا فرض ہے۔ جو شخص اپنی شے دوسرے سے حتی کہ چور ہی کیوں نہ ہو جبر و تشدد سے چھین لے اس سے وہ شے اس دوسرے شخص کو واپس دلانی چاہئے کیونکہ قانون ملک نے مالک کے لئے جائزہ کار مقرر کیا ہے اور اس کو اس تدبیر پر قناعت کرنا لازم ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ دلیل اس قوم یا ریاست (طرز تمدن) کے لئے جائز اور مفید ثابت ہوسکتی ہے جہاں اپنی شکایت اور تکلیف کو آپ بذریعہ جبر و تشدد رفع کرنے کی برائیاں بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہیں اور اس زمانے کی مہذب و متمدن سلطنتوں میں اپنی شکایت آپ رفع کرنا چنداں مضر اور خطرناک نہیں ہے۔ مالک جائز سے اس کی جائداد چھین لیکر ناجائز قبضہ کرنے والے کے حوالے کرنے والے کی بہ نسبت تشدد ناجائز کی مثل جرائم معمولی کے تحقیقات کرکے تشدد کرنے والے کو سزا دینا اور جائداد کو صحیح کارروائی قانونی کے ذریعے سے مالک کو واپس دلانا تجربے سے زیادہ مفید و موزوں ثابت ہوا ہے لیکن بصورت جائداد منقولہ قانون انگلستان میں قابض ناجائز کے ساتھ ایسی خفیف رعایت تک ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے

بلکہ جو مالک اپنی شئے (جائداد منقولہ) قابض ناجائز سے بجبر حاصل کرلیتا ہے اس کا فعل از روئے قانون جائز خیال کیا جاتا ہے لیکن (مالک کا) بجبر اپنی زمین پر قبضہ کرلینا جرم میں شمار کیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسری دلیل جو قبضے کے چارہ کار اور دعوے کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا سبب قدیم زمانے کے ان دعووں کے طریقے کا نہایت شدید نقص ہے جو ملکیت کے متعلق قرار دئے گئے تھے۔ ضابطہ جس کے ذریعے سے مالک اپنی جائداد کو واپس لے سکتا تھا نہایت ناموزوں ناکافی اور ناقابل برداشت مدت پر مبنی تھا۔ جس طریقے پر مدعی چلنا چاہتا تھا گویا خطرات اور پوشیدہ گڑھوں سے پر ہوتا تھا اور قدم بہ قدم اس کو اپنے پیر پھسلنے اور کسی ایک گڑھے میں گرنے کا اندیشہ رہتا تھا شاذ و نادر ہی کوئی خوش قسمت مدعی ضابطے کی اس پر خطر راہ سے بہ خیر و خوبی عبور کرکے منزل مقصود تک پہنچ سکتا تھا۔ اس ضابطے کی رو سے مدعی کو اپنے دعوے میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور مدعی علیہ جو قابض جائداد ہوتا بمصداق مقولہ القبضۃ دلیل الملک نہایت فائدے میں رہتا تھا لہذا کسی شخص کو (منجانب سلطنت) اس امر کا موقع نہیں دیا جاتا تھا کہ وہ بذریعۂ تشدد اپنے لئے سہولت پیدا کرنے کی غرض سے اپنے کو مدعی علیہ بنائے اور اپنے حریف کو اس طرح کے خطرے اور دشواری میں پھنساوے جو ہر ایک مدعی کو اس ضابطے کی رو سے پیش آتی تھی۔ اس زمانے کے ضابطے کے مطابق جب تک فریقین میں پہلے کی سی حالت قائم نہیں ہوتی اور قبضہ اس فریق کو واپس نہیں کیا جاتا جس کے پاس مقدمہ رجوع ہونے کے پہلے وہ تھا عدالتیں جائداد متنازعہ فیہ کے متعلق فریقین کی بحث حقیقت کو سماعت نہیں کرتی تھیں۔ بہرحال اگلے زمانے میں اس قسم کے دلائل اور خیالات کا لوگوں کے قلوب پر خواہ کتنا ہی اثر کیوں نہ ہوتا ہو اور خواہ وہ ان کے تسلیم کرنے کے لئے کتنا ہی آمادہ کیوں نہ ہوں لیکن ان کا اس زمانے میں کچھ اثر باقی نہیں رہا ہے۔ جن ملکوں میں ضابطۂ عدالت دانشمندی سے معقول اور مفید بنایا گیا ہے اس کی رو سے مدعی کو بھی وہی سہولتیں حاصل ہیں جو مدعی علیہ کے لئے اگلے وقتوں میں مرعی رکھی گئی تھیں زمانہ موجودہ کا قانون ملک فریقین مقدمہ کے حق میں یکساں ہے اور کسی فریق کی طرفداری نہیں کی جاتی۔

۳۔ چارہ ہائے کار قبضہ کی تائید میں ایک تیسری دلیل پیش کی جاتی ہے جو دوسری دلیل سے زیادہ مشابہ ہے اور اس کی بنا دشواری ثبوت ملکیت خیال کی جاتی ہے۔ ہر ایک شخص کے لئے اپنے قبضہ کا ثبوت دینا ملکیت کے ثبوت پیش کرنے سے (خصوصاً جس ملک میں حق ملکیت اور ماخذ حق کا رجسٹر کرنے کا طریقہ نہ ہو) کہیں زیادہ آسان ہے اور اسی وجہ سے قدیم زمانے میں حکومت اور عدالتیں ایک فریق کو بذریعہ تشدد اپنی بلا (بار ثبوت) دوسرے فریق کے سر ڈالنے کا موقع دینا خلاف انصاف خیال کرتی تھیں بلکہ ہر ایک شخص کو اپنا بوجھ آپ اٹھانا پڑتا تھا اور اسی اصول پر اس زمانہ کا ضابطہ عدالت مبنی تھا۔ یورپ کے بعض ملکوں میں جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے ازروے ضابطہ ہر ایک شخص کو اپنا بوجھ آپ اٹھانے پر محمل کیا جاتا ہے۔ اگر مالک اپنی شئے کسی دوسرے سے بجبر حاصل کرے تو اس کو وہ شئے پہلے اس شخص کو واپس کرنا اور بذریعہ نالش اپنی ملکیت کا ثبوت دینا لازم ہے اور جب تک ایسا نہ کیا جائے قانون ملک اس کو وہ شئے نہیں دلاتا جس کو اپنے طور لینے کی اسے اجازت نہیں ہے۔ چونکہ انگلستان میں اس طریقے کی خرابی اور ناموزونیت سے عدالتیں مدتوں پہلے واقف ہو چکی تھیں اس لئے وہاں کے قانون میں اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرا طریقہ زمانہ دراز سے جاری کیا گیا ہے جو زیادہ اطمینان بخش اور معقول ہے اس ضابطہ میں کچھ ایسی مناسبت سے بار ثبوت کا قاعدہ مقرر کیا گیا ہے جس سے فریقین کے حق میں کسی قسم کی ناانصافی نہیں ہو سکتی اور اس ناموزوں اور تکلیف رساں قاعدہ پر عمل کرنے کی مطلق ضرورت محسوس نہیں ہوتی جس کی وجہ سے مالک کے مقابلے میں قابض کی حمایت کی جاتی ہے۔ قانون انگلستان میں مندرجہ ذیل تین قواعد پر عمل کیا جاتا ہے:۔

۱۔ بادی النظر میں قبضہ مقدم ثبوت ماخذ حق (ملکیت) سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ معمولی دعواے ملکیت میں مدعی کو صرف اس ثبوت کے سوائے کہ اس کا قبضہ مدعی علیہ کے قبضہ سے دیرینہ ہے کسی اور امر کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور قانون اس قبضہ مقدم کی بنا پر اس کے ماخذ حق کو مدعی علیہ کے ماخذ حق سے بہتر قیاس کرتا ہے۔ جو شخص بلحاظ وقت مقدم ہے اسی کے حق کو تقدیم ملنی چاہئے۔

۲۔ مدعی علیہ کو اس قیاس کے رد کرنے کی بخوبی آزادی حاصل ہے اگر وہ اپنے

ثبوت کے ذریعے سے اپنا بہتر ماخذ حق ثابت کر سکتا ہے۔

۳۔ مدعی علیہ کو اپنی جواب دہی شخص ثالث کے حق پر مبنی کرنے کی اجازت نہیں ہے یعنی عدالت اس کے اس عذر کو کہ نہ تو مدعی اور نہ وہ خود بلکہ ایک تیسرا شخص شے متنازعہ کا مالک ہے سماعت نہیں کرتی بلکہ اصول یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو خود حاضر ہو کر اپنے ماخذ حق (ملکیت) کی حفاظت کرنی چاہیے اور اس لئے الف اور ب کے مقابلے میں ج کا حق غیر متعلق سمجھا جاتا ہے۔

ان تین قواعد کے مشترک عمل اور اثر کے ذریعے سے وہی غرض حاصل ہو سکتی ہے جس کے لئے ایک نہایت ناموزوں طوالت طلب اور دشوار طریقے سے قدیم زمانے میں کام لیا جاتا تھا اور متخاصمین کو بمقابلہ یک دیگر ملکیت اور قبضہ کے دو متضاد دعوے[1] دائر کرنے پڑتے تھے۔

تیرھویں اور چودھویں باب کا خلاصہ

قبضہ { قبضہ واقعی (قبضہ ازروے واقعہ) | قبضہ قانونی (قبضہ ازروے قانون) }

قبضۂ قانونی { اے سی زن (قبضۂ زمین) | قبضہ۔ }

قبضہ { مادی۔ قبضۂ شے۔ | غیر مادی۔ قبضہ حق }

قبضہ مادی کسی شے مادی کے متعلق اپنے دعوے پر بلا شرکت غیرے مسلسل عمل کرنا۔

عناصر قبضۂ مادی { اپنے قابو میں رکھنے کی نیت | جسم (شے مقبوضہ) }

---

[1] اشر بنام وٹ لاک لاء رپورٹ کوینز بینچ جلد ا صفحہ ۱۔ آرمری بنام ڈلامری اسٹرا ہین جلد ا صفحہ ۵۰۴، سمتھس لاء کیسیز طبع دہم صفحہ ۳۹۴، پرجیز بنام باکس ورتھ لاء جرنل کوینز بینچ جلد ۱۲ صفحہ ۵۷۔

اپنے قابو میں رکھنے کی نیت :۔

۱۔ اس کے متعلق جو دعوے کیا جاتا ہے اس کا کسی حق پر مبنی ہونا ضرور نہیں ہے۔

۲۔ اس کا بلا شرکت غیرے ہونا لازم ہے۔

۳۔ شئے مدعا بہا کو مثل مالک استعمال میں لانے کے لئے ادعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ اس ادعا کا کسی ایک مخصوص شخص کی جانب سے کیا جانا ضرور نہیں ہے۔

۵۔ دعوے کا مخصوص ہونا بھی لازم نہیں ہے۔

جسم قبضہ (شئے مقبوضہ)۔ نیت قبضہ کا موثر طور پر عمل میں لایا جانا تصرف و تمتع کے لئے کفالت کا کام دیتا ہے۔

عناصر شئے مقبوضہ :۔

اول ایک ایسی نسبت یا تعلق مابین قابض اور دیگر اشخاص جس کی وجہ سے مداخلت و تصرف اغیار کی بابت طمانیت ہو سکے۔

اس طمانیت کے اسباب :۔

۱۔ قوت جسمانی۔

۲۔ موجودگی ذات (قابض کا اپنی ذات سے شئے مقبوضہ پر یا اس کے نزدیک موجود تھا)

۳۔ پوشیدگی۔

۴۔ رواج۔

۵۔ دعویٰ جائز کا لحاظ کیا جانا۔

۶۔ اظہار نیت مالکانہ۔

۷۔ تحفظ قبضہ (زیر بحث) جو دوسرے اشیاء پر قبضہ رکھنے کے سبب سے جو دیدیہ ہوتا ہے شخص کے حقوق جو کسی چیز کو پڑا ہوا پا لیتا ہے (یا لاوارث سمجھکر اٹھا لینا ہے)۔

دوم ایسی نسبت مابین قابض و شئے مقبوضہ جس کی وجہ سے قابض کو اپنی مرضی کے موافق شئے مقبوضہ پر متصرف ہونے کا اطمینان ہو۔

قبضہ { بلا واسطہ ۔ بلا توسط احدے ۔
بلواسطہ ۔ بتوسط شخص دیگر }

قبضہ بالواسطہ { ا۔ بتوسط ملازمین و نائبین
۲۔ بذریعہ محولین اور ایسے اسامیان جن کی بیدخلی مالک کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے ۔
۳۔ بتوسط قابضین عارضی ۔ }

نسبت مابین قابض بالواسطہ اور بلا واسطہ۔

دخل و شرکت غیر سے قبضہ کا معرا ہونا۔

قبضہ مشترکہ یا قبضہ باہمی کی مخصوص اور مستثنیٰ اشکال :۔

ا۔ بالواسطہ اور بلا واسطہ قبضہ ۔

۲۔ قبضہ مشترکہ ۔

۳۔ مادی اور غیر مادی قبضہ ۔

طریقۂ حصول قبضہ ۔

ا۔ تحصیل (لینا ۔ حاصل کرنا)

۲۔ حوالگی { واقعی (حقیقی) { ا۔ حوالگی دست بدست ۔
معنوی (مجازی) } ۲۔ اقرار متعلق قبضہ ۔
۳۔ انتقال و تبدیل ۔ }

قبضہ کی اصلیت قوت جسمانی کے ذریعہ سے مداخلت غیر کو دفع کرنا نہیں ہے ۔

قبضہ غیر مادی :۔

اس کی ماہیت ۔ ہر ایک ایسے دعوے کا مسلسل و متواتر عمل میں لایا جانا جس کا کسی شے مادی سے تعلق نہ ہو اور جس کو بلا شرکت غیرے استعمال میں لانے کا قابض مدعی ہو ۔

نسبت مابین قبضۂ غیر مادی اور مادی ۔

قبضہ کا عام اور وسیع تصور ۔

نسبت مابین قبضہ و ملکیت ۔

قبضہ سے مراد کسی دعوے پر از روئے واقعہ عمل کرنا ہے ۔

ملکیت سے مراد کسی دعوے کا از روے حق تسلیم کیا جانا ہے ۔
موضوعات ملکیت و قبضہ کی یکسانی و مشابہت ۔
مستثنیات:
۱۔ اشیا جو مقبوضہ ہو سکتی ہیں لیکن مملوکہ نہیں بن سکتی ہیں ۔
۲۔ اشیا جو مملوکہ ہو سکتی ہیں لیکن مقبوضہ نہیں بن سکتی ہیں ۔
چارہ ہاے کار قبضہ (دعاوی متعلق قبضہ):
۱۔ ان کی ماہیت ۔
۲۔ ان کے اغراض ۔
۳۔ ان کا قانون انگلستان سے اخراج ۔

پندرھواں باب

اشخاص

فصل ۱۰۸۔ ماہیت شخصیت

اس باب میں ہم تصور شخصیت کی ماہیت کو دریافت کرنا چاہتے ہیں لوگ اُس آسان تدبیر سے کہ شخص کا مفہوم انسان اور آدمی ہے تصور شخص کی تحقیق کرنے کی دشواری سے جو گریز کر جاتے ہیں ہماری رائے میں صحیح نہیں ہے کیونکہ اصطلاح شخص اور شخصیت کے معنوں میں ایسے اشخاص بھی داخل ہیں جو آدمی اور انسان نہیں ہیں اور اس طرح کا استعمال غیر قانونی زبان یعنی روزمرہ میں بھی رائج ہے شخصیت کی اصطلاح بلحاظ مفہوم آدمیت اور انسانیت سے کہیں زیادہ مبہم اور وسیع ہے چنانچہ معبودوں فرشتوں اور ارواح مردگان پر بھی اشخاص کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جس طرح انسان کو شخص کہتے ہیں اسی طرح ان چیزوں کو بھی شخص کہا جاتا ہے۔ بلحاظ روزمرہ زبان جو امتیاز شخص اور انسان کے معنوں میں ہے وہ قانون کی زبان میں بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ قانون میں بعض انسان اشخاص نہیں سمجھے جاتے ہیں مثلاً جس نظام قانونی میں غلاموں کو ناقابل حصول حقوق و فرائض قرار دیا گیا ہے اس قانون کی رو سے غلام شخص نہیں ہو سکتا یعنی غلام کی شخصیت قانونی معدوم ہو کر اس میں حقوق و فرائض کے حاصل کرنے اور ان پر قابض رہنے کی قابلیت نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس قسم کے نظام قانونی میں غلام مثل مویشی کے اشیا متصور ہوتے اور موضوعات حقوق سمجھے جاتے ہیں اور چونکہ اس قانون کی رو سے وہ اشخاص نہیں ہیں اس لیے وہ صاحبان و حاملان حقوق نہیں بن سکتے اس کے برعکس قانون بعض ان چیزوں کو اشخاص مانتا ہے جو آدمی نہیں ہیں مثلاً تصور قانونی میں جائنٹ اسٹاک کمپنی (کمپنی سرمایہ مشترک) اور مجلس بلدی (میونیسپل کارپوریشن۔ محکمہ صفائی) اشخاص ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں حقیقی نہیں بلکہ مجازی اور فرضی اشخاص ہیں لیکن قانون میں) یہ انسان نہیں ہیں۔ اس طرح کی

شخصیت رکھنے والی جماعتوں کو قانون انسانیت سے نہیں بلکہ مجازاً شخصیت سے متصف کرتا ہے۔
نظریۂ قانونی کی رو سے اور جہانتک اس کا تعلق ہے ہر ایک ایسی مخلوق جو حقوق و فرائض حاصل کرنے اور رکھنے کے قابل شخص ہو سکتی ہے جس مخلوق میں خواہ وہ انسان ہو کہ نہیں یہ قابلیت ہے وہ شخص ہے اور جس مخلوق میں خواہ وہ انسان ہی کیوں نہ ہو یہ قابلیت نہیں ہے وہ شخص نہیں ہے شخص منزلہ جوہر ہے اور حقوق و فرائض اس کے عرض ہیں یہی ایک ناص وجہ ہے جس کے سبب قانون میں شخص کی اہمیت اور حیثیت قرار دی گئی ہے اور قانون میں جو شخص کی حیثیت تسلیم کی گئی ہے اس پر اسی ایک نقطۂ خیال سے غور کرنا چاہیئے۔
لیکن ہم شخصیت کے اس تجزیہ میں ایک اور امر کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی مخلوق اس وقت تک حقوق حاصل کرنے اور رکھنے کے قابل نہیں ہو سکتی جبتک کہ وہ ایسے مرافق پانے اور رکھنے کے قابل نہ ہو جو دوسروں کے افعال سے متاثر ہو سکتے ہوں کیونکہ ہر ایک حق اس قسم کے پوشیدہ مرافق پر مبنی ہوتا ہے۔ ایسا ہی کوئی مخلوق اس وقت تک فرائض کا حامل نہیں ہو سکتی جبتک وہ ان افعال کے کرنے کے قابل نہ ہو جن سے دوسروں کے مرافق متاثر ہو سکتے ہوں لہذا کسی مخلوق کو حقوق و فرائض سے متصف کرنے کے لئے اس ان حقوق و فرائض کی بنیاد مرافق و افعال کو قرار دینا ضرور ہے۔ پس بلحاظ ان امور کے شخص کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اغراض قانونی کے لحاظ سے شخص وہ مخلوق ہے جس کو قانون ملک مرافق اور اس لئے حقوق کے حاصل کرنے اور رکھنے اور ایسے افعال کے کرنے اور بدیں وجہ فرائض کے حامل ہونے کی قابلیت سے متصف کرتا ہے۔
جن اشخاص کی اس طرح تعریف کی گئی ہے ان کی دو قسمیں ہیں قدرتی اور قانونی۔ شخص قدرتی وہ مخلوق ہے جس کو قانون ملک فی الواقع اور صحیح طور پر شخصیت سے متصف کرتا ہے اشخاص قانونی وہ مخلوقات ہیں جو خواہ وہ حقیقی ہوں کہ مجازی منجانب قانون ملک فرضی طور پر شخصیت سے متصف کئے جاتے ہیں اور از روئے حقیقت ان کی شخصیت معدوم رہتی ہے۔ حقیقت اور قانون دونوں میں اشخاص قدرتی اشخاص متصور ہوتے ہیں لیکن اشخاص قانونی محض قانون میں نہ کہ حقیقت میں اشخاص سمجھے جاتے ہیں[1]۔

---

[1] شخص قانونی کو اصطلاحاً فرضی قانونی مصنوعی اور اخلاقی شخص بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

فصل ۱۰۹ حیوانات ادنیٰ کی حیثیت قانونی

محض انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس پر شخص قدرتی کا اطلاق صادق آتا ہے اور اس لئے جانوروں کو اشخاص کہنا جائز نہیں ہے بلکہ قانون میں جانوروں کو اشیا کے زمرے میں داخل کیا گیا ہے اور اس لئے بہائم وغیرہ حقوق و فرائض قانونی کے موضوعات خیال کئے جاتے ہیں جانور حقوق و فرائض کے مالک و حامل نہیں ہوسکتے۔ اگرچہ جانوروں میں مثل انسانوں کے افعال کے کرنے اور مراقبت پر قابض ہونے کی قابلیت ہوتی ہے لیکن قانون میں ان کے افعال نہ تو جائز ہی سمجھے جاتے ہیں اور نہ خلاف قانون۔ منجانب قانون افعال حیوانات کی اجازت ہے اور نہ ممانعت۔ بریں ہم اقوام قدیمہ کے ضابطے میں بعض جانوروں کو ان کے افعال کی سزا دینے کے متعلق پس وپیش نہیں کیا جاتا تھا مثلاً اگر کوئی جانور قتل انسان کا مجرم قرار پاتا ہو تو اس کی قانونی تحقیقات ہوکر اس کو موت کی سزا دی جاتی تھی چنانچہ اگر کسی بیل کے سینگ بھونکنے سے کوئی مرد یا عورت ہلاک ہو جائے تو یقیناً وہ بیل سنگسار کیا جائے گا اور اس کا گوشت حرام قرار پائے گا[۱] بہرحال یہ اثر ماننے کے لوگوں کا تصور تھا جس کو ختم ہوکر صدہا سال گزر گئے اس پر بھی اس زمانے کے قانون میں ابتک ان ایام قدیمہ کی یادگار ایک قاعدے کے ذریعے سے باقی رکھی گئی ہے۔ اگر کسی شخص کا جانور مداخلت بیجا کا مرتکب ہو تو جس طرح آقا اپنے ملازم کے فعل کے لئے یا مالک غلام اپنے غلام کے فعل کے واسطے ذمہ دار ہے اسی طرح جانور یا مویشی کے مالک پر اس کے جانور کی مداخلت بیجا کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے[۲] لیکن پرانے زمانے کے اور زمانہ حال کے

---

[۱] توراۃ کتاب ۲ فصل ۲۱ آیت ۲۸۔ قوانین افلاطون صفحہ ۸۷۳ میں اسی قسم کا مضمون درج ہے ۱۲۔

[۲] ایلس بنام لافنس آئرن کمپنی لا ریورٹ پریوی کونسل جلد ۱۰ صفحہ ۱۳ ان جانوروں کی نسبت جو زمین پر مداخلت بیجا کرتے ہیں مدعیٰ علیہ (مالک مویشی) کا عذر کہ اس نے اپنے مویشی کو غیر کی زمین پر جانے نہ دینے کے متعلق پوری احتیاط کی تھی اور اسے اطمینان تھا کہ اس کا جانور مداخلت بیجا کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا اور یا اپنے جانور کے فعل کے نتیجہ کا پہلے سے اندازہ نہ کرسکا قابل پذیرائی

قانون میں ایک بہت بڑا فرق ہے ہر چند قانون مالک جانور پر اس کے فعل ناجائز کے سبب سے ایک قسم کی نیابتی ذمہ داری عائد کرتا ہے تاہم اس کی وجہ سے قانون میں جانور کی شخصیت تسلیم نہیں کی جاتی۔

چونکہ قانون میں جانوروں کے مرافق و فوائد تسلیم نہیں کئے جاتے ہیں اس لئے حیوانات قانون کی نظروں میں حقوق فرائض قانونی کے حاصل کرنے اور رکھنے کے قابل نہیں سمجھے جاتے ہیں۔ قانون انسانوں کے لئے بنایا جاتا ہے انسانوں کو جانوروں کے ساتھ موانست واتحاد پیدا کرنے کی غرض سے فرائض کی زنجیروں میں نہیں باندھا گیا ہے۔ اگر اس علم اخلاق کی رو سے جس میں تمام کائنات کے مختلف ذی روح کے گروہ کے نفع اور خوش حالی کا لحاظ کیا جاتا ہے حیوانات ادنیٰ کے کم سے کم اخلاقی حقوق ہو سکتے ہیں تو بھی اس قسم کے حقوق کسی نظام قانونی میں تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کے جس فعل سے کسی جانور کو جسمانی ضرر پہنچے تو وہ اس کے مالک یا معاشرت انسانی (ریاست) نہ کہ اس جانور کے مقابلے میں جرم متصور ہوتا ہے۔ کوئی جانور حتیٰ کہ کسی ایسے امین کے ذریعے سے جو انسان ہو جائداد کے متعلق امانت ہی قائم کیوں نہ کی جائے جائداد کا مالک نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی موصی اپنے چہیتے گھوڑوں یا کتوں کی پرورش کے لئے اپنی جائداد امنا کو منتقل کردے تو اس کے ایسا کرنے سے کسی جائز امانت کا قیام نہیں ہوسکتا اور نہ اس امانت کے حیوانات مامون لہا اس امانت کو (بامداد عدالت) نافذ کرا سکتے ہیں۔ بہر حال اس قسم کی امانت یا وقف کا صرف اس قدر اثر ہو سکتا ہے[1] کہ اگر مناسب سمجھیں تو جائداد مامونہ (موقوفہ) کو کلاً یا جزاً حسب وصیت موصی اس کے جانوروں کی پرداخت پر صرف کرسکتے ہیں اور جائداد سے جو کچھ بچے وہ موصی کے قائم مقامان قانونی کو بطور ترکہ مل جائے گا۔

بہر حال وہ امور ہیں جن کی بابت قانون میں جانوروں کو حقوق رکھنے کے قابل تصور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ نہیں ہے کیونکہ اگر یہی فعل مدعی علیہ کی ذات سے واقع ہوتا تو مداخلت بیجا سمجھا جاتا" اس کے ساتھ مقابلہ کرو جسٹی نین انسٹی ٹیوٹس کتاب ۴ فصل ۹۔

[1] معاملہ ڈیٹن چانسیری ڈیویژن جلد ۴۱ صفحہ ۵۵۲۔

کیا گیا ہے۔

اولاً۔ جانوروں پر ظلم کرنا ناجائز سمجھا گیا ہے اور جو ظلم و بیرحمی جانوروں کے ساتھ کی جاتی ہے وہ قانوناً جرم ہے۔

ثانیاً۔ کسی منفرد جانور کے لئے نہیں بلکہ حیوانات کی کسی ایک مخصوص جماعت کے فائدے کے واسطے امانت کا قائم کرنا جائز ہے اور اس امانت کا امانت متعلق عوام یا امانت متعلق کار خیر (بامداد عدالت) نفاذ کرایا جا سکتا ہے مثلاً لاوارث اور آوارہ گرد کتوں یا ناقابل کار او خستہ و خراب گھوڑوں کی پرورش اور سکونت کی غرض سے کسی مکان کی تعمیر وقیام کے متعلق جائداد کا امانت کرنا قانوناً جائز ہے[1]۔

کیا ان دو باتوں کے لحاظ سے ہم کو جانوروں کے حقوق قانونی اور ان کی شخصیت قانونی کو تسلیم کرنا چاہیے؟ قانون میں جانوروں کے لئے حقوق و شخصیت کا نہ ہونا اس قدر مسلم ہے کہ یہ باتیں انسان کے خیال میں اور اس کی زبان پر تک نہیں آسکتی ہیں چہ جائیکہ حالات متذکرۂ صدر کے سبب سے حقوق حیوانات کے متعلق شبہ پیدا ہو سکے۔ اور ان دو باتوں میں جو جانوروں کا لحاظ کیا جاتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حیوانات کے متعلق قانون میں انسانوں پر فرائض عائد کئے گئے ہیں بلکہ اس ملک کے باشندوں پر جس میں ظلم بر حیوانات یا امانت برائے نفع حیوانات کے قوانین نافذ ہیں سلطنت یا قوم کے فائدے کی غرض سے اس قسم کے فرائض عائد کئے جاتے ہیں۔ جانوروں کے یہ حقوق ان شخصی حقوق کے مشابہ نہیں ہیں جو کسی امانت کے بلا واسطہ مامون لہم کو حاصل ہوتے ہیں بلکہ ان میں اور ان حقوق میں زیادہ مشابہت ہے جو کسی سلطنت کے تمام افراد کو حاصل ہوتے ہیں یعنی بہائم کے ان بیان کردہ حقوق اور حقوق عوام میں بہت زیادہ مماثلت و مشابہت ہے چونکہ قوم یا افراد سلطنت کے بے زبان جانوروں کی بھلائی سے قوم کا فائدہ ہے اور فائدہ قومی کو تسلیم کرکے اس کی حمایت کرنا قانون کا کام ہے اس لئے جانوروں کے متعلق بھی اس طرح کے جیسے فرائض منجانب قانون ملک باغراض قومی افراد ملک پر عائد کئے جاتے ہیں۔

---

[1] بمعاملہ ڈین چانسری ڈیویژن جلد ۴۱ صفحہ ۵۵۲۔

فصل ۱۱ میت کی حیثیت قانونی

قانون[1] کی نظروں میں میت شخص نہیں سمجھی جاتی۔ آدمی کے مرنے کی دیر ہے کہ اس کی شخصیت اس کی روح کے ساتھ پرواز کر جاتی ہے اور جب موت کے سبب سے انسان کی شخصیت ہی باقی نہیں رہتی تو مردہ کیونکر از روئے قانون حقوق و فرائض کا حامل ہوسکتا ہے۔ چونکہ میت جذبۂ خواہش و مفاد سے معرا ہوتی ہے اس لئے اس کا کسی قسم کا حق بھی نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں میت کو کسی شئے سے تعلق نہیں ہوسکتا" اور یہ جو کام زیر فلک کیا جاتا ہے اس میں میت کی کس طرح سے شرکت ہوسکتی ہے" حتیٰ کہ میت اپنی جائداد کی بھی مالک نہیں سمجھی جاتی اور جبتک کوئی شخص میت کا جانشین قرار نہیں پاتا اس کی جائداد میراث بلا وارث خیال کی جاتی ہے۔ اس زمانے کے متعلق جو کسی شخص کے مرنے کے بعد اور اس میت کے وارث قرار پانے تک گذرتا ہے ہم جانتے ہیں کہ قانون رومابین میت کی شخصیت قانونی یا اس کی ملکیت کو باقی رکھنے کے بجائے اور میت کو شخص قانونی فرض کرنے کے عوض اس کی جائداد یا ورثہ کو مجازاً شخصیت سے متصف کیا جاتا تھا۔ اسی طرح قانون انگلستان میں صداقت نامہ اہتمام ترکہ کے طریقۂ عطا جاری ہونے کے قبل اس میت کی جائداد کا مالک جو بلا وصیت فوت ہو اسقف ضلع جس جائداد واقع ہوتی یا عدالت جو نقل مصدقہ وصیت نامہ عطا کرتی تھی متصور ہوتی تھی اور جب ورثا کی قائم مقامی طے پاتی تو میراث کی ملکیت ان پر منتقل ہوتی تھی لیکن میت کو مالک متروکہ قیاس کرنا قانون میں جائز نہ تھا۔

اگرچہ انسان کے حقوق اور اس کی خواہشیں اسی کے ساتھ ختم ہوجاتی ہیں لیکن وہ اپنی زندگی میں ان امور کے متعلق جو اس کی موت کے بعد اس کی ذات اور اس کی جائداد سے پیش آنے والی ہیں انتظام کرنے کا مجاز قرار دیا گیا ہے اور ہرچند منجانب قانون میت کو کسی قسم کا حق عطا نہیں کیا جاتا لیکن انسان کی ان خواہشوں اور مفاد کا جو وہ اپنے زمانۂ حیات میں کرتا ہے اس کے مرنے کے بعد ایک حد تک قانون میں لحاظ

---

[1] ڈائجسٹ ۴۶-۱-۲۲ ڈائجسٹ ۲۸-۵-۳۱-۱۔

کیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ تین ایسی باتیں ہیں جن کے متعلق انسان کو اپنی زندگی ہی میں فکر دامنگیر رہتی ہے اور اسی بنا پر آدمی کے بعد وفات قانون ملک میں ان کی طرف توجہ کی جاتی ہے یہ تین چیزیں انسان کی لاش اور شہرت (نیک نامی) اور جائداد ہیں۔ فطرت انسانی کا مقتضا ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ اپنے جسم نام اور جائداد کی اسی طرح حفاظت کرنی چاہتا ہے جس طرح کہ وہ عالم حیات میں ان چیزوں کو عزیز رکھتا اور ان کی پرداخت میں مشغول رہتا ہے اور فطرت کی اس فریبانہ روش سے متاثر ہو کر وہ اپنی زندگی میں ہی ان امور کے متعلق اہتمام کرتا ہے۔ کس حد تک قانون ملک ان امور کے جائز ہونے کو تسلیم کرتا اور کس حد تک ان کے متعلق کفیل ہوتا ہے؟ انسان کا جسم مردہ کسی شخص کی ملک نہیں ہے وصیت یا کسی اور دستاویز[1] کے ذریعے سے انسان اپنی میت کو کسی کو ہبہ نہیں کر سکتا اور نہ کسی ناجائز فعل کے ذریعے سے مردے کا (قبر سے منتقل کیا جانا) سرقہ ہو سکتا[2] ہے اس پر بھی قانون فوجداری کے ذریعے سے ہر ایک میت کے باعزت دفن و کفن کی کفالت کی گئی ہے اور قبروں کی بے حرمتی کرنا نبش قبر کرنا[3] فوجداری جرم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دفن میت کے متعلق انگلستان میں ایک نہایت عاقلانہ[4] فیصلہ کیا گیا ہے کہ جس شخص کی موت اس ملک میں واقع ہو اس کو حق دیا گیا ہے کہ وہ عیسائی طریقہ تدفین سے اپنے کو دفن کروائے۔ اس کے برعکس انسان اپنے دفن کے متعلق بذریعہ وصیت

---

[1] ولیمز بنام ولیمز چانسری ڈویژن جلد ۲۰ صفحہ ۶۵۹۔

[2] بادشاہ انگلستان بنام رے نیز ایسٹ پریوی کونسل جلد ۲ صفحہ ۶۵۲۔

[3] فاسٹر بنام ڈاڈ لار پورٹ کوئینز بینچ جلد ۳ صفحہ ۷۷ "خواہ کسی کی قبر کی زمین متبرک سمجھی جائے کہ نہ سمجھی جائے لیکن قبر میں سے لاش مدفون کو اس کی توہین اور بے حرمتی کرنے کی غرض سے نکالنا الزام تحریری معدنہ کچہری کلاں (یعنی ملزم کے چالان کرنے) کے لیے کافی وجہ ہے۔"

[4] بادشاہ انگلستان بنام اسٹوارٹ رپورٹس مرتبہ اڈال فس اور ایلس جلد ۲ صفحہ ۷۷ مردے کو جلا کر اس کی راکھ کرنے کے جائز ہونے کے متعلق دیکھو ملکۂ انگلستان بنام پرائس کوئینز بینچ ڈویژن جلد ۱۲ صفحہ ۲۴۷۔

جو ہدایتیں کرتا ہے وہ قانوناً قابل نفاذ نہیں ہیں[۵۱] سوائے اس کے کہ ایک قانون موضوعہ کے ذریعہ سے اس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی لاش کو علم تشریح کی ضروریات اور تجربات میں نہ لانے دے اور جو ذیلتیں کہ لاش انسانی کو اس علم کے مشقی کاموں سے پہنچتی ہیں ان سے اس کو محفوظ رکھے[۵۲]۔ اسی طرح انسان کا (ازروئے قانون انگلستان) اپنے مقبرے کی پرداخت اور تعمیر کے لئے ایک دائمی امانت قائم کرنا (جائداد کو دواماً وقف کر دینا) ناجائز اور کالعدم ہے کیونکہ یہ ایک ایسی غرض اور خواہش ہے جس کے لئے کسی قسم کی جائداد دائماً نہیں وقف ہو سکتی[۵۳] بلکہ اس غرض سے کسی عارضی امانت کے قیام کا اثر نا ایسا (کہ اس طرح کی امانت سے قاعدۂ خلاف تعداد سال کی خلاف ورزی بھی نہ ہوتی ہو) وہی ہوتا ہے جس کی صراحت ہم نے امانت ہائے متعلق حیوانات میں کی ہے یعنی اس طرح کی امانت کا قائم کرنا جائز ہے لیکن ان کا نفاذ بجبر و بامداد عدالت نہیں کرایا جا سکتا[۵۴] کیونکہ جائداد سے زندہ انسان نہ کہ مردہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

قانون فوجداری کے ذریعے سے مردوں کو ایک حد تک توہین سے بچایا گیا اور ان کے نام نیک کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ توہین میت کا جرم خفیفہ (ایسے جرائم کی سزا جرمانہ ہے) میں شمار کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ میت کی بذریعہ تحریر توہین کی جائے اور اس کی اشاعت کرنے سے توہین کرنے والے کا منشا اصل میں زندہ اشخاص کے اغراض اور مفاد پر حملہ کر کے ان کو گزند پہنچانا ہو یہ حق جس کی اس طرح حفاظت کیا جاتا ہے اور جس کی قانون اس طرح حمایت کرتا ہے فی الواقع مردے کا نہیں بلکہ اس کی زندہ اولاد و احفاد کا ہے پس اسی حد تک اور اسی ایک طریقے سے یہ مقولہ کہ مردوں کو خیر کے ساتھ یاد کرنا چاہیے قانون میں تسلیم کیا جاتا ہے اور اسی قدر اس کا جبر ہے[۵۵]۔

---

[۵۱] ولیمز بنام ولیمز چانسری ڈیویژن جلد ۲۰ صفحہ ۶۵۹۔

[۵۲] ولیم چہارم ۲ و ۳ جلوس باب ۷۵ دفعہ ۷۔

[۵۳] بمعاملہ ویکھن چانسری ڈیویژن جلد ۳۴ صفحہ ۱۸۷۔ ہور بنام آس برن ایکوایٹی جلد ۱ صفحہ ۵۸۵۔

[۵۴] بمعاملہ ڈین چانسری ڈیویژن جلد ۴۱ صفحہ ۵۵۲۔

[۵۵] رپورٹ مرتبہ کک صفحہ ۱۲۵ (الف) ملکۂ انگلستان بنام لابوشر کوئنز بنچ ڈیویژن جلد ۱۲ صفحہ ۳۲۰۔

لیکن مردوں کی تمام خواہشوں میں سب سے زیادہ جس خواہش اور آرزو کا قانون میں لحاظ کیا جاتا ہے وہ ایسے حقوق وراثت ہیں جن کے متعلق مرنے والا وصیت کرتا ہے اور وصیت ہی انسان کا ایک ایسا فعل ہے جس کے ذریعے سے آدمی اپنے مرنے کے بعد زندہ انسانوں کے افعال کو اپنی خواہشات کا تابع کرسکتا ہے اور زندوں کو میت کی ہدایات کے موافق اکثر صورتوں میں عمل کرنا پڑتا ہے۔ عالم فانی سے کوچ کرنے کے بعد بھی انسان بذریعہ وصیت اپنی املاک کی تقسیم کی بابت اور ان لوگوں کی نسبت جن کو وہ ان سے مستفید کرنا چاہتا ہے بذریعۂ وصیت انتظام کراسکتا ہے اور سالہا سال تک اس قسم کا انتظام اسی طرح قائم رہ سکتا ہے جیسا کہ وہ اپنی ذات سے اس کو انجام دے رہا ہے بہرحال اس مقام پر اس مضمون کی نسبت تفصیل سے بحث کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ ہم کسی دوسرے موقع پر اس کو بیان کریں گے۔

فصل ۱۱۱ اشخاص نازائیدہ کی حیثیت قانونی

اگرچہ قانون میں اشخاص مردہ کی شخصیت سے انکار کیا گیا ہے لیکن اشخاص نازائیدہ کی اس کے برعکس کیفیت ہے۔ قانون نے اس شخص کو جو پیدا نہیں ہوا ہے مالک جائداد بننے سے منع نہیں کیا ہے لیکن ایسے شخص کی ملکیت کسی ایک غیر معین واقعہ پر موقوف رکھی گئی ہے۔ حالت حمل کے بعد بچے کا پیدا ہونا اور نہ ہونا ممکنات سے ہے اور ایسے شخص نامولود کی ملکیت اس کی ولادت کے واقعہ غیر معین پر منحصر ہوتی ہے برایں ہم طفل غیر مولود کی ملکیت ایک حقیقی اور موجود شے ہے چنانچہ ہر ایک شخص اپنی زوجہ اور ان اطفال کو جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہوں اپنی جائداد ہبہ کرسکتا ہے اور جو امانت کہ اس عطا کے متعلق قائم کی جاتی ہے اس کو اصطلاحاً تملیک کہتے ہیں۔ ایسا ہی اس شخص کی نازائیدہ اولاد جو بلا وصیت فوت ہو جائے اس کی جائداد وراثتاً پاسکتی ہے۔ اسکو بھی قانون کی مصلحت کے خلاف ہے کہ میت کی ان نسلوں کے حق میں اور فائدہ کے لئے جو پیدا ہونے والی ہیں میت کی جائداد سے سالہا سال تک دوسرے زندہ انسانوں کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ڈائجسٹ قانون فوجداری مرتبہ اسٹیفن فصل ۲۹۱ طبع پنجم۔

مستفید ہونے سے روکا جائے بلکہ قانون کا مقتضا ہے کہ مردے کی جائداد سے جسقدر جلد ہو سکے زندوں کو فائدہ پہنچنا چاہیئے لہذا چند مختلف قسم کے قواعد کے ذریعے سے جائداد میت کو زیادہ دنوں تک بلا مالک کے ڈال رکھنا اور زندوں کو اس کے استعمال اور استفادہ سے محروم کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس زمانے میں کوئی شخص بذریعہ وصیت اپنی دولت کو سو سال تک بلا تقسیم جمع ہوتے رہنے اور بعد ازاں اس کی اولاد میں منقسم ہونے کے لئے انتظام نہیں کر سکتا۔

ایک مفروضہ قانونی کی بنا پر اکثر امور میں جنین کا طفل زائیدہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مقولۂ قانونی جس پر یہ مفروضہ بنی ہے یہ ہے کہ جو شخص پیدا نہیں ہوا اور جس کے پیدا ہونے کی توقع ہے اس کو پیدا ہوا سمجھنا چاہیئے۔ اسی مضمون کو کوک نے ذیل کے الفاظ میں ادا کیا ہے "مولود کی ولادت کی امید کے باعث قانون میں اس کا اکثر امور میں لحاظ کیا جاتا ہے"[۵۱]

یہ سوال کہ شخص نازائیدہ کس حد تک حقوق خلاف شخصی حقوق ملکیت کا قابض ہو سکتا ہے تصفیہ طلب ہے۔ ایک مقدمہ میں طے پایا ہے کہ اس شخص کا طفل جس کے باپ کی موت پر لارڈ کیمپل کے قانون کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جو اپنے باپ کی ہلاکت کے بعد پیدا ہووے تاوان یا معاوضہ پانے کا مستحق ہے[۵۲]

اگر کسی بچے کو بحالت جنین کوئی صدمہ یا ضرر بیرونی طور سے پہنچے اور پیدا ہونیکے بعد اس ضرر کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس شخص کا فعل جس نے ارادتاً یا غفلت سے جنین کو ضرر پہنچایا تھا قتل عمد یا قتل انسان مستلزم سزا سمجھا جاتا ہے[۵۳] جس حاملہ عورت کے لئے عدالت سے سزائے موت تجویز ہوا ہے اس حکم سزا کو اپنی زچگی ہونے تک معطل یا ملتوی کرانے کا حق حاصل ہے لیکن اس کے برعکس ایک مقدمے میں جب کہ ایک صغیرہ کی جانب سے ایک ریلوے کمپنی

---

[۵۱] رپورٹ مرتبہ کک صفحہ ۸ (ب) اس کا مقابلہ کرو ڈائجسٹ ۱-۵-۲۶ سے۔

[۵۲] دی جارج اینڈ رچرڈ اینڈ مرچنٹ اینڈ انگلی زیا سیکل رپورٹس جلد ۳ صفحہ ۴۶۶۔

[۵۳] شاہ انگلستان بنام سی ٹی الہ کرون کیسز مرتبہ موڈی جلد ۱ صفحہ ۳۴۴۔
شاہ انگلستان بنام ویسٹ رپورٹ مرتبہ کیرنگٹن اور کیر درن جلد ۲ صفحہ ۷۸۴۔

کے خلاف ان صدمات اور ضرر کی بابت نالش کی گئی تھی جو اس صغیرہ کے جسم کو اس کے جنین (رحم مادر میں) رہنے کے زمانے میں بذریعہ تصادم جو ریلوے گاڑیوں میں واقع ہوا اور جو مدعی علیہ کمپنی کی غفلت کا نتیجہ تھا پہنچے تھے آئرلینڈ کی ایک عدالت نے طے کیا کہ اس نالش کے ذریعے سے مدعیہ صغیرہ نے اپنا حق دعوی ثابت نہیں کیا[۱]۔ لیکن اس مقدمے میں منجملہ چار کے دو ججوں نے اپنے فیصلے کو اس اصول پر مبنی کیا ہے کہ کمپنی مذکور پر اس شخص کی حفاظت اور نگہبانی لازم نہ تھی جو ابھی عالم وجود میں نہ آئے تاہم فیصلۂ ہذا کی بنا یہ اصول نہیں ہے کہ یہ ایک صورت میں طفل نامولود کو اپنے جسمانی ضرر کے لئے ضرر رساں کے مقابلے میں نالش کرنے کا حق حاصل نہیں ہے یا بالفاظ دیگر جنین کو ضرر جسمانی پہنچانا خلاف قانون نہیں ہے۔

نامولود کے حقوق خواہ ان کا تعلق سے ملکیت ہو یا اسکو دوسرے اشخاص کے مقابلے میں حقوق حاصل ہوں اس کے زندہ پیدا ہونے پر موقوف ہوتے ہیں اور قانون میں جو شخصیت نامولود کی اس کے پیدا ہونے کے قبل قرار پاتی ہے وہ اس کے مردہ پیدا ہونے کی صورت میں اس طرح کالعدم ہو جاتی ہے گویا اس کا وجود ہی نہ ہوا تھا۔ اسقاط حمل کرنا جرم ہے لیکن اگر بچے اسقاط کے ذریعہ سے بچہ زندہ پیدا ہونیکے بعد ہلاک ہو تو اسقاط قتل انسان متصور ہوتا ہے بچہ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوتا ہو اس کی میراث پا سکتا ہے لیکن اگر وہ رحم مادر میں فوت ہو جائے یا مردہ پیدا ہووے تو اس کا حق وراثت ساقط ہو جاتا ہے اور کوئی دوسرا شخص بھی اس مردہ طفل کا وارث نہیں بن سکتا۔ البتہ بچے کے زندہ پیدا ہونے اور بعد ولادت کم سے کم چند لمحے تک زندہ رہنے کا ایک دوسرا اثر ہے۔

فصل ۱۱۲ دہری شخصیت

بسا اوقات ایک ہی انسان کی (قانون میں) دہری شخصیت ہوتی ہے۔ ایک آدمی (بعض صورتوں میں از روے قانون) دو شخص سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس کے متعلق قانونی مقولہ ہے کہ ایک آدمی کی دو شخصیتیں ہو سکتی ہیں لہٰذا لاطینی مقولے کا مفہوم انگریزی

---

[۱] واکر بنام گریٹ ناردرن ریلوے کمپنی واقع آئرلینڈ آئرش لا رپورٹ جلد ۲۸ صفحہ ۶۹۔

اسا تذۂ قانون اس طرح ادا کرتے ہیں - ایک ہی آدمی اپنی ایک حیثیت قانونی یا اپنے ایک حق اور اپنی دوسری حیثیت (یا قابلیت) قانونی یا اپنے ایک دوسرے حق کے درمیان تعلقات قانونی پیدا کرسکتا ہے یعنی وہ اپنی ذات سے آپ قانونی معاملت کرسکتا ہے وہ اپنی ذات سے آپ معاہدہ کرسکتا ہے اور اپنے کو آپ قرض دیسکتا ہے یا اپنے کو آپ جائداد منتقل کرسکتا ہے - ظاہر ہے کہ ہر ایک معاہدہ قرض اور قرض یا انتقال جائداد کے لئے ایسے دو شخصوں کی ضرورت ہے جن کے درمیان اس قسم کا معاملہ قانونی طے پاتا ہے اور یہ فریقین معاملہ کہلاتے ہیں لیکن دوہری شخصیت کی شکل میں ایک ہی آدمی فریقین کے بجائے معاملے کو آپ اپنی ذات کے درمیان طے کرتا ہے - امانت اور امین کی شکل میں اکثر اس طرح کی دوہری شخصیت وجود پذیر ہوتی ہے ہم نے اس کے قبل بیان کیا ہے کہ امین وہ شخص ہے جو جائداد غیر کا برائے نام مالک ہوتا ہے اور امانت کی غرض اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی کہ اصلی مالک جائداد کے قائم مقام کی حیثیت سے امین اس کا انتظام اور نگہداشت کرتا ہے لہذا اکثر امور میں امین قانون کی نظر میں دو سمجھا جاتا ہے - مامون لہ کے حق کے لحاظ سے وہ ایک شخص ہے اور اپنے حق کے لحاظ سے وہ دوسرا شخص ہے - امین اپنی ایک حیثیت (اور قابلیت) کی بنا پر اپنی دوسری قابلیت کا مدیون ہوسکتا ہے - وہ اپنی ایک حیثیت کے لحاظ سے اس جائداد پر جو اس کی دوسری قابلیت کے لحاظ سے جو اس کی ملک ہے بار ڈالنے کا حق رکھ سکتا ہے - ایسا ہی وہ اپنا آپ دائن یا زمیندار (اور مالک مکان) ہوسکتا ہے مثلاً جس صورت میں موصی اپنے دائنین میں سے کسی ایک دائن کو اپنا موصی اور اپنے اسامیوں میں سے کسی ایک اسامی کو اپنی اراضی کا امین مقرر کرتا ہے[5] - بہر حال اگر ان تمام صورتوں میں آدمی کی دوہری شخصیت قانون میں تسلیم نہ کی جاتی تو جس قرض یا بار ڈالنے کے حق کا ان مثالوں میں ذکر کیا گیا ہے اس کا وجود نہ ہوتا بلکہ ادنیٰ حق اعلیٰ میں شامل ہو جانے سے مدغم یا ساقط ہو جاتا ہے جس کو قانون رومامیں کان فیوژیو (ادغام حقوق) کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک معاملہ قانونی دو شخصوں کے درمیان

[5] اس کے متعلق قانون کا مقولہ حسب ذیل ہے جب ایک شخص میں دو حقوق جمع ہو جائیں تو وہ ایک شخص دو مختلف اشخاص سمجھا جاتا ہے کیل ون کا مقدمہ اسٹیٹ ٹرائیلز (تحقیقات ملزمین سیاسی) جلد ۲ صفحہ ۵۸۴ کا ئین نہام کا ئین پیر ولیم جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ -

کے خلاف ان صدمات اور ضرر کی بابت نالش کی گئی تھی جو اس صغیرہ کے جسم کو اس کے جنین (رحم مادر میں) رہنے کے زمانے میں بذریعہ تصادم جو ریلوے گاڑیوں میں واقع ہوا اور جو مدعی علیہ کمپنی کی غفلت کا نتیجہ تھا پہنچے تھے آئرلینڈ کی ایک عدالت نے طے کیا کہ اس نالش کے ذریعے سے مدعیہ صغیرہ نے اپنا حق دعوی ثابت نہیں کیا[۵۱]۔ لیکن اس مقدمے میں منجملہ چار کے دو ججوں نے اپنے فیصلے کو اس اصول پر مبنی کیا ہے کہ کمپنی مذکور پر اس شخص کی حفاظت اور نگہبانی لازم نہ تھی جو ابھی عالم وجود میں نہ آئے تاہم فیصلۂ ہذا کی بنا یہ اصول نہیں ہے کہ ہر ایک صورت میں طفل نامولود کو اپنے جسمانی ضرر کے لئے ضرر رساں کے مقابلے میں نالش کرنے کا حق حاصل نہیں ہے یا بالفاظ دیگر جنین کو ضرر جسمانی پہنچانا خلاف قانون نہیں ہے۔

نامولود کے حقوق خواہ ان کا تعلق سے ملکیت ہو یا اسکو دوسرے اشخاص کے مقابلے میں حقوق حاصل ہوں اس کے زندہ پیدا ہونے پر موقوف ہوتے ہیں اور قانون میں جو شخصیت نامولود کی اس کے پیدا ہونے کے قبل قرار پاتی ہے وہ اس کے مردہ پیدا ہونے کی صورت میں اس طرح کالعدم ہو جاتی ہے گویا اس کا وجود ہی نہ ہوا تھا۔ اسقاط حمل کرنا جرم ہے لیکن اگر اسقاط کے ذریعہ سے بچہ زندہ پیدا ہونیکے بعد ہلاک ہو تو اسقاط قتل انسان متصور ہوتا ہے بچہ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوتا ہے اس کی میراث پا سکتا ہے لیکن اگر وہ رحم مادر میں فوت ہو جائے یا مردہ پیدا ہووے تو اس کا حق وراثت ساقط ہو جاتا ہے اور کوئی دوسرا شخص بھی اس مردہ طفل کا وارث نہیں بن سکتا۔ البتہ بچے کے زندہ پیدا ہونے اور بعد ولادت کم سے کم چند لمحے تک زندہ رہنے کا ایک دوسرا اثر ہے۔

فصل ۱۱۲ دہری شخصیت

بسا اوقات ایک ہی انسان کی (قانون میں) دہری شخصیت ہوتی ہے۔ ایک آدمی (بعض صورتوں میں از روے قانون) دو شخص سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس کے متعلق قانونی مقولہ ہے کہ ایک آدمی کی دو شخصیتیں ہو سکتی ہیں اسی لاطینی مقولے کا مفہوم انگریز

---

[۵۱] واکر بنام گریٹ ناردرن ریلوے کمپنی واقع آئرلینڈ آئرش لا رپورٹ جلد ۲۸ صفحہ ۶۹۔

اسا تذۂ قانون اس طرح ادا کرتے ہیں۔ ایک ہی آدمی اپنی ایک حیثیت قانونی یا اپنا ایک حق اور اپنی دوسری حیثیت (یا قابلیت) قانونی یا اپنے ایک دوسرے حق کے درمیان تعلقات قانونی پیدا کرسکتا ہے یعنی وہ اپنی ذات سے آپ قانونی معاملت کرسکتا ہے وہ اپنی ذات سے آپ معاہدہ کرسکتا ہے اور اپنے کو آپ قرض دے سکتا ہے یا اپنے کو آپ جائداد منتقل کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک معاہدہ قرض، اور قرض یا انتقال جائداد کے لئے ایسے دو شخصوں کی ضرورت ہے جن کے درمیان اس قسم کا معاملہ قانونی طے پاتا ہے اور یہ فریقین معاملہ کہلاتے ہیں لیکن دہری شخصیت کی شکل میں ایک ہی آدمی فریقین کے بجائے معاملے کو آپ اپنی ذات کے درمیان طے کرتا ہے۔ امانت اور امین کی شکل میں اکثر اس طرح کی دہری شخصیت وجود پذیر ہوتی ہے ہم نے اس کے قبل بیان کیا ہے کہ امین وہ شخص ہے جو جائداد غیر کا برائے نام مالک ہوتا ہے اور امانت کی غرض اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی کہ اصلی مالک جائداد کے قائم مقام کی حیثیت سے امین اس کا انتظام اور نگہداشت کرتا ہے لہذا اکثر امور میں امین قانون کی نظر میں دو سمجھا جاتا ہے۔ مامون لہ کے حق کے لحاظ سے وہ ایک شخص ہے اور اپنے حق کے لحاظ سے وہ دوسرا شخص ہے۔ امین اپنی ایک حیثیت (اور قابلیت) کی بنا پر اپنی دوسری قابلیت کا مدیون ہوسکتا ہے۔ وہ اپنی ایک حیثیت کے لحاظ سے اس جائداد پر جو اس کی دوسری قابلیت کے لحاظ سے جو اس کی ملک ہے بار ڈالنے کا حق رکھ سکتا ہے۔ ایسا ہی وہ اپنا آپ دائن یا زمیندار (اور مالک مکان) ہوسکتا ہے مثلاً جس صورت میں موصی اپنے دائنین میں سے کسی ایک دائن کو اپنا موصی اور اپنے اسامیوں میں سے کسی ایک اسامی کو اپنی اراضی کا امین مقرر کرتا ہے[1]۔ بہر حال اگر ان تمام صورتوں میں آدمی کی دہری شخصیت قانون میں تسلیم نہ کی جاتی تو جس قرض یا بار ڈالنے کے حق کا ان مثالوں میں ذکر کیا گیا ہے اس کا وجود نہ ہوتا بلکہ ادنی حق اعلی میں شامل ہو جانے سے مدغم یا ساقط ہو جاتا ہے جس کو قانون رومائیں کان فیوزیو (ادغام حقوق) کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک معاملہ قانونی دو شخصوں کے درمیان

---

[1] اس کے متعلق قانون کا مقولہ حسب ذیل ہے جب ایک شخص میں دو حقوق جمع ہو جائیں تو وہ ایک شخص دو مختلف اشخاص سمجھا جاتا ہے کیل ون کا مقدمہ اسٹیٹ ٹرائیلز (تحقیقات ملزمین سیاسی) جلد ۲ صفحہ ۵۸۴ کا بن بنام کا بن پیر ولیمز جلد ۲ صفحہ ۴۹۵۔

طے پاتا ہے اور اس کی انجام دہی کے لئے ایک شخص کافی نہیں ہوسکتا۔ کوئی شخص اپنے حق کے مقابلے میں اپنے پر ایک فرض نہیں عائد کرسکتا اور نہ کوئی شخص اپنی جائداد پر اپنے بار ڈالنے کا حق رکھ سکتا ہے چنانچہ لاطینی میں مقولہ ہے کہ کسی شخص کی جائداد اس کے کسی دوسرے حق کے تابع نہیں ہوسکتی۔[۵۱]

فصل ۱۱۳ اشخاص قانونی

ہر ایک ایسی شے جس کو قانون فرضی یا قانونی شخصیت سے متصف ٹھہرائے شخص قانونی قرار پاسکتی ہے۔ تصور شخصیت کے دائرے کو وسیع کرکے قانون میں اشخاص مجازی پر جو اصل میں انسانات نہیں ہیں اس طرح شخصیت قانونی کا اطلاق کیا جاتا ہے اس کو قانوندان حضرات کی قوت تخیل کی اعلیٰ پرواز سمجھنی چاہئے بہرحال اس قانونی قوت متخیلہ کے متعلق جو تحقیق کی گئی ہے اور اس کے فوائد و استعمالات کی بابت ہم اس باب کے باقی حصہ میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ قانون کے ذریعے سے جو اشخاص قانونی کی خلقت ہوتی ہے اس میں کسی حقیقی اور موجود شے کو شخص فرض کیا جاتا ہے اور اس لئے اس طرح کے شخص کا فی الواقع وجود تو ہوتا ہے لیکن محض اس کی شخصیت فرضی اور مجازی ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قانون اگر اس کو منظور ہو تو خیالی اشیا تک کو اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے اشخاص قرار دے سکتا ہے اور از روئے نظریہ اس کو اشیائے حقیقی کو شخصیت سے متصف کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے برایں ہمہ طرز عمل یہی ہے کہ اشیاء حقیقی قانون میں مجازی اشخاص متصور ہوتے ہیں اور اسی تدبیر سے کام لیا جاتا ہے بہرحال اشیاء حقیقی کو جامہ تشخص پہنانے سے زبان اور تخیل قانون میں ادائے مطالب کے لئے نہایت سہولیت پیدا ہوگئی ہے اور اس سے تصورات قانونی میں بہت مدد ملتی ہے جس شے کو جامہ تشخص پہنایا جاتا ہے اس کو اصطلاحاً جسم کہتے ہیں اس شخص قانونی کا جسکی اس طرح خلقت ہوتی ہے[۵۲] اور اس جسم میں قانون شخصیت مجازی کی روح پھونکتا ہے۔

---

[۵۱] ڈائجسٹ ۸-۲-۲۶۔

[۵۲] جرمن مقننین نے بھی شخص مجازی کے جسم کے لئے اس کا ہم معنی لفظ استعمال کیا ہے۔ دیکھو

اگرچہ تمام اقسام کی مجازی یا قانونی شخصیت تشخیص (بے جان کو شخص جاندار فرض کرنے) پر مبنی ہے لیکن اس کا عکس صحیح نہیں ہے۔ تشخص بذات خود ایک قسم کا استعارہ ہے اور اس کا مفروضہ قانونی میں شمار نہیں کیا جاتا صنعت زبان کے لحاظ سے کسی بے جان شے کو استعارتاً شخص قرار دیا جاسکتا ہے اور زبان کے لحاظ سے تشخص کا یہی مفہوم ہے لیکن قانون میں جو شے شخص قرار پاتی ہے وہ معین ہوتی ہے اور اس کا تعلق تصور قانونی سے ہے۔ اس صنعت زبان کے ذریعے سے آسانی سے مطالب کا اظہار کرنے کی غرض سے قانون تشخص سے کام لیا جاتا ہے اور جس طرح عام زبان میں جہاں کہیں مقرر کو صاف سیدھے الفاظ میں صحیح مطالب کے اظہار کے واسطے بلا استعمال صنعت گفتگو کرنا پڑتا ہے اسی طرح زبان قانون میں جب مقرر کو صحت الفاظ منظور ہوتی ہے تو وہ بہت ہی کم تشخص کی اس تدبیر سے کام لیتا ہے ہم لوگ جائداد میت کے متعلق اس طرح گفتگو کرنے کے عادی ہیں جس طرح کسی شخص (انسان) کی بابت گفتگو کی جاتی ہے مثلاً ہم لوگ کہا کرتے ہیں کہ میت کی جائداد مقروض ہے یا اس کو دوسروں سے قرض وصول طلب ہے یا وہ دیوالیہ (مدیون نادار) ہے۔ بہرحال ان صورتوں میں جائداد کی شخصیت قانونی تسلیم نہیں کی جاتی ہے یعنی ایسی شکل میں قانون کی نظروں میں جائداد متوفی شخص قانونی نہیں مانی جاتی بلکہ متوفی کے حقوق و ذمہ داریاں اس کے ورثا کے اوصیا اور مہتمان ترکہ پر نہ کہ اس کی جائداد پر جو ایک شخص مجازی ہے منتقل ہوتی ہیں۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ فلاں قطعۂ زمین ایک حق متبوع رکھنے کا مستحق ہے زبان کا محاورہ ہے مثلاً ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں قطعۂ زمین کو ایک دوسرے شخص کی زمین پر حق مرور حاصل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کسی جماعت کے افراد کے مشترک اغراض اور افعال کو ہم لوگ بذریعہ تشخص ایک شخص واحد فرض کرتے ہیں حالانکہ قانون اس طرح کی جماعت مجسم و متحدہ کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ اسی طرح ہم ایک فرم (دوکان یا کارخانہ) کے متعلق مثل ایک شخص کے گفتگو کرتے ہیں اور ہم اپنے ذہن میں اس کو ان منفرد شرکا سے ایک جداگانہ شخص سمجھتے ہیں جن پر وہ مشتمل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر لفظ جوری کا (انگریزی زبان میں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ونڈشیڈ جلد ۱ فصل ۵۷ وینگیرو جلد ۱ فصل ۵۳ پکٹا جلد ۲ صفحہ ۱۹۲۔

استعمال کیا جاتا ہے اور ہم ایک جوری ججوں کا ایک بنچ (عدالت) ایک جلسۂ عام قوم بذات خود کہنے کے عادی ہیں اور ان الفاظ کو ہم اس طرح بھول جاتے ہیں گویا ان میں کا ہر ایک بذات خود ایک شخص ہے اور کہنے کے وقت ہم کو اس امر کا خیال تک نہیں آتا کہ یہ چیزیں اشخاص کی جماعتیں یا مجالس ہیں اس پر بھی اس طرح کی کسی ایک جماعت یا انجمن کی جو منفرد اشخاص پر مبنی ہوتی ہے شخصیت قانونی اس وقت تک قائم نہیں ہوتی جب تک قانون میں اس قسم کے ایک مجموعہ یا انجمن کے سوائے کہ اور اس سے علیحدہ کسی وجود فرضی شے کو اس کے متعلق شخص قانونی تسلیم نہیں کیا جاتا اور یہ شخص قانونی اس انجمن یا جماعت کا نقل اور انعکاس نہیں بلکہ ایک حد تک اس کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔

چونکہ قانونی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے خود مختارانہ طور پر منجانب قانون اشخاص قانونی کو عالم وجود میں لایا جاتا ہے اس لیے جس قدر قانون میں منظور ہو اسی قدر اشخاص قانونی کے اقسام قرار پا سکتے ہیں۔ ہمارے نظام قانونی (قانون انگلستان) میں جن قانونی اشخاص کو تسلیم کیا جاتا ہے ان کی صورت ایک جماعت یا گروہ یعنی جسمیات Corporatione یعنی جماعتہائے جسم دار (Bodies Corporate) سے ہے۔ جسمیہ (کارپوریشن) سے مراد ایسے اشخاص کی جماعت یا گروہ سے ہے جس کو قانون میں مثل ایک شخص کے فرض کیا جاتا ہے اور اس فرضی شخص کے ساتھ قانون اسی طرح سے پیش آتا ہے جیسا کہ وہ شخص حقیقی سے سلوک کرتا ہے۔ بہر حال ہمارے نظام قانونی میں صرف اسی ایک قسم کے شخص قانونی کا وجود پایا جاتا ہے لیکن اقوام غیر کے نظامات قانونی میں اس تصور قانونی کا اطلاق اس طرح محدود نہیں کیا گیا ہے بلکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نظامات میں کم سے کم اس تصور کے تین مختلف انواع ہیں۔ ان ملکوں کے قانون میں ضرورت قانونی کے لحاظ سے تین قسم کے اشیاء کا تشخص کیا گیا ہے یعنی انھیں جامۂ شخصیت پہنایا گیا ہے۔

ا۔ اشخاص قانونی کے پہلے زمرے میں جسمیات (کارپوریشنز) داخل ہیں جن کی اس سے اوپر کے فقرے میں تعریف کی گئی ہے اور جن سے مراد منفرد اشخاص کی جماعتیں اور انجمنیں وغیرہ ہیں۔ جن منفرد اشخاص سے اس قسم کے شخص قانونی کا جسم مرکب ہوتا ہے ان کو اصطلاح میں اس کے ارکان کہتے ہیں۔ مگر ہم اس قسم کی فرضی شخصیت کے متعلق اس باب کے خاتمہ میں زیادہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

۲ ۔ اشخاص مذکور کی دوسری نوع وہ ہے جس میں جسم یا موضوع جس کا تشخص کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے وہ اشخاص کی جماعت یا انجمن نہیں ہوتی بلکہ کوئی ادارہ (محکمہ وغیرہ) ہوتا ہے۔ مثلاً اگر قانون کو منظور ہو تو وہ کسی گرجے یا شفاخانے یا کسی جامعہ تعلیمی یا کتب خانے کو ایک شخص تصور کرکے اس کے ساتھ اسی طرح مسلوک ہوسکتا ہے جس طرح وہ شخص حقیقی کے ساتھ پیش آتا ہے یعنی قانون اپنی مصلحت سے اگر اسے منظور ہو اشخاص کی ایک جماعت یا انجمن کو نہیں بلکہ اس ادارہ کو جس سے ان اشخاص کا تعلق ہے شخصیت سے متصف کرسکتا ہے لیکن قانون انگلستان میں اس طرح کسی محکمہ یا انجمن وغیرہ کو شخصیت سے متصف کرنے کا طریقہ رائج نہیں ہے۔ مثلاً جامعۂ لندن قانون انگلستان میں ایک شخص سمجھی جاتی ہے لیکن قانون مذکور میں وہ ادارہ جو اس نام سے موسوم ہے شخص نہیں ہے بلکہ اس جامعہ سے مراد انسانوں کی ایک تشخص اور تجسم یافتہ جماعت ہے یعنی اس جامعہ کے چانسلر (صدر جامعہ) نائب صدر فیلوز (Fellows) اور گرایجویٹ (طیلسانیاں) کا مجموعہ قانون انگلستان میں ایک شخص واحد ہے۔ بہرحال یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ قانون انگلستان میں فرضی شخصیت کا اطلاق صرف ان جماعتوں تک محدود ہے جو منفرد اشخاص کے مجموعوں سے بنتی اور تجسم حاصل کرتی ہیں اور اس قانون کا یہی عملدرآمد رہا ہے لیکن اگر ضرورت ہو تو بجائے ایسی جماعتوں کے اوارات کو بھی قانون میں شخصیت فرضی سے متصف کرنا کوئی غلطی نہیں ہوسکتی بلکہ از روئے منطق جائز ہے[۱]

---

[۱] مجموعۂ قوانین موضوعہ کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ اس میں کبھی کبھی بعض ایسی جماعتوں کو جسمیات لکھدیا جاتا ہے جو فی الواقع جسمیات نہیں ہیں یعنی ان کے ارکان کا تجسم نہیں کیا جاتا (طریقۂ تجسم کے ذریعے سے اس طرح کی جماعت یا انجمن کے شرکاء اپنے کو کسی کمپنی میں منتقل نہیں کرتے ہیں) بلکہ ان اوارات کو محض جامعہ تشخص بنایا جاتا ہے چنانچہ اس کی مثال دی کامن ویلتھ بنک آف آسٹریلیا ہے جس کی بنا آسٹریلیا کی فیڈرل پارلیمنٹ کا ایک قانون موسومہ دی کامن ویلتھ بنک ایکٹ بابت ۱۹۱۱ء کی دفعہ ۵ ہے اس قانون کے ذریعے سے ایک کامن ویلتھ بنک جس کا نام دی کامن ویلتھ بنک آف آسٹریلیا ہوگا قائم کیا جاتا ہے" دفعہ ۶ " یہ بنک ایک ایسی جماعت جسم دار ہوگا جس کا سلسلہ مقامی ہمیشہ جاری رہیگا اور اس کی ایک عام مہر ہوگی اور وہ اپنے قبضہ میں زمین رکھ سکے گا اور اس کی جانب یا اس کے مقابلہ میں

۳- تیسری نوع شخص قانونی کی وہ ہے جس میں اس شخص کا جسم کوئی ایسا سرمایہ یا جائداد قرار پاتی ہے جو مخصوص کاموں کے لئے وقف کی جاتی ہے مثلاً کسی کار خیر کے واسطے رقم کا معین کرکے وقف کر دینا علیٰ ہذالقیاس جائداد امانتی جائداد متوفی یا دیوالیہ وغیرہ اس طرح کے شخص قانونی کی مثالیں ہیں۔ ان صورتوں میں بھی قانون انگلستان میں طریقۂ تجسم کو ترجیح دی گئی ہے اور اگر اس قانون میں ان چیزوں کو جامۂ تشخص پہنانا منظور ہو تو رقم یا جائداد جو وقف کی جاتی ہے اس کو فرضی شخص نہیں قرار دیا جاتا ہے بلکہ ان اشخاص کی جماعت کو تشخص دیا جاتا ہے یعنی ان لوگوں کا مجموعہ ایک شخص واحد سمجھا جاتا ہے جو اس قسم کی جائداد موقوفہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس پر بھی اگر ضرورت ہو تو قانون انگلستان میں اشخاص کے ان مجموعوں کے سوائے خود کسی ادارے یا محکمہ کو تشخص دینا بالکل ممکن ہے۔ یہ امر قانون کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جس جسم کو چاہے اس میں فرضی شخصیت کی روح پھونک سکتا ہے۔ ادائے مطلب میں سہولت اور اختصار پیدا کرنے کی غرض سے قانون میں شخصیت فرضی کا وجود ہوا ہے اور اس امر کا کہ قانون میں ایک جماعت اشخاص یا ادارے کو فرضی شخص ماننا چاہیے کسی قانونی اصول سے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تصفیہ مصلحت قانون پر موقوف ہے۔

فصل ۱۱۴ جسمیات (کارپوریشنز)

چونکہ قانون انگلستان میں جسمیات کے سوائے کسی دوسری شے کو شخص قانونی ماننے کا طریقہ رائج نہیں ہے اس لیے ہم اس فصل میں تجسم کے تصور قانونی کی ماہیت اور اس کے اغراض کو بالتخصیص بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ اس صنف میں جسمیات کے متعلق بیان کیا جائے گا اسی کا ضروری تبدیل و اصلاح کے ساتھ اشخاص قانونی کے دیگر انواع پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

قانون انگلستان کی رو سے جسمیات کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں جسمیات اجتماعی اور جسمیات انفرادی۔ کوک لکھتا[۱۵] ہے کہ اشخاص دو قسم کے ہیں ایک ایسے اشخاص جن کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جو دعوے کئے جائیں گے وہ اس کے جسم و ارنام سے ہوں گے۔

[۱۵] ڈائجسٹ ۳۔۴۔۷۔۲۔ قانون رومامیں کارپوریشن (جسمیہ) کے لئے ایک عام اور جامع لقب

خداوند عالم پیدا کرتا ہے اور جن کو اشخاص قدرتی کہتے ہیں اور دوسرے اشخاص سیاسی جن کو مصلحت انسانی خلق کرتی ہے (اور اس لئے ان کو جماعت سیاسی کہتے ہیں) اور ان موخرالذکر اشخاص کی دو قسمیں ہیں منفرد یا مجموعہ" جسمیہ اجتماعی سے مراد موجودہ اور ذی حیات اشخاص کی مجسم یافتہ جماعت ہے اور جسمیہ انفرادی اشخاص کا ایسا سلسلہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کا جانشین ہوتا ہے۔ پہلی قسم کا جسمیہ وہ ہے جو وقت واحد میں چند ارکان پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے برعکس جسمیہ کی دوسری قسم میں ایک ہی وقت میں اس کا ایک شخص رکن ہوتا ہے جسمیات اجتماعی نسبتاً تعداد اور اہمیت میں زیادہ ہیں رجسٹری شدہ کمپنی جو اپنے حصہ داروں سے مرکب ہوتی ہے اور میونسپل کارپوریشن (بلدیہ یا محکمۂ صفائی) جو اپنے قصبہ یا شہر کے باشندوں پر مشتمل ہوتا ہے اس کی مثالیں ہیں جسمیات انفرادی کا وجود اور قیام صرف اس وقت ہوتا ہے جبکہ کسی منصب و عہدہ سرکاری کے مسلسل قابضین کو جسمیہ (کارپوریشن) قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عہدہ یا خدمت ایک دائمی اور مستقل شخص قانونی بن جاتی ہے مثلاً فرمانروائے برطانیہ قانون غیر موضوعہ (کامن لا) میں اس طرح کا جسمیہ تسلیم کیا جاتا ہے اور قانون موضوعہ کی رو سے برطانیہ کا صدر ناظم ڈاکخانہ جات مشیر قانونی متعینۂ خزانہ اور وزیر جنگ کو بھی اس قسم کا جسمیہ قرار دیا گیا ہے چونکہ بعض مصنفین نے اس مفروضہ قانونی کی نسبت جس پر جسمیہ کی ان دونوں قسموں کا مدار ہے اختلاف کیا ہے لہذا ہم اس فرق کو جو ان دو اقسام میں پایا جاتا ہے بصراحت بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ از روئے قانون ایک کمپنی (تجارتی جماعت) اور اس کے حصہ داروں یا ارکان میں کسی قدر فرق ہے کمپنی اور اس کے حصہ دار یا ارکان ایک ہی نہیں ہیں۔ کمپنی کی جو جائداد یا ملک ہے وہ حصہ داروں کی جائداد نہیں سمجھی جاتی۔ کمپنی کے قرضہ جات، ذمہ داریوں اور فرائض کا بار قانوناً اس کے ارکان یا حصہ داروں پر نہیں ڈالا جاتا۔ کمپنی کا دیوالہ نکلنے پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ یونیورسٹاس (Universitas) ہے اور انگریزی زبان میں یہ اصطلاح آج تک قائم رکھی گئی ہے لیکن اس کا ایک مخصوص جسمیت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی لفظ یونیورسٹی بمعنی جامعہ تعلیمی اسی یونیورسٹاس کی یادگار ہے۔

بھی اس کے ارکان مالدار رہ سکتے ہیں۔ کمپنی اپنے کسی ایک حصہ دار کے ساتھ کسی معاملے میں معاہدہ کرسکتی ہے گویا یہ دونوں دو علیحدہ اشخاص ہیں اور بحیثیت فریقین کسی معاملے کی نسبت آپس میں معاہدہ کرسکتے ہیں۔ حصہ داروں کی تعداد میں خواہ کتنی ہی کمی ہو یہاں تک کہ ان کی تعداد کم ہوتے ہوتے کمپنی کا ایک ہی رکن کیوں نہ باقی رہ جائے اس پر بھی وہ ایک رکن اور کمپنی ہر ایک معاملے میں دو علیحدہ شخص متصور ہوتے ہیں۔

بلکہ ہم اس سے بھی بڑھ کر کہہ سکتے ہیں کہ کمپنی اپنے سب سے آخری رکن کے مرنیکے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے اگرچہ انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کی رو سے کمپنی (شراکت) کا انفساخ اس کے تمام ارکان کی موت کے باعث عمل میں آتا ہے لیکن یہ قاعدہ کسی منطقی ضرورت پر مبنی نہیں ہے اور نہ اس کا جمیعات انفرادی پر اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ اس قسم کے انسانوں کی زندگی کا سلسلہ ٹوٹتا ہی نہیں اور جو عرصہ ایک قابض عہدہ کے وفات پانے اور اس کے جانشین کے مقرر کئے جاتے ہیں گذرتا ہے اس کا شمار تقرر جانشین میں کرلیا جاتا ہے۔ اور نہ کوئی وجہ اس امر کے فرض کرنے کی ہوسکتی ہے کہ انگلستان کے قوانین بابت شراکت (دی کمپنیز ایکٹس) کے تحت جن تجارتی جمیعات کو تجسم دیا جاتا ہے (یعنی جن تجارتی جماعتوں کو جماعہائے قانونی بنایا جاتا ہے) وہ اس وجہ انفساخ سے واقف ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اس قسم کی کمپنیاں قانون موضوعہ کے ذریعے سے قائم ہوتی ہیں اس لئے جو طریقہ اس قانون میں ان کے اختتام اور انفساخ کے متعلق تبلایا گیا ہے اسی کے موافق ان کا خاتمہ کیا جاتا ہے[۱]۔

ان قوانین کی رو سے قائم مقام حصہ دار متوفی کمپنی کے ارکان نہیں قرار پا سکتے بجز اس کے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے ناموں کو بطور ارکان اس میں رجسٹر کرائیں اسلئے کسی غیر سرکاری کمپنی کے ایسے آخری ارکان کی وفات کے بعد جو دوسرے حصہ داروں

---

[۱] لنڈلے آن کمپنیز (تصنیف لنڈلے متعلق شراکتہا) جلد ۲ صفحہ ۸۰۲ طبع ششم "پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت میں جو کمپنی جمیعہ قرار پاتی ہے وہ اسی طریقے کے موافق جو اس قانون میں اس کے انفساخ اور معدومیت کی نسبت تبلایا گیا ہے یا پارلیمنٹ کے کسی دوسرے قانون کے زیر اثر منسوخ اور ختم ہوسکتی ہے"۔

کی فوتی کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے اگر ان کے اوصیا ان کے بجائے اپنے ناموں کو کمپنی کے حصہ داروں میں اندراج کرنے سے انکار کریں یا رجسٹر کرانے میں غفلت کریں تو کمپنی کے ارکان کی تعداد خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اچھا تو کیا یہی سبب ہے کہ کمپنی از روئے قانون خود ختم ہو جاتی ہے؟ اچھا اگر ایسا نہیں ہے تو ہماری دلیل بخوبی ثابت ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے چونکہ کمپنی اپنے حصہ داروں کی وفات کے بعد باقی رہ سکتی ہے اور ان کے بغیر اس کا وجود ہو سکتا ہے اس لئے کمپنی اپنے ارکان سے بالکل جداگانہ شے ہے۔

بہر حال ان تمام امور کے لحاظ سے جن کا فقرات بالا میں ذکر کیا گیا ہے جسیمہ بالکل ایک جداگانہ شے ہے اس شراکت سے جو جسیمہ یافتہ ہوتی ہے۔ فرم (شراکت) قانون کی نظر میں کوئی شخص نہیں ہے فرم سے مراد اس کے منفرد ارکان کا ایک مجموعہ ہے۔ فرم کوئی فرضی شخص نہیں ہے اور وہ اپنے ارکان سے ایک علیحدہ شے نہیں ہے بلکہ وہ اور اس کے ارکان ایک شخص سمجھے جاتے ہیں لیکن کمپنی کی شخصیت اس کے حصہ داروں سے بالکل جداگانہ اور مختلف ہے کمپنی بالذات خود ایک شخص قانونی ہے۔ فرم کی جائداد اور اس کے قرضوں میں اور اس کے شرکا کی جائداد اور دیون میں کوئی فرق نہیں ہے جو جائداد یا قرضہ فرم کا ہے وہی جائداد اور قرضہ اس کے شرکا کا ہے فہرست شرکا میں تبدیلی واقع ہونے سے قدیم فرم کے بجائے جدید فرم قائم ہو جاتا ہے اور اس لئے جو دوامی اور مستقل اتحاد کمپنی کے حصہ داروں میں پایا جاتا ہے وہ فرم کے شرکا میں نہیں پایا جاتا کمپنی کے جو ارکان کے بدل جانے سے کمپنی کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا وہ اپنی قدیم شخصیت قانونی پر قائم رہتی ہے۔ کوئی فرم محض ایک شریک سے نہیں بن سکتا لیکن اس کے برعکس کمپنی صرف حصہ دار واحد پر مبنی ہو سکتی ہے تجسیم کے ذریعے فرم کے شرکا کے تعلقات قانونی میں ایک نہایت اہم اور اصولی تغیر واقع ہوتا ہے۔ تجسیم اس طریقہ یا کارروائی کا نام ہے جس کے ذریعے ایک معمولی

---

[1] جرمن مقننین نے بھی جسیمہ کے متعلق کہ وہ اپنے آخری ارکان کے مرنے کے بعد باقی اور زندہ رہ سکتا ہے اقبال کیا ہے دیکھو سوائینی (نظام قانونی فصل ۸۹) اور ونڈشیڈ (فصل ۶۱)۔

مشارکت ایک کمپنی میں متبدل ہوتی ہے۔ فرم کے کمپنی میں بدل جانے سے گویا ایک ایسے انسان (مخلوق) کی ولادت ہوتی ہے جس کو اس فرم کی پوری تجارت اس کا تمام کاروبار اور راس کی کل جائداد منتقل ہو جاتی ہے اور وہ ایسا انسان ہے جس کے نہ جسم ہے اور نہ روح اور بجز قانون کی آنکھوں کے وہ کسی دوسرے کو نظر نہیں آتا اس پر بھی اس انسان کی ولادت کے ساتھ ہی اسے قوت اور اختیار اہمیت دولت اور مستعدی حاصل ہو جاتی ہیں اور جوں جوں وہ بڑھتا جاتا ہے اس کے ان اوصاف میں روزانہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔

جس طرح جسمیات اجتماعی کی فرضی شخصیت علانیہ طور پر معلوم ہو سکتی ہے اسی طرح جسمیات انفرادی کی فرضی خلقت اور فطرت پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہے لیکن اس قسم کے جسمیہ کی صحیح ماہیت کے سمجھنے میں جو دشواری عوام کو پیش آتی ہے اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ جسمیہ ہمیشہ ایک ہی رکن کے ذریعے سے بنتا ہے۔ یہ جسمیہ اس قدرتی شخص (انسان) کے نام سے جو ایک خاص وقت کے لئے اس کا رکن ہوتا ہے موسوم کیا جاتا ہے اور وہی رکن اس جسمیہ کے قائم مقام کی حیثیت سے اس کے امور کو انجام دیتا ہے چنانچہ ان جسمیات میں کا ہر ایک جسمیہ فرماں روائے برطانیہ یا وکیل سرکار منشیٔ خزانہ یا دولت برطانیہ کا وزیر جنگ ہے۔ اگرچہ ان میں کے ہر ایک عہدے کا ایک نام ہے لیکن اس ایک ایک نام کے دو دو اشخاص ہیں جن کا ایک شخص تو انسان ہے اور وہ وقت معینہ کے لئے اس عہدے کے فرائض اور امور کو انجام دیتا ہے اور یہی شخص ان لوگوں کو نظر آتا ہے جو قانون سے واقف نہیں ہیں لیکن اسی نام کا وہ دوسرا شخص فرضی ہے جس سے وکلا اور قانون داں اصحاب واقف ہیں اور جو صرف قانون کی نظروں میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ دوسرا فرضی شخص حقیقت میں صاحب عہدہ ہے اسے نہ کبھی موت آتی ہے نہ اس کا زمانۂ ملازمت ختم ہوتا ہے اور دوسرا شخص جو گوشت اور خون کا لوتھڑا ہے محض اس فرضی شخص کا نائب اور قائم مقام ہے جس کے توسط سے شخص فرضی اپنے فرائض کا انصرام کرتا ہے۔ زندہ عہدہ دار (عہدہ دار ذی روح) جو قانون کا فرزند ہے آتا اور جاتا ہے لیکن وہ (فرضی) عہدہ دار ہمیشہ اس عہدے پر قائم رہتا ہے۔

جسمیات کو اشخاص فرضی ماننے کے متعلق علمائے قانون نے جو اصولی قیاس قائم کیا ہے اس کو تسلیم کرنے سے بعضوں نے انکار کیا ہے اور آج سے چند سال پیشتر تک خصوصاً جرمن مقننین کی جانب سے اس کو باطل کرکے اس کے بجائے ایک ایسا جدید نظریہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے ذریعے سے جسم دار شخصیت کو قانون کی گھڑی ہوئی فرضی شخصیت نہیں بلکہ حقیقی شخصیت قرار دینا ان لوگوں کو منظور تھا۔ اس جدید نظریہ کی رو سے جسمیہ سے مراد اس کے ارکان کا ایسا مجموعہ ہے جو اپنی متحدہ حالت کے سبب سے شخص واحد بن جاتا ہے اور یہ جسم مرکب جس کے اجزائے ترکیبی انسان ہیں ایک شخص حقیقی اور ذی حیات (جاندار عضویت) شئے ہے جس طرح ایک انسان میں اس کی حقیقی مرضی اور ارادہ ہوتا ہے اور جس طرح انسان امور کو انجام دینے اور اور معاملات کرنے کی قابلیت رکھتا اور جس طرح وہ اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے اسی طرح اس فرضی شخص میں اس کی آپ پیدا کردہ مرضی اور ارادہ ہوتے ہیں اور اس میں افعال کے کرنے کی قابلیت ہوتی ہے اور اسی طرح وہ اپنے افعال کے لئے آپ ذمہ دار بن سکتا ہے۔

بہرحال ہم اس نظریہ کی نسبت اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتے کہ یہ نظریہ ایک حد تک ناقص ہے اس کا اطلاق صرف جسمیات اجتماعی پر ہو سکتا ہے اور اس کے ذریعہ سے جسمیات انفرادی کی مطلق توجیہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے سمجھانے کے لئے قدیم نظریہ سے مدد لینی پڑتی ہے۔ بلکہ جسمیات اجتماعی پر بھی اس کا اطلاق بخوبی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جسمیات اجتماعی کی جو شخصیت قرار دی جاتی ہے وہ استعارہ اور ایک فرضی خیال (تخیل انسانی) کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی (معاشرت) ایک شخص نہیں ہے بلکہ ایک سے زیادہ اشخاص کا مجموعہ ہے۔ عرف میں کسی کمپنی کی مرضی یا اس کا ارادہ جو کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں اس کے ڈائرکٹروں (منتظمین) یا حصہ داروں کی مرضی اور ارادے ہیں اور اصل میں ان کی کثرت آراء پر ان کی اس مرضی کا انحصار ہے۔ کسی کام کے چلانے کے لئے اگر کوئی دس آدمی آپس میں اتحاد کرکے اپنی ایک انجمن قائم کرلیں تو کیا ان کی غرض متحدہ ہونے یا ان کے آپس میں مل جانے سے وہ دس آدمیوں کے بجائے ایک آدمی ہو سکتے ہیں اور کیا کسی گاڑی کے کھینچنے کے لئے دو گھوڑوں کے جوتے جانے سے وہ بجائے دو حیوانوں کے ایک حیوان متصور ہو سکتے ہیں؟

نہیں ہرگز نہیں کسی مفتدر اور متمول جائنٹ اسٹاک کمپنی (شراکت سرمایہ مشترک) کو لوگ جو قانون کا فسانہ (اور فرضی شخص) خیال کرتے ہیں اور اس کے حقیقی وجود سے انکار کرتے ہیں اس کا سبب ان کی غلط فہمی ہے اور اس مغالطے کا ماخذ نظریہ متعلق فسانہ نہیں ہے بلکہ لوگوں نے اس فرضی شخصیت کی بابت جو نظریہ ہے اس کے سمجھنے میں غلطی کی ہے کسی شخص کو کمپنی کی ہستی حقیقی (یعنی اس کے حصہ داروں کے مجموعے) سے انکار نہیں ہوسکتا بلکہ اصل میں کمپنی کی شخصیت کی حقیقت سے انکار کیا جاتا ہے۔ انسانوں کی ایک جماعت یا ان کا ایک گروہ ایک حقیقی شے ہے لیکن وہ جماعت یا گروہ ایک فرضی شخص ہے۔

فصل ۱۱۵ امین امون لھم اور ارکان جسمیہ (کارپوریشن)

ہرچند جسمیات فرضی اشخاص ہیں لیکن جن افعال و اغراض حقوق و فرائض سے قانون میں وہ متصف کئے جاتے ہیں ان کا تعلق حقیقی اور بقدر تی اشخاص سے ہے یعنی جسمیات کے جس قدر افعال و اغراض وغیرہ ہیں وہ قانون میں انسانوں کے افعال و حقوق وغیرہ متصور ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو جسمیات میں جو واقعیت کی جھلک پائی جاتی ہے وہ باقی نہیں رہ سکتی اور جن اہم اغراض کی تکمیل ان کے ذریعے سے کی جاتی ہے وہ مسدود ہوجائے گی۔ بنا بر اں ہر ایک جسمیہ اولاً ایسے ایک یا ایک سے زیادہ حقیقی اشخاص پر مشتمل ہوتا ہے جن کے اغراض اور خواہشات فرضی طور پر اس سے متصف کئے جاتے ہیں اور ثانیاً وہ ایسے ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص پر مبنی ہوتا ہے جن کے افعال کا فرضی طور پر اس پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ چونکہ جسمیہ کے جسد اور روح نہیں ہوتی اس لئے وہ کسی نائب یا قائم مقام کے توسط بغیر اس عالم میں جہاں اس کو انسانوں سے سابقہ پڑتا ہے کوئی کام نہیں کرسکتا اور چونکہ اس کی بذات خود کوئی غرض نہیں ہوسکتی اس لئے اس کا کسی قسم کا حق بھی نہیں ہوسکتا۔ بایں ہم جن اغراض و حقوق سے کوئی ایک جسمیہ متصف کیا جاتا ہے اصل میں وہ چند انسانوں کے فائدے کے لئے یا ان کی جانب سے بحیثیت امین (ٹرسٹی۔ متولی) ان حقوق و اغراض کا حامل ہوتا ہے[۱]۔ مثلاً قانون میں جو افعال کسی ایک کمپنی سے منسوب کئے جاتے ہیں اصل میں

---

[۱] امانت کے مفہوم صحیح کے لحاظ سے اس نسبت پر جو جسمیہ اور اس کے امون لھم میں واقع ہوتی ہے

ان کے کرنے والے اس کمپنی کے ڈائرکٹر یعنی منتظمین یا حصہ داراں ہیں جو اس کے نمائندوں اور قائم مقاموں کی حیثیت سے ان کو انجام دیتے ہیں۔ جن اغراض وحقوق یا جائداد کی کمپنی ازروئے قانون قابض سمجھی جاتی ہے وہ فی الواقع اور ازروئے حقیقت اس کے حصہ داروں کی ملک ہے اور انہی کے نفع کے واسطے ان پر کمپنی اپنا قبضہ رکھتی ہے۔ بنا بریں علیہ ہر ایک شخص قانونی کے اس عالم میں بہ مشابہت اشخاص قدرتی چند نمائندے یا قائم مقام ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے وہ اپنے افعال کا اظہار کرتا ہے اور اس کے چند مامون لہم (موقوف علیہم) ہوتے ہیں جن کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے شخص قانونی عالم ایجاد میں آکر اپنے فرائض کا انصرام کرتا ہے۔ شخص قانونی کے قائم مقاموں کے لئے اس کے مامون لہم میں شمار کیا جانا اور نہ کیا جانا دونوں باتیں ممکن ہیں۔ بعض وقت جو لوگ شخص قانونی کے نمائندے ہوتے ہیں وہی اس کے مامون لہم بھی بن سکتے ہیں اور کبھی اس کے مامون لہم اور قائم مقام انسانوں کی دو جداگانہ جماعتیں ہوتی ہیں مثلاً کمپنی کے حصہ دار صرف ایسے اشخاص نہیں ہیں جن کے فائدے کے لئے کمپنی عالم وجود میں آتی ہے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے توسط سے وہ اپنے امور کو انجام دیتی اور اپنے افعال کا اظہار کرتی ہے لیکن جب کسی جسمیہ کا کارہائے خیر کے انجام کے لئے قیام ہوتا ہے تو اس کی اس سے بالکل جداگانہ کیفیت ہو جاتی ہے کیونکہ اس دوسری قسم کے شخص قانونی کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لفظ امانت کا اطلاق کرنا اور نہ کرنا دونوں صورتیں ممکن ہیں کیونکہ کمپنی کے ہر ایک حصہ دار کا حصہ اپنی مناسبت سے جائداد کمپنی میں حصہ دار کا ملکیت منفعتی یعنی بحیثیت مامون لہٗ اس حصہ دار کی ملک متصور نہیں ہوتا بلکہ جو معاہدہ حصہ دار اور کمپنی کے درمیان طے پاتا ہے اس کا نفع اس حصہ دار کا حصہ ہے اور جو منافع کمپنی کو حاصل ہوتا ہے اس میں اس حصہ دار کا ایک حصہ ہوتا ہے جو منجانب کمپنی اس کو ادا کیا جاتا ہے اور کمپنی کے انفساخ یا اختتام پر کمپنی کا جو اثاثہ بچ رہتا ہے اس میں بھی ہر ایک حصہ دار کا حصہ ہوتا ہے۔ حصہ ایک ایسا حق ہے جو بذریعۂ نالش وصول ہوتا ہے اور جبتک اس کے متعلق دعوی نہ کیا جائے وہ حق نہیں سمجھا جاتا یعنی ایک فرض ہے جو منجانب حصہ دار کمپنی پر عائد کیا جاتا ہے۔ کلوین بینک بنام وہٹی اپیل کیسیز جلد ا صفحہ ۴۲۶۔

مامون لہم کا اس کے انتظام میں کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا ۔

جسیمہ کے قائم مقاموں اور مامون لہم کو اس کے ارکان میں شمار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ پہلے دو اشخاص کی جماعتیں جماعت ارکان سے بالکل جداگانہ ہیں ۔ ارکان سے مراد جیسا کہ ہمنے سابق میں بیان کیا ہے وہ منفرد اشخاص ہیں جن کے مجموعے یا سلسلے کو قانون تشخص کا جامہ پہنا کر شخص واحد قرار دیتا ہے اور اسی مجموعہ یا سلسلے سے اس فرضی شخص کا جسم (تپلا) بنتا ہے جس کو قانون پیدا کرتا ہے ۔ جسیمہ کی رکنیت کا اثر اس کے ارکان کے حقوق اور فرائض پر کسی طرح سے نہیں پڑ سکتا ہے کیونکہ رکنیت ایک امر متعلق ضابطہ و دستور ہے ۔ اس انسان کے امتیازات اور ذمہ داریوں کا انحصار جس کا کسی جسیمہ سے تعلق ہو اس کے اس کارپوریشن کے قائم مقاموں یا مامون لہم میں شمار کئے جانے پر ہے نہ اس امر پر کہ بغرض تکمیل ضابطہ اس کا اس کے ارکان میں شمار کیا جاتا ہے چنانچہ میونسپل کارپوریشن (بلدیات) شہروں اور قصبوں کے باشندوں کے تجسیم (جماعتہائے قانونی قرار دیے جانے) پانے سے وجود پذیر ہوتی ہیں لیکن اگر کسی قانون موضوعہ (اسٹاچیوٹ) کے ذریعے سے یہ قرار دیا جائے کہ آئندہ سے باشندگان بلاد کے بجائے مجالس بلدی میر بلد شرکائے میر بلد و ارکان مجلس بلدی پر مبنی ہوگی تو ارکان کی اس تبدیلی سے کسی انسان کے حقوق و اختیارات اور فرائض کسی طرح سے متاثر نہیں ہو سکتے ہیں ۔

جن اشخاص سے کسی کارپوریشن کا تعلق ہوتا ہے ان کے تین مختلف گروہ ہیں یعنی قائم مقامان مامون لہم اور ارکان کارپوریشن لیکن قانون میں یہ تینوں گروہ کس وقت اور کن صورتوں میں ایک سمجھے جاتے ہیں اس کا ہر ایک مقدمہ کے خاص حالات پر انحصار ہے ۔ کسی کارپوریشن کے ارکان کا ان لوگوں میں شمار کیا جانا اور نہ کیا جانا جن کے ذریعے سے وہ اپنے امور انجام دیتا ہے دونوں صورتیں ممکن ہیں اور ایسا ہی ان ارکان کو وہ اشخاص سمجھنا یا نہ سمجھنا جن کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس جسیمہ کا وجود ہوا ہے دونوں اشکال کا امکان ہے ۔

ناظرین کا اس امر سے واقف ہونا نامناسب نہ ہوگا کہ بعض وقت ایک جسیمہ کے چند یا تمام ارکان بذات خود جسیمات ہوتے ہیں چنانچہ ایک کمپنی کی دیگر

متعدد کمپنیاں حصہ دار بن سکتی ہیں اور ایسی صورت میں دوہرے افسانۂ تجسیم سے کام لیا جاتا ہے اور اس طرح کی ہر ایک جماعت اشخاص کو جو اس دوسری کمپنی کی حصہ دار بنتی ہے اور جس کی پہلے سے قانونی اور مصنوعی شخصیت ہے قانونی طریقۂ شخص کے ذریعے سے ایک فرضی شخص قرار دیتا ہے۔

فصل ۱۱۶ کارپوریشن (جسیمہ) کے افعال اور ذمہ داریاں

جب کوئی انسان (شخص قدرتی) کسی نائب یا کارندے کے ذریعے سے کوئی کام کرتا ہے تو جو اختیار وہ اپنے نائب کو عطا کرتا ہے اس کا تعین اس کی مرضی اور ارادے سے کیا جاتا ہے اور جو حدود کارندہ کے افعال واختیار کے متعلق منجانب منیب معین کئے جاتے ہیں ان سے تجاوز کرنے کا نائب کو اختیار نہیں ہوسکتا اور بالعموم نائب کے وہی افعال ازروئے قانون منیب کے افعال متصور ہوتے ہیں جو ان اختیارات سے متجاوز نہیں ہوتے جن کو منیب معین و محدود کرتا ہے لیکن بصورت کارپوریشن یہ کیفیت بدل جاتی ہے جس طرح شخص قانونی اپنی ذات سے کسی کام کرنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا اسی طرح وہ اپنی جانب سے کسی کام کرنے کے لئے کسی کارندے یا نمائندے کو کوئی کام کرنے کا اختیار نہیں دے سکتا اس لئے بشکل کارپوریشن اس کے تمام مقاموں اور نمائندوں کو جو اختیارات عطا ہوتے ہیں ان کا معطی کارپوریشن نہیں بلکہ قانون ملک ہے اور ان اختیارات کا معین اور محدود کرنے والا بھی وہی قانون ہے کارپوریشن کے لئے نمائندے کا مقرر کرنا اور اس کے اختیارات کا معین اور محدود کرنا بھی قانون کا کام ہے اور جو فعل قانون کے مقرر کردہ حدود سے متجاوز ہو جائے گا کہ کارپوریشن کے نام اور اس کی جانب سے ہی کیوں نہ کیا جائے اس کو قانون کارپوریشن سے منسوب نہیں کرتا بلکہ اس طرح کے فعل کو خارج از اختیار کارپوریشن کہتے ہیں اور کارپوریشن کے فعل کی حیثیت سے وہ کالعدم سمجھا جاتا ہے۔

اس پر بھی بطور کلیہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کارپوریشن صرف انہی امور کو انجام دے سکتا ہے جو ان ضرورتوں اور اغراض کی تکمیل میں جن کے واسطے قانون ملک کسی مخصوص کارپوریشن کو قائم کرتا ہے ضمناً یا نتیجۃً وقوع پذیر ہوتے ہیں لہذا کارپوریشن کا ہر ایک فعل اسی ایک صورت

پر مبنی ہونا چاہیئے جس کے لئے از روئے قانون اس کا قیام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر بوقت قیام کمپنی ان اغراض کی جن کی انجام دہی کے لئے کمپنی کی ایجاد ہوتی ہے اس کی یادداشت شراکت میں صراحت اور ان کا تعین کر دینا (بانیان کمپنی پر) لازم ہے اور ان اغراض کی منظوری سے اختیارات کمپنی کے متعلق جو حدود منجانب قانونِ ملک قائم کئے جاتے ہیں ان کا توڑنا اور ان سے متجاوز ہونا اس کے تمام حصہ داروں کی رائے متفقہ کی قوت کے باہر ہے۔

قانون انگلستان کی رو سے یہ امر بخوبی طے ہو گیا ہے کہ کارپوریشن اپنے ناجائز افعال کا آپ ذمہ دار ہے اور یہ ذمہ داری نہایت وسیع ہے یہانتک کہ ان افعال کے واسطے بھی جو بخصوصیت فریب یا کسی ناجائز تحریک یا نیت پر مبنی ہوں اس طرح کے افعال کی ذمہ داری کارپوریشن پر عائد کی جاتی ہے چنانچہ کمپنی کے مقابلے میں توہین تحریری کا استغاثہ پیش کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح اگر کمپنی کسی شخص کے مقابلے میں از راہ عناد جھوٹی فوجداری نالش دائر کرے تو فریق متضرر جھوٹا دعویٰ پیش کرنے کا کمپنی کے مقابلے میں استغاثہ کر سکتا ہے اور ایسا ہی دھوکہ دہی کا دعویٰ کمپنی پر کیا جا سکتا ہے[1]۔ کارپوریشن نہ صرف اپنے ان افعال کے لئے جن کا تعلق قانون دیوانی سے ہے ذمہ دار ہے بلکہ اس کا قانون فوجداری کی زد میں آنا بھی ممکن ہے۔ کارپوریشن کے خلاف چالانی مقدمہ پیش ہو سکتا ہے اور ان فرائض کی خلاف ورزی کے لئے جو منجانب قانون کارپوریشن پر عائد کئے جاتے ہیں کارپوریشن کے مقابلے میں فوجداری دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور اس کو جرمانے (وضبطی جائداد) کی سزا دی جا سکتی ہے[2]۔

اگرچہ یہ امور جن کا فقرۂ بالا میں ذکر کیا گیا ہے طے شدہ مسائل قانونی ہیں لیکن کارپوریشن کی ذمہ داری کے متعلق کسی صحیح نظریہ کا قائم کرنا خالی از دشواری نہیں ہے

---

[1] کارن فرڈ بنام کارلٹن بنک (۱۸۹۹ء) کوئنز بینچ جلد اصفحہ ۳۹۲ (۱۹۰۰ء) کوئنز بینچ جلد اصفحہ ۲۲۔

[2] ملکہ معظمہ بنام برمنگھم اینڈ گلاسٹر ریلوے کمپنی کوئینز بینچ جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔ ملکہ معظمہ بنام گریٹ نارتھ آف انگلینڈ ریلوے کمپنی کوئینز بینچ جلد ۹ صفحہ ۳۱۵۔

اور مسئلہ ذمہ داری از روئے نظریہ نہایت بحث طلب مسئلہ ہے۔ اس دشواری کے دو وجوہ ہیں اولاً یہ کہ کارپوریشن کو اس کے افعال کے لئے ذمہ دار ٹھہرانا انصاف قدرتی سے بعید اور اس کے مغائر ہے کیونکہ جو سزا کسی کارپوریشن کو فوجداری قانون یا قانون دیوانی کی رو سے بشکل تاوان مہرجہ دی جاتی ہے اصل میں اس کا خمیازہ اس کارپوریشن کے ماموں لہم کو اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کارپوریشن بجانب ماموں لہم اپنی جائداد پر قابض رہتا ہے اور ماموں لہم کی یہ جائداد کارپوریشن کے نائبین کی سزائیں جن کے ذریعے سے اس کے امور انجام پاتے ہیں ضبط کی جاتی ہے یا اور کسی قسم سے اس سزا کا اثر ان کی اس جائداد پر پڑتا ہے لہذا ایسی صورتوں میں جہاں کارپوریشن کے ماموں لہم اور اس کے نائبین ایک ہی اشخاص نہیں بلکہ دو مختلف گروہ ہوتے ہیں ان جماعتوں کی ذمہ داری کو جو کارپوریشن ہیں ذمہ داری بذریعہ نیابت سمجھنا چاہئے اور جن اصول کی رو سے مالک اور نسیب اپنے ملازم اور نائب کے غیر اختیاری افعال کے لئے ذمہ دار قرار دیا گیا ہے انہی اصول کی بنا پر کارپوریشن کو اس کے ملازمین اور نائبین کے افعال غیر اختیاری کے لئے ذمہ دار قرار دینا جائز ہو سکتا ہے اور ذمہ داری بذریعہ نیابت سے یہی ہماری مراد ہے لیکن اس کو ہم تفصیل سے اس باب کے آخر میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہرچند قائم مقامان کارپوریشن بظاہر اور قیاس قانونی کی رو سے اس فرضی شخص (یعنی کارپوریشن) کے نائب اور ملازم ہیں لیکن فی الحقیقت وہ اس کے ماموں لہم کے نائب اور کارندے ہیں اور اس لئے کارپوریشن کی ذمہ داری کو ہم ذمہ داری بذریعہ یا بوجہ نیابت کہتے ہیں اور چونکہ کمپنی کے ڈائرکٹر (منتظمین) حقیقت میں اس کے حصہ داروں کے ملازم ہوتے ہیں اس لئے کمپنی کو اس کے ڈائرکٹروں کے افعال کے لئے ذمہ دار ٹھہرانا جائز ہے۔

ذمہ داری کارپوریشن کے متعلق کسی نظریہ کے قائم کرنے میں جو دوسری دشواری پیش آتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جس کا فقرۂ بالا میں تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کا سبب وہ خیال ہے جس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جن ناجائز افعال کو قانون کسی کارپوریشن (یا فرضی شخص) سے منسوب کرتا ہے اصل میں ان کے کرنے والے اس کے کارندے ہوتے ہیں ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کارندوں کے

اختیارات کے حدود قانون ملک کی جانب سے معین کیے جاتے ہیں اور نائبین ان حدود سے متجاوز ہو کر جن افعال کے مرتکب ہوتے ہیں وہ قانوناً افعال کارپوریشن نہیں متصور ہوتے ہیں اس لئے کسی کارپوریشن سے کیونکر کوئی خلاف قانون فعل منسوب کیا جا سکتا ہے ؟ کیونکہ اگر (کارندے کا) فعل ناجائز اور خلاف قانون ہے تو اس کا ان اختیارات میں شمار نہیں کیا جا سکتا جن کو قانون ملک نے (کارپوریشن کو) عطا کیا ہے اور جن کے حدود اس کی جانب سے معین کیے گئے ہیں اور اگر کارندے نے اپنے اختیارات سے متجاوز کوئی کام کیا ہے تو وہ فعل اس کارپوریشن کا جس کا مرتکب فعل کارندہ ہے نہیں ہو سکتا بہر حال اس دلیل کو جو سراسر دشوار اور پیچیدہ ہے دو طرح سے باطل کیا جاتا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حجت ایسے افعال پر صادق نہیں آتی جن کے ترک کرنے کا قانون میں حکم دیا گیا ہے اور ان کا کرنا ناجائز قرار پایا ہے ۔ جن امور کا ارتکاب قانوناً ناجائز ہے ان سے نہ صرف قائم مقامان کارپوریشن بلکہ کارپوریشن اپنی ذات سے محترز رہتا ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی فرضی شخص اپنی ذات سے اس کام کو نہیں کر سکتا جو قانوناً اس کے لئے ممنوع ہے لیکن جس کام کو کرنے کی قانون میں ہدایت دی جاتی ہے اس کو اپنی ذات سے بجا لانے میں شخص فرضی کا قاصر ہونا ممکن ہے ۔ ثانیاً یہ کہ قانون میں کارپوریشن پر اس کے قائم مقاموں کے افعال کی ذمہ داری جو عاید کی گئی ہے وہ از روئے منطق بالکل جائز و صحیح ہے اور یہ وہی ذمہ داری ہے جو ملازم کے افعال کے لئے اس کے آقا پر عاید کی جاتی ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ مالک اپنے ملازم کو کسی فعل ناجائز کرنے کے لئے اختیار نہیں دے سکتا اور نہ اس کی ذمہ داری اس قسم کے اختیار پر منحصر ہے بلکہ ملازم سے جس قدر افعال اس ایک کام کے انجام دینے میں سرزد ہوتے ہیں جس کے واسطے وہ ملازم کیا جاتا ہے ان تمام افعال کی ذمہ داری اس کے مالک اور آقا پر عاید ہوتی ہے حالانکہ مالک ان افعال کے کرنے کا اپنے ملازم کو اختیار نہیں عطا کرتا اور اس قسم کی ذمہ داری قانون ملک کے ایک خود مختارانہ قاعدے اور مسئلہ کا نتیجہ ہے ۔ مثلاً اگر میرا ملازم (کوچمین) میری بگھی ہانکنے میں غفلت کر کے کسی راہ گیر کو صدمہ پہنچائے یا اس قسم کا کوئی اور فعل سرزد ہو تو اس کی غفلت کی مجھ پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں نے اس کو غافل ہونے کے لئے

مختار کیا ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے اپنی بگھی ہانکنے کا اس کو اختیار دیا ہے۔
اسی طرح بصورت کارپوریشن ان تمام افعال کے سوائے جن کے کرنے کا اس کے کارندوں
کو قانوناً اختیار ہے ان افعال کو بھی جو اس کارپوریشن کے امور کی انجام دہی میں اس کے
کارندوں سے سرزد ہوتے ہیں قانون ملک نے اسی سے منسوب کیا ہے لہٰذا کارپوریشن
نہ صرف ان افعال کے واسطے ذمہ دار ہے جو اس کے کارندوں کے اختیارات جائز کے عمل
میں لانے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں بلکہ وہ اس طریقے اور طرز کارروائی کا بھی ذمہ دار
ہے جس نہج سے اس کے لازمین افعال مذکورہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس کارپوریشن
کا کاروبار جن کا انھیں اختیار دیا گیا ہے چلاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کارپوریشن کے کارندے
اس کے معاملات کی انجام دہی میں غفلت اور فریب سے پیش آئیں اور اس غفلت و فریب
سے جس کے متعلق انھیں اختیار نہیں دیا گیا ہے دوسری مخلوق کو نقصان پہنچے تو اس کی جوابدہی
قانوناً کارپوریشن پر لازم آتی ہے[۱]۔

فصل ۱۱۷۔ کارپوریشن قرار پانے کے اغراض و فوائد

دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں ہے کہ جس کو ان کارپوریشن کے تصور کے بغیر قانون
انجام نہ دے سکتا ہو۔ لیکن اس تصور کے ذریعے سے قانون میں اکثر امور زیادہ آسانی
اور خوبی سے طے پا سکتے ہیں، اور اگر ان کارپوریشن کے تصور سے مدد نہ لی جائے تو بعض
امور میں قانون کو جو سہولتیں حاصل ہوئی ہیں وہ مفقود ہو جائیں گی ان اسباب و وجوہ کے
منجملہ جو اس طرح کی فرضی شخصیت کے تسلیم کرنے کے متعلق بیان کیے جاتے ہیں بعض دلائل کا

---

[۱] کارپوریشن کی ذمہ داری کے متعلق دیکھو قانون ٹارٹ مصنفہ سامنڈ طبع چہارم صفحہ ۷۰ کارن فرڈ بنام
کارل ٹن بنک (۱۸۹۹ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۳۹۲۔ سٹینڈرس لائف انشورنس کمپنی (شہریوں کے جان
کے بیمہ کی کمپنی) بنام بروٹن (۱۹۰۳ء) اپیل کیسز صفحہ ۴۲۳۔ گرین بنام لندن جنرل آمنی بس کمپنی سی ملبا
(سلسلہ جدیدہ) صفحہ ۲۹۰۔ ابراتھ بنام نارتھ ایسٹرن ریلوے کمپنی اپیل کیسز جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۷ اس میں
بیرن برم ویل کا فیصلہ قابل دید ہے۔ ڈرن برگ پنڈکٹس جلد ۱ فصل ۶۶۔ ونڈشیڈ جلد ۱ فصل ۶۰۔
سیوائے فی نظام قانونی فصول ۱۔ دفعات ۹۴ و ۹۵۔ ڈائجسٹ ۴-۳-۱۵-۱-۱۔

اس مقام پر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ اہم اصلی اور عام وجہ یہ ہے کہ کارپوریشن کے وجود سے وہ دشواری جو قانون کو ایسے حقوق مشترک کے تصفیے کے متعلق پیش آتی ہے جو کثیر التعداد اشخاص کو حاصل ہوتے ہیں اور جن کا مشترکہ انتظام اور تحفظ کیا جاتا ہے دفع ہوجاتی ہے۔ اشیاء کی جس حالت معتدلہ سے قانون واقف ہے اور قانون کے اصول کی جس حالت سے مطابقت ہوتی ہے وہ ملکیت منفردہ ہے۔ ان امور سے کہ مالک منفرد کے ساتھ کس طرح پیش آنا اور اس کے حقوق کا کیونکر تصفیہ کرنا چاہیئے قانون بخوبی واقف ہے لیکن جب ملک مشترک کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو قانون کو مختلف قسم کی دشواریوں کو سلجھانا پڑتا ہے۔ اگر کسی شرکت تجارتی وغیرہ میں دو سے زیادہ شرکا نہ ہوں یا کسی جائداد کے دو مشترک مالک ہوں تو بھی ان کے معاملات میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور اگرچہ اس طرح کے مالکان جائداد کے نزاعات کا تصفیہ کرنا قانون کے لئے ایک امر صعب و شدید ہے اس پر بھی دیگر تصورات کی امداد کے بغیر قانون ان کا تصفیہ کرسکتا ہے لیکن اگر مالکان مشترک کی تعداد پچاس یا سو یا اس سے زیادہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟ بہرحال اس قسم کے حالات کا قانون نے ان اصول اور تصورات سے تصفیہ کرنا جن کا ملکیت منفردہ پر اطلاق کیا جاتا ہے ممکن نہیں ہے۔ یہ مجمع غفیر کیونکر اپنے مشترک حقوق و امور کا انتظام کرسکتا ہے؟ وہ اپنی جائداد کس طرح منتقل کرسکتا ہے اور اس کے متعلق کیونکر اور کس اصول پر دوسروں سے معاہدہ کرنا اس کے لئے ممکن ہے؟ اگر اس مجمع عظیم کے افراد میں بعض نابالغ مجنون یا غیر حاضر ہوں تو اس کا کیا اثر ہوسکتا ہے؟ اس کے کسی منفرد رکن کی موت یا دیوالیہ نکلنے کا اس مجمع پر کیا اثر پڑسکتا ہے؟ ان میں کا ایک رکن اپنے حصہ کو کس طرح فروخت یا اور کسی قسم سے منتقل کرسکتا ہے؟ اس جائداد مشترک سے شرکا یا حصہ داروں کے قرضہ جات منفرد و مشترک اور ان کی منفرد و مشترک ذمہ داریاں کس طرح ادا ہوسکتی ہیں؟ ایسے وسیع مجمع یا انجمن کے مقابل میں یا اسکی جانب سے کس طرح عدالتی کارروائی کی جاسکتی یا مقدمہ چلایا جاسکتا ہے؟ بہرکیف اس قسم کے جس قدر سوالات ہیں ان کے جوابات دشواری سے خالی نہیں ہیں اور جب ایسی دقتیں کثرت سے کسی خاص یا خانگی شرکت کے متعلق پیش آتی ہیں تو اس شرکت کے ارکان کے معاملات کی پیچیدگیاں اور مشکلات کا اندازہ کرنا جن کی تعداد دو چار نہیں بلکہ سیکڑوں اور

ہزاروں تک پہنچتی ہے خارج از امکان ہے۔ یہ دشواری خصوصاً اس حالت میں ہزار گنا زیادہ ہو جاتی ہے جب کہ جائداد یا حقوق ومرافق منفرد اشخاص یا ان کی معین انجمنوں کی ملک نہیں بلکہ کافۂ انام یا عوام کی غیر معین اور غیر محدود جماعتوں کی ملک سمجھے جاتے ہیں۔

ان مشکلات سے بچنے کی غرض سے قانون نے ملک مشترک اور فعل مشترک کی مخلوط شکل کو ملکیت اور فعل منفرد کے زیادہ آسان اور سلیس نمونے پر ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ایسی شراکت انجمن کے ارکان میں جن کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے رد و بدل کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے اور چونکہ اس قسم کے گروہ کے افراد میں اتحاد واستقلال کا پیدا کیا جانا لازمی ہے اس لئے قانون کو ان میں یک جہتی اور استقلال قائم کرنے اور ان کی ملک اور عمل مشترک کو موثر بنانے اور ان کی اس حالت کے تسلیم کئے جانے کے لیے ایک اوزار یا آلہ کی تلاش ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے قانون میں دو تدبیریں اختیار کی گئی ہیں یعنی امین کا عہدہ اور ان کا رپوریشن (کارپوریشن قرار دیا جانا)۔ جن ضرورتوں اور اغراض سے امانت اور امین کی قانون میں ایجاد ہوئی ہے وہ مختلف ومتعدد ہیں اور ان میں کے اکثر ایسے اغراض ہیں جن کی اہمیت اور ماخذ کے مخصوص تاریخی واقعات ہیں، بہر حال امانت کی تمام غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ان مشکلات کو دفع کیا جاتا ہے جو مالکان جائداد کی عدم قابلیت، کثرت یا ان کے معین ہونے سے اس کے انتظام وغیرہ کی نسبت پیش آتے ہیں بہ صورت امانت جائداد امانتی قانون میں امین کی نہ کہ اس کے اصلی اور حقیقی مالکوں کی ملک متصور ہوتی ہے۔ بظاہر جائداد پر کسی ایک شخص یا ایک سے زیادہ معین اور قابل کار اشخاص کا قبضہ رہتا ہے اور یہ ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص ان متعدد نا قابل کار اور غیر معین اشخاص کے فائدے کے لئے جائداد پر قابض ہوتے ہیں جو اس جائداد کے اصلی مالک ہیں، بہر حال از روئے قانون جائداد امانتی کے مالک اس کے امناء سمجھے جاتے ہیں جو مامون لہم کو جائداد امانتی کا نفع پہنچا کر تحویلدار کے مانند اس جائداد کا انتظام اور حفاظت کرتے ہیں اور اس تدبیر کے ذریعے سے قانون میں ملک مشترک ملک منفردہ کی شکل میں لائی گئی ہے چنانچہ کسی خیراتی محکمہ یا کسی ایسی تجارتی انجمن کی جو کارپوریشن نہ قرار پائی ہو اور جس کے ارکان کی کثرت ہو جائداد اور حقوق کے متعلق

امانت قائم ہو کر اس کے ایک یا دو امین مقرر کیے جائیں تو جو دشواریاں اس کے انتظام اور حقوق وغیرہ کے متعلق پیش آتی ہیں اس تدبیر سے بہت کچھ کم ہو جاتی ہیں۔

بہرحال اس راہ ترقی میں قانون کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھنا ممکن تھا اور اس نے بالآخر اس کوچے میں پیشگامی کر ہی لی اور ان کارپوریشن (کارپوریشن قرار دیئے جانے) کے تصور کو حاصل کر لیا لیکن اس ترقی کے متعلق یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان کارپوریشن بذات خود کوئی قانونی تصور نہیں ہے بلکہ عہدہ امین کے تصور کی ترقی یافتہ حالت ہے اور اسی ترقی کردہ حالت کا ایک دوسرا لقب ان کارپوریشن تجویز کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب امین کو اپنے فرائض کے انجام دینے کی ضرورت نہیں ہوتی یعنی وہ جائداد امانتی کے متعلق کوئی کام نہیں کرتا اور بحیثیت تحویل دار محض امورِ اہم کے حقوق کا حامل ہوتا ہے تو اس کا ایک شخص حقیقی (انسان) ہونا لازم نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں امین ایک ایسا فرضی شخص بھی ہو سکتا ہے جس کی شخصیت کو صرف قانون تسلیم کرتا ہے۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اکثر صورتوں میں فرضی امین کو حقیقی امین پر ترجیح دی جاتی ہے اور فرضی امین کے عہدے کے قیام سے حقیقی امین کے عہدے سے کہیں زیادہ فائدے اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ چونکہ فرضی امین ایک ہی شخص ہوتا ہے اس لئے ملکیت مشترکہ امین کی ذات واحد کے پردے میں ملکیت منفردہ بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس اس منفرد امین کے متعلق جو حقیقی اشخاص یعنی آدمیوں سے مقرر کیا جاتا ہے کثرت سے اہم اور بیّن اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ امین فرضی گو اس کا عہدہ قابل انفساخ و اختتام ہے فنا ہونے سے محفوظ ہے اور انسان اجل کا شکار ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ جبتک حقوق اور اغراض مشترک میں وحدت اور استقلال نہ پایا جائے قانون ان کو تسلیم نہیں کرتا اور اس وحدت اور استقلال کے عناصر کی اسی وقت تکمیل ہوتی ہے جب کہ وہ کسی مستقل اور باقی رہنے والے منفرد شخص کی ذات سے وابستہ کیے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقی انسانوں کے امین بنائے جانے کی صورت میں حقوق مشترک کے متعلق وہ وحدت اور استقلال حاصل نہیں ہو سکتا جو کسی فرضی شخص کے امین بننے سے ممکن ہے لہذا شخص فرضی کو بحیثیت امین اکثر صورتوں میں

شخص حقیقی پر ترجیح حاصل ہے اس کی مثال کوئی ایسی کمپنی ہوسکتی ہے جو کارپوریشن قرار دی گئی ہے کیونکہ ایسی کمپنی ایک دائمی اور مستقل شخص ہے جو اس کثیر التعداد اور بدلتے رہنے والی جماعت سے بالکل جدا ہے جو اس کے حصہ داروں پر مبنی ہے اور اسی مستقل شخص سے ان حصہ داروں کے حقوق اور جائداد کی امانت تفویض ہے۔ لیکن فرضی شخص کو امین قرار دینے میں بظاہر ایک دشواری محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ کوئی فرضی امین اپنی ذات سے فرائض امانت کی انجام دہی نہیں کرسکتا بایں ہمہ نیابت اور کارندگی کے ذریعے سے اس مشکل کا دفع کرنا نہایت آسان ہے اگر فرضی امین کے معدودے چند مشیر یا نمائندے مقرر کئے جائیں تو یہ دشواری اور بھی کم ہوجاتی ہے اور مشیروں وغیرہ کی تعداد کے زیادہ ہونے سے کام میں جو پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس کی جانب سے اطمینان ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی عہدہ کا امین کی وحدت میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا۔[سلہ]

ابتک ہمنے ان کارپوریشن کے عام فوائد اور اغراض کو بیان کیا ہے لیکن اب اس کے مخصوص فوائد و اغراض کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مفید ایک

سلہ کارپوریشن انفرادی کے اغراض کارپوریشن اجتماعی کے مشابہ اور مماثل ہیں کارپوریشن انفرادی کسی ایک عہدہ یا خدمت کے مسلسل قابضین پر مبنی ہوتا ہے اور قانون میں فرضی طور پر شخص واحد سمجھا جاتا ہے قانون میں جو یہ تدبیر اور حیلہ اختیار کیا گیا ہے اس کی صرف اس قدر غرض ہے کہ ایک عہدہ دار جو اپنے زمانہ ملازمت میں بحیثیت عہدہ دار اس عہدے کے متعلق جو جائداد حاصل کرتا ہے اور ذمہ داریاں اٹھاتا ہے اور دنیا کے ساتھ جو معاہدات کرتا ہے اس کے اس عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد خواہ اس کا سبب اس کی موت یا اختتام مدت ملازمت یا اور کوئی وجہ کیوں نہ ہو اسکے جانشین یا جانشینوں کے سلسلہ پر جائداد و معاہدات اور ذمہ داریوں کے وقتاً فوقتاً منتقل کرنے کی ضرورت نہ پیدا ہوسکے بلکہ اس کا ہر ایک جانشین بحیثیت عہدہ دار جائداد اور ذمہ داریوں وغیرہ کا جن کا اس عہدے سے تعلق ہوتا ہے بلا کسی قانونی عمل کے قابض متصور ہو اور اس لئے اس عہدے کی تمام جائداد اس کی کل ذمہ داریوں اور معاہدات کو قانون بجائے ان عہدہ داران منفردہ کے جو یکے بعد دیگرے اس عہدہ کی کرسی کو مزین کرتے ہیں اس مستقل اور دائمی کارپوریشن سے جو فرضی شخص اور عہدہ دار ہے منسوب کرتا ہے اور یہ کارپوریشن جو فرضی شخص اور عہدہ دار ہے نہ کبھی مرتا ہے اور نہ اپنے عہدے سے علیحدہ ہوتا ہے۔

غرض ہے جس کی اہمیت زمانۂ موجودہ کی ضرورتوں سے بہت بڑھ گئی ہے اور وہ قیاسی (یا نظری) دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ کارپوریشن کے طریقے سے زیادہ تر تاجروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ اپنی محدود ذمہ داری کے ساتھ تجارت کر سکتے ہیں۔ موجودہ قانون کے مطابق جو شخص اپنی ذات سے تجارت کرنے کی جرأت کر سکتا ہے اس کو اپنی تمام دولت سے اپنی تجارت یا دوکانداری چلانی پڑتی ہے۔ تجارت ایک قسم کی بازجبت ہے اور اپنے کاروبار کو کامیاب بنانے کے لئے از قسم پونجی جو کچھ تاجر کے پاس ہو اس کو اس پر صرف کرنا پڑتا ہے اور تجارت میں جو نقصان ہو اس کی تلافی کرنے کے واسطے تاجر کی جھنجی کوڑی تک نہیں بچ سکتی۔ تجارت کے کامیاب ہونے سے زیادہ اس کے ناکام ہونے کا انسان کو اندیشہ لگا رہتا ہے اور جو شخص اپنی کل تجارت کو اپنے ذاتی سرمایہ سے انجام دیتا ہے وہ بھی تجارت کے ناکام ہونے کی فکر سے نہایت متردد رہتا ہے لیکن جو لوگ شرکت سے تجارت کرتے ہیں ان کی اس طرح کی پریشانیوں اور تفکرات کا اندازہ کرنا ہی دشوار ہے کیونکہ بصورت مشارکت ایک شریک کو ان افعال اور اغلاط کی جو اس کے دوسرے شرکا کے اعمال کا نتیجہ ہیں جوابدہی کرنی پڑتی ہے اور اپنی دولت سے ان نقصانات کی تلافی کرنی لازم ہے جو اس کے شرکا کی غلطیوں سے جن کے ساتھ یہ بدنصیب تجارت میں شریک ہوتا ہے پیدا ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ زمانۂ موجودہ کے اہل تجارت نے نہایت اشتیاق سے اس تدبیر سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہے اور اس کے ذریعے سے نقصانات تجارتی سے بچنے کا موقع نکل آیا ہے۔ ان کارپوریشن کے ذریعے سے یہ غرض بخوبی انجام پاسکتی ہے۔ جو لوگ اپنے کو نقصان سے بچا کر تجارت کرنا چاہتے ہیں ان کو اپنی ذات سے اس کے انجام دینے کی اب ضرورت باقی نہیں رہی اور نہ انھیں اپنی تمام دولت کو اس کے پیچھے صرف کرنا لازم ہے بلکہ وہ اس فرضی مخلوق کے غیر ذمہ دار کارندوں کی حیثیت سے جس کا قیام اس غرض کے لئے انگلستان کے قانون کمپنی ہا کی منظوری اور امداد سے عمل میں لایا گیا ہے اپنی تجارت چلا سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے دھندے میں کامیاب ہوئے اور کمپنی کو منافع حاصل ہوا تو کمپنی اپنے حصہ داروں کے جانب سے اس پر اپنا قبضہ رکھتی ہے اور اگر تجارت ناکام ہونے کی وجہ سے کمپنی کو نقصان ہو تو اس

نقصان کو صرف کمپنی برداشت کرتی ہے کیونکہ کسی کارپوریشن کے قرضہ جات اس کے ارکان کے دیون نہیں متصور ہوسکتے[1]۔ لیکن اس شکل میں جو کچھ نقصان کمپنی کے اراکین کو اُٹھانا پڑتا ہے وہ محض اس سرمایہ کی حد تک محدود رہتا ہے جس کو اس کے ارکان اس کے کاروبار کو چلانے کے لئے اپنی اپنی جانب سے مہیا کرتے ہیں۔ بہر حال کارپوریشن کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے قرضخواہوں کے مطالبات اسکے سرمایہ کی حد تک منظور کئے جاسکتے ہیں اور اسی حد تک اس کے حصہ دار اور ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔

ذمہ داری محدود کے متعلق یہ جو تدبیر اختیار کی گئی ہے اس کے فوائد اظہر من الشمس ہیں اور اس تدبیر سے قرضخواہوں یا دائنین کے حق میں بھی کسی قسم کی ناانصافی نہیں ہے کیونکہ جو لوگ کمپنیوں کے ساتھ لین دین کرتے ہیں وہ ہر ایک کمپنی کے سرمایہ سے بخوبی واقف رہتے ہیں اس لئے ان کو قرض دینے سے پہلے اس کفالت کے متعلق اطمینان ہوسکتا ہے جو کمپنیاں اپنے قرضہ جات کی نسبت ان کو دیتی ہیں اس کے علاوہ معاملۂ قرضہ طے پانے کے قبل فریقین میں معاہدہ دین کے متعلق جو شرائط طے پاتے ہیں ان پر بخوبی غور کرنے کا ہر ایک فریق کو موقع ملتا ہے اور ہر ایک فریق کی کامل رضامندی سے ان کی تکمیل ہوتی ہے نیز یہ کہ دائن سے اس کی مدیون کمپنی کی کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی ہے۔ جب کمپنیوں کے قرض لینے کی یہ صورت ہے اور کمپنی اور اس کے دائن کے درمیان معاہدہ قرضہ طے پانے اور فریقین کی رضامندی حاصل ہونے کے بعد قرض دیا جاتا ہے تو ادائی قرضہ کی ذمہ داری (حصہ داروں کے ایک معین و محدود حصے یعنی) سرمایہ کمپنی تک محدود رکھی جانا قرین معدلت ہے اور حصہ داروں کو اپنی دوسری جائداد سے کمپنی کا قرضہ ادا کرنا کسی طرح لازم نہیں آسکتا ہے۔

فصل ۱۵۱ (حیات و ممات) کارپوریشن

ایجاد و اختتام کارپوریشن

جس طرح اشخاص قانونی کی ولادت اور موت کا ذریعہ قدرت نہیں بلکہ قانون ہے

---

[1] ڈائجسٹ ۲-۴-۷-۱

اسی طرح ان اشخاص کا وجود اوران کا قیام و بقا قانون کی مرضی پر منحصر ہے۔ کارپوریشن کا قیام سند شاہی قانون موضوعہ اور رسم دیرینہ کے ذریعہ سے عمل میں لایا جاتا ہے۔ لیکن چند سال سے کارپوریشن کی بنا ایک جدید اور سہل طریقہ سے بھی کی جارہی ہے قانون میں چند نمونے اور طریقے کارپوریشن کی ایجاد کے متعلق بتلائے گئے ہیں اور ہر ایک کارپوریشن کے ارکان ان قانونی نمونہ جات اور طریقوں کے مطابق اپنی رضامندی کا اظہار کرکے اس کو ان احکام اور قیود کا پابند قرار دیتے ہیں جو قانون موضوعہ کے ذریعے سے کارپوریشنوں کے متعلق مرتب ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کارپوریشن اس کی فطرت کے لحاظ سے غیر محدود اور غیر معین زمانے تک قائم رہ سکتا ہے اور یہی ایک صفت ہے جس کی وجہ سے اس کو انسانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بایں ہم کارپوریشن اپنے کو بربادی اور فنا سے ہمیشہ کے لئے نہیں بچا سکتا۔ کارپوریشن کی موت یا معدومیت کو اس کا انفساخ اور اختتام کہتے ہیں اور اس سے مراد اس قانونی بندھن کا ٹوٹنا ہے جس کے ذریعے سے اس کے ارکان جکڑ دیے جاکر فرضی وحدت اختیار کرتے ہیں اور بجائے متعدد اشخاص کے ایک فرضی شخص سمجھے جاتے ہیں۔ ہم نے اس کے پہلے بیان کیا ہے کہ جسم یا مادہ [illegible] برباد و فنا یا منتشر ہو جانے سے ایک شخص قانونی [illegible] ہو سکتا اور قانون کو اسے پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اس امر کے باور کرنے کی کوئی [illegible] کارپوریشن کے تمام ارکان کے ختم ہو جانے سے یا اس کے سبب سے [illegible] حیات منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر جب کسی کارپوریشن انفرادی میں ایک عہدے کے اختتام اور اس کے جانشین کے اس عہدے پر آنے تک جو زمانہ عہدہ داروں سے خالی گزرتا ہے اس کو اس کارپوریشن کے لئے موت نہیں خیال کرنا چاہیئے بلکہ کارپوریشن انفرادی کی ایسی حالت کو اس کی حالت خواب سمجھنا چاہیئے۔ کارپوریشن والے شخص یا جماعت کا وجود اور خوبی اس کی فرضی اور قانونی شخصیت کی روح پر مبنی ہے نہ کہ اس کے جسم پر مشتمل ہے جو اس کے ارکین سے ترتیب پاتا ہے[1]

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ ان اشخاص قانونی کو جن کی کسی ایک نظام قانونی کے ذریعے سے خلقت ہوئی ہے،

فصل ۱۱۹ سلطنت بمنزلۂ کارپوریشن

(کیا سلطنت کارپوریشن ہو سکتی ہے؟)

معاشرت انسانی کے جملہ اقسام میں سب سے زیادہ عظیم الشان قسم سلطنت ہے۔ سلطنت دولت عظیم کی مالک ہوتی ہے اور ان فرائض کو انجام دیتی ہے جو بلحاظ اہمیت اور تعداد ان امور سے کہیں زیادہ ہیں جن کا دوسرے قسم کی تمام انجمنیں انصرام کرتی ہیں۔ کیا قانون ایسی انجمن اور معاشرت کو شخص تسلیم کرتا ہے؟ کیا برطانیہ یا آسٹریلیا کی (کامن ویلتھ (یعنی رفاہ عام اور مراد سلطنت قومی) ایک ایسی سیاسی یا کارپوریشن والی جماعت ہے جس کو شخصیت قانونی عطا ہوئی ہے اور جس کے ارکان (افراد رعایا) پر اس کی اطاعت اور وفاداری لازم کی گئی ہے اور اس کے معاوضہ میں وہ لوگ منجانب کامن ویلتھ حمایت اور حفاظت کے مستحق ہیں؟ بہرحال یہ وہ نتیجہ اور ترقی کی آخری منزل ہے جس پر اور جس تک پہنچنے کی ایک ترقی یافتہ نظام قانونی کے متعلق توقع کی جاتی ہے۔ لیکن قانون انگلستان نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگرچہ افراد قوم کا مجموعہ جس سے تمام برطانوی مملکت آباد ہے ایک منظم اور منسق معاشرت سمجھی جاتی ہے لیکن قانون اس کو شخص یا کارپوریشن والی جماعت نہیں مانتا۔ قانون میں یہ آبادی نہ تو کسی جائداد کی مالک سمجھی جاتی ہے اور نہ اس میں افعال کے کرنے کی قابلیت ہے اور نہ قانون اس کو حقوق اور ذمہ داریوں کا حامل قرار دیتا ہے بہرکیف اس حقیقت کے برعکس جو رعایائے سلطنت برطانیہ کو عام زبان میں شخص واحد سے خطاب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دوسرے نظامات قانونی میں بخوبی تسلیم کیا جاتا ہے۔ قانونی افسانہ کی اس شکل اور قسم کو سلطنت برطانیہ کے باہر ممالک غیر میں ایک بین الاقوامی مسئلہ قانونی کے موافق جواز حاصل ہے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی کارپوریشن کی جانب سے اور اس کے مقابلے میں ایک انگریزی عدالت میں اسی طرح سے دعوی پیش کیا جا سکتا ہے جس طرح کسی حقیقی شخص کا دعوی یا نالش دائر ہو سکتی ہے۔ دی ڈچ ویسٹ انڈیا کمپنی بنام فان موزس لارڈ ریمنڈ رپورٹ مرتبہ اسٹیرینج صفحہ ۶۱۱۔ بیولی بنام فان اوپن لار رپورٹس کونیز بینچ جلد ۷ صفحہ ۲۹۳۔

کیا جاتا ہے یا از روئے محاورہ اس کے حقوق اور ذمہ داریاں وغیرہ کہی جاتی ہیں اس کو ایک قسم کی صنعت زبان سمجھا جاتا ہے اور انگریزی قانون کی زبان میں اس طرز استعمال کے لئے مخصوص الفاظ نہیں ہیں۔ ان کارپوریشن اور شخصیت قانونی کے جیسے مفید اور اہم تصور کا انگریزی قانون میں سلطنت پر اطلاق نہ کئے جانے سے اس نظام قانونی میں جو نقص واقع ہوا ہے اس کے متعلق ہمارے پاس کیا جواب ہے اور ہم اس کی کیونکر توجیہ کر سکتے ہیں کیوں اس نظام نے اپنی سلطنت کو دوامی شخص واحد ماننے سے انکار کیا اور کیوں اس قانون میں سلطنت برطانیہ کی وحدت اور استقلال کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ اس کا جواب شخصی (اور شاہی) حکومت کی موجودگی ہے۔ چونکہ بادشاہ انگلستان تمام سلطنت برطانیہ کا سرتاج ہے اس لئے قانون میں اس کی حقیقی شخصیت کے بجائے اس سلطنت کو مجازی شخصیت سے متصف کرنا غیر ضروری اور فعل عبث خیال کیا گیا ہے۔ قانون کی نظروں میں عوام کی یعنی سلطنت کی تمام جائداد بادشاہ کی جائداد ہے سلطنت کی ذمہ داریاں بادشاہ کی ذمہ داریاں سمجھی جاتی ہیں۔ بادشاہ ہی وہ شخص ہے جو اپنی ذات سے تنہا انگلستان کے قرضہ قومی کے متعلق زر اصل اور سود کا مدیون متصور ہوتا ہے۔ بہرحال جو کچھ کام منجانب سلطنت کیا جاتا ہے وہ قانون میں بادشاہ کا کیا ہوا فعل سمجھا جاتا ہے۔ اس سلطنت کی عدالتوں میں جو کچھ انصاف منجانب قوم (حکومت) کیا جاتا ہے وہ انصاف ومعدلت شاہی سمجھا جاتا ہے جس کو بادشاہ اپنے ملازم ججوں کے توسط سے انجام دیتا ہے۔ اس قلمرو میں جس قدر قوانین ہیں ان کا بانی بادشاہ سمجھا جاتا ہے اور ان کو وہ اپنی پارلیمنٹ کے مشورے اور رضامندی سے وضع کرتا ہے۔ سلطنت کی عاملانہ اور انتظامی حکومت بادشاہ کی ہی حکومت ہے جس کو وہ اپنے وزرا کے ہاتھوں سے انجام دلواتا ہے۔ اس سلطنت میں کوئی ایسی بری یا بحری فوج یا بحریہ نہیں ہے جو بادشاہ کی نہ ہو اور جس قدر اس سلطنت کے محاصل ہیں وہ تمام بادشاہ ہی کے ہیں سلطنت کا جس قدر علاقہ ہے وہ سب بادشاہ کا ہی محروسہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ بغاوت اور دوسرے جس قدر جرائم ہیں اور سلطنت کے خلاف اور سود اور بہبود عوام کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کئے جاتے ہیں ان تمام جرائم کا ارتکاب بادشاہ کے مقابل میں سمجھا جاتا ہے اور امن عامہ بھی بادشاہی کا امن ہے یہاں تک کہ اس سلطنت کے تمام شہری (یعنی باشندے) ایک سیاسی یا کارپوریشن والی جماعت کے

ہم رتبہ ارکان نہیں بلکہ ایک ہی فرمانروا اور راعی کے ہم منزلت رعایا ہیں۔
چونکہ ہر ایک چیز اور ہر ایک فعل جس کا تعلق قوم یا خالصہ سے ہے وہ قانونِ انگلستان کی رو سے شاہی چیز یا شاہی فعل سمجھا جاتا ہے اس لئے سلطنت برطانیہ کو کارپوریشن دالی کامن ویلتھ (جمہوری حکومت) قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلطنت کے جس قدر حقوق اختیارات اور افعال ہیں سب کا بادشاہ اپنی ذات سے حامل ہے۔ بادشاہ انگلستان کی حیثیت نائب کی ہے اور سلطنت اپنے امور کو اس نائب کے ذریعے سے انجام دلاتی ہے یہ بادشاہ بمنزلہ امین اور اس کی سلطنت بمنزلہ مامون لہ ہے اور سلطنت کے املاک اور جائداد پر بحیثیت امین بادشاہ قابض رہتا ہے لہذا ان وجوہ سے انگلستان میں سلطنت کو شخصیت قانونی عطا کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے۔

قانون میں بادشاہ انگلستان محض ایک انسان فانی نہیں ہے بلکہ اس کی دوہری شخصیت ہے وہ ایک قدرتی شخص (یعنی انسان) بھی ہے اور ایک سیاسی شخص یعنی کارپوریشن انفرادی بھی۔ بادشاہ برطانیہ کی حیثیت سے ظاہر میں جو شخص تاج شاہی کا اپنے سر پر رکھنے والا ہے وہ اپنے اپنے زمانے میں محض ایک زندہ قائم مقام اور نائب ہے اس نظر نہ آنے والے (یا غائب) اور در پردہ فرضی شخص کا جس کو انگریزوں کے قانون نے اس مملکت کی حکومت کے اختیارات اور امتیازات (مخصوص حقوق شاہی) دے رکھے ہیں جب اس سلطنت کے بادشاہ حقیقی کی موت واقع ہوتی ہے تو وہ تمام جائداد منقولہ و غیر منقولہ جس کا وہ اپنے شاہی حق کی بنا پر مالک اور سلطنت کے مقابلہ میں (جو بحیثیت مامون لہ اس جائداد سے مستفید ہوتی تھی) امین سمجھا جاتا تھا اور اسی حق اور حیثیت کی وجہ سے جس قدر اس کے ذمے دیون اور ذمہ داریاں رہی ہوں وہ تمام کی تمام اس کے اس سلسلے جانشینان پر منتقل ہوتی ہیں جنھیں اس کا منصب شاہی ملتا ہے لیکن اس قسم کی جائداد وغیرہ متوفی حقیقی بادشاہ کے ورثا وصیا یا مہتمان ترکہ کو نہیں پہنچتی ہے کیونکہ ان حقوق اور ذمہ داریوں کا اس بادشاہ انگلستان سے تعلق ہے جو کارپوریشن انفرادی ہے اور ان کا حامل وہ شاہ انگلستان نہیں ہے جو محض ایک انسان فانی ہوتا ہے۔[۱]

---

[۱] مقدمہ کیال ون اسٹیٹ ٹرائل جلد ۲ صفحہ ۶۲۴۔ اس صفحہ پر لکھا ہے کہ بادشاہ انگلستان کی دو حیثیتیں

بادشاہ انگلستان کو بجائے بادشاہ کے لفظ تاج سے خطاب کرنے کا طریقہ زمانہ
حال میں رائج ہوا ہے اور جب کوئی انگریز بادشاہ کے عوض تاج کہتا ہے تو اس سے
اس کی مراد بادشاہ کی شخصی یا خانگی نہیں بلکہ سرکاری حیثیت ہوتی ہے اور اس حیثیت سے
وہ ایک شخص سیاسی سمجھا جاتا ہے (یعنی سلطنت یا سلطنت کے تمام شہریوں کا مجموعہ بن کر
ایک شخص خیال کیا جاتا ہے)۔ چنانچہ انگریز تاج (انگلستان) کی جائداد لکھتے ہیں اور اس سے
ان کا مطلب وہ جائداد ہے جس پر بادشاہ بحیثیت تاجور دبرنبائے حق تاج قابض رہتا ہے
اسی طرح سے وہ لوگ تاج انگلستان کے قرضہ جات اور تاج برطانیہ کی جانب سے یا اس کے
مقابلے میں عدالتی مقدمات کا رجوع ہونا کہتے ہیں۔ بہرحال بادشاہ کے بجائے تاج کا لفظ
استعمال کرنے سے انگریزی زبان میں نہایت آسانی پیدا ہوگئی ہے اور اس کے ذریعہ سے
وہ دشواری رفع ہوجاتی ہے جو دوسری تمام زبانوں میں انفرادی کارپوریشنوں کے
متعلق پیدا ہوتی ہے ایسا ہی اس لفظ سے انسان کو انفرادی کارپوریشن کے تصور کی نسبت
جب وہ اس کی تصویر اپنے ذہن میں کھینچتا ہے بہت کچھ مدد ملتی ہے اور اس طریقے سے
اس کے ذہن میں نہایت عمدگی کے ساتھ شخص سیاسی (یا مصلحتی) اور اس انسان
میں جس کے ذریعے سے پہلے شخص کی نیابت ہوتی ہے اور جو اس نام (یعنی عہدہ)
کا حامل ہوتا ہے فرق نظر آسکتا ہے۔ برایں ہمہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بادشاہ کو تاج کے
لفظ سے جو خطاب کیا جاتا ہے وہ محض لسان انگریزی کی ایک صنعت ہے اور قانون

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ہیں ایک حیثیت کے بموجب وہ ایک ایسا قدرتی شخص ہے جو
اس مملکت کے خاندان شاہی کی نسل سے ہے اور یہی شخص خدائے قادر و توانا کی ایک مملوق بھی ہے
اور اسی وجہ سے اس کی موت آتی ہے اور ضعف اور پیرانہ سالی وغیرہ کے واقعات اس میں واقع
ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری حیثیت کے لحاظ سے وہ ایک شخص سیاسی ہے اور اس کو اس لئے یہ
لقب دیا گیا ہے کہ انسان کی سیاست اور حکمت عملی نے گھڑلیا ہے جس کی وجہ سے بادشاہ
انگلستان غیر فانی اور نظر نہ آنے والی چیز سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ موت ضعف جسمانی اور نابالغی کے
اثرات سے بھی مستثنیٰ خیال کیا جاتا ہے۔ اس قیاس کی تاریخ کے متعلق دیکھو انگریزی قانون کی تاریخ
جلد ۳ صفحات از ۲۵۷ تا ۲۶۳ مصنفہ ہولڈز ورتھ ۱۲-

نے تاج کو کسی جدید قسم کا قانونی یا فرضی شخص قرار نہیں دیا ہے۔ تاج انگلستان بذات خود قانون میں کوئی شخص نہیں ہے بلکہ قانون جس کو شخص تسلیم کرتا ہے وہ صرف وہی کارپوریشن والا شخص (یا کارپوریشن والی جماعت) ہے جو ان اشخاص کے سلسلے سے بنتی ہے جو تاج انگلستان ایک دوسرے کے بعد پہنا کرتے ہیں لیکن قانون میں تاج انگلستان کی قانونی شخصیت جو تسلیم نہیں کی گئی ہے اس کی وجہ ضرورت اور سہولت نہیں ہے بلکہ انگریزی قانون میں عمداً اور خود مختارانہ طور پر کارپوریشنوں کی دو قسموں اجتماعی اور انفرادی کے سوا ہے تیسری کسی چیز کو شخص قانونی نہیں قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قانون روما میں شہنشاہ کا صندوق خزانہ بغیر کسی دشواری کے ایک شخص فرضی قرار دیا گیا تھا (جو سلطنت رومی اور اس کے شہنشاہ کے بجائے سمجھا جاتا تھا) اگر تاج انگلستان کے متعلق بھی تخیل قانونی اسی طرح بلند پروازی کر کے اسکو ایک فرضی اور قانونی شخص قرار دے تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

جس طرح انگریزی قانون کو تمام سلطنت برطانیہ کے ایک شخص اور کارپوریشن ماننے میں انکار ہے اسی طرح وہ قانون اس سلطنت کے ان تمام خود اختیاری حکومت رکھنے والی ریاستوں کو جن پر وہ مبنی ہے شخص عطا کرنے اور کارپوریشن قرار دینے سے انکار کرتا ہے۔ مثلاً سلطنت ہند یا حکومت کینیڈا[۱] قانون انگلستان میں شخص نہیں سمجھی جاتی ہے[۲]۔ بادشاہ یا تاج انگلستان نہ صرف تمام سلطنت برطانیہ کی بلکہ اس کے ہر ایک جزو کی نمائندگی کرتا ہے اور یہ انگریزی قانون کا نقص ہے کہ اس میں اس عظیم الشان اور وسیع سلطنت کی ریاستوں میں سے ہر ایک ریاست کو جو اسکے اجزائے ترکیبی ہیں ایک خاص اور بذات خود قائم ہستی اور شخصیت نہیں دی گئی ہے[۳]۔ چنانچہ حکومت ہند کی جائداد اور

---

[۱] سلومن بنام حکومت نیوزی لینڈ سی۔ پی۔ ڈی۔ جلد ا صفحہ ۵۶۳۔ مدعی نے ایک دعوی نوآبادی نیوزی لینڈ کے گورنر اور اس کی حکومت کے مقابلے میں انگلستان کی عدالت میں پیش کیا تھا جو خارج ہوا اور اس کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ جس شخص پر دعوی کیا گیا تھا اس کا یعنی گورنر اور حکومت نیوزی لینڈ کا بحیثیت شخص فرضی یا کارپوریشن قانون انگلستان میں وجود نہ تھا۔

[۲] دیکھو ولیمز بنام ہوآرتھ (۱۹۰۵ع) اپیل کیسز صفحہ ۵۵۱۔

اس کی ذمہ داریاں قانون میں تاج برطانیہ کی جائداد اور ذمہ داریاں سمجھی جاتی ہیں۔ برطانوی نوآبادیوں کے جو قومی قرضہ جات ہیں وہ از روئے قانون بادشاہ انگلستان کے دیون ہیں اور ان کی ادائی بھی اسی بادشاہ پر لازم ہے۔ ان نوآبادیوں میں سے کوئی ملک آپس میں معاہدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور جو معاہدہ ان میں قرار پائے وہ از روئے قانون کالعدم متصور ہوتا ہے بشرطیکہ شاہ انگلستان بحیثیت فریقین اپنے سے آپ معاہدہ کرسکتا ہو اور یہ بات ناممکن ہے اسلئے کہ معاہدہ دو شخص کے درمیان طے پاتا ہے اور شاہ انگلستان ایک ہی شخص ہے پھر وہ اپنی شخصیت واحد کو فریقین معاہدہ کیونکر قرار دے سکتا ہے۔ اگر انگریزی قانون میں سلطنت برطانیہ کے مقبوضات اور اس کی ماتحت ریاستوں میں سے ہر ایک کی علٰحدہ علٰحدہ شخصیت قرار پاتی اور وہ اپنے نام اور اپنی ذات سے حقوق اور ذمہ داریوں کے حامل بننے اور افعال کے کرنے کے قابل سمجھی جاتی تو اس طرح کی دشواری ہرگز پیش نہ آتی۔ چنانچہ اگلے زمانے میں بعض قدیم نوآبادیوں کی جن کا شاہی اسناد کے ذریعے سے قیام ہوا تھا جداگانہ ہستی اور شخصیت تسلیم کی جاتی تھی اور وہ اجتماعی کارپوریشن سمجھی جاتی تھیں یہاں میساچوسٹس جزیرہ رہوڈ اور کینٹ کٹیکیٹ کی نوآبادیوں کے نام بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں اور ان کی اصل سلطنت سے ایک جداگانہ قانونی شخصیت تھی۔ لیکن اب بھی بعض صورتوں میں ایک معمولی نمونے کی برطانوی نوآبادی اس قانون کے ذریعے سے جس کو اس نے خود وضع کیا ہو کارپوریشن قرار پاسکتی ہے اور اس بنا پر اس کی باقی سلطنت سے علٰحدہ شخصیت قائم ہوتی ہے[1]۔ چونکہ

---

[1] آسٹریلیا کی کامن ویلتھ (حکومت جمہوری) اور اس ملک کی جتنی ریاستیں ہیں اور جن سے وہ سلطنت مرکب ہے بعض صورتوں میں اور بعض اغراض کے لئے سیاسی اور کارپوریشن والی جماعتیں سمجھی جاتی ہیں حکومت آسٹریلیا کے بنا کردہ قانون کی بدولت ان میں کی ہر ایک ریاست اپنے نام سے دوسرے کسی ایک شخص پر دعویٰ کرسکتی ہے اور ان میں کی ہر ایک ریاست کے مقابلے میں اور اس کے نام پر دعوے کیا جاسکتا ہے بالفاظ دیگر ان میں کی ہر ایک ریاست عدالتی نالشات میں فریق مقدمہ یعنے مدعی یا مدعی علیہ قرار پاسکتی ہے اور ایسا ہی ہر ایک ریاست شخصیت کے دوسرے اوصاف سے بھی متصف کی گئی ہے مثلاً ریاست وکٹوریا کی جانب سے ریاست نیو سوتھ ویلز کے مقابلہ میں دعویٰ پیش کیا جاسکتا ہے ان ریاستوں کی جو اس طرح کارپوریشن کی سی حیثیت قرار دی گئی ہے وہ بالکل انگلستان کے قدیم کامن لا (قانون غیر موضوعہ) اور

سلطنت برطانیہ کے مختلف حصص کارپوریشن نہیں قرار دیے گئے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک حصے کی قانون میں صرف اسی وقت اور اسی صورت میں علحدہ ہستی تصور ہوتی ہے جبکہ اس مسئلے کے ضمن میں جس کا اس کے پیشتر ذکر آچکا ہے[۵۱] دوہری یا متعدد شخصیت قائم ہوتی ہو۔ اگرچہ بادشاہ انگلستان کی ذات سے تمام برطانوی سلطنت کی نیابت و قائم مقامی ہوتی ہے۔ لیکن اگر منظور ہو تو قانون اس سلطنت کے ہر ایک حصہ کی نیابت کے واسطے بادشاہ مذکور کی علحدہ علحدہ شخصیت قائم کر سکتا ہے اور اس بنا پر نیوزیلینڈ کی سرکاری اراضیات کا جو بادشاہ مالک ہے قانون کی نظروں میں اسی بادشاہ کا انگلستان کی سرکاری زمینوں کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے آسٹریلیا کی حکومت انتظامی (یا عاملانہ) کی حیثیت سے جو بادشاہ روپیہ قرض لیتا ہے وہ قانون میں اس بادشاہ سے جس کے ذمے انگلستان کے قرضہ قومی کی ادائی ہے بالکل ایک جداگانہ شخص سمجھا جا سکتا ہے اس مقام پر اس امر سے بحث کرنا ہمیں منظور نہیں ہے کہ انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کی رو سے حقیقت میں کس حد تک تاج انگلستان کی متعدد شخصیتیں تسلیم کی جاتی ہیں[۵۲] علاوہ بریں یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور دشوار ہے کہ اس پر بحث کرنا سودمند نہیں ہو سکتا ہے۔ بہرحال ہمارے لئے اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ چونکہ برطانوی مقبوضات میں سے مملکت کا کوئی حصہ کارپوریشن نہیں قرار پا سکتا اس لیئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ (قانون عرفی) کے ایک مسئلہ اصولی کے مطابق ہے اور اس سے ہرگز مغائر نہیں ہے اور اس مسئلہ کی رو سے بادشاہ انگلستان سے سلطنت برطانیہ مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بنا پر آسٹریلیا میں خالصہ (یا حکومت) کی زمینیں تاج انگلستان کی اراضی سمجھی جاتی ہیں بجز ان صورتوں کے جہاں قانون موضوعہ کے ذریعہ سے سلطنت آسٹریلیا نے ان زمینوں کو کارپوریشن قرار دیا ہو اور اس کی صراحت کر دی ہو۔

[۵۱] دیکھو فصل ۲۱۱ کتاب ہذا۔

[۵۲] اسی امر کا جہاں تک اس کا تعلق آسٹریلیا کی کامن ویلتھ اور ان ریاستوں سے ہے جو اس کی اجزائے ترکیبی ہیں آسٹریلیا کی عدالت العالیہ نے نہایت صراحت سے اظہار کیا ہے ہیونی سیل کونسل آف سڈنی بنام دی کامن ویلتھ لا رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ پر گرفتہ چیف جسٹس نے لکھا ہے کہ دستور برطانیہ کے دائرہ وسعت اور اس کے منشا پر غور کرنے سے اس امر کا بخوبی اظہار ہو سکتا ہے کہ آسٹریلیا کی کامن ویلتھ اور سلطنت

تاج انگلستان کی اس طرح متعدد حیثیتیں معین ہو جانے سے سلطنت کے ہر ایک حصے کے حقوق اور ذمہ داریوں اور افعال کی قائم مقامی اس تاج کی اکیلی ذات سے اس طرح قانون میں تسلیم کی جاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ — برطانیہ د بالکل جداگانہ فرمانروا جماعتیں یا اشخاص ہیں......
اس لئے تاج انگلستان جو اپنی سلطنت کے متعدد ملکوں کی نیابت کرتی ہے اور جن کی حیثیت اشخاص کی ہے ایک شخص قانونی نہیں بلکہ چند اور متعدد اشخاص قانونی سمجھی جاتی ہے۔"

خلاصہ

ماہیت شخصیت۔

اشخاص { قدرتی۔ / قانونی۔

اشخاص۔ زندہ انسانات۔

جانوروں کی حیثیت قانونی۔

مردہ انسانوں کی حیثیت قانونی۔

اشخاص نازائیدہ کی حیثیت قانونی

دہری شخصیت۔

قانونی اشخاص۔

شخصیت قانونی کی بنیاد تشخص ہے۔

تشخص بلا شخصیت قانونی

اقسام اشخاص قانونی {
۱۔ کارپوریشنز (جسمیات)
۲۔ ادارات۔
۳۔ سرمایہ جات یا جائدادیں۔

جسمیات۔ یہی صرف ایسے اشخاص قانونی ہیں جن سے قانون انگلستان واقف ہے۔

کارپوریشن ہائے اجتماعی و کارپوریشن ہائے انفرادی۔

کسی مفروضے پر کارپوریشن کا قرار دیا جانا مبنی ہے۔

کارپوریشن کے نام ولقب۔

قائم مقامان کارپوریشن۔

ارکان کارپوریشن

اختیارات کارندہ کارپوریشن

افعال ناجائز کے لئے کارپوریشن کی ذمہ داری

کارپوریشن قرار دینے کے اغراض

کارپوریشن قرار پانے سے ملکیت و فعل مشترک کا ملکیت و فعل منفرد میں منتقل ہونا۔

۲۔ ذمہ داری محدود ۔
کارپوریشن کی ایجاد اور ان کا اختتام (یا ان کا انفساخ)۔
سلطنتوں کی شخصیت ۔

سولھواں باب

استحقاق

فصل نمبر ۱۲۰ - واقعات ترتیبی

اس کے پہلے کسی باب میں ہم نے بیان کیا ہے کہ ہر ایک حق کا ایک استحقاق (ٹائٹل) یا ماخذ ہوتا ہے جس سے وہ حق صادر ہوتا یا نکلتا ہے۔ (ماخذ ایک واقعۂ سببی ہے جس کا نتیجہ قانون میں (از روئے قانون) حق سمجھا جاتا ہے یا یوں کہیئے ماخذ موصول اور مبتدا ہے اور حق اس کا صلہ یا خبر ہے۔) ماخذ از روئے واقعہ شئے مقدم اور حق از روئے قانون شئے موخر ہے۔ اگر قانون ایک شخص کو ایک حق عطا کرتا ہے جو دوسرے کو وہ نہیں عطا کرتا تو اس کا سبب بعض ایسے واقعات ہیں جو ایک شخص پر صادق آتے ہیں لیکن دوسرے پر ان کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس لیئے انھیں واقعات کو اس عطا شدہ حق کا ماخذ سمجھنا چاہیئے۔ ہر ایک حق کے لیئے خواہ وہ پیدائشی ہو خواہ مکسوبہ ایک ماخذ کا ہونا ضروری ہے چنانچہ رقم قرضہ کو وصول پانے کے حق کا ماخذ کوئی معاہدہ یا فیصلۂ عدالت یا کوئی ایسی قسم کا دوسرا قانونی معاملہ ہوتا ہے لیکن انسان کے زندہ یا آزاد رہنے یا اپنی نیکنامی برقرار رکھنے کے حق کا ماخذ انسان کی فطرت یعنی پیدائش کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اس کی بنا کوئی واقعہ نہیں ہے بعض ایسے حقوق ہیں جن کو قانون انسان کو اسکے دنیا میں آتے ہی عطا کرتا ہے اور بعض ایسے حقوق ہیں جن کے حاصل کرنے کے واسطے آدمی کو نہ صرف اکتساب کرنا لازم ہے بلکہ بڑی بڑی زحمتیں اٹھانی پڑتی ہیں لیکن ان دونوں صورتوں میں بھی کوئی ایسا حق نہیں ہے جس کی بنیاد کوئی واقعہ نہ ہو۔ گویا حق

ایک پودا ہے اور واقعہ وہ زمین ہے جس میں اُس کی جڑیں ہوتی ہیں اور جس سے کہ وہ نکلتا ہے۔

ماخذ حق کی دو قسمیں ہیں اصلی اور بالواسطہ اول الذکر وہ ہیں جو کسی حق کو از سر نو پیدا کرتے ہیں اس طرح کے ماخذ سے بالکل ایک جدید حق پیدا ہوتا ہے اور دوسری قسم کے ماخذ وہ ہیں جن کے ذریعے سے ایک موجودہ حق کسی جدید ملک پر منتقل ہوتا ہے مثلاً مچھلیوں کا پکڑنا حق ملکیت کا اصلی ماخذ ہے اور اُن کا خریدنا ایک بالواسطہ ماخذ ہے کیونکہ جو حق مچھلیاں پکڑنے والے یعنی ماہی گیر کو حاصل ہوتا ہے اس کی از سر نو ایجاد ہوتی ہے جو پہلے سے موجود نہ تھا لیکن ان مچھلیوں کے خریدار کو جو حق ملتا ہے وہ نظریہ قانونی میں وہی حق ہے جو ماہی فروش سے سلب ہو جاتا ہے یعنے از روئے قیاس قانونی اس حق میں جس کو ماہی فروش بیچتا ہے اور اُس دوسرے حق میں جو مچھلیوں کے خریدار کو حاصل ہوتا ہے کسی قسم کا فرق نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ہی حق ہیں کیونکہ خریدار کو کوئی جدید حق نہیں ملتا بلکہ ماہی گیر کا قدیم حق اس کو منتقل ہوتا ہے اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ ماخذ کے مفہوم کے لحاظ سے جس کا ذکر فقرۂ بالا میں کیا گیا ہے وہ واقعہ جس کے ذریعے سے ماہی گیر اور خریدار کو حق حاصل ہوتا ہے انہیں کے ہر ایک شخص کے حق کا علیحدہ علیحدہ ماخذ ہے کیونکہ ماخذ حق کی یہ خوبی اور خصوصیت نہیں کہ اُس کے ذریعے سے ایک جدید حق کی ایجاد ہوتی ہے بلکہ اُسکے سبب سے انسان کو حقوق خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم حاصل ہوتے ہیں۔

جس طرح واقعات عطائے حقوق کے موجب ہیں اسی طرح وہ سلب حقوق کے باعث بھی ہیں۔ اگرچہ ہر ایک قسم کا حق فنا پذیر اور ناپائدار ہے لیکن بعض حقوق کا مادۂ حیات زیادہ کمزور اور نازک ہوتا ہے جس کے باعث ایک نہایت ہی خفیف صدمے سے وہ فنا ہو جاتے ہیں اور گویا ہوائے مخالف کا ایک جھونکا اُن کی شمع حیات کو گل کرنے کے لیئے کافی ہے جس رشتے سے یہ اپنے مالکوں کیساتھ وابستہ ہوتے ہیں وہ اس قدر کمزور اور بودے ہوتے ہیں کہ ایک ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض ایسے حقوق ہیں جو زیادہ قوی اور مضبوط ہیں

اور اس لیئے اُن کی حیات بھی زیادہ استوار ہوتی ہے لیکن اس پر بھی قوی اور ضعیف دونوں قسم کے حقوق میں سے ایک حق بھی ایسا نہیں ہے جو فنا اور معدوم ہونے کے اثر سے مستثنیٰ ہو چنانچہ حقوق میں سب سے زیادہ عظیم الشان اور سب پر مقدم انسان کے زندہ رہنے کا حق ہے بااین ہمہ قانون اُس انسان کو اس حق سے محروم کر دیتا ہے جو دوسرے کو اس حق سے محروم کر دینے کا باعث ہوتا ہے۔

جن واقعات کے ذریعے سے حقوق سلب ہوتے ہیں اُن کے لیئے بینتھم نے واقعات سلب کنندہ نام تجویز کیا ہے لیکن قانون کے مقبولہ اور مسلمہ التسمیہ اصطلاحات میں کبھی اس اصطلاح کو مقبولیت نہیں عطا ہوئی مگر اس کے ساتھ ہی اس امر کا بھی اعتراف کرنا چاہیئے کہ اُس کی اس اصطلاح سے بہتر کوئی دوسری اصطلاح قانون داں حضرات کو نہیں دستیاب ہوئی ہے۔ جو واقعات عطائے حقوق کے موجب ہوتے ہیں اُن کا لقب بینتھم نے پہلے لقب کی مشابہت میں واقعات عطا کنندہ قرار دیا ہے لیکن اُس کی یہ دوسری اصطلاح بھی شرف قبول سے محروم رہی اور اس کے بجائے تسمیۂ قانون میں اصطلاح ماخذ حق نہایت موزونیت اور سہولیت سے رائج ہو گئی ہے اور ہم نے بھی اسی مقبولہ اصطلاح کو استعمال کیا ہے[۱]۔

بہر حال واقعۂ ترتیبی ایک ایسی جامع اور عام اصطلاح ہے جس میں

---

[۱] ابتداءً لفظ ٹائیٹل (Title) کے معنی نشان علامت اور کتبے کے تھے مثلاً کسی کتاب کا ٹائیٹل یعنی کتاب کا پہلا صفحہ یا سر ورق جو کسی نشان یا کتبے سے مزین ہوتا ہے لاطینی زبان میں Titilus sepubhri کتبۂ قبر کو کہتے تھے "پائی لیٹ نے اپنی گردن میں پہننے کی صلیب پر ایک ٹائیٹل (کتبہ) لکھ لیا تھا" یوحنا کی انجیل باب ۱۹- آیت ۱۹- بعد ازاں ٹائیٹل کا مفہوم زیادہ مخصوص ہو گیا ہے اور اس کے معنی علامات یا شہادت حق و ملکیت ہو گئے مثلاً Titilus کے معنی سنگ حد بندی ہو گئے اور دستاویز حقیت کو بھی Titilus کہنے لگے (ڈوکینج- Ducange) سب سے آخر میں ٹائیٹل کے معنی بنیاد حق یا بنیاد ملکیت قرار پائے ہیں اور اسی کیلئے واقعہ عطا کنندہ (حق) کی اصطلاح تجویز کیگئی ہے۔

واقعات عطاکنندہ اور سلب کنندہ کی دونوں اصطلاحیں شامل ہیں اور ہم نے بھی اس فصل کا عنوان اسی اصطلاح یعنی واقعات ترتیبی کو قرار دیا ہے اور یہ اصطلاح مقننین کی منظورہ ہے[۵۱]۔ واقعۂ ترتیبی سے مراد ایک ایسا واقعہ ہے جسکے ذریعے سے کسی حق کا اس کے مالک کو حاصل ہونے یا نہ ہونے کا تعین و تصفیہ کیا جاتا ہے۔

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ ٹائیٹل (ماخذ حق) کی دو قسمیں اصلی اور بالواسطہ ہیں ایسا ہی واقعۂ سلب کنندہ کے بھی دو انواع ہیں یعنی واقعۂ مفنیہ (حق کو معدوم کرنے والا واقعہ) اور واقعۂ انتقال (حق کو منتقل کرنے والا واقعہ) پہلی قسم کے واقعات وہ ہیں جو کسی حق کو نابود کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ اپنے مالک سے سلب ہو جاتا ہے اور دوسری قسم کے واقعات کے ذریعے سے حق اپنے مالک سے سلب ہو کر کسی دوسرے شخص پر منتقل ہو جاتا ہے مثلاً قرضخواہ کے رقم قرضہ وصول پانے سے اُس کا طلب رقم کا حق سلب ہو جاتا ہے اور ایسا ہی اگر دائن اپنے طلب قرض کے حق کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرے تو اس کا حق وصول رقم نابود ہو جاتا ہے لیکن پہلی شکل میں واقعۂ سلب کنندہ ایک واقعۂ عادمہ ہے اور دوسری شکل میں وہی واقعہ ایک واقعۂ انتقال ہے۔

(اس امر کا سمجھنا دشوار نہیں ہے اور) یہ بات بالکل صاف ہے کہ ماخذہائے بالواسطہ اور واقعات انتقال اصل میں دو مختلف اور جداگانہ واقعات نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی قسم کے واقعات ہیں لیکن ان کو دو مختلف نقطۂ خیال سے دیکھا جاتا ہے اور ان پر دو مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی جاتی ہے[۵۲]۔ انتقال حق ایک ایسا واقعہ ہے جس کے دو پہلو ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے سے منتقل الیہ کو

---

۵۱ بینتھم نے ان واقعات کا نام ڈس پازی ٹیور (Dispositive) رکھا ہے۔

۵۲ انھیں کو بینتھم نے واقعات انتقال (Alienative) لکھا ہے اور دوسروں نے (Translative) کے لفظ کو ترجیح دی ہے اس دوسرے لفظ کے معنی بھی منتقل کرنیوالے کے ہیں چونکہ دوسرا لفظ ترجمے کیلئے مخصوص ہو گیا ہے اس لیئے پہلا لفظ منتقل کرنیوالے کے معنوں کے لیئے قرار دیا گیا ہے۔

حق حاصل ہوتا اور منتقل کرنے والے کا حق زائل ہوتا ہے اور منتقل الیہ کے لحاظ سے واقعۂ ترتیبی (وہ واقعہ جس کے ذریعے سے حق عطا اور ساقط کیا جاتا ہے) پر غور کیا جائے تو وہ حق کا بالواسطہ ماخذ ہے۔ اور اگر منتقل کنندہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واقعۂ ترتیبی ایک واقعۂ انتقالی ہے ایسا ہی معاہدۂ بیع ایک انتقالی واقعہ ہے اور معاملۂ شری حق کا ایک بالواسطہ ماخذ ہے برایں ہمہ بیع وشری ایک ہی واقعے کے دو مختلف پہلو ہیں۔

حق کے مختلف ماخذوں میں جو فرق دکھایا گیا ہے اور اس کے جو چند اقسام قرار دئے گئے ہیں اس کو جدول مندرجۂ ذیل کے ذریعے سے بیان کیا جاتا ہے۔

واقعات ترتیبی	واقعات عطا کنندہ یا استحقاق۔	استحقاق اصلی۔ استحقاق بالواسطہ	پیدائش یا خلقت حقوق۔
		واقعات انتقال۔	انتقال حقوق
	واقعات سلب کنندہ	واقعات عادمہ	اتلاف وسقوط حقوق۔

واقعات ترتیبی کے یہ مختلف اقسام مشابہ ہیں ان تین مخصوص واقعات اور حادثات کے جو کسی حق پر اس کی تمامی عمر میں پیش آتے ہیں یعنی اس حق کی پیدائش اور فنا اور انتقال کے مشابہ واقعات ترتیبی کے اقسام مندرجۂ جدول ہیں چونکہ عدم ہر ایک حق کی خلقت ہوتی ہے اس لئے ہر ایک حق کی پیدائش کا ذریعہ اُس کا اساسی ماخذ ہے اور وہی حق ایک واقعۂ مہلکۂ مفنیہ یا فنا کرنے والے واقعے کے ذریعے سے بالکل نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ماخذہائے بالواسطہ اور واقعات انتقال کے ذریعے سے کسی حق کے وجود کی معدومیت نہیں واقع ہوتی کیونکہ اصل میں جیساکہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے یہ ایک ہی واقعات ہوتے ہیں لیکن ان کے مختلف پہلوؤں سے ان کو دیکھا جاتا ہے۔ نظریۂ قانون کی رو سے کسی حق کے انتقال سے اُس کی ذات یا شخصیت پر

کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ معاملۂ انتقال سے وہ حق متاثر ہوتا ہے بلکہ قانونی قیاس میں اس حق کی ماہیت اور شان وہی رہتی ہے جو انتقال سے پہلے تھی حالانکہ منتقل ہو جانے سے بجائے شخص سابق کے کوئی دوسرا شخص اُس کا مالک بن جاتا ہے[1]۔

فصل ۱۲۱۔ افعال کی قانونی حیثیت

واقعات ترتیبی کی خواہ اُن کے ذریعے سے حقوق کی پیدائش انتقال یا خاتمہ ہوتا ہو اصل میں دو اہم قسمیں ہیں ان واقعات کی ایک قسم کا تعلق ان افعال سے ہے جن کو انسان بالارادہ کرتا ہے اور ان کی دوسری قسم ان افعال سے متعلق ہے جو انسان کے ارادے کے بغیر ظہور پذیر ہوتے ہیں یعنی حقوق کی پیدائش انتقال اور اختتام کے دو طریقے ہیں ارادی اور غیر ارادی۔ اکثر صورتوں میں قانون انسان کو اس کی مرضی اور ارادے کے ظاہر ہونے پر اس کی خواہش کے موافق حقوق کے حاصل اور ضائع کرنے کی اجازت دیتا ہے اور بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ خواہش اور غرض کے ظاہر کئے جانے کے بغیر قانون اس کو حقوق عطا کرتا اور اُس سے سلب بھی کر لیتا ہے۔ اگر انسان وصیت کرنے کے بغیر فوت ہو جائے تو قانون اس کی جائداد کو اُن لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے جن کو وہ مناسب سمجھتا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک باقاعدہ اور تکمیل شدہ وصیت نامہ چھوڑ جائے جس میں متروکہ تقسیم طلب کے متعلق

---

[1] ہم اس مقام پر لفظ انتقال کو اُس کے عام معنوں میں استعمال کر رہے ہیں اور اُسکے عام مفہوم میں ان دونوں قسم کی ملکیت کی تبدیلی داخل ہے جو مالک کی رضامندی اور بلا رضامندی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ لیکن اصطلاح انتقال کا ایک خاص مفہوم بھی ہے اور اس سے مراد مالک کی رضامندی کیساتھ ملکیت کا تبدیل کیا جانا ہے چنانچہ حق وراثت بلا وصیت جو مورث کے وصیت کرنے کے بغیر فوت ہونیسے اسکے ورثا کو پیدا ہوتا ہے وہ انتقال حقوق کے اس وسیع مفہوم کی نہ کہ لفظ انتقال کے تنگ اور محدود مفہوم کی ایک مثال ہے۔

اس مرنے والے کی ہدایات مندرج رہیں تو قانون اُن خواہشوں کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص اپنی جائداد بیع کرتا ہے تو وہ اپنی خوشی سے اس کو مشتری کے حق میں منتقل کردیتا ہے تو بائع کے ارادے شے مطابق جس کو قانون اپنی مرضی قرار دیتا ہے وہ جائداد اُس سے منتقل ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر اس مال دائن اپنی ڈگری کی تعمیل میں قرق کرائے یا اُس کے دیوالیہ قرار پانے سے وہ مال اُس کے امین کی ملک ہوجائے تو ایسی صورت میں یہ کہا جائیگا کہ انتقال بلاارادہ اغراض قانونی کی تکمیل کے لیئے عمل میں آیا۔

فقرۂ بالا میں واقعات ترتیبی کی دو قسموں میں جس فرق کا ذکر کیا گیا ہے اسی اختلاف کو ایک دوسری طرح سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے اور اُس کے اظہار کے لیئے قانون میں دو متضاد مرکب اصطلاحیں ہیں۔ فعل فریق اور فعل قانون۔ فعل فریق سے مراد اُس شخص کا فعل ہے جو کسی حق کے پیدا یا منتقل یا ختم کرنے کے متعلق اپنی نیت اور ارادے کا اظہار کرتا ہے اور قانون اسکی نیت اور ارادے کو منظور کرتا ہے مثلاً معاہدہ یا دستاویز انتقال (جائداد) وغیرہ۔ برعکس اس کے فعل قانون وہ فعل ہے جس کے ذریعے سے قانون کسی حق کی ایجاد یا اختتام یا اُس کو منتقل کرتا ہے اور اس شخص کی مرضی نہیں حاصل کی جاتی جس کو اس حق سے تعلق ہے۔ بہرحال فعل فریق کی مرکب اصطلاح مہمل اور بیہودہ ہے اور اس کے بجائے ایک دوسری اصطلاح فعل درنظر قانون Acts in the law کے قرار دئے جانے میں عموماً زیادہ آرام و سہولت ہے۔ فعل درنظر قانون ضد ہے اُن افعال کی جنکو افعال قانون (Acts of the law) کہتے ہیں اور جن کی ہم نے ابھی تعریف کی ہے[۱]

افعال قانون کی دو قسمیں ہیں یک جنبہ (unilateral) اور ذو جنبین۔

---

[۱] یہ تسمیہ سر فریڈرک پالک کا اختیار کردہ اور پیش کردہ ہے دیکھو مصنف مذکور کا اصول قانون صفحہ ۱۳۴ طبع دوم۔ دوسرے مصنفین نے افعال درنظر قانون کے بجائے افعال قانون کا مرکب لفظ استعمال کیا ہے انھیں افعال کو جرمن مصنفین نے (Rechtsgeschafte) بخشش کے سفطے لکھا ہے۔

(Bileteral) فعل یک جنبہ وہ فعل ہے جو ایک ہی فریق کی مرضی کے ذریعے سے وقوع پذیر ہوتا ہے مثلاً انتقال جائداد بذریعۂ وصیت۔ اختیار تقرر کو عمل میں لانا۔ تملیک بعرض ازدواج کا انفساخ۔ قابل تنسیخ معاہدہ سے کی تعمیل نہ کرنا۔ یا پٹہ کا کسی شرط کی خلاف ورزی میں ضبط کر لینا اس قسم کے افعال ہیں۔ برخلاف اس کے فعل ذو الجانبین ایسا فعل ہے جو کسی دو یا دو سے زیادہ فریقین معاملہ کی نیتوں اور ارادوں پر مبنی ہوتا ہے اور اسکی مثالیں معاہدۂ انتقال جائداد رہن اور پٹہ وغیرہ ہیں۔ ذو جنبین افعال کو قانون میں اقرارات (Agreements) کہتے ہیں اور ان معنوں میں لفظ اقرار اپنے وسیع اور عام مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کا ایک مخصوص مفہوم بھی ہے اور اس مخصوص مفہوم کے لحاظ سے لفظ اقرار مترادف ہے لفظ معاہدہ کا یعنی جانبین کی رضامندی سے حقوق خلاف اشخاص کا پیدا کرنا ہے۔ لیکن انگریزی زبان کے تسمیۂ قانون کی بے مائگی ان دونوں لفظوں کو مرادف استعمال کئے جانے کی اجازت نہیں دیتی اس لیئے لفظ اقرار کو ہم اس کے وسیع مفہوم میں یعنی ذو الجانبین (Bilateral) افعال قانونی کیلیئے استعمال کریں گے اور اس لفظ میں اس طرح کے وہ تمام افعال داخل ہیں جن کے ذریعے سے حقوق پیدا منتقل اور ختم ہوتے ہیں۔ ان معنوں کے لحاظ سے جس طرح تمام معاہدات اقرارات ہیں اسی طرح تمام انتقالات (جائداد) پٹہ جات اور ہر ایک قسم کی واگزاشت جائداد بھی اقرارات ہیں[1]۔

---

[1] عجیب اتفاق ہے کہ اقرار (Agreement) اور معاہدہ (Contract) کی اصطلاحوں کے استعمال کے متعلق ابھی تک قطعی تصفیہ نہیں ہوا ہے اور ان کے متعلق حسب ذیل عذرات پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) اگرچہ اکثر اوقات لفظ اقرار لفظ معاہدہ کا مرادف استعمال کیا جاتا ہے اور ان دونوں سے ایسا ذو الجانبین فعل قانونی مراد لیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے ایک وجوب (Obligation) یعنے حق خلاف شخص پیدا ہوتا ہے مگر لفظ اقرار کے اس استعمال کے متعلق جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اقرار کو اس کے مخصوص مفہوم یعنی معاہدہ استعمال کرنیسے

(ذو جانب افعال قانونی کی بھی دو قسمیں ہیں اور) چونکہ افعال یک جنبہ کو معاملے کے دوسرے فریق سے بھی تعلق ہوتا ہے اس لیئے اُن کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (افعال ذو الجانبین کے لیے جو اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے وہ مفقود ہو جائے گا اور) ایک بنی بنائی اصطلاح ہاتھ سے جاتی رہیگی۔

(ب) لفظ معاہدہ بعض وقت ایسے اقرار کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جسکی تعمیل قانوناً ہو سکتی ہو یعنی اقرار کے اُن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے جس کا ذکر اعتراض اول میں کیا گیا ہے۔ دیکھو اصول معاہدہ مصنفہ پالک صفحہ ۸ طبع ہشتم قانون معاہدہ سنہ دفعہ ۲۔

(ک)۔ اس کے متعلق بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایک نا واجب اور ناموزوں ضرورت کے واسطے ایک مفید اصطلاح کا خون کیا گیا ہے اس کے علاوہ جو اس طرح ہند کے قانون محولہ اور پالک صاحب کے اصول معاہدہ میں لفظ اقرار کو معاہدہ کی ایک خاص قسم کے لیئے مخصوص کیا گیا ہے وہ خلاف عادت اور خلاف استعمال ہے چنانچہ انگریزی زبان میں لوگ کالعدم ناجائز اور خلاف قانون معاہدات کہنے کے عادی ہیں۔

(ج) بعض وقت لفظ کان ٹرکٹ (Contract) اپنے وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے ہر ایک ذو الجانبین فعل قانون مراد لیا جاتا ہے لیکن یہ خلاف عادت محاورہ ہے اور مناسب ہے کہ ان معنوں میں لفظ اگریمنٹ (Agreement) کو استعمال کرنا چاہیئے۔ لفظ کان ٹرکٹ لفظ (Contrahere) سے مشتق ہے اور اس کے لفظی معنی دو شخصوں کو بذریعۂ زنجیر قانونی ایک دوسرے سے جکڑ دینے اور ملا دینے کے ہیں اور جس بندھن میں ایسے دو شخص باندھ دئیے جاتے ہیں وہ ایک موجبہ ہے چنانچہ انتقال یا واگزاشت جائداد ذو الجانبین افعال قانونی ہیں لیکن کان ٹرکٹ (ارتباط) یعنی معاہدہ نہیں بلکہ اس کے برعکس ایک جنبہ فعل ہے۔

(د) اس کتاب میں ہم نے لفظ اقرار کے معنی اور استعمال کے متعلق جو مشورہ دیا ہے وہ محض اپنی طبیعت سے نہیں بلکہ متقدمین اور اس زمانے کے چند مشہور اساتذہ کے خیالات کو بیان کیا ہے۔ ہماری رائے میں اقرار ہر ایک ایسے فعل قانونی کے لیئے استعمال ہونا چاہیئے جو ذو الجانبین ہے۔ دیکھو ڈائجسٹ ۲-۱۴-۱-۲- اور اس کے برعکس معاہدہ (کان ٹراکٹ)

دو قسمیں قرار دی گئی ہیں کیونکہ بعض صورتوں میں ان افعال سے فریق ثانی کو نقصان پہنچتا ہے یعنی دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کئے جانے کے بغیر ہی نہیں بلکہ اسکے ناراض رہنے اور انکار کرنے کے باوجود ان افعال کا اثر ہوتا ہے۔ ایسے افعال میں فریق ثانی کی مرضی شئے غیر متعلق سمجھی جاتی ہے اور اُس کا کچھ بس نہیں چل سکتا چنانچہ پٹہ دار یا اسامی کے کسی شرط کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں مالک اراضی کا اس زمین پر اپنا دخل مکرر کرنا یا (کسی امین یا وصی کا) اختیار تقرر (امین وغیرہ) کو ان اشخاص کے خلاف عمل میں لانا جن کو اس قسم کا اختیار دیا گیا تھا اور انہوں نے اپنی غفلت وغیرہ سے تقرر کرنے میں قصور کیا ہو یا کسی قابل تنسیخ معاہدہ کی تعمیل نہ کرنا یا مرتہن کا اپنے اختیار بیع پر عمل کرنا پہلی قسم کے افعال کی مثالیں ہیں لیکن دوسری قسم کے افعال کی حالت اس سے جداگانہ ہے۔ اگرچہ یک جنبہ فعل میں فریق ثانی کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کی نارضامندی کا اس فعل پر اثر پڑتا ہے اور جب تک دوسرے فریق کی رضامندی کا اظہار نہ ہو جائے تو یک جنبہ فعل کی حالت عارضی رہتی ہے اور اس کا اثر اس رضامندی پر موقوف رہتا ہے مثلاً وصیت کا انحصار موصی کی یک طرفہ مرضی اور ارادے پر ہے اور اُن اشخاص کا جن کو وصیت کے ذریعے سے فائدہ پہنچتا ہے اس سے واقف ہونے تک کی مطلق ضرورت نہیں ہے لیکن اگر وصیت کے نفاذ پانے کے وقت اُس سے مستفید ہونے والے اشخاص ان حقوق کے قبول کرنیسے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اقرار (اگریمنٹ) کی ایسی مخصوص قسم ہے جس کے ذریعے سے فریقین معاملہ کے درمیان ایک حق خلاف شخص پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ سر ولیم این سین نے اپنی تصنیف متعلقہ معاہدات" لفظ کان ٹراکٹ کے یہی معنے لیئے ہیں۔ دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۳ کان ٹراکٹ ایک ایسی قسم اگریمنٹ کی ہے جس کے ذریعے سے راست ایک موٴ پیدا ہوتا ہے"، فرانسیسی مقننین میں پاتھیر نے بھی کان ٹراکٹ کے یہی معنی لیئے ہیں۔ دیکھو فرانسیسی مجموعہ قوانین دیوانی کا آرٹیکل (فصل) ۱۱۰۱ ۔ سوائینی نے بھی جرمن نظام قانونی کی جلد ۱۴ میں معاہدہ کا یہی مفہوم لیا ہے ۔ ۱۲

جو اُن کو وصیت کے ذریعے سے منتقل ہوتے ہیں انکار کریں اور نا رضامند ہوں تو وصیت کی تعمیل نہیں ہو سکتی اور موصی کی تدبیر ناکام ہو جاتی ہے اور برخلاف اس کے اگر مستفید ہونے والے اشخاص ان شرائط اور احکام کو جو اُن کے فائدے کے واسطے وصیت میں درج ہوں قبول کرلیں تو وصیت کا عمل جو ان لوگوں کی رضامندی پر موقوف اور مشروط تھا خود بخود مستقل اور قطعی ہو جاتا ہے۔ علی ہذا اما مون لہم کے علم اور رضامندی کے بغیر جائداد کا بذریعۂ امانت تملیک بغرض ازدواج میں منتقل کیا جانا ممکن ہے اور جس فعل کے ذریعے سے اس طرح کی امانت قائم کی جاتی ہے وہ یک طرفہ اور یک جنبہ فعل ہے اور جو لوگ اس سے مستفید ہونے والے ہیں اُن کے قبول کرنے اور نہ کرنے پر اس کا اثر اور نفاذ منحصر ہے۔ اسی طرح میں اپنے ایک قرضخواہ کو اُس کے علم کے بغیر اس کے دین کے متعلق اس جائداد کا رہن جس کا میں مرتہن ہوں یا کوئی اور کفالت عطا کرسکتا ہوں[1]۔

جب کسی فعل قانونی کے دو سے زیادہ فریق ہوتے ہیں تو بعض کے مقابلے میں وہ فعل دو طرفہ اور بعض کے متعلق یک طرفہ سمجھا جا سکتا ہے مثلاً اگر الف جائداد ج کے فائدے کی غرض سے یا ج کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے بہ صیغۂ امانت ب کو منتقل کردے تو الف اور ب کے درمیان یہ معاملہ ذو جنبین یا دو طرفہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اُن کی باہمی رضامندی سے وہ عمل پذیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ج کے مقابلے میں وہ یکطرفہ ہو جاتا ہے کیونکہ ج اس معاملے کا علم نہیں رکھتا ہے اور الف اور ب کی ایک فریق کی حیثیت قرار پاکر ج فریق ثانی متصور ہوتا ہے۔ اسیطرح سے مرتہن کا اپنے اختیار بیع پر عمل کرنا اُس کے اور مشتری کے درمیان فعل ذو جنبین اور بلحاظ راہن وہی فعل یک جنبہ سمجھا جاتا ہے[2]۔

---

[1] مڈلٹن بنام پالاک چانسری ڈویژن جلد ۴ ۔ شارپ بنام جیکسن (۱۸۹۹) اپیل کیسز صفحہ ۴۱۹ ۔

[2] اس کتاب میں یک جنبہ (Unilateral) اور ذو الجانبین (Bilateral) اصطلاحات کا جو

فصل ۱۲۲ اقرارات

افعال ترتیبی میں سب سے زیادہ اہم افعال قانونی (Acts in the law) ہیں اور افعال قانونی میں سب سے زیادہ تفضیلت اقرارات کو حاصل ہے اور اُن کے مقابلے میں یک جنبہ افعال بہت ہی کم وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ اس قدر اہم اور مفید بھی نہیں ہیں۔ چونکہ حقوق کے پیدا انتقل و فنا ہونے کا اقرار ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اس لئے ہم نے بھی اقرار کے اثر و عمل کے اسباب و شرائط اور طریقوں پر غور کرنے کے لئے اس باب کا باقی حصہ وقف کر دیا ہے۔ جو کچھ اس ضمن میں کہا جائیگا بہر حال انھیں مطالب اور مضامین کا ضروری تبدلا Mutalis mutandis کے ساتھ افعال یک جنبہ پر بھی اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ اقرار کا دائرہ عمل و اثر نہایت عام اور وسیع ہے اسلئے بحیثیت فعل ترتیبی اس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں بہت ہی کم ایسے حقوق ہوں گے جن کے پانے کے لیئے انسان کو اُن اشخاص کی رضامندی حاصل نہیں کرنا پڑتی ہے جن پر اس حق کے مقابلے میں فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ایسا ہی معدودے چند حقوق اس طرح کے ہوں گے جن کے منتقل کرنے کے لیئے اس شخص کی رضامندی نہ حاصل کی جاتی ہو جس کو وہ حاصل ہیں علی ہذا القیاس شاذ و نادر ہی ایسے حقوق

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ مفہوم اختیار کیا گیا ہے اس کے سوائے ان اصطلاحوں کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں چنانچہ اس اختیار کردہ مفہوم کے لحاظ سے ہر ایک قسم کا اقرار (اگریمنٹ) ذو الجانبین ہے لیکن لفظ ذو الجانبین کا ایک اور مفہوم بھی ہے جس کے لحاظ سے بعض اقرارات دو طرفہ اور دیگر یکطرفہ سمجھے جاتے ہیں چنانچہ اگر کسی اقرار کے متعلق فریقین میں سے ہر ایک فریق کو اُس کی تعمیل کرنی لازم ہو تو وہ ذو جانبہ اقرار ہے اور اگر اقرار کے متعلق فریقین سے صرف ایک ہی فریق کو کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور اس طرح ایک فریق پر اس اقرار کی تمام تعمیل اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن اور دوسرا فریق ساکت و صامت رہتا ہے تو ایسی صورت میں اقرار یکطرفہ سمجھا جاتا ہے مثلاً روپیہ قرض دینے کے متعلق جو اقرار کیا جاتا ہے وہ ذو الجانبین ہے اور اسکے خلاف عطایا ہبہ زر کا جو اقرار کیا جاتا ہے وہ یک جنبہ ہے۔

اس عالم میں پائے جاتے ہیں جو اُن کے مالکوں کی مرضی کے بغیر فنا پذیر ہو سکتے ہیں یعنی اگر مالک حق حق پر اپنا قبضہ رکھنا چاہے (تو بلا وجہ موجہ) کوئی قوت اس سے اُس حق کو سلب نہیں کر سکتی ہے۔ ہر ایک مہذب سلطنت کے عاقل و بالغ باشندے کے قبضہ میں حقوق اور فرائض کی کثیر تعداد رہتی ہے اور اس کثیر تعداد کے ایک بڑے حصے کی بنیاد وہ اقرارات ہوتے ہیں جن کو وہ اس سلطنت کے دوسرے افراد کے ساتھ کرتا ہے اور اگر اسے منظور ہو تو وہ اپنی پہلی نیت اور ارادے کو بدل کر وہ اسی قسم کے اقرارات کے ذریعے سے ان تمام حقوق و فرائض سے اپنے کو معرا کر سکتا ہے اور جیسا کہ وہ حقوق و فرائض کے لباس کے بغیر دنیا میں پہلی مرتبہ آیا تھا اسی طرح وہ اقرارات کے ذریعے سے اپنی اس پوشاک حقوق و فرائض کو اپنے جسم سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ رومانیوں کا مقولہ تھا کہ مانگنے سے کوئی چیز نہیں ملتی [۱]۔

اچھا تو وہ کیا اسباب ہیں جن کی بنا پر واقعۂ اقرار کے اثر اور عمل کا اس قدر قانون میں لحاظ کیا جاتا ہے؟ اقرار سے مراد رضامندی فریقین ہے اور کیوں فریقین کی رضامندی قانون میں حق کا ماخذ سمجھی جاتی ہے؟ کیا حقوق بذات خود قابل انصاف (انصاف کئے جانے کے قابل) امور نہیں ہیں اور کیا انصاف محض عہد و پیمان ہے جو انسان کے ارادے اور نیت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے؟۔

قانون میں اقرارات کا جو لحاظ کیا جاتا ہے اُس کے دو وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ حق کے وجود کی شہادت یا ثبوت اقرار ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اقرار حق کی بناء ہے۔ مثلاً اگر چند اشخاص اپنے حصوں کے متعلق آپس میں تقسیم کر لینے کے لیے اقرار کریں اور قانون اُن کے اقرار کے مطابق اُن میں اُن کے حصوں کی تقسیم کر دے تو یہ امر کہ قانون نے ان حصہ داروں کے علم اور رضامندی سے ان میں ایسی تقسیم کی کہ وہ تمام قانون کے فیصلے سے خوشنود

---

[۱] ڈائجسٹ ۵۰-۱۷-۶۹۔

اور اپنے اپنے حصے پر قانع ہیں قانون کے انصاف کرنے کی دلیل ہے۔ انسان اپنے مفاد اور حقوق کا آپ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے چنانچہ اسی کو ہابز نے اس طرح ادا کیا ہے "جو تقسیم مساوات کے ساتھ کی جاتی ہے اس کے جانچنے کا اس سے بہتر کوئی معمولی طریقہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے حقوق و مفاد پر اسکا اثر پڑتا ہے وہ اپنے اپنے حصے سے مطمئن اور قانع رہیں" اس لیئے جب ہر ایک شخص کو اُس کا حصہ مل جاتا اور وہ اپنے حصے پر قانع ہوتا ہے تو قانون کے لیئے یہ قیاس کرنا جائز ہے کہ تقسیم انصاف کے ساتھ کی گئی اور ہر ایک شخص کو وہ شے ملی جس کو وہ اپنی ملک سمجھتا تھا۔ قانون کو اسی وقت فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے جبکہ فریقین اقرار اس کی تعمیل میں قصور کرتے ہیں اس لیئے ذیل کے قاعدے پر عمل کیا جاتا ہے۔ جب ایک شخص اپنی رضامندی سے دوسرے شخص کے ساتھ اقرار کرتا ہے تو چونکہ اس اقرار کے ذریعے سے فریقین کے درمیان باہمی حقوق و فرائض کا وجود ہوتا ہے اس لیئے اُس کو نہ تو اپنے اقرار سے گریز کرنے کی قانون میں اجازت ہے اور نہ اُس کا کوئی بیان اُس کے اقرار کی صحت کے خلاف قابل سماعت ہوگا اس قاعدے کے متعلق جو مستثنیات ہیں وہ نہایت سخت اور کڑے ہیں اور اُن کی تعبیر کرنا بھی نہایت دشوار ہے۔ لہذا جو شخص اپنے کو کسی ایسے فرض سے جس کو اس نے بذریعۂ اقرار اپنے اوپر عائد کیا ہو بری کرانا چاہے تو اسکو چاہیئے کہ اپنی حالت کو ان مستثنیات کے تابع ثابت کرے جن کو قانون نے پہلے سے مقرر کیا ہے ایسا ہی جو شخص اپنے حق کو منتقل کرنے اور ترک کرنے کے بعد پھر اُسکے پانے کا مدعی ہو تو اس کو بھی ان مستثنیات میں سے کسی ایک استثنا کا اپنی حالت پر صادق آنا ثابت کرنا لازم ہے ورنہ قانون میں وہ اپنے اقرار یا عہد کا پابند سمجھا جائیگا۔

رضامندی باہمی کے ساتھ جو اقرارات حقوق کیئے جاتے ہیں اور اُن کے سچ ہونے کی نسبت جو قطعی قیاس ہے وہ ان بنیادوں میں سے جن پر قانون اقرارات بنا ہے ایک بنیاد ہے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر صورتوں میں رضامندی نہ صرف حق کی شہادت سمجھی جاتی ہے بلکہ اس کی بنا خیال کی جاتی ہے۔ مشہور و معروف اصول انصاف میں سے یہ بھی ایک اصول ہے کہ اگر انسان کسی چیز کے متعلق معقول اور جائز توقعات

رکھتا ہے تو اُسے اُن کے پورا ہونے کا موقع ملنا چاہیئے۔ اقرار کے ذریعے سے فریقین
کو بعض نتایج کے پیدا ہونے کی توقع ہوتی ہے اور جس قاعدے کی رو سے حق
کا قیام اور تعین ہوتا ہے وہ اسی ایک توقع کا نتیجہ اور اس کے تابع ہے معقول
اور جائز توقع پیدا ہونے کے اسباب میں عموماً کوئی دوسرا سبب اس قدر اہم
نہیں سمجھا جاتا ہے جیسا کہ رضامندی باہمی (یعنی اقرار یا معاہدہ) چنانچہ اکوائی ناس
(Aquinas) لکھتا ہے " کہ انسان کی مرضی ہی بشکل رضامندی ہر ایک امر یا شئے کو
مبنی بر انصاف کر دیتی ہے بشرطیکہ وہ امر انصاف قدرتی کے مغایر نہ ہو"

اقرار اور وضع قوانین میں ایک قسم کی مشابہت پائی جاتی ہے اس لیئے
کہ اقرار کے ذریعے سے رعایا اپنے شخصی حقوق اور فرائض کا تعین اور اظہار
کرتی ہے اور اُس کے انھیں حقوق و فرائض کا منجانب سلطنت بذریعۂ وضع قوانین
تعین اور اظہار کیا جاتا ہے۔ وضع قوانین کے ذریعے سے سلطنت اپنی رعایا
کے لیئے وہی کام کرتی ہے جو اُس کی اجازت سے اُس کے باشندے بذریعۂ اقرار
اپنے لیئے کرتے ہیں۔ ان دونوں یعنی اقرار اور وضع قوانین کے جداگانہ دائرہائے عمل
و اثر کے متعلق قانون کا جو مشہور مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ رسم اور اقرار
(رضامندی فریقین معاملہ) زیر حکم قانون ہے۔ جن صورتوں میں جمہور انام کی صلاح
و فلاح سلطنت کے پیش نظر رہتی ہے ان اشکال میں فریقین اقرار کی رضامندی
جو اُن کے حق میں ایک قسم کی خود مختاری ہے سلطنت کی مرضی جس کا وضع قوانین
کے ذریعے سے اظہار کیا جاتا ہے سبقت لے جاتی ہے بس اسی حد تک سلطنت
نے ان قواعد کے بنانے کا اختیار جن کا تعلق اُس کی رعایا کے حقوق شخصی سے
ہے اور جن کی بنا اُن کی باہمی رضامندی اور اقرار ہے اپنی رعایا کے سپرد کیا ہے
اور اسی حد تک سلطنت اُن قواعد کی تعمیل کرانے میں قناعت کرتی ہے (جن کو
اُس کی رعایا اپنے لیئے بناتی ہے اور اگر اس کے سوائے دوسرے قسم کے قواعد
رعایا اپنے لیئے وضع کرے تو سلطنت اس میں دست اندازی کرتی ہے) بہر حال
سلطنت نے قواعد حقوق مبنی بر اقرار کے بنانے کا اختیار جو رعایا کو دے رکھا ہے
وہ اس کی دانشمندی کی دلیل ہے۔ اس عاقلانہ مصلحت کے دو اسباب ہیں۔ اولاً

یہ کہ سلطنت کی جانب سے جو عدل گستری کی جاتی ہے اُس میں قانون کے نہایت کڑے اور سخت اصول پر عمل کیا جاتا ہے اس لیئے ان قواعد کی تعمیل کرانے سے جو فریقین اقرار آپس میں قرار دیتے ہیں عدالتوں کو سلطنت کے بنا کردہ کڑے اور شدید قواعد سے گریز کرنے کا موقع ملتا ہے اور یہ بات کسی دوسرے طریقے سے عدالتوں کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عدالتوں کو سلطنت کے وضع کردہ کڑے اصول پر چلنا لازم ہے لیکن سلطنت کی جانب سے جو قانون بنتا ہے وہ زیادہ عام ہوتا اور اُس کے اطلاق کا دائرہ بھی نہایت وسیع رہتا ہے اور اس کے برعکس جو قواعد اور اصول معاملۂ فریقین بلحاظ ایک مخصوص معاملے کے آپس میں قرار دے لیتے ہیں وہ اس قدر عام نہیں ہوتے اور اس لیے نہایت آسانی سے اُن کا اطلاق منفرد اور مخصوص مقدمات پر کیا جا سکتا ہے چونکہ معاملات اور امور انسانی میں بے حد اور بے شمار پیچیدگیوں اور اختلافات کا پیدا ہونا لازم ہے اس لیئے سلطنت کا مایوسانہ طور پر اس امر کا اعتراف کرنا کہ وہ انصاف کے متعلق صحیح قواعد وضع کرنے سے عاجز ہے اس کی سلیم الطبعی اور دانشمندی کی علامت ہے اور اسلیئے سلطنت نے اس کام کو ان لوگوں پر چھوڑ رکھا ہے جن کو اپنے معاملات سے تعلق ہے اور جو اپنے کام کو آپ انجام دینے کے زیادہ اہل ہیں چنانچہ سلطنت اپنی رعایا سے کہتی ہے کہ جو بات تم کو اپنے شخصی یا منفرد معاملات میں مناسب معلوم ہوتی ہے اگر تم اس کے متعلق آپس میں بحیثیت فریقین اقرار کر لو تو میں تمھارے اقرار کی اسی طرح تعمیل کرا دوں گی جس طرح کہ قاعدۂ حق کی تعمیل کی جاتی ہے۔

دوسری وجہ کا فطرت انسانی سے تعلق ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ جس امر کا بار وہ اپنی خوشی سے اپنے پر ڈالتا ہے بہ نسبت اُس بار کے جو اس کے حاکم کی طرف سے اُس پر ڈالا جائے زیادہ خوشی سے اُٹھاتا ہے چنانچہ اسی بنا پر رعایا ان فرائض اور حقوق سے زیادہ خوش رہتی ہے جنکو وہ اپنے پر آپ عائد کرتی اور اپنے لیئے آپ قرار دیتی ہے اور اس قانون اور اس انصاف کو وہ پسندیدہ نظروں سے دیکھتی ہے جسکو اُسنے خود بنایا اور جس کا اُس نے خود اظہار کیا ہو اس لیئے رعایا کو اُسکے اقرارات کے لیئے سلطنت کا پابند نہ کرنا بلکہ اس پابندی کیلیئے سلطنت کا اپنی رعایا کو اختیار دیدینا اُسکی نہایت عاقلانہ

پالیسی کی دلیل ہے۔

فصل ۱۲۳ اقسام اقرارات

ازبسکہ اقرارات کے ذریعے سے حقوق پیدا منتقل اور زائل ہوتے ہیں اس لیئے اُن کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں اور جن اقرارات سے حقوق کی پیدائش ہوتی ہے اُن کی خود دو قسمیں معاہدات اور عطیات ہیں۔ معاہدہ اُس اقرار کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے ایک وجوب یا فریقین معاملہ کے درمیان حق خلاف شخص پیدا ہو۔ عطیہ یا عطا ایسا اقرار ہے جس کے ذریعے سے حق خلاف شخص نہیں بلکہ کسی دوسری قسم کا حق پیدا ہوتا ہے عطیات پٹہ حقوق آسائش، کفالت، حقوق ایجاد، حقوق رائے، اختیارات، اجازت نامہ جات، وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ جس اقرار کے ذریعے سے کوئی حق منتقل کیا جاتا ہے اُس کو عام اصطلاح میں انتقال کہتے ہیں اور اُس اقرار کے لیئے جس کے ذریعے سے کوئی حق زائل ہوتا ہے ضبطی (ہبہ خلی) براءت (معافی) اور رجوع الگی (راضی نامہ) اصطلاحیں ہیں۔

ازبسکہ معاہدہ ایک ایسا اقرار ہے جس کے ذریعے سے فریقین معاہدہ کے درمیان ایک حق خلاف شخص کی بنا ہوتی ہے اس لیئے کوئی اقرار اُس وقت تک معاہدہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا اثر ایک جدید پیدا شدہ حق خلاف شخص کی گرہ قانونی کے ذریعے سے فریقین معاہدہ کو آپس میں جکڑ دینے کا نہ ہو عموماً اس قسم کا اقرار ایک یا ایک سے زیادہ وعدوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے یا اُن کے ذریعے سے دو رضامند اشخاص اپنی مرضیوں کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ ان میں کا ایک شخص اپنے وعدے کے ضمن میں اپنے پر ایک وجوب عائد کرلیتا ہے اور اس لیئے پہلا شخص دوسرے شخص سے وعدہ کرتا ہے کہ جو فرض یا وجوب اس طرح پیدا کیا جاتا ہے اُس کی وہ دوسرے کے مقابلے میں پابندی کرے گا۔ اس پر بھی ہر ایک وعدہ معاہدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی فعل کے کرنے کے متعلق محض وعدہ کرنے سے معاہدے کی بنا نہیں ہو سکتی بلکہ وعدہ خواہ صریحاً ہو کہ معناً

اس امر کا ہونا چاہیئے کہ معاہد اس امر کو بطور فرض قانونی انجام دے گا مثلاً کوئی شخص مجھ کو اپنے مکان پر طعام شب کی دعوت دے اور اگر میں اُسے قبول کر کے اس کے ہمراہ کھانے کا وعدہ کر لوں تو میرے اس وعدے سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں بن سکتا کیونکہ گو داعی اور میں دونوں اس معاملۂ دعوت کی نسبت رضامند ہیں اور اگرچہ ہم دونوں کی مرضیوں میں اتحاد ہے لیکن ہمارے ارادوں کے ایک ہونے سے نہ کسی حق قانونی کی خلقت ہوتی ہے اور نہ دونوں کے تعلقات قانونی میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ کسی معاہدے کی نہ اس طرح کی شکل ہوتی ہے اور نہ وہ ان الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے کہ "میں تم سے اس امر کا وعدہ کرتا ہوں" بلکہ یوں کہنا یا تحریر کرنا لازم ہے کہ "میں تم سے اس امر کی بابت رضامند (یعنی اقرار کرتا) ہوں کہ اس وعدے کے بعد سے تم کو فلاں شے مجھ سے طلب کرنیکا حق قانونی پیدا ہو گا" جن وعدوں کا ایسی شکل اور ان الفاظ میں اظہار نہیں ہو سکتا وہ معاہدات نہیں ہیں۔ لہٰذا ان حقوق کی خلقت کیلئے جو معاہدے کے ذریعے سے پیدا ہوتے ہیں جس رضامندی کی ضرورت ہے وہ وہی رضامندی ہے جس کی ضرورت حقوق کے انتقال اور ازالہ کے لیئے پیش آتی ہے۔ بہرحال ان تینوں شکلوں میں سے ہر ایک صورت میں جو شے جزو ضروری سمجھی جاتی ہے وہ طرفین کی رضامندی ہے جس کا اُن کے تعلقات قانونی سے صریحاً یا معناً اظہار ہونا لازم ہے۔

رضامندی کے ان دو اقسام کو شامل کرنے کے بعد جن کے ذریعے سے حقوق کی پیدائش ہوتی ہے اقرارات کی حسب ذیل چار جداگانہ قسمیں قرار پاتی ہیں:۔

۱۔ معاہدات جن کے ذریعے سے حقوق خلاف اشخاص کی خلقت ہوتی ہے۔

۲۔ عطیات یا عطایا۔ ان کے ذریعے سے حق متذکرۂ صدر کے سوائے ہر ایک قسم کا دوسرا حق پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ انتقالات۔ انتقال حقوق۔

۴۔ بیباقی (برات معافی) جس کے ذریعے سے حقوق کا ازالہ ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایک ہی اقرار کی مختلف (نوعیتیں) ہوتی ہیں اور اس وجہ سے اس ایک اقرار پر اس کی متعدد قسموں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مثلاً

کسی مال مختص کی بیع پر معاہدہ اور انتقال دونوں کا اطلاق کرنا ممکن ہے کیونکہ اس ایک اقرار کے ذریعے سے اس مخصوص مال (جائداد منقولہ) کی ملکیت منتقل ہوتی اور اس کے ساتھ ہی مشتری پر اُس کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح سے پٹہ عطا اور معاہدہ دونوں ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے وقت واحد میں متعلق شئے اور خلاف شخص دونوں قسم کے حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح کی مخلوط صورتوں میں اقرار اس قسم سے علٰحدہ کیا جانا چاہیئے جس سے اس کا اصلی و خاص عمل ضمنی عمل سے ممیز ہو سکے۔

قانون اور عدل میں جو فرق ہے اور قانونی و نصفتی حقوق و ملکیت میں جو اختلاف ہے اس کے لحاظ سے اکثر اوقات اقرار کے بھی قانون اور نصفت میں مختلف اثرات ہوتے ہیں چنانچہ ایک ہی اقرار اپنے جداگانہ اثرات کے سبب سے قانون میں معاہدہ اور نصفت میں انتقال یا عطیہ (حق یا جائداد) تصور کیا جاتا ہے۔ مثلاً اراضی کی بیع کے متعلق جو تحریری اقرار کیا جاتا ہے اس کا اثر قانون میں صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک ایسا معاہدہ متصور ہوتا ہے جس کی رو سے بائع پر اُس زمین کے متعلق ایک دستاویز انتقال مثبتہ مہر کی تکمیل کرنے کی شخصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کے ذریعے سے اس زمین کی ملکیت کا فی الواقع منتقل ہونا نہیں سمجھا جاتا مگر برخلاف اس کے یہی اقرار نصفت میں انتقال ملکیت زمین خیال کیا جاتا ہے اور بائع اس زمین کا بحیثیت امین مالک قانونی اور قابض سمجھا جاتا ہے۔ علیٰ ہذالقیاس کسی قانونی پٹہ یا رہن یا سروے ٹیوڈ Servitude (حق در جائداد غیر) کے عطا کرنے کے متعلق جو معاہدہ کیا جاتا ہے وہ عدل کی رو سے نصفتی پٹہ رہن یا سروی ٹیوڈ کی عطائے واقعی متصور ہوتا ہے کیونکہ (عدالت) چانسری کا یہ ایک مقولہ و مسئلہ ہے کہ نصفت اس امر کو موقوعہ (واقع شدہ) تصور کرتی ہے جو واقع ہونے والا ہے یا جس کو وقوع پذیر ہونا چاہیئے۔

فصل ۱۲۴ اقرارات کالعدم اور ممکن الانفساخ

اقرارات کی بلحاظ اُن کے اثرات قانونی کے تین قسمیں ہیں، جائز، کالعدم اور ممکن الانفساخ۔ اقرار جائز اس اقرار کو کہتے ہیں جو فریقین کے ارادوں کے مطابق بے کم وکاست اثر پذیر ہوتا ہے۔ اور اُس کے پورے اثر وعمل کو قانون تسلیم کرتا ہے۔ کالعدم اقرار وہ اقرار ہے جو نہ تو قانون میں تسلیم کیا جاتا ہے اور نہ اُس کی خلاف ورزی کرنے والے فریق کا قانون میں کوئی تدارک ہے اور نہ فریقین کے ارادوں کا جن کا اس کے ذریعے سے اظہار کیا جا سکتا ہے کوئی اثر قانون میں ہو سکتا ہے لیکن اقرار ممکن الانفساخ کی بین بین حالت ہے۔ اس قسم کا اقرار کالعدم نہیں سمجھا جاتا اور اس کا اثر وعمل مطلق ونافذ نہیں بلکہ مشروط ہوتا ہے۔ چونکہ اس طرح کے اقرار کی بنیاد میں کسی قسم کا نقص رہ جاتا ہے اس لئے فریقین میں سے کسی ایک فریق کی خواہش پر اُس کی تنسیخ اور اُس کا فسخ کرنا ممکن ہے اور جب ان میں سے ایک فریق اپنے اس اختیار پر عمل کرتا ہے تو اس اقرار کا نہ صرف اثر زائل ہوتا ہے بلکہ ابتدا سے وہ کالعدم سمجھا جاتا ہے اور اُس کا عدم جواز اُس کے زمانۂ وجود سے ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کا یہ فرضی اور مشروط اثر جس سے کہ وہ اقرار متصف کیا گیا تھا اس طرح اُس سے زائل ہو جاتا ہے گویا اس اثر کا وجود ہی نہ ہوا تھا بالفاظ دیگر اقرار ممکن الانفساخ ایسا اقرار ہے جس کو کالعدم یا جائز قرار دینا فریقین سے کسی ایک فریق کی پسند پر منحصر ہوتا ہے۔ مگر یہ امر قابل غور ہے کہ ایسا پٹہ جس کی مدت منجانب پٹہ دہندہ اطلاع دینے پر ختم ہوتی ہو یا ایسا پٹہ جس کو پٹہ دار کی جانب سے شرائط متعلق کی خلاف ورزی کی صورت میں پٹہ دہندہ ضبط کر سکتا ہو ان وجوہ سے ممکن الانفساخ نہیں ہے کیونکہ جب اس قسم کا پٹہ اس طرح ختم کر دیا جاتا ہے تو اس کا اختتام اس کے ابتدائے زمانۂ عطا سے نہیں متصور ہوتا بلکہ جس وقت پٹہ ضبط کیا جاتا ہے اسی وقت سے اُس کا عمل موقوف ہوتا ہے[1]

---

[1] اثر معاہدات کے متعلق اس مقام پر معاہدے کی ایک مخصوص قسم کی طرف ناظرین کی توجہ

کالعدم اور ممکن الانفساخ اقرارات کو اقرار ناجائز کی دو قسمیں کہہ سکتے ہیں۔
اقرار کے ناجائز ہونے کی چھ مخصوص صورتیں ہیں یعنی (۱) ناقابلیت (۲) بیضابطگی (۳) اقرار کا خلاف قانون ہونا (۴) غلطی (۵) جبر اور (۶) فقدان بدل عہد۔

۱۔ ناقابلیت۔ بعض اشخاص کو اپنی مرضی سے اپنے حقوق و فرائض کے تعین کرنے کا قانون میں مطلق اختیار نہیں دیا گیا ہے (اور کم از کم مثل دوسرے اشخاص کے وہ اپنے کو اپنے بنا کردہ عہد و پیمان کے تابع قرار دے کر نہ تو قانون غیر موضوعہ میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ اُسے مسترد کر سکتے ہیں) چنانچہ اشخاص نابالغ، مجنون (فاتر العقل) اور مجرمین کے متعلق اس سلطنت کا قانون غیر موضوعہ قطعی ہے اور ان کے معاہدات کے سبب اس قانون میں کمی و بیشی نہیں ہوتی ہے ایسا ہی کسی کارپوریشن یافتہ کمپنی (رجسٹر شدہ جماعت تجارتی) کے ایسے معاہدات جو خارج از اختیارات (Ultra vires) ہوں ناجائز سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ بے ضابطگی۔ اقرارات کی دو قسمیں ہیں بے ضابطہ (سادہ) اور باضابطہ (مطابق شکل مقررہ) اقرار بے ضابطہ اس اقرار کو کہتے ہیں جس میں فریقین کی رضامندی کے لیئے نہ تو مخصوص الفاظ یا ضابطے کی پابندی کرنی لازم ہے اور نہ اس اقرار کے لیئے کوئی خاص شکل یا نمونہ قرار دیا گیا ہے بلکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ منعطف کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے بعض صورتیں ایسی پیش آتی ہیں جن سے معاہدہ نہ تو کالعدم سمجھا جاتا ہے اور نہ ممکن الانفساخ بلکہ معاہدہ ایک تیسری شکل اختیار کرتا ہے جس کو ناقابل تعمیل یا ناقابل نفاذ معاہدہ کہتے ہیں یعنی ایسا معاہدہ جس کو عدالتیں تعمیل نہیں کرا سکتی ہیں اور جو فرض اس طرح کے معاہدے کے ذریعے سے معاہد لہ پر عاید کیا جاتا ہے وہ ناقص اور نامکمل ہوتا ہے اس کے متعلق اس کتاب کی فصل ۸۷ ملاحظہ طلب ہے اس کی مثال ایک ایسا زبانی معاہدہ ہے جس کا از روئے قانون فریب مجریہ انگلستان (The Statute of Frands) ضبط تحریر میں لایا جانا لازم ہو۔

فریقین کو اختیار ہے کہ وہ جس شکل اور جس عبارت یا الفاظ میں چاہیں اپنی مرضی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے باضابطہ اقرار میں قانون نے نہ صرف طرفین کی رضامندی کا ظاہر کیا جانا لازم قرار دیا ہے بلکہ اُس کا کسی مخصوص شکل میں اظہار کرنا فریقین کا فرض ہے اور اگر اس خاص شکل کی پابندی اور مطابقت نہ کی جائے تو اقرار بے اثر ہو جاتا ہے۔ باضابطہ اقرارات کی مثالیں ایسے معاہدے ہیں جن کا ضبط تحریر میں لایا جانا اور اُن پر فریقین کے دستخط یا مہر کا ثبت رہنا یا اُن کا مقرر کردہ الفاظ میں ادا کیا جانا یا بمواجہ شہود اُن کا تکمیل پانا یا کسی سرکاری محکمے میں اُن کی رجسٹری ہونا یا کسی رسمی فعل کا عمل میں لانا جیساکہ شئے معاہدہ کا معاہدلہ کے حوالے کرنا۔

معاہدات کے متعلق جو ان مخصوص اشکال اور ضابطے کا تعین کیا گیا ہے اُس کے دو اغراض ہیں اولاً یہ کہ فریقین معاہدہ جن شرائط کے ذریعے سے اپنی رضامندی اور نیت کا اظہار کرتے ہیں اور جس پر اُن کے ان حقوق اور فرائض کی بنا ہے جن کے وہ خود موجد ہیں اُس کی مقررہ شکل اور ضابطے میں اظہار کیے جانے سے اس رضامندی باہمی کو استقلال اور بقا حاصل ہوتی ہے اور اُس کی بخوبی اشاعت ہو جانے سے فریقین کو اُس کے استقلال کا یقین ہو جاتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ شکل مقررہ میں معاہدے کے ادا ہونے سے اُس کے متعلق یہ قیاس قانونی ہو سکتا ہے کہ فریقین نے کامل غور وخوض کے بعد اس کو آپس میں طے کیا ہے اور اس کی صحت کے متعلق عدالتوں کو شبہہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ مخصوص شکل اور ضابطے سے ایک اور فائدہ ہے جب فریقین کے درمیان کسی معاملے کی نسبت مراتب ابتدائی طے کرنے کی غرض سے مراسلت یا گفت وشنید ہوتی ہے تو انھیں شرائط معاملہ و معاہدہ پر بخوبی غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اپنی باہمی رضامندی کو مقررہ اور مخصوص شکل میں ظاہر کرنے کے قبل غفلت اور بے احتیاطی نہیں کر سکتے۔

۳۔ اقرار کا خلاف قانون ہونا۔ تیسرے یہ کہ اگر غرض ناجائز ہو تو معاہدہ کالعدم ہوتا ہے۔ اگرچہ ایک بڑی حد تک ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جس

امر کی بابت چاہے اقرار کرے لیکن اس کے متعلق انھیں قطعی آزادی نہیں دی گئی ہے بلکہ فریقین معاہدہ اور عوام کی بھلائی کے خیال سے اُن کی اس آزادی کو ایک حد تک محدود کیا گیا ہے۔ قانون غیر موضوعہ کے معتدبہ حصے سے صاف ظاہر ہے کہ خانگی اقرارات اسے بیکار یا منسوخ نہیں کرسکتے اور اکثر ایسے قواعد ہیں جن سے گو قانون غیر موضوعہ ہرگز منسوخ نہ ہوتا ہو اس قانون میں اضافہ بھی نہیں ہوسکتا یعنی اکثر ایسی صورتیں ہیں جن میں اس ملک کا قانون غیر موضوعہ لوگوں کے بناکردہ قانون معاہدہ کو اپنے میں کمی اور اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اگرچہ کہ ایک بڑی حد تک یہ درست ہے کہ طرز و طریقۂ معاہدہ و شرائط فریقین قانون پر غالب آتے ہیں لیکن اس اصولی مسئلے کا ایک مستثنیٰ بھی ہے یعنی "اقرار خانگی سے حق عام خارج نہیں ہوتا ہے" یہاں قانون عام سے ہماری مراد وہ قانون ہے جس کا تعلق سلطنت اور اُس کی تمام رعایا کی بھلائی سے ہے اور اسی وجہ سے قانون عام رعایا کے شخصی اقرارات سے منسوخ اور باطل نہیں ہوسکتا[1] الفاظ ناجائز اور خلاف قانون کے وسیع مفہوم کے لحاظ سے ان اقرارات کو جو قانون کے مقررہ حدود سے متجاوز ہوجاتے ہیں اقرارات ناجائز یا خلاف قانون کہتے ہیں لیکن الفاظ متذکرہ کا ایک دوسرا تنگ مفہوم بھی ہے اور اُس کے لحاظ سے ناجائز یا خلاف قانون کے معنی جرم اور دیوانی طرز کے فعل ناجائز کے ہیں لہٰذا اس دوسرے تنگ معنوں کے لحاظ سے اقرار کا خلاف قانون ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

۴۔ سہو یا غلطی۔ معاہدے کے عدم جواز کے اسباب میں سے ایک سبب سہو اور غلطی بھی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں موثر اور غیر موثر۔ غلطی موثر ایسی غلطی ہے جس کی وجہ سے فریقین اقرار کی رضامندی کا وجود ہی نہیں ہونے پاتا اور اس لیے جب اقرار کرنے میں اس طرح کی غلطی واقع ہوجائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقت میں اقرار ہی نہیں ہوا۔ چونکہ فریقین اس قسم کی غلطی کرنے سے ایک ہی شے کے متعلق متفق نہیں ہوتے ہیں اس لیے وہ فی الواقع کسی شے کے متعلق اقرار ہی نہیں کرسکتے ہیں،

[1] ڈائیجسٹ ۵۰-۱۷-۴۵-۱-

گو بظاہر ان کا اقرار ایک اقرار معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت وہ اقرار نہیں ہے مثلاً اگر الف کی جانب سے ب کے مقابلے میں ایجاب کیا جائے اور ج غلطی سے اُس کو قبول کرلے یا اگر الف اپنی زمین ب کے ہاتھ فروخت کرنے کا اقرار کرے لیکن وہ اپنے ذہن میں ایک زمین کے بیع کرنے کا خیال رکھتا ہو اور (ب) کے ذہن میں اس سے کوئی دوسری زمین مراد ہو تو اس قسم کے اقرارات غلطی موثر پر مبنی ہوتے ہیں اور چونکہ یہ اپنی حالت ظاہری میں اقرار معلوم ہوتے ہیں[۵۱] اور حقیقت میں ان کا وجود ہی نہیں ہوتا اس لیئے اس طرح کی غلطی کے اثر سے وہ بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔

لیکن اس قاعدے کا ایک مستثنیٰ ہے۔ جب ایک فریق کو اپنی غفلت سے اقرار کرنے میں غلطی ہوتی ہے اور دوسرا فریق اُس کی غفلت سے واقف نہیں رہتا تو فریق غافل کو اپنی غفلت کا خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے اور اُس کو اُس کی بے پروائی کے سبب سے غلطی موثر کے عذر پیش کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا گویا اُس کی غلطی اُس کے لیئے مانع تقریر مخالف قرار پاتی ہے اور وہ اپنے اقرار کا پابند سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ بوقت اقرار دوسرے فریق نے اُس کے الفاظ کے مفہوم کو سمجھا تھا[۵۲]۔

اس کے برخلاف غلطی غیر موثر اس غلطی کو کہتے ہیں جس کا اثر اقرار کی ماہیت یا اُس شے پر نہ پڑتا ہو جو اُس کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہے بلکہ اقرار کے کرنے میں کسی ایک فریق سے غلطی ہو جائے اور اُس کا تعلق بعض افراد کے حالات ظاہری سے ہو مثلاً ب کے گھوڑے کو بے عیب باور کرکے الف اس کو خریدنے کے لیئے اقرار کرلے اور فی الحقیقت گھوڑا بے عیب نہ ہو تو الف کی غلطی سے

---

۵۱ کن ڈی اینڈ سے اپیل کیسز جلد ۲ صفحہ ۴۵۹۔ ریفلز بنام وکل ہاس لاریورٹس مرتبہ ہرسٹن اور کولٹ مین جلد ۲ صفحہ ۹۰۶ فلپس بنام بروکس لمیٹڈ (۱۹۱۹ء) کے۔بی۔جلد ۲۔ صفحہ ۲۴۳۔

۵۲ کنگ بنام اسمتھ (۱۹۰۰ء) جانسری جلد ۲ صفحہ ۴۲۵۔

اس کا اقرار متاثر نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں **الف** کی غلطی موثر نہیں ہے کیونکہ **الف** اور **ب** دونوں اقرار کرتے وقت ایک ہی امر پر اور ایک ہی معنوں میں متفق ہوتے ہیں حالانکہ اگر **الف** کو گھوڑے کے عیب دار ہونے کی پہلے سے اطلاع ہوتی اور وہ اس طرح کی غلطی نہ کرتا تو وہ **ب** سے اُس کے خریدنے کا ہرگز اقرار نہ کرتا۔ بہرحال یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ غلطی غیر موثر (Unessential) کا اقرار کے جواز پر کسی طرح اثر نہیں پڑ سکتا۔ ایک فریق جن وجوہ اور شرائط کو پیش کر کے دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کرتا ہے ان وجوہ اور اسباب سے قانون کو کوئی سروکار نہیں ہے اور قانون میں ان وجوہ کے صحیح یا غلط ہونے کا لحاظ نہیں کیا جاتا جن کی بنا پر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عہد کر کے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ قانون معاہدین کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ جب ایک مرتبہ کسی امر کی بابت فریقین نے اظہار رضامندی کر دیا تو اُن کو اپنی رضامندی پر قائم رہنا لازم ہے۔ اور یہی اصول ان حالتوں میں بھی قرار دیا جاتا ہے جن میں ایک فریق دوسرے فریق کی غلطی سے بخوبی واقف رہتا ہے[۱]

مندرجۂ بالا قاعدے کی ایک مستثنیٰ صورت ممکن ہے۔ کیونکہ غیر موثر غلطی بھی اس فریق کو جس نے غلطی کی بنا پر معاہدہ کیا ہو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ اس اقرار کو ممکن الانفساخ تصور کرے بشرطیکہ اُس کا انعقاد فریق ثانی کی غلط بیانی کی بنا پر ہوا ہو۔ عام اصول یہ ہے کہ وہ شخص جس سے محض غلطی ہوئی ہو باوجود ایسی غلطی کے اقرار کا پابند ہوتا ہے لیکن وہ شخص جسے دھوکا ہوا ہو یہ حق رکھتا ہے کہ اقرار کے پورا کرنے سے انکار کرے۔

۵۔ جبر۔ رضامندی کو حق کا ماخذ قرار دینے کے لیے مقتضائے انصاف ہے کہ فریقین اپنی رضامندی کا آزادی سے یعنی بلا جبر و اکراہ اظہار کریں۔ اگر رضامندی جبر یا دباب ناجائز سے حاصل کی جائے تو وہ قانون میں بے اثر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک انسان کو اپنی رضامندی کے ظاہر کرنے کے لیئے

---

[۱] اسمتھ بنام ہیوز لا رپورٹس کوئینز بینچ جلد ۶ صفحہ ۵۹۷۔

آزادی حاصل ہے لیکن اس آزادی اور اختیار کے مدارج ہیں اور اس لیے کسی معقول نظام قانون میں لوگوں کی اس آزادی کی تعریف کرنا یا یہ بیان کرنا کہ اس کی کہاں تک وسعت ہے نہایت دشوار امر ہے لیکن اس کے متعلق ایک عام قاعدے کا بیان کر دینا ممکن ہے۔ واقعات یا حالات معاہدہ کے سننے سے شخص ثالث کو بادی النظر میں بوجہ معقول قیاس ہو سکے کہ فریقین معاہدہ نے بغیر کسی جبر و تشدد یا داب ناجائز کے اپنی رضا و رغبت سے اس امر کی بابت اتفاق کیا ہے جو معاہدے کے ذریعے سے ان میں طے پایا ہے اور جس فریق کی جو خواہش تھی اُس کی تکمیل اس معاہدے سے ہوتی ہے۔ انگریزی قانون کے محققین اس مسئلے کے متعلق تحقیقات کر کے جن نتائج پر پہنچے ہیں اُن کا اس مقام پر ذکر کرنا ہماری رائے میں ناظرین کے لیے چنداں مفید نہیں ہے اس لیے جبر کے متعلق اسی ایک عام قاعدے کا بیان کیا جانا کافی ہے۔

۶۔ بدل عہد کا مفقود ہونا۔ قانون انگلستان میں رضامندی کے موثر اور معاہدے کے قابل نفاذ قرار پانے کے لیے ایک اور شے کا لحاظ کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کو بدل کہتے ہیں۔ بدل معاہدے کا جزو لاینفک ہے اور اس کا قانون معاہدہ سے خاص تعلق ہے۔ اقرارات کی جو دوسری قسمیں ہیں انکے لیے بدل کی ضرورت نہیں ہے۔

بدل سے مراد ایسا سبب تحریک یا ترغیب ہے جس کی وجہ سے ایک شخص اپنے کو اپنے اقرار کا پابند کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے لفظ بدل کے چند معنی ہیں لیکن جو مفہوم کہ ہم نے اس کا اب بیان کیا ہے وہ اُس کے معنوں میں زیادہ وسیع ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی معاوضے یا سبب کے بغیر اپنے پر کوئی فرض عائد کرنے یا اپنے کسی حق کو دوسرے پر منتقل کرنے یا دوسرے کے فائدے کے لیے اپنے کسی حق سے دست بردار ہونے پر راضی نہیں ہو سکتا اور اس لیے کسی نفع کے بدل میں وہ جدید ذمہ داریوں کا بار اٹھانے یا ان فوائد اور منافع سے محروم ہونے کے لیے رضامند ہو جاتا ہے جن سے مستفید ہونے کی اس کو قانون سے اجازت ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنا مکان بیع کرنے کے لیے اقرار کرتا ہے

تو اس کے اقرار کا بدل مشتری کا زرثمن ادا کرنے کا وعدہ ہے اسی طرح اگر وہ اپنے اہل وعیال کے نام اپنی جائداد تملیک کرنے کا معاہدہ کرتا ہے تو اس کا بدل وہ فطرتی محبت والفت ہے جو شوہر اور پدر کو اپنی زوجہ اور اطفال سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص دیوالیہ اپنے اس قرضے کو ادا کرنے کا وعدہ کرے جس کو اس نے دیوالہ نکلنے کے پہلے لیا تھا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنے اس اخلاقی فرض کی ادائی سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے اور یہی اخلاقی سبکدوشی کا خیال اس کے معاہدہ کرنے کا بدل ہے حالانکہ قانون میں دیوالیہ ادائی دین کی ذمہ داری سے بری سمجھا جاتا ہے بہرحال بدل کے اس سب سے زیادہ وسیع مفہوم کے لحاظ سے جو اس فقرے کی ابتدائی سطور میں بیان کیا گیا ہے کوئی شخص جس کے ہوش وحواس بجا ہوں کبھی کوئی ایسا معاہدہ نہیں کرسکتا جس کے لیئے بدل کے اقسام سے کسی ایک قسم کا پہلے سے نہ تقرر کیا گیا ہو۔ ہر ایک قسم کی رضامندی کے لیئے کسی معقول اور موثر وجہ کا ہونا لازم ہے۔ اچھا جب یہ بات ہے تو اس قاعدے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ قانون میں جواز اقرار کے لیئے بدل مشروط کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قانون کو جس بدل کی ضرورت ہے وہ وہی بدل ہے جو اس کے نزدیک کافی سمجھا جاتا ہو فریقین کا اپنی رائے میں کسی بدل کو کافی سمجھ لینا بدل کو قانون میں جائز اور کافی نہیں قرار دلوا سکتا۔ قانون نے حکمانہ طور پر جن امور کو رضامندی (یعنی اقرار یا معاہدہ) کا جائز اور کافی بدل قرار دے رکھا ہے اور جن امور کو بدل کے لیئے ناجائز اور ناکافی ٹھہرادیا ہے اُن کو اختیار کرنا اور اُن پر عمل کرنا فریقین معاہدہ کا فرض ہے اور اگر لوگ اپنے اقرارات کا بدل اُن امور کو قرار دیتے ہیں جن کا بدل قرار دیا جانا قانون میں منع کیا گیا ہے تو اُن کے حال زار پر افسوس کرنے کے سوائے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قانون روما کا مقولہ ہے کہ عہد بلا بدل کے متعلق دعوے نہیں کیا جاسکتا اس لیئے جو فریق معاہدہ کرنے میں بدل قانونی کا خیال نہ رکھے اس کو اپنی غلطی کا نقصان آپ اُٹھانا لازم ہے۔

بدل کی وہ کون قسمیں ہیں جو قانون میں پسندیدہ نظروں سے دیکھی جاتی ہیں اور جن کی بنا پر معاہدات قابل نفاذ متصور ہوتے ہیں؟ اس کے متعلق ایک کلیہ بیان

کیا جا سکتا ہے کہ معاہدے کے قابل نفاذ قرار پانے کے لیے کوئی بدل (قانون میں) جائز اور موثر نہیں سمجھا جاتا ہے بجز اس کے کہ وہ قیمتی ہو۔ بدل قیمتی سے مراد ایک ایسی قیمتی شئے ہے جس کو ایک فریق دوسرے فریق کے عہد کے معاوضے میں دیتا ہے۔ قانون انگلستان کی رو سے (بجز ان معاہدات کے جن پر مہر کا ثبت ہونا یا جنکی رجسٹری کرانا لازم ہے) فریقین معاہدہ اپنے عہد کے اس وقت تک پابند نہیں سمجھے جاتے جب تک کہ معاہد کو اس کی شئے کے معاوضے میں معاہد لۂ سے کوئی شئے وصول نہ ہو۔ یعنی معاہد جس سلوک کا معاہد لۂ سے وعدہ کرتا ہے اُس کے معاوضے میں اس کو کسی بدل کا ملنا لازم ہے۔ یک جانبہ معاہدات جن میں تمام ذمہ داری اور فرض ایک ہی جانب یعنی ایک فریق پر عائد ہوتا ہے اور دوسرے فریق کی جانب سے فریق ذمہ دار کو نہ تو کچھ معاوضہ ملتا ہے اور نہ کسی معاوضے کے دیئے جانے کا وعدہ کیا جاتا ہے قانون میں بے اثر اور ناقابل نفاذ خیال کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک جائز اور قابل نفاذ معاہدہ معاملۂ ذیل کی شکل میں لایا جا سکتا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو نفع پہنچاتا ہوں تو اُس کو بھی مجھے فائدہ پہنچانا چاہیئے[1]

جو شئے بطور بدل دی جاتی ہے اُس کی کچھ نہ کچھ قیمت ہونا لازمی ہے یعنی اُس شئے سے کسی ایک فریق یا فریقین کو ایک معقول نفع پہنچنا چاہیئے۔ بدل کے ذریعے سے کوئی نفع یا فائدہ اس عہد کی ذمہ داری کے معاوضے میں معاہد کو پہنچنا چاہیئے جس کا بار وہ اپنے پر عائد کرتا ہے یا معاہد لۂ کو اُس نفع کے معاوضے میں جو اس کے عہد کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے کچھ نقصان یا خسارے کا پہنچنا لازم ہے۔ عموماً بدل کے یہی دو صفات یا اثرات ہوتے ہیں لیکن بعض وقت بدل کی صرف ایک صفت بھی اس کو موثر اور جائز بنانے کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے مثلاً اگر میں کسی شخص کے مال کو کسی معاوضے کے بغیر اپنی تحویل میں رکھنے کا وعدہ کرلوں اور اُس کا مالک اس مال کو

---

[1] لیکن اس شکل میں ایسے معاہدات داخل نہیں ہیں جن پر مہر کا ثبت کیا جانا یا جن کی رجسٹری کرانا ضروری ہے۔ اس قسم کے معاہدات کو مستثنیات سمجھنا چاہیئے اور ان مستثنیات پر انگریزی قانون کے مسئلۂ بدل کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔

میرے حوالے کر دے تو مجھ پر گو ایسے معاہدے کے لیئے کچھ معاوضہ نہیں ملتا ہے اس عہد کا ایفا لازم ہے کیونکہ معاہد لہٗ مجھ پر اعتماد کر کے جو اپنا مال میری حفاظت میں دیتا ہے اُس کی وجہ سے اُس کا قبضہ مال پر سے اُٹھ جاتا ہے اور اُس کو ایک طرح کا نقصان پہنچتا ہے اس لیئے معاہد لہٗ کا یہی نقصان اس معاہدے کا بدل متصور ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس شے کی جو بطور بدل دی جاتی ہے کچھ قیمت نہ ہو یا فریقین کی ذات کو اس شئے سے کچھ نفع یا نقصان نہ پہنچتا ہو تو ایسی شئے بدل کے لیئے کتفی نہیں ہو سکتی اور اس بناء پر معاہدہ ناجائز اور باطل ہو جاتا ہے۔ ایک فریق کا اس کام کو انجام دینے کے لیئے دوسرے فریق سے عہد کرنا جس کا کرنا اُس کا فرض ہے یا پہلے شخص کا دوسرے شخص کے مقابلے میں اپنے اس دعوے یا حق سے دست بردار ہونا جو بے بنیاد ہو اس قسم کے بدل کی مثالیں ہیں۔

لیکن بعض مخصوص صورتوں میں بے قیمت بدل بھی قانون میں جائز اور کافی سمجھا جاتا ہے مثلاً اپنے قرضے کی ادائی میں معاہد کا معاہد لہٗ کو ایک پرامیسری نوٹ یا کوئی دوسری دستاویز قابل بیع و شریٰ کا دینا جائز ہے۔ اس طرح کے نوٹ یا دستاویز کے ذریعے سے ادائی رقم کا جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ بظاہر بلا بدل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ نوٹ یا دستاویز دینے والے کے ذمے جو دین قابل ادائی ہے وہ ایک فرض قانونی ہے اور چونکہ نوٹ وغیرہ کے ذریعے سے مقروض اپنے دین کے ادا کرنے کا عہد کرتا ہے اور وہ اپنی ذمہ داری قانونی سے سبکدوش ہوتا ہے اس لیے مدیون کے قرضے کا وجود اس طرح کے عہد کا بدل جائز سمجھا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں فرض اخلاقی بھی اسی طرح معاہدے کے لیئے بدل سمجھا جاتا تھا اور اس اخلاقی فرض کی بناء پر جس امر کے کرنے کا معاہد وعدہ کرتا تھا اُس کا ایفا کرنا اُس کے لیئے لازم تھا اور اگرچہ اب اس قاعدے کی ایک عام مسئلے کی سی حیثیت نہیں رہی ہے بر نہم اس اصول کا بعض حصہ اب بھی باقی رہ گیا ہے اور بعض حصہ قانون موضوعہ کی رو سے منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ چند سال پیشتر تک اگر کوئی دیوالیہ اپنے دیون کی ادائی کے متعلق عدالت سے بری الذمہ قرار پانے کے بعد اپنے کسی دائن سے قرضے کی اس رقم بقایا کا ادا کرنے کا وعدہ کر لیتا جو اُس کو مدیون کے

دیوالیہ قرار پانے کے سبب سے کامل طور پر نہ وصول ہوتی تو ایسا عہد از روئے قانون جائز اور قابل نفاذ سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس قسم کے عہد کا بدل مدیون کا اخلاقی فرض تھا یعنی دیوالہ نکلنے کے باوجود دین کا ادا کرنا از روئے اخلاق مدیون پر واجب ہے۔ ایسا ہی جب تک قانون اس بارے میں نہیں بدلا گیا اُس وقت تک اُن اشخاص کے معاہدات جو اپنے زمانہ نابالغی کے قرضہ جات کی ادائی کے متعلق بالغ ہونے کے بعد کرتے تھے موثر و قابل نفاذ متصور ہوتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس قرضے کی ادائی کے واسطے عہد کرنا جس پر تمادی عارض ہوگئی ہو اُس زمانے میں بھی جائز اور موثر ہے حالانکہ اس قسم کے معاہدے کا بدل ایک ایسا اخلاقی (اور ناقص قانونی) فرض ہے جو میعاد عارض ہونے کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے۔

مسئلۂ بدل کی معقول بنیاد کی نسبت ناظرین کا اس امر سے واقف ہونا ضرور ہے کہ قانون انگلستان میں جواز معاہدہ کے لیے بدل کا قرار داد کیا گیا ہے وہ ایک امر لازم نہیں بلکہ مشروط ہے جن معاہدات کا تحریر مسجل میں لایا جانا یا جن کی رجسٹری ہونا ضرور ہے اُن کے جواز کے لیے بدل کی مطلق ضرورت نہیں ہے بلکہ بدل ان معاہدوں کو جائز اور قابل نفاذ قرار دلواتا ہے جن کا دو بیان کردہ شکلوں میں شمار نہ کیا جاتا ہو۔ معاہدات اور بعض دوسری قسم کے اقرارات کے جائز ہونے کے واسطے بدل اور شکل (یعنی مخصوص ضابطہ) دونوں میں سے کسی ایک کی ضرورت ہے اور یہ خیال کرنا کہ ان دونوں کی بنا کے ایک ہی اسباب ہیں اور ان دونوں سے ایک ہی قسم کے اغراض کی تکمیل ہوتی ہے صحیح ہے۔ لوگوں کو اس نقصان سے محفوظ رکھنا جو معاہدات بلا بدل اور مبہم الفاظ کے ذریعے سے جن میں کہ اکثر معاہدات کئے جاتے ہیں ان کو پہنچتا ہے بدل اور شکل (مخصوص ضابطہ) کی غرض ہے۔ قانون ملک میں بعض وجوہ ترغیب و تحریکات اس رضامندی کے اظہار کے لیے جو بحالات معتدل غور و خوض کامل کے بعد دی جاتی ہے کفایتی خیال کئے گئے ہیں اور وہ تمام اقرارات خواہ وہ بے ضابطہ ہی کیوں نہ ہوں یعنی شکل مقررہ میں نہ ادا کئے گئے ہوں جن کی بنا اس قسم کی رضامندی ہے قانون میں جائز سمجھے جاتے ہیں

دوسری تمام صورتوں میں معاہدے کے جائز قرار پانے کے لیے اُس کا شکل مقررہ میں ادا کیا جانا ضرور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جواز معاہدہ کی بابت انگریزی قانون میں ضرورت سے زیادہ احتیاط کی گئی ہے اور غیر ملکوں کے نظامات قانون میں اس کی بابت بدل اور شکل مقررہ کے ذریعے سے اس طرح اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ بدل کی غیر موجودگی اور شکل کی عدم مطابقت سے معاہدات کا اثر ان نظامات قانونی میں زائل نہیں ہو سکتا ہے۔

جس شکل میں مسئلۂ بدل انگریزی قانون میں رائج ہو گیا ہے اگرچہ اس شکل میں اور اس طریقے سے کسی دوسرے نظام قانونی میں اس کو اختیار نہیں کیا گیا ہے لیکن اس پر بھی یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قانون انگلستان کا یہ کوئی خاص مسئلہ ہے بلکہ اس نظام میں جو مسئلۂ بدل اختیار کیا گیا ہے وہ اصل میں ترمیم ہے اس مسئلۂ بدل کی جو رومانیوں کے قانون میں رائج تھا اور زمانۂ موجودہ کے بعض نظامات قانونی میں نافذ ہے خصوصًا فرانس میں اس پر عمل کیا جاتا ہے چنانچہ فرانس کے مجموعۂ قانون دیوانی کے آرٹیکل ۱۱۳۱ میں لکھا ہے کہ "وہ بلاسبب یا سبب غلط یا سبب ناجائز کے باوجود ایک (معاہدہ واجب) قابل نفاذ و تعمیل سمجھا جائے گا"[1] اس فقرے میں لفظ سبب مرادف ہے بدل کا اور اسی طرح انگریزی قانون کی قدیم مستند کتابوں میں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے بجائے استعمال کئے گئے ہیں[2]۔ بہرحال اس اصول میں جس پر انگلستان کا مسئلۂ بدل مبنی ہے اور اس اصول میں جو اقلیم یورپ کے دوسرے نظامات قانونی میں بدل کے متعلق رائج ہے ایک بیّن اور اہم فرق ہے جس طرح پہلے نظام میں ناکافی ہونے کی وجہ سے بدل کے تسلیم کئے جانے سے انکار کیا جاتا ہے اس طرح دوسرے

---

[1] اس کے ساتھ مقابلہ کرو ڈائجسٹ ۴۴-۴-۲-۳-...... اس کے علاوہ دیکھو ڈائجسٹ ۱۲-۷-۱-

[2] سامنڈ مضامین متعلقۂ اصول قانون و تاریخ قانون صفحہ ۲۱۹-

نظامات قانونی میں محض اُس کے ناکافی ہونے کی بنا پر ناجائز نہیں
سمجھا جاتا - فریقین معاہدہ جس تحریک اور ترغیب کو اپنی تشفی کا باعث
قرار دیتے ہیں وہی ترغیب و تحریک قانون کی تشفی کے لیئے کافی سمجھی
جاتی ہے جس طرح قانون انگلستان میں ہبہ بلا بدل قیمتی تک ان صورتوں
میں جہاں مہر و الفت یا کار ہائے خیر کو انجام دینے کا خیال بدل سمجھا
جاتا ہے جائز قرار دیا گیا ہے اسی طرح ان دوسرے نظامات قانون
میں ہر ایک قسم کا بدل جواز معاہدہ کے لیئے کافی خیال کیا جاتا ہے
فرانسیسی قانون میں کسی واجب بلاسبب معاہدہ بلا بدل سے مراد
ایسا معاہدہ نہیں ہے جو کسی تحریک یا ترغیب کے بغیر کیا گیا ہو (کیونکہ
اس قانون میں تحریک یا ترغیب کی بنا پر معاہدے کا قیام نہیں ہوتا ہے)
اور ان الفاظ سے نہ ایسا کوئی معاہدہ مراد ہے جس کی بنا کوئی ناموزوں
تحریک یا ترغیب ہو (کیونکہ اس قانون میں تحریک و ترغیب کے موزوں
یا ناموزوں ہونے کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے) لیکن واجب بلاسبب
کا مفہوم اس قانون میں ایسا معاہدہ ہے جس کا بدل موجود نہ ہو اور جسکو
رومانی (Causa non secuta) سبب ناپید کہتے تھے - اسی آرٹیکل محولہ
میں ناجوازی معاہدہ کی جو دوسری وجہ بیان کی گئی ہے وہ سبب غلط یعنی
بدل مبنی بر غلطی ہے بعض وقت بدل کے قرار دینے میں فریقین سے غلطی
ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے ایسا بدل حقیقی نہیں بلکہ خیالی اور بے بنیاد
شئے ہو جاتا ہے مثلاً اگر میں کسی گھوڑے کے خرید نے کا اقرار کرلوں درانحالیکہ
وہ مر گیا ہو اور اُس کا مجھے علم نہ ہو یا میں کسی جہاز کے مول لینے کا وعدہ کرلوں
اور وہ طوفان میں آکر ٹوٹ پھوٹ گیا ہو اور جس کی مجھ کو اطلاع نہ ہو یا میں
کسی ایسے قرضے کی ادائی کے لیئے ایک پرامیسری نوٹ اس شخص کے حوالے
کروں جس کا میں مدیون نہ ہوں تو اس طرح کے معاہدات کے بدل کو بدل مبنی بر غلطی
کہتے ہیں - لیکن جس طرح (Causa túrpio) بدل ناجائز سے قانون روما
میں معاہدے کا اثر باطل قرار پاتا تھا اسی طرح ناجائز بدل کی وجہ سے

انگریزی اور فرانسیسی نظامات قانون میں معاہدہ بے اثر اور ناقابل نفاذ ہو جاتا ہے
بدل کی عدم موجودگی سے معاہدہ کرنے میں معاہد سے غلطی ہو جاتی
ہے اس لیۓ قانون انگلستان میں بدل کی عدم موجودگی اور اس کے غلطی
پر مبنی ہونے کو معاہدہ کے اسباب ناجوازی میں شمار کیا جاتا ہے لیکن ان
دونوں وجوہ سے معاہدہ صرف ایسی حالت میں ناجائز قرار پاتا ہے جبکہ
تکمیل عہد اس امر پر مشروط کی جائے کہ وہ شئے جو معاہدے کا بدل قرار دیجاتی
ہے موجود ہے اور تکمیل عہد تک موجود رہیگی۔ اس کے برخلاف ان
معاہدات میں جو مال منقولہ کی بیع کے متعلق کئے جاتے ہیں مال کی موجودگی
اور اُس کا تلف نہ ہونا جواز بیع کے لیۓ شرط معنوی ہے[1]

---

[1] پاتھیر نے اپنی تالیف واجبات (معاہدات) دفعات از ۲۴ تا ۴۶ میں اور بارڈی لکنسٹر
نے اپنی تصنیف واجبات (معاہدات) فصول از ۲۹۵ تا ۳۲۷ میں بدل معاہدہ
کے متعلق فرانس کا قانون جمع کیا ہے۔ یہ امر کہ از روئے تاریخ انگریزی قانون کے مسئلۂ بدل
کو قانون روما کے مسئلۂ بدل سے تعلق ہے تصفیہ طلب ہے اس خیال کی تائید اور تردید میں
بہت کچھ بحث کی جاسکتی ہے۔

خلاصہ

واقعات ترتیبی { واقعات عطا کنندہ یا استحقاق۔ / واقعات سلب کنندہ } { استحقاق بنیادی — پیدائش یا خلقت حقوق / استحقاق استخراجی، واقعات نقال } انتقال حقوق / واقعات ہالک — اتلاف یا سقوط حقوق

واقعات ترتیبی { افعال قانون / افعال در نظر قانون (افعال قانونی) { یک جنبہ / ذو جنبین یا اقرارات }

اقرارات {
(۱) معاہدات۔ ان سے حقوق خلاف شخص پیدا ہوتے ہیں۔
(۲) عطیات۔ ان سے پہلی قسم کے سوائے دوسرے اقسام کے تمام حقوق کا قیام ہوتا ہے۔
(۳) انتقالات۔ ان کے ذریعے سے حقوق منتقل کئے جاتے ہیں۔
(۴) دست برداری۔ اس کے ذریعے سے حقوق کا اتلاف اور سقوط عمل میں لایا جاتا ہے۔
}

اسباب تعمیل اقرارات۔

اقرار اور وضع قانون کا مقابلہ۔

اقرارات { جائز / ناجائز } { کالعدم / ممکن الانفساخ }

اسباب ناجوازی

۱۔ ناقابلیت
۲۔ بیقاعدگی

۳۔ ناجوازی یعنی معاہدے کا خلاف قانون ہونا۔
۴۔ غلطی
۵۔ جبر۔
۶۔ کمی یا فقدان بدل۔

سترھواں باب

ذمہ داری

فصل ۱۲۵ ماہیت و اقسام ذمہ داری

ہر ایک شخص جس سے کسی فعل ناجائز کا ارتکاب ہو وہ اپنے فعل کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ ذمہ داری ایک ایسی زنجیر فرضی ہے جو مرتکب فعل ناجائز کو چارۂ کار حق نالش (یعنی متضرر کے حق نالش) سے جکڑ دیتی ہے اس زنجیر قانون کو محض ایک فرض یا وجوب نہ سمجھنا چاہیئے اس کا تعلق لفظ "لازم" کے اخلاقی اور ذہنی دائرۂ اثر سے نہیں بلکہ اس لفظ کے مادی اور اصلی دائرہ اثر سے ہے یعنی ارتکاب فعل ناجائز سے مرتکب پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور متضرر کو حق نالش پیدا ہونے سے مرتکب کے ساتھ جو تدارک کیا جاتا ہے وہ ازروئے اخلاق نہیں بلکہ ازروئے ضرورت وحقیقت لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس زنجیر قانون (یعنی ضرورت) کا ماخذ سلطنت کی اعلیٰ ترین مرضی ہے اور سلطنت جب معمولی طریقے سے اپنی افضیلت نہیں منوا سکتی ہے تو اپنی مرضی اور اس افضیلت کے ادعا کو مرتکب فعل ناجائز کی مرضی کے خلاف اپنی قوت جسمانی یعنی جبر سے ثابت کر دکھاتی ہے۔ جو شخص اپنے فرائض اخلاقی کی ادائی میں کوتاہی کرتا ہے اُس پر ان فرائض کی تکمیل ازروئے ضرورت وحقیقت واجب ہوجاتی ہے اور یہی واجبیت اُس کے لیئے اُس کی ذمہ داری ہے اور ایسے قاصر کی ذمہ داری کا تعین منجانب قانون ہوتا ہے لہذا مرتکب فعل ناجائز کی ذمہ داری کو قانون کی آخری خواہش (الٹی میٹم) سمجھنا چاہیئے [۱]

---

[۱] ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ لفظ ذمہ داری (لائیبلٹی) کا ایک وسیع مفہوم بھی ہے اور

ہمارا مقصد ہے کہ اس باب میں اور اس کے بعد جو دوسرے دو ابواب آئیں گے اُن میں ذمہ داری کے عام نظریے پر غور کریں اس لئے ذمہ داری کے متعلق سب سے پہلے ان مخصوص اور اصلی اصول کی تحقیق کریں گے جن کے ذریعے سے ذمہ داری کا وجود ہوتا ہے اور اُس کے نتائج مستنبط کئے جاتے ہیں نیز انھیں اصول کے ذریعے سے ہر ایک فعل ناجائز کی ذمہ داری کا معیار قرار دیا جاتا ہے لیکن ہم اپنی تحقیق میں ان مخصوص قواعد کو نظرانداز کرتے جائیں گے جن کا تعلق مخصوص قسم کے افعال ناجائز (جرائم) سے ہے کیونکہ وہ ہمارے مضمون سے غیر متعلق ہیں۔

ذمہ داری کی دو تقسیمیں کی گئی ہیں۔ پہلی تقسیم کے مطابق اُس کی دو قسمیں دیوانی طرز اور فوجداری طرز کی ذمہ داریاں ہیں اور دوسری تقسیم کے لحاظ سے اُس کے دو انواع ذمہ داری تعزیری Penal اور ذمہ داری چارہ کارانہ Remedial ہیں۔ ہم نے اس کے پہلے کسی ایک باب میں عدل گستری کے متعلق ذمہ داریوں کے اُن اقسام میں جو فرق ہے اُس کو تفصیل سے بیان کیا ہے چنانچہ ناظرین کتاب اس امر سے واقف ہو گئے ہیں کہ دیوانی طرز کی ذمہ داری سے مراد کسی شخص کا دیوانی طرز کی کارروائیوں کی جواب دہی کے لئے ذمہ دار ہونا ہے اور دیوانی کارروائی (یعنی دیوانی دعویٰ) کا اصلی مقصد مدعی کے حق محصلہ کو نافذ کرانا ہے۔ اس کے برعکس فوجداری ذمہ داری سے مراد فوجداری کارروائیوں کی ذمہ داری ہے اور اس طرز کی کارروائی کا مفہوم ایسا فوجداری دعوے ہے جس کا اصلی مقصد مدعی علیہ کو جس سے کسی جرم کا ارتکاب ہوا ہو سزا دلوانا ہوتا ہے[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اسکے لحاظ سے ذمہ داری کے معنی نہ صرف حق دعویٰ دیوانی یا حق نالش فوجداری ہیں بلکہ ہر ایک اختیار یا آزادی قانونی کی ضد بھی ہیں یعنی اس وسیع مفہوم کے لحاظ سے ذمہ داری ضد یا جواب ہے اختیار یا آزادی قانون کا۔

[1] کتاب ہذا کی فصل ۲۷ ملاحظہ طلب ہے۔

ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر اوقات قانون مجرم کو راست سزا دینے کے
عوض ایک جدید حق کو پیدا کرکے اور اُس کے متعلق ایک جدید فرض مجرم پر عائد
کرکے اُس حق کی تعمیل مجرم کے خلاف کراتا ہے مثلاً جن صورتوں میں مدعی علیہ کو
تاوان یا ہرجہ ادا کرنا پڑتا ہے ان اشکال میں اس طرح کے دعوی دیوانی کی غرض
ظاہرا اس حق مکافاتی کی تعمیل کرانی ہے جس کو مجدداً قانون نے پیدا کیا ہے
حالانکہ اس دعوے کی غایت باطنی یا غرض بالواسطہ مدعی علیہ کو اس جرم کے لئے
سزا دینا ہے جو اس جدید حق کا ماخذ ہے لہذا دوسری تقسیم کے متعلق ذمہ داری تعزیری
اور ذمہ داری چارہ کارانہ میں فرق کرنا نہایت ضروری اور مفید ہے پہلی قسم
کی ذمہ داری وہ ہے جس میں قانون کی غرض خواہ وہ بلاواسطہ ہو کہ بالواسطہ
مرتکب فعل ناجائز کو سزا دینی ہوتی ہے اور دوسری قسم کی ذمہ داری اُس ذمہ داری
کو کہتے ہیں جس میں قانون کی اس طرح کی غرض نہیں ہوتی بلکہ اُس کا اصل مقصد مدعی
کے حق کو نافذ کرانا ہوتا ہے اور اس ذمہ داری سے سزا دہی کا خیال بالکل غیر متعلق
سمجھا جاتا ہے مثلاً ادائی قرضہ کی نسبت مقروض کی جو ذمہ داری ہے وہ چارہ کارانہ
ذمہ داری ہے اور توہین تحریری Libel کے شائع کرنے والے کے قید کئے جانے
کے متعلق یا شخص ضرر رسیدہ کو ہرجہ ادا کرنے کی جو ذمہ داری ہے وہ تعزیری
ذمہ داری ہے ۔ ہر ایک قسم کی فوجداری ذمہ داری تعزیری ذمہ داری ہے اور
برخلاف اس کے دیوانی طرز کی ذمہ داریوں میں بعض ذمہ داریاں تعزیری ہیں اور
بعض چارہ کارانہ ہیں[1]

فصل ۱۲۶ نظریہ متعلق ذمہ داری چارہ کارانہ

جس نظریے پر ذمہ داری چارہ کارانہ مبنی ہے وہ چنداں دشوار نہیں ہے
بلکہ اس نظریے کا ایک عام اصول کے طور پر سپرد قلم کرنا ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ
جب قانون کسی امر کو ایک فرض قرار دیتا ہے تو اُس کی تعمیل مختص کرانا بھی قانون کو

[1] کتاب ہذا فصل ۱۴۴ ملاحظہ طلب ہے۔

لازم ہے۔ ذمہ داری چارۂ کارانہ کا وجود اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ مدعی علیہ کے ذمے کسی فرض قانونی کی بجاآوری ہو اور اُس نے اُس کی تعمیل نہ کی ہو۔ جب کسی قاعدۂ قانونی کی رو سے کسی کام کا کرنا ایک شخص کے ذمے ہو اور وہ شخص اُس فعل کو انجام نہ دے تو منجانب قانون اُس فعل کی انجام دہی کے لیئے اُس شخص کا مجبور کیا جانا لازم ہے۔ قانون میں لفظ لازم یا فرض کے اخلاقی اور ذہنی مفہوم پر نہیں بلکہ اُس کے اصلی اور مادی مفہوم پر عمل کیا جاتا ہے اور اس لیئے جس شخص پر کسی فعل کا اخلاقاً کرنا لازم ہے قانون میں اسی فعل کا کرنا اُس کے لیئے ناگزیر ہو جاتا ہے اور اگر وہ اُسکی بجاآوری میں قاصر ہے تو قانون بجبر اُس سے اُس کی تعمیل کراتا ہے اس لیئے قانون میں فرض اور ذمہ داری چارہ کارانہ کا بالعموم ایک ہی مفہوم ہے اور یہ دونوں الفاظ متحد الوجود ہیں لیکن اس پر بھی اس عام اصول کے حسب ذیل چند مستثنیات ہیں:۔

۱۔ اولاً یہ کہ بعض فرائض ناقص الوجود ہیں یعنی ایسے فرائض جن کی خلاف ورزی کے سبب سے کسی قسم کا حق دعویٰ نہیں پیدا ہوتا اور اُن کی خلاف ورزی سے مرتکب پر کسی قسم کی ذمہ داری خواہ دیوانی طرز کی ہو کہ فوجداری خواہ تعزیری ہو کہ چارۂ کارانہ عائد نہیں ہوتی۔ مثلاً ایسے دیون جن پر تمادی عارض ہو گئی ہے یا تاج انگلستان کے ذمے جو قرضہ ہو فرائض ناقص الوجود ہیں۔ اگرچہ اس قسم کا قرضہ قانونی دین ہے لیکن اس کی ادائی کے متعلق کسی قانونی کارروائی[1] کے ذریعے سے مداین مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ ثانیاً یہ کہ اکثر فرائض کی ماہیت کچھ اس قسم کی ہے کہ جب ایک مرتبہ شخص ذمہ دار سے ان کے متعلق خلاف ورزی ہو جائے تو پھر اُن کی تعمیل ممکن نہیں ہو سکتی۔ مثلاً جب کسی توہین تحریری کی اشاعت ہو جائے یا کسی شخص سے حملۂ مجرمانہ کا ارتکاب ہو تو توہین کا اشاعت کرنے والا اپنے فرض کو ادا کرنے

---

[1] کتاب ہذا کی فصل ۸ ملاحظہ طلب ہے۔

اور حملۂ مجرمانہ کا مرتکب اپنے فعل سے مجتنب ہونے کے لیئے مجبور نہیں کیا جاسکتا اسی لیئے اس قسم کے افعال ناجائز کو جرائم عارضی (Tran sitory) کا لقب دیا گیا ہے اور جب ایک مرتبہ ان میں سے کسی ایک فعل ناجائز کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو پھر اُس کا انسداد ممکن نہیں ہوتا۔ مگر بعض ایسے فرائض ہیں جو قائم اور جاری رہتے ہیں۔ دین کا ادا نہ ہونا امر باعث تکلیف (عام یا خاص) کا ارتکاب یا غیر شخص کے مال یا جائداد کو روک رکھنا ان فرائض کی مثالیں ہیں ایسی صورتوں میں خلاف ورزی ہونے کے باوجود شخص ذمہ دار سے اس فرض کی تعمیل مختص کرائی جاسکتی ہے کیونکہ ان فرائض کی ماہیت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اُن کی ایک دو مرتبہ کی خلاف ورزی کے اثر سے اُن کے قیام اور اجرا میں فرق نہیں آنے پاتا۔

۳۔ ثالثاً یہ کہ ہر چند بعض فرائض کی تعمیل مختص کرنا ممکن ہے تاہم اُن کی خلاف ورزی کی صورت میں یا تو صرف قانون فوجداری کے ذریعے سے کام لیا جاتا ہے یا قانون اُن کے بجائے کسی دوسرے فرض مکافاتی کو قائم کر کے خلاف ورزی کرنے والے سے اس فرض کی بجا آوری میں تاوان رقمی دلاتا ہے مثلاً معاہدے کی مخصوص صورتوں میں اُس کی تعمیل مختص کی جاتی ہے ورنہ خلاف ورزی معاہدہ کا چارۂ کار عموماً تاوان یا ہرجے کا پانا ہے۔

فصل ۱۲۷ نظریۂ متعلق ذمہ داری تعزیری

اب ہم اپنی تحقیق کے اصل مضمون سے بحث کرنا چاہتے ہیں اور اصل مضمون سے ہماری مراد ذمہ داری تعزیری کے عام اصول ہیں۔ اب ہم کو قانون کے اس نظریے پر غور کرنا ہے جس کا تعلق سزا سے ہے۔ اس نظریے کا اطلاق قانون فوجداری پر کیا جاتا ہے اور نیز قانون دیوانی کے وہ حصے اس کے تابع ہیں جن سے اور جن پر خیال سزا متعلق اور موثر ہے۔ ہم نے اس سے پہلے سابق کے کسی ایک باب میں اغراض سزا کو بیان کیا ہے ناظرین اس امر سے واقف ہیں کہ سزا دینے کی چار ضرورتیں اور اغراض ہیں یعنی لوگوں میں عبرت کا پیدا کرنا، جرائم کا انسداد اور

مجرمین کی اصلاح نیز اُس ضرر اور نقصان کا انتقام لینا جو ضرر رسیدہ کو پہنچتا ہے۔
ان اغراض میں کی پہلی غرض سب سے زیادہ اہم ہے اور یہی ایک مخصوص غرض ہے جس کے واسطے معدلت فوجداری کی ایجاد ہوئی ہے باقی تین اغراض چنداں ضروری نہیں ہیں بلکہ اُن کو اغراض ثانوی سمجھنا چاہیئے۔ لہذا ہم بھی اپنی تحقیق موجودہ میں اپنی تمام توجہ سزائے عبرتناک کے متعلق منعطف رکھیں گے۔ ہم نے اس تفتیش کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔ (۱) پہلے حصے کا شرائط سے (۲) دوسرے حصے کا اثر اور نتیجے سے (۳) تیسرے حصے کا ذمہ داری تعزیری کی مقدار سے تعلق ہے۔

ذمہ داری تعزیری کے متعلق جو عام شرائط ہیں اُن کا نہایت صحت اور اختصار و خوبی کے ساتھ اس قانونی مقولے میں جس کو زبان لاطینی کا جامہ پہنایا گیا ہے اظہار کیا گیا ہے کوئی فعل بذات خود جرم نہیں ہے جبتک کہ اس میں کسی قلب مجرمانہ کی شرکت نہ ہو۔ یعنی کسی شخص پر ذمہ داری تعزیری عائد کرنے کی پہلی دو شرطوں کی تعمیل و تکمیل کا ہونا لازمی ہے اور ان کے لیئے بنظر سہولت دو اصطلاحیں مقرر کی گئی ہیں اور اُن کو مادّی اور صوری شرائط ذمہ داری کہتے ہیں شخص ذمہ دار سے یا اُس شخص سے جو اپنے فعل کے لیئے ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے کسی فعل کا صادر ہونا شرط مادّی ہے۔ ہر ایک شخص صرف اُس کام یا فعل کا ذمہ دار ہے جس کو وہ خود کرتا ہے لیکن وہ دوسروں کے افعال کے لیئے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور وہ اُن واقعات کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا جو قوت و امکان بشری سے خارج ہیں۔۔ اس کے برعکس شرط صوری کا تعلق اس قلب مجرمانہ (ارادۂ فاسد یا مجرمانہ) سے ہے جس سے انسان کوئی فعل کرتا ہے۔ اگرچہ بعض افعال منتج بہ ضرر ہونے کی وجہ سے قانون میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں لیکن کسی شخص کو سزا دینے کیلیئے جب تک قانون میں اُس کی حالت قلبی (نیت کے نیک و بد ہونے) کی تحقیق نہ کرلی جائے محض اُس سے کسی فعل ناجائز کا سرزد ہونا کافی نہیں ہے قانون اُسی شخص کو سزا دیتا ہے جو نیت مجرمانہ کے ساتھ فعل ناجائز کا مرتکب

ہوتا ہے اور یہی قانون کا انصاف ہے بسا اوقات انسان سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو نتیجتہً اور بظاہر افعال ناجائز (یا جرائم) معلوم ہوتے ہیں لیکن انکے فاعل کی نیت اور مرضی غیر مجرمانہ ہوتی ہے۔

ناظرین کو کچھ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ قلب مجرمانہ کا مرتکب فعل کی دو مخصوص قلبی حالتوں سے تعلق ہے ایک حالت کو نیت (ارادہ) اور دوسرے کو غفلت کہتے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے افعال ناجائز کے لیئے عموماً اسی صورت میں تعزیراً ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ وہ ان ناجائز افعال کو ارادتاً یا غفلت کے ساتھ کرتا ہے۔ پس انھیں دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں مرتکب کے فعل کے ساتھ قلب مجرمانہ (نیت فاسد و بد) کی شرکت ہوتی ہے اور صرف انہی دو حالتوں میں ذمہ داری کی دو شرطوں اصلی (مادی) اور صوری (ظاہری) کا ایک ہی وقت میں وجود ہوتا ہے اور صرف ایسی ہی حالت میں سزا کا دیا جانا منصفانہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو سزا ان شرائط کی تکمیل کے بعد دی جاتی ہے وہ موثر ہو سکتی ہے۔ ناگزیر غلطی یا حادثے کے لیئے کسی شخص پر تعزیری ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی کیونکہ ایسی صورت میں مرتکب کی جس سے غلطی یا حادثے کا ارتکاب منسوب کیا جاتا ہے نیت مجرمانہ اور غفلت مستلزم سزا کا وجود نہیں ہو سکتا۔ لہذا حادثۂ ناگہانی اور اور غلطئ ناگزیر کا ذمہ داری تعزیری کی عام مستثنیات میں شمار کیا جاتا ہے چنانچہ رومائیوں کا مقولہ تھا کہ اگر ایک شخص دوسرے شخص کو ارادتاً نہیں بلکہ حادثتاً یا غفلتاً (بطور حادثہ یا غفلت کے) نقصان پہنچائے (تو ضرر رساں پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی) تو پہلا شخص بری الذمہ ہے[1]

ہم ذمہ داری کی ان دو شرائط پر علیحدہ علیحدہ غور کریں گے اولاً تصور فعل کی اور ثانیاً قلب مجرمانہ کی اس کی دو شکلوں یا قسموں نیت اور غفلت میں تحلیل کی جائے گی[2]

---

[1] گائیس ۳ (شرح سوم) دفعہ ۲۱۱۔

[2] لوگ فلسفۂ اخلاق کے ذریعے سے جرم یا فعل ناجائز کے ظاہری اور اصلی ہونے کے فرق سے

فصل ۱۲۸ افعال

منجملہ چند مبہم اصطلاحات کے ایک مبہم اصطلاح فعل کی بھی ہے اور لفظ فعل کے چند ایسے عام معنی ہیں جن کی عمومیت کے مدارج ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فعل شرائط ذمہ داری کی ایک ضروری شرط ہے تو ہم اصطلاح فعل کو اُس کے سب سے زیادہ عام مفہوم میں استعمال کرتے ہیں یعنی فعل سے ہماری مراد ایک ایسا واقعہ ہے جو انسان کی مرضی کے تابع ہے اور انسان اس پر اپنی نگرانی رکھتا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ فعل کی یہ تعریف کوئی قطعی تعریف نہیں ہے تاہم یہ تعریف اغراض قانون کے لئے مکتفی ہو سکتی ہے۔ انسان کی مرضی (ارادہ) کی کیا ماہیت ہے اور افعال انسانی پر اس کا کہاں تک اختیار ہے۔ ان مسائل سے طلبائے قانون اور قانون پیشہ لوگوں کو کوئی سروکار نہیں ہے اور مقننین کو ان کی نسبت بحث کرنی چاہیئے کیونکہ ان مسائل کا تعلق اصول قانون سے نہیں بلکہ علم روح انسانی یا علم ترکیب اجسام حیوانات سے ہے۔

۱۔ افعال مثبت و منفی (سالمہ)۔ فقرۂ بالا میں فعل کی جو تعریف کی گئی ہے اُس کی رو سے افعال کی چند انواع قرار دی گئی ہیں۔ اپنی پہلی نوع کے لحاظ سے افعال مثبت و منفی یا افعال متعلق بہ ارتکاب و افعال متعلق بہ اجتناب ہیں۔ مرتکب فعل ناجائز سے دو قسم کے افعال ہوا کرتے ہیں فعل ناجائز کے فاعل سے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ بخوبی واقف ہیں۔ کسی فعل کا اصلی طور پر یا بذات خود بُرا ہونا اُسکی حقیقی ماہیت، اُس کے حالات اور نتائج پر منحصر ہے۔ مثلاً اس میں شک نہیں کہ دیوانہ جو اپنے محافظ کو مار ڈالتا ہے ایک جرم سنگین کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اس کا جرم ضابطے کی گرفت سے خارج ہے۔ یہی حالت اس شخص کی ہے جو محض اپنی شدید اور لاعلاج جہالت کی وجہ سے کسی ایسے قاعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے جس کا تعلق حق سے ہوتا ہے۔ فعل ناجائز کے اصلی یا مادی ہونے سے مرتکب مستوجب سزا نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کے قابل سزا ہونے کے لیے فعل ناجائز کا صوری ہونا یعنی ضابطے کی گرفت میں آنا ضرور ہے۔

دو قسم کے افعال کا ارتکاب ہوا کرتا ہے یعنی وہ ایسے فعل کا مرتکب ہوتا ہے (جس کو نہ کرنا چاہیئے) یا وہ اس فعل کو نہیں کرتا ہے جس کا کرنا اس کو لازم ہے۔ اصطلاح فعل کا زیادہ تر استعمال اُس کے تنگ مفہوم کے لیئے کیا جاتا ہے یعنی لفظ فعل محاورے میں افعال مثبت کے لیئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے فعل ضد سمجھا جاتا ہے حذف یا اجتناب کا اور اجتناب کے معنی اس سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔ بہرحال محاورے کے لحاظ سے فعل کا مفہوم جو اس طرح محدود اور مخصوص کر دیا گیا ہے اس سے ادب قانونی میں ایک قسم کی اُلجھن پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ہم لفظ فعل کے عام یا جنسی معنوں کو اختیار کریں تو ہم نہایت آسانی سے اُس کی دو انواع مثبت اور منفی میں فرق کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم اس اصطلاح کو افعال متعلق بہ ارتکاب کے لیئے مخصوص یا محدود کر دیں تو فعل کی جنس کے لیئے ہمارے پاس کوئی لفظ باقی نہیں رہتا اور ہم کو مجبوراً وہ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس کے ذریعے سے انواع کا شمار کرنا ممکن ہے لیکن جنس کے لیئے وہی لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے جو نوع کے واسطے مقرر کیا گیا ہے لہذا لفظ فعل کو اس کی ایک نوع کیلئے مخصوص کر دینے سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

۲۔ افعال ذہنی اور خارجی۔ دوسری تقسیم کے لحاظ سے افعال ذہنی اور خارجی ہیں۔ پہلی قسم کے افعال کا تعلق انسان کے ذہن یعنی دماغ اور دوسری قسم کے افعال کا تعلق انسان کے جسم سے ہے۔ ہر ایک فعل خواہ ذہنی ہو کہ خارجی مثبت یا منفی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کی جسمانی حرکت یا سکون یا دماغی حرکت یا سکون سے ہے۔ مثلاً خیال کرنا فعل ذہنی ہے اور گفتگو کرنا یا لکھنا فعل خارجی ہے۔ ایسا ہی علم حساب کے کسی سوال کو ذہن میں حل کرنا انسان کے ذہن یا دماغ کا فعل ہے اور اُسی سوال کو کاغذ پر حل کرنا انسان کے جسم کا فعل ہے۔ ہر ایک خارجی فعل ایسے ایک ذہنی فعل پر مشتمل ہوتا ہے جس کا اُس سے تعلق ہے لیکن اسکا برعکس صحیح نہیں ہے کیونکہ دماغ انسانی کے اکثر ایسے افعال ہیں جن کا انسان کے افعال جسمانی کے ذریعے سے ظہور نہیں ہوتا ہے۔ افعال کی ایک دوسری تقسیم کے متعلق بھی ہم ناظرین کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اصطلاح فعل عموماً افعال خارجی کیلیئے

محدود ہوگئی ہے اور اُس کے محدود کئے جانے سے وہی دشواری پیدا ہوتی ہے جس کا تفصیل سے فقرۂ بالا میں ہم نے افعال مثبت و منفی کے امتیاز کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ افعال ارادی اور غیر ارادی۔ اس تیسری تقسیم کے مطابق افعال کے ارادی اور غیر ارادی ہونے میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ ارادے کی ماہیت وغیرہ کے متعلق ہم تفصیل سے بعد میں بیان کریں گے لیکن اس مقام پر اس قدر کہنا کافی ہے کہ فعل بالقصد یا فعل ارادی اُس فعل کو کہتے ہیں جس کو مرتکب حصول مقصد کی غرض سے اپنے تصمیم ارادہ سے انجام دیتا ہے جو اُس کے ذہن میں ہے۔ بالفاظ دیگر جب مرتکب کو کسی مقصد کا حاصل کرنا منظور ہو اور اس کے متعلق اُس نے پیش بینی کرلی ہو تو جو فعل وہ اپنی اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے اپنے تصمیم ارادہ سے کرتا ہے وہ فعل ارادی کہلاتا ہے اور اُس کے برخلاف جو فعل کسی مقصد کے حصول کے واسطے مرتکب کے تصمیم ارادہ کے بغیر کیا جاتا ہے اُسکو فعل غیر ارادی کہتے ہیں۔

ان دونوں صورتوں میں فعل کا ذہنی یا خارجی اور مثبت یا منفی ہونا ممکن ہے ہر چند اصطلاح حذف کا اکثر اُس کے وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس بناء پر اُس کا اطلاق ہر ایک قسم کے فعل منفی پر کیا جاتا ہے اس پر بھی لفظ حذف کا ایک تنگ مفہوم بھی ہے اور اُس مفہوم میں صرف ایسے افعال داخل ہیں جو غیر ارادی اور منفی ہیں۔ ان تنگ معنوں کے لحاظ سے حذف ضد سمجھی جاتی ہے ایسے اجتناب کی جو فعل ارادی و منفی ہے۔ مثلاً اگر میں کسی شخص سے ملاقات کرنے کے لئے وقت کا تعین کرلوں اور تعین ملاقات کا خیال میرے ذہن سے فراموش ہوجائے اور میں شخص ملاقی کا انتظار نہ کرکے اُس کو اپنی ملاقات سے محروم کردوں تو میرا یہ فعل غیر ارادی اور منفی ہے لیکن اگر تعین ملاقات کا مجھے خیال رہے اور میں اپنے وعدے کو ایفا نہ کرنے کا ارادہ کرلوں تو میرا فعل ارادی اور منفی یعنی متعلق بہ اجتناب ہوگا یا یہ کہ میرا ارادتاً اُس شخص سے نہ ملنا ایک قسم کا اجتناب ہوگا۔

اصطلاح فعل کا استعمال عموماً افعال ارادی کے لیئے محدود کردیا گیا ہے لیکن لفظ مذکور کو اس طرح محدود کردینا قانون میں جائز نہیں ہے۔ ارادہ ذمہ داری قانونی کی ایک ضروری شرط نہیں ہے اور اس لیئے وہ اُن افعال کا جن سے اس طرح کی ذمہ داری پیدا ہوتی ہے ایک ضروری عنصر نہیں سمجھا جاتا۔ اگرچہ فعل ایک ایسا واقعہ ہے جو تصمیم ارادہ کے تابع ہے لیکن اس تصمیم اور اختیار کا فی الواقع عمل میں لایا جانا ضرور نہیں ہے۔ مرتکب کے ارادے کا حقیقت میں تعین کیا جانا امر لازمی نہیں ہے بلکہ فعل کی ذمہ داری کے متعلق مرتکب کا اپنے ارادے پر اختیار رکھنے کا امکان ہی کافی ہے۔ اگر مرتکب اپنے اس اختیار کو جو اُس کو اُس کے ارادے پر حاصل ہے فی الواقع عمل میں لایا ہو تو فعل جو اس ارادے کا نتیجہ ہے فعل ارادی ہے اور اگر مرتکب کا ارادہ خوابیدہ یعنی ساکن ہے تو اُس کا فعل غیر ارادی ہوتا ہے لیکن ان دونوں صورتوں میں جو واقعہ کہ سرزد ہوتا ہے وہ فعل ہے کیونکہ مرتکب کو خواہ اُس کا فعل ارادی ہو کہ غیر ارادی اپنے ارادے پر اختیار حاصل رہتا ہے اور جب تک اس اختیار کا وجود ہے مرتکب کا فعل خواہ وہ اپنے ارادے سے اسکا ارتکاب کرے یا ارادے کے بغیر فعل کہلاتا ہے۔ مثلاً انسان کی حرکات عضلاتی کو افعال کہتے ہیں اور اُس کے حرکات قلبی پر افعال کا لفظ صادق نہیں آسکتا۔ اسطرح انسان کا اپنے ہاتھ کو حرکت نہ دینا ایک فعل ہے اور انسان کا اپنے کانوں کو حرکت نہ دینا فعل نہیں ہے۔ مراقبہ کرنا یا مراقبے میں جانا فعل ہے لیکن خواب دیکھنا فعل نہیں ہے۔ کسی کام کے نتیجے پر پہنچنے کا اختیار یا قوت جو مجھ کو عطا کی گئی ہے اُس کے سبب سے ہر ایک واقعہ جو میرے ذریعے سے وقوع پذیر ہوتا ہے میرا فعل سمجھا جاتا ہے اور اسی قوت واختیار کی وجہ سے اس فعل کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

ہر ایک فعل کے تین حصے یا اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں اور اُن کے حسب ذیل نام ہیں۔ (۱) بنائے فعل۔ فاعل کی دماغی یا جسمانی حرکت یا سکون کے سبب سے فعل کی ابتدا یا بنا ہوتی ہے (۲) حالات یا اسباب فعل اور (۳) نتائج فعل۔

فرض کرو کہ میں بندوق سے نشانہ بازی کی مشق کر رہا ہوں اور ایک شخص حادثتاً میری چلائی ہوئی گولی سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ میرے بندوق چلانے کے فعل کے حسب ذیل مخصوص اور اہم اجزا ہیں فعل کی بنا ریا نوبت اول، اس سے مراد ہاتھ کی اعصابی نشتوں کا وہ سلسلہ ہے جس کے ذریعے سے بندوق اٹھائی جا کر اُس کا گھوڑا کھینچا جاتا ہے۔ ثانیاً اس فعل کے حالات و اسباب ہیں اور ان میں بندوق کا بار کرنا اور اُس کا ایسی درست حالت میں رہنا اور شخص مہلوک کا گولی کی زد میں آنا سب سے زیادہ مخصوص اور اہم واقعات ہیں۔ ثالثاً اس فعل کے نتائج ہیں ذیل کے واقعات اہم ہیں۔ بندوق کے گھوڑے کا گرنا، بارود میں دھماکا پیدا ہونا گولی کا بندوق کی نالی سے نکلنا اور اس کا مہلوک کے جسم میں داخل ہونا اور داخل ہو کر اپنے نکلنے کے لیئے راستہ بنانا اور ان سب کے بعد مہلوک کی موت کا واقع ہونا ہر ایک فعل کی جس کے لئے کوئی شخص از روئے قانون ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے اسی طرح تحلیل اور تشریح ہو سکتی ہے جس کسی فعل کی قانون میں ممانعت کی جاتی ہے وہ ممانعت اُس کے تینوں اجزائے ترکیبی یعنی بنائے حالات اور نتائج فعل پر موثر ہوتی ہے کیونکہ جب تک مدعی علیہ کی ذہنی یا جسمانی حرکت و سکون کے ذریعے سے کسی فعل کی بنا نہیں ہوتی وہ اُس کا فعل نہیں ہو سکتا اور جب تک اس فعل کے اسباب و نتائج کا ظہور نہیں ہوتا وہ فعل ناجائز نہیں ہو سکتا۔ بنائے فعل پر اُس کے جواز یا عدم جواز کا اثر نہیں ہے۔ انسان کی کوئی حرکت جسمانی بنفسہٖ ناجائز یا خلاف قانون نہیں ہے۔ مثلاً ہر ایک شخص کو اپنی انگلی کو کشش دینے کا اختیار ہے اور اس اختیار سے قانون کو کوئی سروکار نہیں ہے لیکن یہی جائز فعل بعض صورتوں میں جبکہ کوئی شخص ایک بار کردہ (بھرے ہوئے) تفنچے کے گھوڑے کو کھینچنے کے لیئے اپنی انگلی کو کشش دے تو ناجائز ہو سکتا ہے۔

چونکہ مسلمہ ذمہ داری سے اسباب و نتائج کا متعلق اور غیر متعلق ہونا ممکن ہے اس لیئے اُن کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اسباب و نتائج کے

لاانتہا ہی سلسلے ہو سکتے ہیں لیکن قانون نے معدودے چند واقعات کو فعل کے اہم اور حقیقی اسباب ونتائج قرار دے رکھا ہے اور چند ہی مخصوص اسباب ونتائج فعل ناجائز کے اجزائے ترکیبی سمجھے جاتے ہیں۔ کسی فعل کے سرزد ہونے میں ان چند مخصوص اسباب ونتائج کے سوائے دوسرے جس قدر واقعات درپیش آتے ہیں وہ غیر متعلق خیال کئے جاتے ہیں، اور مرتکب کے جرم پر اُن کا کسی قسم سے اثر نہیں پڑ سکتا ہے۔ ہر ایک مخصوص جرم یا یا فعل ناجائز کے لیئے قانون نے اپنی مرضی سے چند امور یا واقعات کو متعلق قرار دے رکھا ہے اور اُن کی تعریف بھی اسی نے اپنے الفاظ میں کی ہے مثلاً سرقے میں شب و روز کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور ارتکاب جرم کا وقت واقعہ غیر متعلقہ سمجھا جاتا ہے لیکن نقب زنی بوقت شب میں ارتکاب جرم کا وقت واقعہ متعلقہ اور ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

جس طرح کسی واقعے یا مقام کے قدرتی طور پر حدود نہیں ہو سکتے اُسی طرح کوئی فعل بھی اپنی فطرت کی رو سے محدود نہیں ہو سکتا اس لیئے ہر ایک فعل کے لیئے جو حدود قانون میں قائم کئے گئے ہیں وہ قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی ہیں اور موقع ومحل اور مصلحت کے لحاظ سے اُن کا تعین کیا گیا ہے اور ایسا ہی ہر ایک جرم اور اُس کے حالات ارتکاب کے لحاظ سے اُس کے اسباب و نتائج کا قانون میں تعین ہوا ہے۔ یہ دریافت کرنا کہ فلاں شخص نے کیا کام کیا بالکل یہ دریافت کرنے کے مثل ہے کہ فلاں شخص کہاں رہتا ہے یعنی جس طرح ہر ایک شخص کی سکونت غیر مجرمانہ ہو سکتی ہے اسی طرح اس کا فعل بھی جائز قرار پا سکتا ہے بجز اس کے کہ اس فعل کے اسباب ونتائج قانون میں ناجائز قرار دیئے گئے ہوں۔

بعض اساتذہ نے اصطلاح فعل کو فعل کے اُس جزو کے واسطے مخصوص کر دیا ہے جس کا لقب ہمنے بنائے فعل تجویز کیا ہے اور ان مصنفین کی رائے کے مطابق لفظ فعل انسان کے محض جسمانی حرکات پر صادق آسکتا ہے چنانچہ کسی محقق نے لکھا ہے[1]

---

[1] یہی مضمون ہومز کی تصنیف موسومہ قانون غیر موضوعہ کے صفحہ ۹۱ پر درج ہے۔

کہ "وہ فعل انسان کی بالارادہ کشش اعصابی ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے"
یعنی اس عالم قانون کی رائے میں کسی فعل کے اسباب و نتائج اُس فعل کا جزو نہیں ہیں بلکہ اس سے بالکل خارج ہیں۔ لیکن ہماری دانست میں مفہوم فعل کو اس طرح محدود کر دینا نہ صرف از روئے قانون ناجائز اور نامناسب ہے بلکہ معمولی بول چال کے خلاف و مغائر ہے۔ چنانچہ لوگ (انگریزی زبان میں اور ایسا ہی اردو میں) ہر ایک فعل کے جس قدر اہم اور ضروری اسباب و نتائج ہیں اُن کو فعل میں داخل سمجھنے کے عادی ہیں اور لفظ فعل کا اطلاق نہ صرف بنائے فعل یعنی انسان کی حرکات جسمانی پر کیا جاتا ہے بلکہ اُس کے ضروری اور متعلقہ اسباب و نتائج پر بھی کیا جاتا ہے چنانچہ قاتل (مرتکب قتل عمد) کا فعل نہ صرف اپنے اعصاب کو کشش دے کر وہ نتیجہ پیدا کرتا ہے جس سے مقتول کی ہلاکت واقع ہوتی ہے بلکہ مقتول پر گولی چلانا یا اُس کو زہر دینا بھی قاتل کا فعل ہے۔ ایسا ہی مداخلت بہ زمین غیر ایک فعل ناجائز (جرم) ہے لیکن اس فعل کی ناجوازی کا سبب زمین کا مالک غیر ہونا ہے اور جس طرح یہ سبب یا حالت ایک فعل ہے اسی طرح مرتکب مداخلت بیجا کی وہ تمام حرکات جسمانی جن کے ذریعے سے وہ زمین غیر پر داخل ہوتا ہے فعل سمجھے جاتے ہیں۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ آسٹن کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ اصول قانون مولفہ آسٹن صفحہ ۴۱۹ پر لکھا ہے کہ "وہ انسان کے دل میں کسی فعل کی خواہش پیدا ہوتے ہی جن جسمانی حرکات کا اُس کی انجام دہی کے لیے ظہور ہوتا ہے وہ انسان کے افعال ہیں اور فعل کا صحیح مفہوم اور مصداق بھی یہی ہے، عرف میں بھی آدمی کی حرکت جسمانی کو فعل کہتے ہیں۔"

[1] انگریزی ادب قانونی کی بدقسمتی ہے کہ فعل کی بنا یا نوبت اول کے واسطے اس زبان میں کوئی مخصوص لفظ نہیں ہے، فعل میں اس کے تینوں اجزائے ترکیبی شامل ہیں اور ایک ہی اصطلاح ان تینوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ عموماً فعل سے مراد وہ مرکب فعل ہے جو اپنے تین اجزا سے مل کر بنتا ہے لہذا زبان میں کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیئے تھا جو فعل کی نوبت اول کے لیے مخصوص کیا جا سکتا اور اس کی ضد موجود (مرکب) فعل کے لیے ایکٹ (Act) اور مرکب فعل کے لیئے

اس مقام پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ ہر ایک فعل میں اُس کے تمام نتائج شامل نہیں بلکہ چند مخصوص نتیجے شامل ہو سکتے ہیں یعنی لفظ فعل کا اطلاق اُسکے کل نتائج پر نہیں بلکہ بعض اہم نتیجوں پر کیا جا سکتا ہے اور یہ ایسے نتائج ہیں جو اس فعل سے راست یا بلا واسطہ پیدا ہوتے ہیں لیکن نتائج فعل کی بلا واسطہ یا بالواسطہ اور بعید یا قریب قسمیں قرار دینے اور اُنمیں اسطرح سے فرق کرنیسے انسان کو اُسکی معلومات قانونی کے متعلق کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ نتائج فعل میں عبث فرق مدارج کا ایک لاتناہی سلسلہ پیدا کرتا ہے۔ علاوہ بریں اس قسم کا اختلاف اور فرق کسی منطقی تعریف کی بنیاد نہیں ہو سکتا فعل اور اسکے نتائج میں جو فرق ہے کسی شے کے کرنے میں اور کسی کا باعث ہونے یعنی نتیجہ کے پیدا کرنے میں جو فرق ہے وہ محض زبانی ہے یعنی کہنے میں انسان اس قسم کا فرق کر سکتا ہے اور لوگ اس قسم کی بول چال کے عادی ہو گئے ہیں حقیقت میں کسی علمی تشریح کے ذریعے سے نتائج فعل اور اُن کے تصورات میں اس طرح کی تفریق نہیں کی گئی ہے چنانچہ منطق کی رو سے اس فعل میں جس کے ذریعے سے ایک آدمی ہلاک کیا جاتا ہے اور اس کام کے کرنے میں (خواہ وہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو) اُسی شخص کی موت واقع ہوتی ہو کسی قسم کا فرق نہیں ہے[۱]

فصل ۱۲۹ افعال ناجائز کی دو قسمیں ہیں

ہر ایک ناجائز فعل ایک ایسا فعل ہے جس کے متعلق قانون میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے ضرر یا نقصان پہنچتا ہے یعنی ایسا فعل جس کے نتائج کو قانون میں مضرت بخش یا نقصان رسان قرار دیا گیا ہے۔ بہر حال اس قسم کے نتائج کی دو قسمیں ہیں یعنی نتائج واقعی اور ایسے نتائج جن کا پہلے سے اندازہ کیا جا سکتا ہو بالفاظ دیگر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ایکشن (Action) کے الفاظ تجویز کئے تھے لیکن زمانے نے اُن کو اختیار نہیں کیا ملاحظہ ہو اصول (مولفہ بینتھم) باب ۷ فصل ۲۔ تصنیفات بینتھم جلد ۱ صفحہ ۴۰۔ بہر حال یہ دونوں الفاظ روزمرہ میں مرادف ہیں اور اگر ان مخصوص معنوں میں استعمال کیا جائے تو الفاظ میں خلط ملط ہو جائے گا۔

[۱] دیکھو تالیف سامنڈ متعلق قانون ٹارٹ صفحہ ۱۸ طبع چہارم۔

فعل کے مضرت رساں ہونے کے دو وجوہ اور طریقے ہیں نتائج واقعی اور ایسے نتائج کے لحاظ سے جن کے ظہور پذیر ہونے کی انسان رائے قائم کرسکتا ہو فعل نقصان رساں قرار پاتا ہے اور اس بنا پر اُن افعال کی جو از روئے قانون ناجائز قرار دیئے گئے ہیں دو قسمیں ٹھہرائی گئی ہیں۔ پہلی قسم کے افعال جو قانوناً ناجائز ہیں وہ ہیں جن میں فعل محض اس وجہ سے ناجائز سمجھا جاتا ہے کہ جو ضرر اس فعل سے منتج ہوتا ہے اُس کی تکمیل ہو جاتی ہے اور دوسری قسم کے افعال جو قانوناً ناجائز ہیں ایسے افعال ہیں جن کے ارتکاب کی وجہ سے مخلوق خدا کو ضرر اور نقصان پہنچنے کا سخت احتمال ہوتا ہے بلالحاظ نتائج قانون میں اس قسم کے افعال ناجائز قرار دیئے گئے ہیں چنانچہ اسی بنا پر پہلی صورت میں جب تک منجانب ضرر رسیدہ نقصان یا ضرر واقعی کا ثبوت نہ دیا جائے فعل مرتکب ناجائز نہیں سمجھا جاتا اور نہ ضرر رسیدہ کو حق نالش پیدا ہوتا ہے۔ برعکس اسکے دوسری قسم کے مقدمات میں محض فعل ناجائز کا ثابت کرنا ہی کافی ہے گو کہ مدعی کو اُس سے کسی قسم کا ضرر واقعی کیوں نہ پہنچا ہو۔

مثلاً اگر (الف) اپنے معاہدے میں (ب) کے ساتھ خلاف ورزی کرے تو (ب) کو اپنے اُن معقول توقعات کی محرومی کی نسبت جو اس معاہدے سے وابستہ تھیں یا اس عدم ایفائے عہد سے اُس کو کیا واقعی نقصان پہنچا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قانون اس امر سے واقف ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی ایک ایسا فعل ہے جس سے دوسرے فریق کو نقصان پہنچنے کا قوی احتمال ہے اور اس لئے قانون میں عہد شکنی یا خلاف ورزی معاہدہ ضرر واقعی پہنچنے کے بلالحاظ ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس خلاف ورزی سے فی الواقع (ب) کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے تو ہرجے کی مقدار قرار دینے میں وہ ایک قسم کا معیار سمجھا جاتا ہے یعنی اس حقیقی نقصان کے مطابق عدالت (ب) کو ہرجہ دلاتی ہے مگر اس کی وجہ سے (ب) کو حق نالش نہیں پیدا ہوتا۔ علی ہذا اگر میں غیر کے کھیت پر سے چلنا شروع کر دوں یا اُس کے خلاف توہین تحریری کی اشاعت کروں تو میں اپنے اُن افعال کا ذمہ دار ہوں بلالحاظ اس امر کے کہ غیر کو میرے ان افعال سے حقیقت میں کوئی نقصان

پہنچا ہو کہ نہیں کیونکہ مداخلت بیجا اور توہین تحریری ایسے افعال ہیں جو اُن کے نتائج کے لحاظ سے نہیں بلکہ اُن کی بدی کی طرف مائل ہونے کے سبب سے ناجائز قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کے برخلاف صورت ثانیہ میں بنائے دعویٰ یا حق نالش کے واسطے فعل ناجائز سے ضرر واقعی کا پیدا ہونا ضرور ہے۔ مثلاً توہین لسانی کے متعلق جب تک مدعی اُس سے اپنا کسی قسم کا نقصان نہ ثابت کرے اُسکو حق نالش نہیں پیدا ہوتا حالانکہ توہین تحریری بذات خود قابل ارجاع نالش ہے۔
ایسا ہی اگر میں اپنی گاڑی کے ہانکنے میں غفلت کروں اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاؤں جس سے دیگر راہ روؤں کو میری گاڑی یا گھوڑے کے نیچے آنے کا اندیشہ ہو تو جب تک کہ کوئی حادثہ فی الواقع نہ پیش آئے مجھ پر غفلت سے گاڑی ہانکنے کا الزام نہیں عائد ہو سکتا اور میرے اس فعل سے جو دوسروں کو ضرر پہنچنے کا قوی احتمال اور خطرہ ہے محض اُس کی بناء پر مجھ پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی۔

افعال ناجائز کے جو دو اصناف قرار دیئے گئے ہیں یعنی ایک صنف کے ایسے افعال ناجائز ہیں جن کی ناجوازی کے لیئے مدعی کو ضرر واقعی کا ثابت کرنا ضرور ہے اور دوسری صنف کے ایسے ناجائز افعال ہیں جن کی ناجوازی کیواسطے نقصان واقعی کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے اس فرق کے لحاظ سے ایک امر قابل غور ہے وہ یہ کہ فوجداری طرز کے افعال ناجائز (جرائم) کا تعلق عموماً دوسری صنف کے افعال ناجائز سے ہے۔ مدعی کے محض کسی ایسے فعل کو جس سے اُس کو مضرت یا خطرے کے پہنچنے کا قانون میں احتمال ہو سکتا ہو ثابت کرنا مدعا علیہ پر ذمہ داری مجرمانہ عائد کرنے کے لیئے بخوبی کافی ہے اور فعل منسوبہ سے مدعی کو نقصان واقعی پہنچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قانون فوجداری میں ارتکاب جرائم کے متعلق ذیل کے قاعدے یا الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے " اگر تم یہ کام کروگے (اگر تم سے اس طرح کا فعل سرزد ہو) تو ہر ایک صورت میں اُس کی ذمہ داری تم پر عائد ہوگی " لیکن ممانعت متذکرہ ذیل کے قاعدے اور الفاظ میں اظہار نہیں کیا گیا ہے " اگر تم سے یہ فعل سرزد ہو تو صرف اُس سے کسی کو نقصان پہنچنے کی صورت میں تم اُس کی نسبت ذمہ دار قرار پاؤگے " مثلاً ایسے اقدام جرم کے لیئے جس کی

پیش رفت میں ملزم کو ناکامی ہو وہ اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح تکمیل جرم سے اُسپر ذمہ داری مجرمانہ عائد ہوتی ہے لیکن یہ مقولہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض صورتوں میں مثل دیوانی طرز کی ذمہ داری کے مرتکب جرم پر فوجداری طرز کی ذمہ داری نتیجۂ فعل مجرمانہ کے واقع ہونے کے بغیر نہیں عائد ہوتی ہے۔ مثلاً اگر بندوق یا تفنچے کے چلانے میں مجھ سے غفلت ہو جائے اور اُس کی وجہ سے کسی شخص کی ہلاکت واقع ہو تو مجھ پر قتل انسان کے جرم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن اگر خوش قسمتی سے میری غفلت کسی مکمل ضرر پر منتج (یعنی ضرر رسیدہ کی ہلاکت واقع) نہ ہو تو میں اپنی غفلت کے لیئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

لیکن دیوانی طرز کی ذمہ داری کے متعلق ایک عام اصول کا بیان کرنا جیساکہ فوجداری طرز کی ذمہ داری کے لیئے قائم کیا گیا ہے ممکن نہیں ہے۔ پہلی قسم کی ذمہ داری کے متعلق بعض صورتوں میں ضرر واقعی کا ثابت کیا جانا لازم ہے اور بعض صورتوں میں اس طرح کے نقصان کے ثبوت کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال دیوانی طرز کی ذمہ داری میں ضرر واقعی کے ثبوت اور عدم ثبوت کا تعلق قانون اور ضابطے سے ہے علم اور نظریۂ قانون کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بعض دیوانی نالشات میں از روئے ضابطہ ضرر واقعی کے ثابت کرنے کی جو ضرورت بتلائی گئی ہے اُس کی وجہ سے معدلت دیوانی میں ایک قسم کی بیرنگی اور غیر استقلال پایا جاتا ہے اور ان عیوب سے معدلت فوجداری بالعموم مبرا ہے۔ فوجداری طرز کی ذمہ داری میں مرتکب فعل کا ذمہ دار قرار پانا یا نہ پانا اُس کے فعل اور اُن نتائج بد پر منحصر ہے جن کے پیدا ہونے کا قانون میں قوی احتمال ہو مگر دیوانی طرز کی ذمہ داری میں مرتکب فعل کی ذمہ داری فعل کے نتیجۂ واقعی پر منحصر ہوتی ہے۔ مثلاً اگر میں کسی ناجائز غرض کی تکمیل کے لیئے اقدام کروں تو خواہ میں اپنے اقدام میں کامیاب ہوں کہ نہ ہوں مجھ پر میرے فعل مجرمانہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن قانون دیوانی کی رو سے اسی فعل کے لیئے میں صرف اُس حالت میں ذمہ دار ہو سکتا ہوں جب کہ میرے فعل کا کوئی حقیقی نتیجہ ظاہر ہو ورنہ نتیجہ برآمد ہونے کے بغیر میں اپنے فعل کے لیئے ذمہ دار قرار نہیں پا سکتا۔ اقدام جرم کی ناکامی مجرم کی بے گناہی سمجھی جاتی ہے۔ اس حکم کے بجائے کہ

"اگر تم اس فعل کے مرتکب ہو گئے تو تم کو اُس کی جواب دہی کرنی ہوگی" اکثر قانون دیوانی میں اس طرح کا حکم پایا جاتا ہے کہ "اگر تم چاہو تو اس فعل کا ارتکاب کر سکتے ہو لیکن یاد رہے کہ اس کا خسارہ تم ہی کو اُٹھانا پڑے گا اور اگر تمہارے فعل سے مضرت بخش نتائج کا ظہور ہو تو اُس کے ذمہ دار تم ہی قرار دیئے جاؤ گے۔"

فصل نمبر ۱۳۰ ضرر جو ناجائز یا خلاف قانون نہیں ہے

اگرچہ از روئے حقیقت اور ضرر جائز نظریۂ قانونی کے لحاظ سے جس قدر مضرت بخش افعال ہیں وہ تمام ناجائز اور خلاف قانون افعال سمجھے جاتے ہیں لیکن اس کا عکس صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ بعض صورتوں میں ایک شخص دوسرے کو ارادتاً اور دیدہ و دانستہ نقصان پہنچاتا ہے لیکن نہ تو قانون میں اس طرح کے ضرر کی ممانعت کی گئی ہے اور نہ ضرر رساں کو اپنے فعل کے لئے جوابدہی کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ اس قسم کے ضرر میں ان اہم شرائط کی تکمیل نہیں ہوتی جن سے مرتکب فعل پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسلیئے ایسے ضرر کو Damnum Sine injuria (ضرر جو ناجائز یا خلاف قانون نہ ہو یعنی ضرر جائز) کہتے ہیں۔ اس میں لفظ injuria اپنے جدید اور غلط مفہوم میں نہیں قدیم اور صحیح معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس لحاظ سے اس کے معنی injus یعنی خلاف قانون ہیں۔

جن اشکال پر ضرر جائز کا اطلاق کیا جاتا ہے اُن کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں ایسی صورتیں داخل ہیں جن میں ایک شخص کو ضرر یا نقصان پہنچنے سے تمام سوسائٹی یعنی اُس سلطنت یا ریاست کو جس میں متضرر رہتا ہے نفع ہوتا ہے۔ اس قانونی خیال سے غالباً ناظرین کتاب واقف ہوں گے کہ ایسے فعل ناجائز جس سے سلطنت کے کسی ایک باشندے یا سوسائٹی کے کسی ایک منفرد رکن کو ضرر پہنچتا ہے اس لیئے جرم سمجھا جاتا ہے کہ اس ضرر سے صرف متضرر نہیں بلکہ تمام باشندگان سلطنت یا تمام ارکان سوسائٹی متاثر ہوتے ہیں اور اس جرم کا ارتکاب ایک شخص کے مقابلے میں نہیں بلکہ تمام سوسائٹی یا سلطنت کے مقابلے میں سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جس فعل ناجائز کا اثر اور ضرر منفرد ضرر رسیدہ اشخاص تک محدود رہتا ہے اس کو

ضرر جائز کہتے ہیں۔ مثلاً یہ ایک صاف بات ہے کہ تجارت میں جو اہل پیشہ ایکدوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں اس سے اکثر تاجروں کو نقصان پہنچتا اور بہت سوں کی تجارت برباد ہو جاتی ہے لیکن سوسائٹی یا سلطنت کو مقابلہ تجارتی سے جو عام نفع حاصل ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اس لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ تاجروں کے مقابلہ یاہمی سے ایک دوسرے کو ضرور نقصان پہنچتا ہے لیکن یہ نقصان اور ضرر خلاف قانون نہیں ہے۔ اسی طرح سے ایک مالک اپنی زمین پر بعض ایسی تعمیر و ترمیم کے کام کر سکتا ہے جن سے اُن لوگوں کی اغراض و مقاصد کو جن کی زمینیں اُس کی زمین سے متصل واقع ہوتی ہیں نقصان پہنچتا ہے لیکن اس قسم کا نقصان جائز سمجھا جاتا ہے۔ ہم اس مقام پر تمثیلاً اس قسم کی چند اشکال بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص اپنی زمین پر اس طرح گڑھا بنا سکتا ہے جس سے اس کے متصل دوسرے اشخاص کے مکانوں کو جو پہلوئی مدد ملتی تھی زائل ہو جاتی ہے، اپنے مکان کی دیوار کو بلند کر کے ایک شخص اُس راستے کو مسدود کر سکتا ہے جس سے اُس کے پڑوسیوں کے مکانوں کو روشنی اور ہوا پہنچتی ہے علیٰ ہذا القیاس ایک شخص کا اپنے کنوئیں کو زیادہ گہرا کھود کر اس پانی کے رخ کو بدل دینا اور اپنے کنوئیں میں جمع کرنا ممکن ہے جو اُس کے پڑوسیوں کے کنوئیں یا چاہ میں جمع ہوتا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے امور منفرد اشخاص کے حق میں مضر ہوتے ہیں لیکن پبلک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اور اس اصول کی بنا پر کہ ہر ایک شخص کو اپنی مرضی کے موافق اپنی شے کے ساتھ مسلوک ہونے کی اجازت ملنی چاہیئے ان امور کو جائز رکھا گیا ہے۔

ضرر جائز کی دوسری قسم میں ایسی اشکال داخل ہیں جن سے گو بظاہر تمام باشندگان سلطنت یا کل قوم کی قوم کو ضرر پہنچتا ہو لیکن جرم کے نہایت خفیف ہونے یا اس کے ثابت کرنے کی دشواری کے لحاظ سے یا کسی اور وجہ سے حکومت نے اس قسم کے ضرر کا قانون کے ذریعے سے انسداد کرنا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ اگر اس قسم کے ضرر کو کسی مرض سے تشبیہ دی جائے تو یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مرض کا علاج قانون نہیں ہے بلکہ اس علاج سے مرض میں زیادتی ہونے کا

اندیشہ ہے۔

فصل ۱۳۱ مقام اور وقت فعل

ہرچند ارتکاب فعل کے لئے کسی مقام کا معین کیا جانا ایک لازمی امر نہیں ہے تاہم عدالتوں کے حدود ارضی کے لحاظ سے ارتکاب فعل کے مقام کا مشخص ہونا ضروری اور اہم ہے۔ اصول قانون کی رو سے مقام فعل کے متعلق جو علمی تحقیق کی جاتی ہے گو اس میں زیادہ دشواری نہیں ہے لیکن اس کی بابت دو ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن پر ناظرین کو خاص طور سے توجہ دلانا ضرور ہے۔ پہلی شکل میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل کے ایک جزو کا ارتکاب ایک مقام میں اور دوسرے جزو کا ارتکاب دوسرے مقام میں واقع ہوتا ہے مثلاً ایک شخص انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی سرحد پر اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ اس کا مقام استادگی حدود انگلستان میں شمار ہوتا ہے اور وہاں سے وہ بندوق چلا کر ایک دوسرے شخص کو ہلاک کرتا ہے جس کا مقام استادگی حدود اسکاٹ لینڈ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قتل عمد کا ارتکاب کہاں ہوا انگلستان میں کہ اسکاٹ لینڈ میں۔ ایسا ہی اگر بذریعۂ مراسلت دو تاجروں کے درمیان جن میں ایک لندن میں اور دوسرا پیرس میں سکونت رکھتا ہو کوئی معاہدہ طے پائے تو اس امر کے تعین کی ضرورت ہوتی ہے کہ معاہدے کا وقوع انگلستان میں ہوا کہ فرانس میں۔ علیٰ ہذا القیاس اگر ایک شخص بمقام میل بورن دوسرے شخص سے غلط بیانی کر کے سڈنی میں اس سے مال حاصل کرے تو اس امر کی تحقیق کرنی ضرور ہے کہ پہلے شخص نے اپنی غلط بیانی سے جو دوسرے شخص کو فریب دیا اس کی فریب دہی کے جرم کا کہاں ارتکاب ہوا وکٹوریا میں کہ نیو سوتھ ویلز میں۔ ان استفسارات کا صحیح جواب یہ ہے کہ

از روئے حقیقت و منطق اس قسم کی تمام صورتوں میں فعل زیر بحث کا ارتکاب دو مقامات معینہ میں سے کسی ایک میں بھی نہیں ہوا کرتا۔ تمثیل بالا میں جو شخص انگلستان میں بندوق چلاکر اسکاٹلینڈ میں قتل عمد کا مرتکب ہوتا ہے اصل میں اُس کا فعل ان دونوں ملکوں میں علیحدہ علیحدہ نہیں واقع ہوتا بلکہ اس کے جرم کا ارتکاب ان دونوں متحدہ ممالک یعنی برطانیہ عظمیٰ میں واقع ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کا جواب قانون میں جائز نہیں سمجھا جاسکتا اس لیئے کہ ہر ایک ملک کا علیحدہ علیحدہ رقبہ اور جدا گانہ حدود ہیں اور انھیں حدود ارضی کے لحاظ سے ہر ایک ملک اور اُس کی عدالتوں کے اختیارات کی بنا رہے اور اسی سبب سے قانون میں ہر ایک فعل کے ارتکاب کا کسی مخصوص رقبے اور اور معین حدود ارضی میں واقع ہونا قیاس کیا جاتا ہے۔

لہذا ایسے افعال کے واسطے جس کے ایک جزو کا ارتکاب ایک مقام اور دوسرے جزو کا ارتکاب دوسرے مقام میں واقع ہوتا ہے قانون میں کونسا مقام بلحاظ حدود ارضی عدالت جائے وقوع قرار پاسکتا ہے؟ اس سوال کے تین جوابات ہوسکتے ہیں۔ ارتکاب فعل کا دونوں مقامات میں واقع ہونا ممکن ہے فعل کا تمام ارتکاب اس مقام میں واقع ہوسکتا ہے جہاں اس کی ابتدا ہوتی ہے یا فعل کا پورا ارتکاب اُس جگہ سمجھا جاسکتا ہے جہاں فعل کا اختتام ہوتا ہے۔ یہ امر قانون کی مرضی پر منحصر ہے کہ ہر ایک مقدمے کے حالات کے نظر کرتے ان تین مقامات میں سے جس مقام کو مناسب سمجھے ارتکاب فعل کے لیئے معین کرے لیکن اکثر صورتوں میں جہاں مقام کے تعین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ان بیان کردہ مقامات میں سے عموماً تیسرا مقام وقوع فعل کے لیئے قانون کی جانب سے معین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مقدمے میں طے

پایا ہے کہ قتل عمد کا واقع ہونا اس مقام میں سمجھا جائے گا جہاں مقتول کی موت[۵۱] واقع ہوتی ہے نہ کہ اس مقام میں جہاں سبب ہلاکت[۵۲] پیدا ہوتا ہے۔ بر نہج ارتکاب فعل کے مقام کی نسبت قانون بالکل صاف نہیں ہے بلکہ اس کے متعلق جن امور کا تصفیہ ہوا ہے وہ شبہہ[۵۳] سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے مقدمے میں طے پایا ہے کہ معاہدے کا ہونا اس مقام میں سمجھا جائیگا جہاں اُس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی جس جگہ میں اُس کا ایجاب[۵۴] ہوا ہو یا جہاں دستاویز معاہدہ کی تکمیل کیلئے کوئی آخری کارروائی جیسا کہ دستخط فریقین یا کسی ایک فریق کے دستخط کا ثبوت[۵۵] کیا جانا ہے کی گئی ہو۔ حیلہ سازی سے مال حاصل کرنے کے جرم کا ارتکاب اس مقام میں واقع ہوتا ہے جہاں مال[۵۶] حاصل کیا جاتا ہے نہ کہ اس مقام میں جہاں مرتکب حیلہ سازی یا غلط بیانی کرتا ہے[۵۷]۔

---

۵۱ ملکہ معظمہ بنام کومبز نظائر فوجداری مرتبہ لیچ جلد ۱ صفحہ ۳۸۸۔

۵۲ ریاست ہائے متحدہ امریکہ بنام ڈیوس لا رپورٹ مرتبہ اسمنر جلد ۲ صفحہ ۴۸۶۔

۵۳ ملکہ معظمہ بنام آرمز ٹرانگ کاکس نظائر فوجداری جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۴۔ ملکہ معظمہ بنام کین اکسچیکر ڈویژن جلد ۲ صفحہ ۶۳۔

۵۴ کاوان بنام ادکانر کوئینز بینچ ڈویژن جلد ۲ صفحہ ۶۴۰۔

۵۵ لمرانیڈ کمپنیز بار جیورن لمیٹڈ بنام ان لینڈ ریوینیو کمشنرز (سنہ ۱۹۰۰ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۳۱۰۔ (۱۹۰۱ء) اپیل کیسیز صفحہ ۲۱۷۔

۵۶ ملکہ معظمہ بنام الس (۱۸۹۹ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۲۳۰۔

۵۷ بمقدمہ ملکہ معظمہ بنام کین اکسچیکر ڈویژن جلد ۲ صفحہ ۶۳۔ اس مسئلے کے متعلق نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مقدمہ ہذا میں ایک جرمن جہاز کے کپتان کی کہ اُس نے غفلت سے ایک انگریزی جہاز کو رودبار انگلستان میں غرق کر کے اُس کے ایک مسافر کی ہلاکت کا باعث ہوا بالزام قتل انسان انگلستان میں تحقیقات ہوئی۔ تحقیقات معمولی کے منجملہ ایک تنقیح مقام واردات کے متعلق بھی تھی یعنی اس امر کا دریافت کرنا مقصود تھا کہ آیا ملزم سے انگریزی جہاز پر جرم کا ارتکاب ہوا یا جرمن جہاز پر یا ان دونوں جہازوں میں سے کسی ایک پر بھی وہ الزام منسوبہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ مرافعہ جات فوجداری کی آخری عدالت برطانیہ

دوسری دشواری جو عدالتوں کو پیش آتی ہے وہ افعال منفی کے مقام کا تعین کرنا ہے۔ مثلاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کس مقام میں ایک شخص نے اپنے قرضے کے ادا کرنے یا اپنے معاہدے کی تعمیل کے فعل کو ترک کیا؟ اس سوال کا صحیح جواب بظاہر یہی ہے کہ ہر ایک فعل منفی اُس مقام میں واقع ہوتا ہے جہاں اُس فعل کی ضد یعنی مثبت واقع ہونا چاہیئے تھا بالفاظ دگر ترک فعل کا مقام وہی جگہ سمجھی جائیگی جس جگہ اس کا ارتکاب ہونا چاہیئے۔ چنانچہ کسی قرضے کی ادائی کا ترک کرنا اس مقام پر سمجھا جاتا ہے جہاں اس کا ادا کیا جانا لازم ہے[۱]۔ مثلاً میں کسی شخص سے انگلستان میں ایک ایسا معاہدہ کروں جس کی تعمیل کا مقام فرانس

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (The court for the crown cases reserved) کہ چار ججوں یعنی ڈین مین جسٹس برام ویل بیرنٹ کول رج چیف جسٹس اور کاک برن چیف جسٹس بالاتفاق آرا یہ طے کیا کہ اگر الزام منسوبہ قتل انسان بالارادہ ثابت ہو تو انگریزی جہاز پر اس کا ارتکاب کیا جانا سمجھا جائے گا۔ ڈین مین جسٹس اور کول رج چیف جسٹس نے اسی قاعدے کو ملزم کے اپنی غفلت سے مرتکب قتل انسان ہونے کی صورت میں بھی اطلاق کیا ہے لیکن کاک برن چیف جسٹس کو قتل انسان بالغفلت کی نسبت اس قاعدے کو اطلاق کرنے میں شبہہ ہے۔ برام ویل بیرنٹ نے لکھا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۰ ارپورٹ مذکور) کہ "اگر ملزم نے ارادۃً کسی فعل کا ارتکاب کیا ہے تو جائے ارتکاب وہ مقام سمجھا جانا چاہیئے جہاں اسکا ارادہ اُسکے فعل کو موثر بنانے کا تھا اور اگر ارتکاب فعل کی جگہ ملزم کی غفلت ہے تو اسکے برعکس سمجھنا چاہیئے"۔ اگر اس مسئلے کی بابت ناظرین کو زیادہ صراحت اور تفصیل کی ضرورت ہے تو ملاحظہ ہو تاریخ قانون تعزیری جلد ۲ صفحات از ۹ تا ۱۲ مصنفہ اسٹیفن اسکے علاوہ مجموعۂ تعزیرات جرمنی پر آئین ہاف نے جو شرح لکھی ہے اُسکا صفحہ ۲۸ (طبع سیزدہم بابت ۱۸۹۶ء) ملاحظہ طلب ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جرمنوں کا خیال ہے کہ فعل کا ارتکاب اُس مقام پر سمجھنا چاہیئے جہاں اُسکی ابتدا ہوتی ہے۔ اصول قانون انگلستان وامریکہ (پرنسپلز آف اینگلو۔امریکن لا) مرتبہ ٹیری صفحات از ۹۸ تا ۶۰۰ اور اڈیمنڈسن بنام انڈرسن (۱۹۰۵ء) چانسری جلد ۲ صفحہ ۳۲۰ قابل دید ہیں۔

[۱] ناروے اسٹون کمپنی بنام گڈنی (۱۸۹۴ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۹۹۔

قرار پائے اور اگر میں فرانس میں اُس کی تعمیل نہ کر سکوں تو میرے ترک فعل کا مقام انگلستان نہیں بلکہ فرانس سمجھا جائے گا۔ فعل منفی کا ظہور اُس کی ضد فعل مثبت کا عدم وقوع سمجھا جاتا ہے یعنی ترک فعل سے ارتکاب فعل کی عدم موجودگی لازم آتی ہے اور اس لیئے فعل مثبت کی عدم موجودگی اس مقام پر سمجھی جاتی ہے جہاں اُس کا ظہور اور وقوع ہونا چاہیئے تھا۔

وقت فعل۔ وقت فعل کے تعین کرنے کے متعلق انھیں خیالات اور امور کو ملحوظ رکھنا چاہیئے جن کی مقام فعل کے تعین کرنے میں ضرورت ہے اور جن کا فقرات بالا میں ذکر آچکا ہے۔ مثلاً جس فعل کی آج ابتدا ہو کر کل تکمیل ہوتی ہے وہ ایک ایسا فعل ہے کہ نہ آج واقع ہوتا ہے اور نہ کل بلکہ اُس کے وقوع کا زمانہ وہ مدت سمجھی جاتی ہے جو آج اور کل دونوں پر مشتمل ہے۔ لیکن قانون میں ہر ایک مقدمے کے حالات اور ضرورت کے لحاظ سے فعل کا وقت کبھی وہ زمانہ سمجھا جاتا ہے جس میں اسکی ابتدا ہوتی ہے اور کبھی وہ ساعت قرار پاتی ہے جس میں فعل کی تکمیل ہوتی ہے اور بعض وقت فعل کا زمانہ اُس کی ابتدا سے انتہا تک جاری سمجھا جاتا ہے۔ اس پر بھی اکثر صورتوں میں اور اکثر اغراض کیلئے فعل کے واقع ہونے کی وہی تاریخ سمجھی جاتی ہے جس تاریخ اُسکی تکمیل ہوتی ہے اور مقام فعل کے لیئے بھی یہی قاعدہ قرار پایا ہے یعنی جس جگہ فعل کا اختتام[1] ہوتا ہے وہی اُس کا مقام وقوع سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] اگر یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ از روئے قانون ارتکاب جرم کی وہی تاریخ سمجھی جائیگی جس تاریخ اس کی تکمیل ہوتی ہے تو بعض ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں ہم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مرتکب اپنے مرنے کے بعد جرم کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اگر (الف) کے اپنی زمین کھودنے کے سبب سے کچھ مدت کے بعد (ب) کی متصلہ زمین کا کچھ حصہ دب جائے تو ایسی صورت میں جب تک (ب) کی زمین نہ دبے (الف) سے کوئی جرم یا فعل ناجائز سرزد نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو بیک ہوز بنام بونرمی آف لارڈز کیسیز (فیصلہ جات دارالامرا) جلد ۹ صفحہ ۵۰۲ ڈارلی مین کولی ایری کمپنی بنام میچل اپیل کیسیز جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۷۔ اچھا اگر (ب) کی زمین

فعل منفی کا واقع ہونا اُس وقت یا تاریخ میں سمجھا جاتا
ہے جس تاریخ اُس فعل کی ضد یعنی فعل مثبت کو واقع ہونا چاہیئے
تھا۔ چنانچہ قرضے کے ادا نہ کرنے کی تاریخ وہ دن سمجھا جاتا ہے
جس روز کہ اُس کی ادائی واجب ہو جاتی ہے۔

فصل ۱۳۲ قلب مجرمانہ Mens Rea

ہم نے اس کے قبل بیان کیا ہے کہ تعزیری ذمہ داری کے متعلق جو شرائط ہیں اُن کا اس مقولے کے ذریعے سے کہ محض فعل کی وجہ سے مرتکب مجرم نہیں قرار پا سکتا بشرطیکہ اُس کی نیت بھی مجرمانہ ہو بخوبی اظہار ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک شخص اپنے افعال کا ذمہ دار ہے لیکن جب تک مرتکب کا فعل اس کی نیت مجرمانہ یعنی قلب مجرمانہ کا نتیجہ نہ ہو وہ جرم نہیں قرار پا سکتا اور نہ مرتکب ملزم یا مجرم متصور ہو سکتا ہے۔ کسی شخص کو دیوانی یا فوجداری حرز کی سزا نہیں دی جاتی جب تک کہ قانون میں ان دو امور کی نسبت اطمینان نہیں کر لیا جاتا ہے۔ اولاً اس امر کی نسبت تحقیق کر لی جاتی ہے کہ آیا اس فعل کا جس کے ارتکاب کی وجہ سے مضرت بخش نتائج پیدا ہوئے ہیں یا ہونے کا قوی احتمال ہے تادیب تعزیری کے ذریعے سے انسداد کرنا مناسب ہے کہ نہیں۔ ثانیاً یہ کہ کیا ارتکاب فعل کے متعلق مرتکب کی نیت ایسی تھی کہ اُس کو سزا ملنے سے آئندہ وہ اُس کے ارتکاب سے باز رہے گا اور کیا اس سے عبرت ہو گی اور اس لیئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دینے کے پہلے (الف) کی موت واقع ہو تو کیا (الف) ضرر رسانی کا ملزم قرار پا سکتا ہے؟ یہ امر بھی بخوبی ظاہر ہے کہ اس فعل ناجائز کا ارتکاب (الف) کے اُن جانشینوں سے جنکو وہ زمین ورثاً یا کسی اور طرح سے منتقل ہوتی ہے نہیں منسوب کیا جا سکتا ملاحظہ ہو ہال بنام ڈیوک آف نارفک (۱۹۰۰ء) چانسری جلد ۲ صفحہ ۴۹۲۔ گرین ویل بنام بریچ برن کولی ایری (۱۸۹۷ء) کوئینز بینچ جلد ۲ صفحہ ۱۶۵۔ ان متضاد فیصلوں کے دیکھنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ از روئے قانون یا تو مرتکب کسی قسم کا فعل ناجائز سرزد ہی نہیں ہوا یا جرم کا مرتکب ایسا شخص ہے جو تاریخ ارتکاب کے روز زندہ نہ تھا۔

سزا کا دینا انصاف پر مبنی ہوگا۔ پہلا امر جس کے متعلق قانون یا عدالتیں اطمینان کر لیتی ہیں مرتکب کو اپنے فعل کا ذمہ دار قرار دینے کے لیئے ایک ضروری اور اہم شرط ہے لیکن دوسرا امر جس کے متعلق قانون میں اطمینان کر لیا جاتا ہے ایک ضابطے کی شرط ہے۔ حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب مجرمانہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں اور اس کا ان دونوں سے کسی ایک شکل میں ظہور ہوتا ہے یعنی نیت مجرمانہ یا غفلت مستلزم سزا۔ مجرم یا تو قصداً فعل ناجائز کا مرتکب ہوتا ہے یا غفلت اور بے احتیاطی سے وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے اور اس لیے انہیں کی ہر ایک شکل میں مرتکب کے قلب کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُس کو سزا دینا موثر ہوسکتا ہے۔ اگر اُس نے ارادۃً فعل ناجائز کا ارتکاب کیا ہے تو سزا پانے سے آئندہ اس قسم کے ارتکاب سے باز رہیگا بلکہ جائز کام کے کرنے کی طرف اُس کو رغبت ہوگی اور اگر نیت مجرمانہ کی بنا پر نہیں بلکہ بے احتیاطی اور لاپروائی کی وجہ سے اُس سے فعل ناجائز سرزد ہوا یا فعل ممنوع کا ارتکاب ہوا ہے تو سزا پانے سے اُس کے مزاج میں آئندہ احتیاط پیدا ہوگی لیکن اگر مجرم کا فعل ارادے اور غفلت پر مبنی نہ ہو یعنی پہلے سے مرتکب کا ارادہ اپنے فعل کے اس نتیجے کو پیدا کرنا نہ ہو جو مضرت بخش سمجھا جاتا ہے اور اس قدر احتیاط کرنے کے باوجود جو معمولی عقل و فہم رکھنے والا انسان تک اپنے کاموں میں کیا کرتا ہے فعل ممنوع اس سے سرزد ہو جائے تو ایسی صورتوں میں مرتکب کو اُس کے فعل کے لیئے ذمہ دار قرار دینا بے سود ہے اور اس قسم کی سزا دہی کا کوئی مفید مآل کار حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

بہرحال قلب مجرمانہ کے متعلق جس قاعدے پر عمل کیا جاتا ہے اُسکا فقرہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے لیکن بعض ایسی مستثنیٰ صورتیں پیش آتی ہیں جن میں از روئے قانون اس قاعدے پر عمل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ قانون میں قلب مجرمانہ کی اس شرط کو جس کا تعلق ضابطے سے ہے نظر انداز کرکے صرف اُس کی دوسری اہم اور ضروری شرط پر عمل کیا جاتا ہے۔ قلب مجرمانہ نہ رکھنے اور غفلت مستلزم سزا کے ساتھ پیش نہ آنے کے باوجود ان اشکال میں مرتکب پر اُس کے فعل ناجائز کی از روئے قانون ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس طرح کے افعال ناجائز کو جن میں مرتکب کی نیت مجرمانہ کا لحاظ نہیں

کیا جاتا ہے افعال ناجائز مبنی بر "ذمہ داریٔ مطلق" کہتے ہیں۔
لہذا قلب مجرمانہ کے لحاظ سے افعال ناجائز کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں:۔
۱۔ افعال ناجائز مبنی بر ارادہ و نیت۔ اس قسم کے افعال میں قلب مجرمانہ سے مراد ارادہ غرض اور مقصد ہے۔
۲۔ افعال ناجائز مبنی بر غفلت۔ اس طرح کے افعال میں قلب مجرمانہ سے مراد بے احتیاطی، لی جاتی ہے اور بے احتیاطی ضد ہے ارادۂ ناجائز کی۔
۳۔ افعال ناجائز مبنی بر ذمہ داری مطلق (جرائم مستلزم ذمہ داری) اس قسم کے افعال میں مرتکب کی نا جائز نیت اور نہ اُس کی غفلت مستلزم سزا کا خیال کیا جاتا ہے بلکہ بلا لحاظ ان دونوں حالتوں کے وہ اپنے فعل کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔
افعال ناجائز کے ان تین اقسام کا اس کے بعد اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا جائیگا جو ترتیب کہ فقرۂ بالا میں قرار دی گئی ہے۔

خلاصہ

ذمہ داری { طرز دیوانی — چارۂ کارانہ
طرز فوجداری — تعزیری }

ذمہ داری چارۂ کارانہ

اُس کا عام قاعدہ تعمیل مختص ہے۔

مستثنیات :-

۱- افعال ناجائز ناقابل ارجاع نالش۔
۲- افعال ناجائز عارضی۔
۳- افعال ناجائز جن کا اثر باقی اور جاری رہتا ہے۔ اس قسم کے افعال ناجائز میں فرائض کی تعمیل مختص سے متضرر کے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی اس لیئے تاوان یا ہرجے کا پانا اُس کے حق میں زیادہ مفید ہوتا ہے۔

تعزیری ذمہ داری { اُس کی شرائط۔
اُس کے اثرات۔
اُس کی مقدار۔ }

شرائط ذمہ داری تعزیری { اہم - فعل۔
باضابطہ - قلب مجرمانہ۔ }

ماہیت فعل :-

۱- افعال مثبت و منفی۔
۲- افعال ذہنی و خارجی۔
۳- افعال ارادی و غیر ارادی۔

اسباب و نتائج فعل۔

نسبت درمیان ناجوازی و ضرر۔

اـ تمام افعال ناجائز مضرت بخش افعال ہیں۔

افعال ناجائز { ایسے ناجائز افعال جن میں ضرر کا ثابت کیا جانا ضرور ہے۔
ایسے ناجائز افعال جن میں اس طرح کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی }

۲۔ تمام مضرت بخش افعال افعال ناجائز نہیں ہیں۔

ضرر جو ناجائز نہیں ہے (ضرر جائز)

(الف) ایک متنفس کا نقصان تمام قوم یا سوسائٹی کا فائدہ ہے۔

(ب) قانونی چارۂ کار کا نامناسب اور غیر ضروری ہونا۔

مقام و وقت فعل

تعزیری ذمہ داری کی باضابطہ شرط

قلب مجرمانہ { نیت۔
غفلت۔ }

افعال ناجائز { ۱۔ مبنی بر نیت۔
۲۔ مبنی بر غفلت
۳۔ مبنی بر ذمہ داری مطلق (مستثنیات متعلق قلب مجرمانہ)۔ }

اٹھارھواں باب

نیت اور غفلت

فصل ۱۳۳ ماہیت نیت

نیت سے مراد ایسا مقصد اور غرض ہے جس کی تکمیل کے لیئے کوئی کام کیا جاتا یا کسی فعل کا ظہور ہوتا ہے۔ جس فعل کو انسان کرنا چاہتا ہے اُس کی بابت پہلے سے علم رکھنا نیت ہے اور انسان کا یہی علم سابقہ اور اُس کی خواہش مل کر اُس کی نیت یعنی اُس کے فعل کا سبب سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ان دونوں کے ظہور پذیر ہونے سے اُس کی مرضی (اور ارادے) کی تکمیل ہوتی ہے۔ فعل کا بالارادہ کیا جانا اُس وقت کہا جاتا ہے جب انسان کے ذہن میں اور از روئے واقعہ دونوں طرح سے اُس کا وجود ہوتا ہے کسی کام کے کرنے کے پہلے انسان کو اُس کا جو خیال پیدا ہوتا ہے اس خیال اور تصور کا اظہار وہ اُس عالم میں اپنی خواہش سے کسی واقعے کے پیرایئے میں کرتا ہے[1]

فعل کا بالکلیہ غیر ارادی اور ارادی جزءاً غیر ارادی اور ارادی ہونا ممکن ہے۔ تمام فعل کا انسان کے ارادے پر مبنی نہ ہونا اس صورت میں کہا جاتا ہے جب اُس کا کوئی جزو اُس کے وقوع پذیر ہونے کے پہلے انسان کے تصور میں موجود نہ رہے یا اُس کا کوئی حصہ مرتکب کی ایسی غرض یا تدبیر کا نتیجہ نہ ہو جس سے

---

[1] ہومز کامن لا (انگلستان کا قانون غیر موضوعہ) صفحہ ۵۲ ... تحلیل کرنے سے نیت کے دو اجزا پائے جاتے ہیں پیش بینی اس امر کی کہ فلاں فعل کے فلاں نتائج ہوں گے اور ان نتائج کو پیدا کرنے کی خواہش جو اُس فعل کے ارتکاب کے لیئے محرک ہو کر انسان کی ترغیب کا باعث ہوتی ہے۔

قبل وقوع فعل وہ واقف نہ رہا ہو۔ مثلاً جس قرضے کی ادائی میرے ذمہ ہے اگر اُس کا مجھ کو بالکل خیال نہ رہے تو میرا ترک فعل یعنی قرضے کا ادا نہ کرنا بالکلیہ فعل غیر ارادی سمجھا جائیگا۔ ایسا ہی اگر میرے ہاتھ میں ایک تفنچہ ہو اور میں اُس کے گھوڑے کو بے احتیاطی سے دبا دوں اور اس حادثے سے ایک راہرو زخمی ہو جائے تو میرا یہ فعل ارادے پر نہیں بلکہ غفلت پر مبنی ہوگا لیکن اسکے برعکس تمام فعل کا ارادے پر مبنی ہونا ایسی صورت میں کہا جاتا ہے جب وہ اس خیال اور تصور کی شبیہ ہو جو مرتکب کے ذہن میں اس کے متعلق پہلے سے رہتی ہے اور اس تصور کا ظہور اس عالم اجسام میں فعل اور واقعے کے ذریعے سے ہوتا ہے اور فعل مرتکب کی اُسی حالت ذہنی اور تصور کا نتیجہ ہے لہذا ایسا فعل تمام وکمال مرتکب کے ارادے پر مبنی اور منحصر ہوتا ہے۔ فعل کی آخری اور تیسری شکل ایسی ہے جس میں فعل جزءاً غیر ارادی سمجھا جاتا ہے یعنی فعل کے تصور اور اس کے وقوع مرتکب کے ارادے اور اُس کے کام مرتکب کی تدبیر اور اُس کے نتیجہ مقصد میں ایک حد تک مطابقت اور یک رنگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً اگر میں کسی شخص کے مکان کی کھڑکیوں کو توڑنے کی غرض سے اُن پر پتھر ماروں اور اتفاقاً میرے اس فعل سے اُس شخص کو ضرر جسمانی پہنچے تو اگرچہ نتیجہ ثانیہ کے پیدا کرنے کی میری نیت نہ ہو لیکن یہ دونوں افعال مجھ سے منسوب کئے جائیں گے اور میں ہی ان کا مرتکب سمجھا جاؤں گا۔

جس طرح ایک شے اپنے جزو کی تکمیل سے نامکمل سمجھی جاتی ہے اسیطرح فعل کے ایک حصے کے مرتکب کے ارادے پر مبنی ہونے سے وہ تمام فعل غیر ارادی متصور ہوتا ہے اور اس لیئے اس طرح کے تمام فعل کا افعال غیر ارادی کی صنف میں شمار کیا جاتا ہے لہذا اگر فعل ناجائز کا کوئی اہم اور ضروری حصہ یا جزو ترکیبی مرتکب کی نیت کے دائرے سے خارج ہو جائے تو اُس پر ارادۃً ارتکاب فعل ناجائز کا الزام نہیں لگایا جاسکتا اس لیئے جن افعال ناجائز میں مرتکب کی نیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے اُن کو جرائم مبنی بر ذمہ داری مطلق یا

غفلت سمجھنا چاہیئے[۱]

فعل ناجائز صرف اُس صورت میں ارادے پر مبنی ہوتا ہے جبکہ اُس فعل کا ہر ایک جزو اور عنصر مبنی بر ارادہ ہو اور اس لیئے جس طرح فعل کی ابتدا اور اُس کی انتہا (یعنی نتائج فعل) کا مرتکب کی نیت پر مبنی ہونا ضرور ہے اسیطرح اُن حالات کا جن حالات میں کہ فعل کا صدور ہوتا ہے نیت مرتکب پر مشتمل ہونا لازم ہے۔ اگرچہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مرتکب فعل ناجائز کے حالات کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے یا وہ اُس کی نیت پر مبنی ہوتے ہیں لیکن اُس کا فعل بلحاظ حالات اُس کے ارادے اور نیت پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ حالات بھی اسی خیال اور تصور میں شامل ہوتے ہیں جو وقوع فعل کے پہلے مرتکب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اور جس پر نیت فعل کی بنا ہے۔ لہذا حالات فعل میں سے جس اہم حالت کا علم مرتکب کو قبل ارتکاب نہیں ہوا کرتا اس حالت کی بابت جرم زیر بحث غیر ارادی سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص (الف) کی زمین کو اپنی زمین باور کرکے اُس پر داخل ہو تو اُس کا فعل مداخلت بیجا بالارادہ نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ مداخلت کرنے والے کا ارادہ زمین زیر بحث پر دخل کرنے کا ہے لیکن اُس کی نیت اس زمین پر داخل ہونے کی نہیں ہے جو (الف) کی ہے۔ اس لیئے اس حالت کے متعلق کہ زمین (الف) کی ملک ہے مرتکب کا

---

[۱] یہ امر قابل غور ہے کہ اگرچہ مرتکب کے فعل کا وہ حصہ جو اُس کے ارادے پر مبنی ہوتا ہے بذات خود ایک جرم مبنی بر ارادہ ہے مگر ازبسکہ وہ اس بڑے اور غیر ارادی جرم کا جزو ہے جو مرتکب سے سرزد ہوتا ہے اس لیئے مرتکب سے اس طرح مواخذہ نہیں کیا جاتا جس طرح کہ جرم مبنی بر ارادہ کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شارع عام پر بندوق یا تفنچے کے چلانے کی قانوناً ممانعت ہو تو کسی سڑک یا عام راستے پر ارادۃً بندوق یا تفنچے کا چلانا جرم ارادی ہے۔ اس پر بھی ارادۃً ایسے مقام میں بندوق وغیرہ چلاکر کسی شخص کو ہلاک کرنا جرم ارادی نہیں بلکہ جرم مبنی بر غفلت سمجھا جاتا ہے۔

فعل اس کی نیت پر مبنی نہیں ہے ۔ایسا ہی اگر کوئی عورت اپنے شوہر اول کے زمانۂ حیات میں یہ باور کرکے کہ وہ زندہ نہیں ہے دوسرا شوہر کرلے تو اس سے بگمی (شوہر یا زوجۂ اول کے زمانۂ حیات میں دوسرا شوہر یا زوجہ کرنے) کا جرم ارادۃً سرزد نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس جرم کے حالات میں سے ایک اہم حالت اُس عورت کی نیت پر مبنی نہیں ہے اور اس اہم حالت کی بابت مرتکب کے ارادے اور فعل میں کسی قسم کی مطابقت نہیں ہے۔

ارادے میں توقع کا شامل رہنا ضرور نہیں ہے ۔اگرچہ انسان کو اکثر صورتوں میں اس امر کی بہت ہی کم توقع ہوتی ہے کہ جو نتیجہ وہ اپنے فعل کا پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کا وقوع اُس کے حسب خواہش ہوگا لیکن اس پر بھی وہ اس نتیجے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرسکتا ہے اس لیئے یہ کہنا صحیح ہے کہ آدمی کو اسکے فعل کی کسی حالت کے متعلق بہت ہی کم توقع ہونے کے باوجود بلکہ اُس حالت کی بابت اُسے مایوسی ہی کیوں نہ ہو اُس کا فعل اُس حالت کے متعلق جسکی اُسے خواہش ہے اُس کی نیت پر مبنی ہوسکتا ہے ۔اپنے فعل کے جس نتیجے کو انسان پیدا کرنا چاہتا ہے اور قبل ارتکاب فعل نتیجۂ مطلوبہ کے متعلق جو اُس کا تصور اور علم ہوتا ہے خواہ حصول نتیجہ کتنا ہی خلاف توقع اور دشوار معلوم ہوتا ہو وہی اُس کی نیت اور ارادہ ہے ۔اس کے برعکس اگر مرتکب کی قبل ارتکاب اپنے فعل کے کسی نتیجے کو پیدا کرنے کی خواہش نہ ہو اور اس بنا پر اُس نے پہلے سے اپنے ذہن میں اُس کا اندازہ بھی نہ کیا ہو حالانکہ اس نتیجے کے پیدا ہونے کے متعلق بہت کچھ توقع ہوسکتی ہو تو جو نتیجہ ایسے فعل کا برآمد ہوتا ہے اُس کو مرتکب کی نیت پر مبنی ہونا نہیں کہا جائیگا ۔مثلاً اگر میں ایک میل کے فاصلے سے کسی شخص پر بندوق چلاؤں تو اگرچہ مجھے اپنے نشانے کے خطا ہونے کا قوی احتمال ہے بلکہ ہزار میں سے ایک حصہ بھی اُس کے صحیح ہونے کی امید نہیں ہوسکتی اس پر بھی میرا بندوق چلانا میری نیت پر مبنی سمجھا جائیگا کیونکہ نشانہ لگانے کے قبل مجھے اُس کی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔علی ہذا القیاس جو شخص ایسے خط کی چوری کرتا ہے جس میں ایک چک ملفوف ہو وہ ارادۃً اُس چک کی بھی چوری کرتا ہے

کیونکہ قبل ارتکاب اُس کو اس خط میں چیک کے ملفوف ہونے کی امید ہوتی ہے حالانکہ خط میں چیک کے نہ ہونے کا اس کی اس توقع سے نہیں زیادہ احتمال واندیشہ ارتکاب فعل کے پہلے سے اُس کے ذہن میں لگا رہتا ہے اور وہ اپنے ان شکوک سے بخوبی واقف رہتا ہے۔

اس کے برخلاف توقع سے مراد نیت نہیں ہے چنانچہ بعض بیماروں کے متعلق سرجن (جراح) کو اس امر کا پہلے سے ایک قسم کا علم رہتا ہے کہ عمل بالید کی تکلیف اور صدمے سے وہ جاں بر نہ ہوسکیں گے اسپر بھی ضرورتاً اُس کو اپنے ایسے مریض پر عمل بالید کرنا پڑتا ہے اور اس لیے ایسے مریض کی ہلاکت جو سرجن کے فعل کا نتیجہ ہے اُس کی نیت پر مبنی نہیں ہوتی ہے بلکہ سرجن اس نتیجے کی امید یا اُس کا اندیشہ نہ کہ ارادہ کرتا ہے۔ اصل میں اُس کو عمل بالید سے اپنے مریض کے صحت یاب ہونے کی امید ہوتی ہے لیکن اس سے وہ ہرگز یہ توقع نہیں کرسکتا کہ لامحالہ مریض کو صحت ہو جائے گی۔

اگرچہ یہ ایک کلیہ ہے کہ انسان جس فعل کا ارادہ نہیں کرتا اُس کی اُسے خواہش بھی نہیں ہوتی ہے لیکن اس مقام پر ہم ناظرین کو ایک امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں آدمی جس شے یا فعل کی خواہش کرتا ہے محض اُس شے یا فعل کو حاصل کرنے کے لیئے اُس کے دل میں اسکی خواہش نہیں پیدا ہوتی بلکہ اُس شے کو وہ ایک دوسرے مقصد کے حصول کے واسطے ذریعہ اور واسطہ بناتا ہے۔ اگر میں کسی غرض کے حاصل کرنے کی خواہش اور ارادہ کرتا ہوں تو مجھ کو اُن ذرائع کے حاصل کرنے کی خواہش اور نیت پیدا ہوتی ہے جن کے واسطے سے میں اس مقصد کو پاسکتا ہوں حالانکہ ان مطلوبہ ذرائع سے مجھے قطعی نفرت ہی کیوں نہ ہو اگر میں کسی شخص کو لوٹ لینے کی غرض سے ہلاک کردوں تو ظاہر ہے کہ مجھے اُس کی موت کی خواہش ہوتی ہے اور میں اُس کو مار ڈالنے کا ارادہ کرتا ہوں حالانکہ مہلوک کے یا میرے فوائد کے لحاظ سے جو اُس کی زیست سے ہم دونوں کو حاصل ہو سکتے ہیں مجھے

اپنی اُس کو قتل کرنے کی ضرورت پر سخت ملال رہتا ہے۔
اچھا تو ان نتائج کے متعلق کیا سمجھنا چاہیئے جن کے پیدا کرنے کی مرتکب فعل کو خواہش نہیں ہوتی اگر اُن کے ظہور پذیر ہونے کا قبل ارتکاب اُسے یقین رہتا ہے کیونکہ ایسے ناخواستہ نتائج اُن نتائج کے ضمن میں پیدا ہوتے ہیں جن کے پیدا کرنے کی اُس کو خواہش ہوتی ہے اور جن کے حاصل کرنے کے لیئے وہ اپنے فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ مثلاً صناع (مالک کارخانہ) کو جو کسی صنعت کے متعلق کارخانہ قائم کر کے مزدور پیشہ لوگوں سے اجرت پر اُس میں کام لیتا ہے پہلے سے اس امر کا بخوبی علم رہتا ہے کہ جو لوگ روزانہ اُس کے یہاں کام کرتے ہیں اُن کو اس صنعت کی کلوں سے جو اُس میں استعمال کی جاتی ہیں اور اُس کے طریقے سے عمل جسمانی ضرر وغیرہ کے پہنچنے کا قوی احتمال اور خطرہ ہے نیز اُس کو اس بات کا یقین رہتا ہے کہ ہر ایک قسم کی احتیاط عمل میں لانے کے باوجود کلوں میں کام کرنے اور اُن کو چلانے کے سبب سے مزدوروں پر آئے دن سیکڑوں حادثے پیش آتے رہتے ہیں۔ اچھا جب ایسا ہے تو کیا مالک کارخانہ کی نیت اپنے مزدوروں کو ہلاک کرنا ہوتی ہے؟ ایسا ہی کیا وہ کپتان فوج جو میدان جنگ میں اپنے سپاہیوں کو دشمن پر حملہ کرنے یا اُس سے لڑائی شروع کرنے کا حکم دیتا ہے اپنی سپاہ کی ہلاکت کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ اُسے پہلے سے اس امر کا علم رہتا ہے کہ لڑنے میں اُس کے اکثر سپاہیوں کی جان جائے گی؟ ان سوالات کا جواب منفی میں دیا جاتا ہے یعنی مالک کارخانہ اور کپتان فوج کی نیت ہرگز اپنے مزدوروں اور سپاہیوں کو ہلاک کرنے کی نہیں ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے نتائج کے متعلق مرتکب کو پہلے سے علم و یقین رہتا ہے لیکن ازبسکہ مرتکب کی خواہش اُن کے پیدا کرنے کی نہیں ہوتی ہے اس لیئے اس قسم کے نتائج اُس کی نیت پر مبنی نہیں ہو سکتے ہیں[1] علاوہ بریں ”نیت“ کی

[1] طبع ہذا سے پہلے اس کتاب کی جن مطبوعات کی اشاعت ہوئی ہے اُن میں میں نے اپنے

اس طرح سے تعریف کرنا ممکن نہیں ہے کہ اس تعریف میں اُس کے دونوں نتائج کا شمول ہو سکے یعنی ایسی دو قسم کے نتیجے جن میں سے ایک نتیجے کو پیدا کرنے کی خواہش رکھنے کے باوصف مرتکب کو اُس کے ظہور کا بہت ہی کم احتمال ہو اور دوسرا ایسا نتیجہ جس کے پیدا کرنے کی خواہش نہ رکھنے کے بغیر اُس کے ظہور کا اُس کو قوی احتمال ہو۔ بہر حال ادب قانون میں ان دونوں قسم کے نتائج کے اظہار مفہوم کے لیئے ایک ایسا عام لفظ نہیں ہے جو ان دونوں کے عام تصور پر حاوی ہو سکے اور ان دو اصناف نتائج پر اُس کا اطلاق کیا جا سکے اس لیئے اُس نتیجۂ فعل کو جو ارادۃً پیدا کیا جاتا ہے اس نتیجۂ فعل سے جداگانہ سمجھنا چاہیئے جس کے پیدا کرنے کا علم مرتکب کو پہلے سے ہو جاتا ہے۔ اگرچہ معمولی بول چال میں نیت اور علم ایک ہی معنوں میں استعمال کیئے جاتے ہیں اور بظاہر دونوں میں کسی قسم کا فرق نہیں پایا جاتا ہے کیونکہ جو شخص کسی نتیجے کے پیدا کرنے کی نیت رکھتا ہے اُسے پہلے سے اس بات کا علم رہتا ہے کہ اُس کے فعل سے اُس کے حسب خواہش نتیجہ برآمد ہوگا اور جس شخص کو اُس کے فعل کے نتائج کا پہلے سے علم رہتا ہے گویا وہ ان نتائج کے پیدا کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ لیکن اس میں بعض صورتیں ایسی پیش آتی ہیں جن میں مرتکب فعل کو اپنے فعل کے نتائج کا پہلے سے علم ہونے کے بغیر وہ اُن کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے یعنی یہ ایسے نتائج ہوتے ہیں جن کے ظہور کا پہلے سے مرتکب کو نہ تو یقین ہوتا ہے اور نہ احتمال قوی بلکہ اُن کے برآمد ہونے کے متعلق محض اُس کی خواہش ہوتی ہے اور اس کا عکس وہ شکل ہے جس میں اگرچہ مرتکب کو اپنے نتیجۂ فعل کا پہلے سے علم رہتا ہے وہ اس امر کا پہلے سے بخوبی اندازہ کر لیتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اس خیال کے خلاف رائے کا اظہار کیا ہے لیکن مزید غور کرنے سے مجھ کو یہ رائے بدل دینی پڑی۔ قبل ارتکاب فعل مرتکب کے ذہن میں اپنے فعل سے جن نتائج کا پیدا ہونا یقینی اور ضروری ہے اُن کو میں نے سابق کے مطبوعات میں نتائج مبنی بر نیت قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

کہ اُس کے فعل سے جو عام نتیجہ پیدا ہونے والا ہے اُس کے سلسلے میں ایک مخصوص نتیجہ لامحالہ ظہور پذیر ہوگا لیکن اس مخصوص نتیجے کے پیدا کرنے کی اُس کی خواہش نہیں ہوتی بلکہ وہ اُس سے متنفر رہتا ہے اور اس لئے اس قسم کا مخصوص نتیجہ اُس کی نیت پر فی الواقع مبنی نہیں ہوتا۔ مثلاً اگرچہ بادشاہ داؤد کا اوریا کو جو بنی ہرطات سے تھا میدان جنگ میں اُس وقت جبکہ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا فوج کے آگے رہ کر دشمنوں کو ہٹانے کا حکم دینا اس امر کی دلیل ہے کہ بادشاہ مذکور کی نیت اوریا کو ہلاک کرانے کی تھی لیکن اُس کے اس یقین کی بابت کہ دوسرے سپاہیوں میں سے اکثر جو اوریا کے ساتھ دفع دشمن کے لیئے آگے بڑھے تھے ضرور ہلاک ہوں گے ازروئے واقعہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اُن کی ہلاکت بھی اُس کی نیت اور ارادے کا نتیجہ تھی[1] لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ واقعہ متذکرۂ صدر اور عموماً دوسری صورتوں میں مرتکب فعل ناجائز کی ازروئے قانون ایک ایسی نیت قرار دی جاتی ہے جسکا ازروئے واقعہ وجود نہیں ہوتا ہے یعنی مرتکب کی غفلت سے جو نتائج اُس کے فعل کے پیدا ہوتے ہیں وہ ازروئے قانون اُس کی نیت سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ مثلاً جو شخص ارادۃً دوسرے کو ضرر جسمانی پہنچاتا ہے اور اگر اس ضرر کے سلسلے میں اُس کی موت واقع ہو جائے تو مرتکب حالانکہ اُس کی نیت ضرر رسیدہ کو قتل کرنے کی ہرگز نہیں ہوتی ہے قتل عمد کا مجرم قرار پاتا ہے[2]۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مقدمات میں ازروئے قانون ملزم کی جس نیت سے استدلال کیا جاتا ہے وہ اُس کی نیت نہیں بلکہ نیت معنوی ہے اور اس

---

[1] جس تلمیح کی طرف مصنف نے اس مقام پر اشارہ کیا ہے وہ اہل اسلام کے عقیدے کے خلاف ہے اصل میں یہ یہودیوں کی روایت ہے۔ قرآن مجید سے عصمت انبیا ثابت ہے حضرت داؤد علیہ السلام اُن انبیاء میں سے ایک نبی ہیں جنکی نبوت پر ایمان لانے کا مسلمانوں کو قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے لہذا ایسے نبی سے ارادۃً یا بربنائے غفلت کسی گناہ کا سرزد ہونا خلاف احکام الٰہی اور ایک بعید از عقل معلوم ہوتا ہے۔ (از مترجم)۔

[2] قانون فوجداری مرتبہ اسٹیفن فصل ۲۴۴ طبع پنجم۔

دوسری نیت کے متعلق ایک ایسا عام اصول بیان کرنا جس کا اس قسم کے تمام مقدمات پر اطلاق ہو سکے ناممکن ہے کیونکہ اس امر کا تعلق ہر ایک سلطنت کے نظام قانونی کے امور تفصیلی (یعنی ضابطہ) سے ہے۔ بعض مقدمات میں یہ بھی طے ہوا ہے کہ مرتکب اپنے افعال کے قدرتی اور لازمی نتائج کی پہلے سے نیت رکھتا ہے اور اور ملزم کے متعلق اس قسم کی رائے قائم کرنا ایک قیاس قانونی ہے[۵۱] لیکن یہ ایک نہایت وسیع اور مبہم مقولہ ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو وہ فرق اور امتیاز جو قانوناً فعل ناجائز مبنی بر نیت اور فعل ناجائز مبنی بر غفلت میں کیا جاتا ہے باقی نہیں رہتا ہے بلکہ ہر ایک فعل ناجائز مبنی بر غفلت جرم بالارادہ میں ضم ہو جاتا ہے۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ برطانوی سلطنت کے قانون تعزیری میں وہ تمام نتائج فعل جو مرتکب کی غفلت سے نہیں بلکہ اس کی بے احتیاطی سے پیدا ہوتے ہیں اس کی نیت پر مبنی سمجھے جاتے ہیں یعنی یہ ایسے نتائج ہیں جن کے پیدا ہونے کا مرتکب کو قبل وقوع فعل احتمال قوی رہتا ہے اور وہ ان کے ظہور کا اندازہ بھی کر لیتا ہے[۵۲] بہرحال اس مقولے کا جو کچھ بھی منشا ہو اور اس کی صحت خواہ

---

[۵۱] بادشاہ انگلستان بنام ہاروی بارن وال اور کرس ویل جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ "فریق ملزم کے متعلق قیاس قانونی یہ ہے کہ وہ اپنے فعل کے ضروری اور قدرتی نتیجے کے برآمد ہونے کی نیت رکھتا ہے" اس تعبیر کا مقابلہ کرو فری مین بنام پوپ کے مقدمے سے جس کا فیصلہ چانسری اپیلز جلد ۵ صفحہ ۵۴۰ پر چھپا ہے اس کے علاوہ مقدمہ مرسر جو یک طرفہ فیصلہ کوینز بینچ ڈیوژن جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۸ میں شائع ہوا ہے قابل دید ہے۔

[۵۲] قانون تعزیری مولفہ کینی صفحہ ۱۴۸ طبع ہفتم "غرض میں ہمیشہ خواہش کا خیال شامل رہتا ہے اور ایسا ہی معمولی بول چال میں نیت سے مراد غرض لی جاتی ہے کیونکہ محاورۂ زبان میں انسان کا اسی فعل کو ارادۃً کرنا کہا جاتا ہے جس کے کسی نتیجے یا نتائج کو پیدا کرنے کی اس کی خواہش ہوتی ہے اور جس قسم کے نتیجے کے پیدا کرنے کا اس کو خیال ہوتا ہے وہ اس فعل کا مرتکب اپنی خواہش اور تمنا سے نہیں ہوتا لیکن اس کے برعکس قانون میں اصطلاح نیت کا اطلاق مثل لفظ خصومت (Malice) (کینہ و بغض) ان تمام نتائج پر کیا جاتا ہے جن کے پیدا ہونے کا امکان ہونیکا مرتکب کو

کیسی ہی کیوں نہ ہو مگر یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ متذکرۂ صدر تعزیرات کی رو سے کسی ناجائز اور خلاف قانون فعل کے جس قدر نتائج ہیں وہ ہمیشہ مرتکب کی نیت پر مبنی سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر اصطلاح نیت کا دائرہ مفہوم قانون میں واقعے اور حقیقت کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے۔ جو شخص پہلے سے اپنے فعل کے نتائج سے واقف رہتا ہے اُس کو قانون میں اس امر کے انکار کا موقع نہیں دیا جاتا کہ فلاں نتیجۂ فعل اُس کی نیت پر مبنی ہے۔ چنانچہ اسی اُصول کو عدالتوں نے ارادتاً جائداد کو ضرر پہنچانے کے جرم کے متعلق جس کا نفاذ قانون موضوعہ کے ذریعے سے ہوا ہے طے کیا ہے[۱] وہ مرتکب کا فعل کو ارادتاً کرنا اُس وقت سمجھا جائیگا جبکہ وہ ضرر پہنچانے کی نیت سے اسکا ارتکاب کرتا ہے یا اس امر سے واقف ہوکر اس فعل کو انجام دیتا ہے کہ اسکے ارتکاب سے (جائداد غیر کو) ضرر پہنچیگا۔" چونکہ معاشرتی اور ملکی انتظامات کو قائم رکھنے کی غرض سے فعل ناجائز مبنی بر غفلت کی زیادہ خطرناک اور موثر صورتوں میں مرتکب پر اس ذمہ داری یا مزید ذمہ داری کے عائد کرنے کی ضرورت ہے جو فعل ناجائز مبنی بر نیت کی شکل میں اُس پر عائد کی جاتی ہے کیونکہ ارادتاً فعل ناجائز کا مرتکب ہونا بنفسہٖ ایک جرم عظیم ہے۔

فصل ۱۳۴ نیت اور تحریک

انسان جس کسی فعل ناجائز کا ارتکاب کرتا ہے شاذ و نادر ہی اس کی نیت اور خواہش میں وہی ایک فعل ہوتا ہے اور شاذ و نادر ہی اُسی ایک فعل کے واسطے وہ اس جرم کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات مرتکب کی ایک آخری نیت

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ قبل وقوع فعل احتمال قوی رہتا ہے یعنی فعل کے تمام نتائج خواہ اُنکے پیدا کرنے کے متعلق مرتکب کی خواہش ہو یا اُن کے پیدا ہونے یا نہ ہونے کی بابت اندازہ کرنے میں اُس سے بے احتیاطی ہو جائے اُسکی نیت پر مبنی سمجھے جاتے ہیں۔"

[۱] رد بنام ناٹ (۱۸۹۳ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحۂ ۱۷۸ قول رسل لارڈ چیف جسٹس ۱۲۔

یا علت غائی بھی ہوتی ہے جس کی تمنا میں اور جس کے حصول کے واسطے وہ اپنے فعل ناجائز کو ایک ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ایک شخص جو دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے اُس کی غرض وہ فائدہ ہے جو دوسرے شخص کے نقصان سے پہلے شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ پہلا شخص اس مقصد آخری کے حاصل کرنے کی اسی طرح سے نیت رکھتا ہے جس طرح سے اُس کا ارادہ اس فعل ناجائز کے ارتکاب کا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی اس غرض آخری کو حاصل کرنا چاہتا ہے لہٰذا مجرم کی نیت کے دو جداگانہ اجزا نیت ابتدائی اور نیت غائی ہیں۔ پہلی نیت کا تعلق مرتکب کے فعل ناجائز سے ہے لیکن دوسری نیت اور اُس کے فعل ناجائز میں کوئی نسبت نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق اُس غرض یا سلسلۂ اغراض سے ہوتا ہے جن کے حاصل کرنے کے لیئے مرتکب سے فعل ناجائز سرزد ہوتا ہے۔ مثلاً چور کی نیت بلا واسطہ کسی دوسرے شخص سے اُس کا روپیہ لے لینا ہوتی ہے لیکن اُس کی نیت غائی اپنے لیئے اس روپیے سے غذا کا خرید کر مہیا کرنا یا اپنے قرضے کی ادائی ہوتی ہے اور اسی نیت غائی کو تحریک فعل کہتے ہیں۔

نیت بلا واسطہ یا نیت ابتدائی مرتکب کی مجموعی نیت کا وہ جزو ہے جو اُس کے فعل ناجائز سے منطبق ہوتا ہے یعنی فعل ناجائز کا ارتکاب نیت ابتدائی کے ضمن میں کیا جاتا ہے اور نیت آخری یا تحریک اُس کی نیت مجموعی کا وہ جزو ہے جو اُس کے فعل ناجائز کے حدود سے خارج رہتا ہے۔ جس طرح فعل کے واسطے نیت سے محدود ہونا ضرور نہیں ہے اُسی طرح نیت کے لیئے اس فعل سے محدود ہونا جس کے ذریعے سے اُس کا ظہور ہوتا ہے لازم نہیں ہے مجرم کی نیت ابتدائی اُس کی وہ غرض ہے جس کی تکمیل کے لیئے وہ فعل ناجائز کا ارتکاب کرتا ہے اور اُس کی نیت آخری یا تحریک فعل اُس کی وہ اصلی غرض ہے جس کے حصول کے لیئے وہ فعل ناجائز کا مرتکب ہو کر اُس فعل کو وہ غرض اصلی کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے لہٰذا ہر ایک فعل ناجائز کے متعلق دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مرتکب نے فعل کو کس طرح سے کیا ارادتاً یا حادثتاً؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ

اگر اُس نے فعل کا ارتکاب ارادتاً کیا ہے وہ اس کا کیوں مرتکب ہوا پہلے سوال کے ذریعے سے مرتکب کی نیت ابتدائی دریافت کی جاتی ہے اور دوسرے سوال کا تعلق اُس کی نیت آخری یا تحریک فعل سے ہے۔

مرتکب اپنی جس نیت آخری کے حاصل کرنے کے لیئے ایک فعل ناجائز کا ارتکاب کرتا ہے وہی اُس کے دوسرے فعل ناجائز کے ارتکاب کا سبب بن جاتی ہے مثلاً میرا کھوٹے روپیے بنانے کی غرض سے ایک سکہ (ٹھپا) تیار کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ میں کھوٹے روپیوں کو چلانے اور جاری کرنے کی غرض سے اُن کو بناتا ہوں اور اُن کے جاری کرنے میں میری نیت دوسروں کو فریب دینا ہے۔ظاہر ہے کہ ان میں کا ہر ایک فعل بذات خود ایک جرم ہے یا جرم ہو سکتا ہے اور جس نیت کے ساتھ ان میں کا کوئی ایک فعل کیا جاتا ہے وہ اس فعل کے لیئے مرتکب کی نیت ابتدائی ہے۔ان افعال کے لحاظ سے جو اس سلسلے میں زیر بحث فعل کے پہلے واقع ہوتے ہیں وہ مرتکب کی نیت آخری یا تحریک ہے۔

بعض صورتوں میں نیت آخری یا تحریک منفرد اور بسیط ہونے کے بجائے مخلوط ہوتی ہے اور ایسی اشکال میں مرتکب ایک تحریک کی بنا پر نہیں بلکہ دو یا دو سے زیادہ تحریکات کی وجہ سے فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔مثلاً ایک شخص جو دوسرے پر فوجداری نالش کرتا ہے اُس کی دو تحریکات ہو سکتی ہیں۔مستغیث کی ایک خواہش تو اپنے حق میں حکومت کا انصاف دیکھنا ہوتی ہے اور دوسری خواہش کی بنا پر وہ مدعی علیہ سے اپنی خصومت اور کینے کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ایسا ہی ایک شخص اپنا دیوالہ نکالنے کے ایک روز پہلے اپنے دائنین سے کسی ایک دائن کو دوسروں پر ترجیح دے کر اُسکا دین ادا کر سکتا ہے اور ایسا کرنے میں کچھ تو اُس کی خواہش دوسرے دائنین کو نقصان پہنچا کر اس ایک مخصوص دائن کو فائدہ پہنچانا اور کچھ اپنی ذات کو نفع پہنچانا ہوتی ہے لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ اس

قسم کے دیوالیہ کے ساتھ قانون کس طرح سے پیش آتا ہے۔ اسکے متعلق آگے تفصیل سے بیان کیا جائے گا مگر اس مقام پر اس قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ بعض وقت قانون میں مرتکب کی ذمہ داری اسکی تحریک فعل پر منحصر ہوتی ہے چنانچہ انگلستان کے قانون دیوالہ کی رو سے ہر ایک ایسے قرضے کی ادائی جو دیوالہ نکالنے کے چند ساعت یا نہایت قلیل مدت پیشتر دیوالیہ کسی ایک دائن کو دوسرے دائنین پر ترجیح دے کر ادا کرتا ہے مبنی بر فریب سمجھی جاتی ہے قانون مذکور میں وہ نیت سے جس کے ساتھ"، یا اسی قسم کے جو الفاظ میں انکی تعبیر کرنے میں ایک قسم کی متعدد اور مخلوط تحریکات فعل کی وجہ سے عدالتوں کو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ فیصلہ جات عدالت کے ذریعے سے عبارت محولہ پر جو روشنی ڈالی گئی ہے اور جو اُس کے تعبیرات کئے گئے ہیں اُن کی رو سے اس نیت کی جن کا قانون متذکرہ صدر میں ذکر ہے چار جداگانہ مفہوم ہیں۔ (۱) جس نیت کا اس قانون میں حوالہ دیا گیا ہے اُس سے مرتکب کی وہ خاص نیت مراد ہے جو اُس کے ارتکاب فعل کا سبب ہوتی ہے۔ (۲) ایسی متعدد تحریکات فعل میں سے جو ایک ہی قسم کی اور ایک وقت میں پیدا ہوئی ہوں کسی ایک تحریک کا ثابت کیا جانا مرتکب کی نیت کے قرار دینے کے لیۓ کافی ہے (۳) اس قانون میں جس نیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مرتکب کی خاص اور اصلی نیت ہے سلسلۂ فعل میں جن دوسری نیتوں کا مرتکب سے اظہار ہوتا ہے وہ اس مخصوص نیت کے مقابلے میں ذیلی اور تابع متصور ہوتی ہیں (۴) نیت محولہ ایک قسم کی فیصلہ کن نیت ہے اگر ایسی نیت کا وجود نہ ہو تو مرتکب سے اُس کے فعل کا ارتکاب نہیں ہوتا اس کے سوائے مرتکب کی جس قدر نیتیں ہیں وہ اس کے فعل کی تحریکات قرار پانے کے لیۓ مکتفی نہیں ہوسکتی ہیں بہرحال اس امر کا تعلق

کہ ان چار بیان کردہ معنوں میں سے کس مفہوم کا صحت کے ساتھ مقدمۂ زیر تصفیہ پر اطلاق ہو سکتا ہے مسئلۂ تعبیر سے ہے[1]

فصل ۱۳۵ خصومت

ارتکاب فعل ناجائز بالارادہ کے متعلق جو قانون اور نظریہ ہے قریب قریب ویسا ہی قانون لفظ خصومت کے متعلق ہے اور اسی طرح سے اس لفظ کا بھی قانون میں استعمال ہوا ہے اس لفظ کے دو مفہوم ہیں ایک مفہوم زیادہ تنگ اور دوسرا زیادہ وسیع ہے تنگ مفہوم کا معمولی بول چال سے اور وسیع مفہوم کا تعلق قانون سے ہے۔ مفہوم تنگ کے لحاظ سے لفظ خصومت کے معنی بد خواہی کینہ اور دشمنی کے ہیں لیکن قانون میں جو اس کا وسیع مفہوم استعمال کیا جاتا ہے اُس کے معنی نیت ناجائز یا نیت مجرمانہ ہیں۔ نیت مجرمانہ میں ہر ایک ایسی نیت داخل ہے جو از روئے قانون ناجائز سمجھی جاتی ہے یا جس کو قانون اپنی ضرورت سے ناجائز قرار دینا مناسب خیال کرتا ہے اور اس بنا پر قانون میں اس قسم کی نیت کے سبب سے صاحب نیت پر ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔ اس نیت کے ساتھ جو فعل کیا جاتا ہے اُس کو زبان قانون میں خصومتانہ کہتے ہیں۔ انگریزی قانون میں الفاظ خصومت اور خصومتانہ کا جو استعمال کیا گیا ہے وہ بلا دلیل نہیں ہے۔ لفظ خصومت (Malice) اصل میں لاطینی لفظ (Malitia) سے مشتق ہے جس کے معنی بدی اور برائی کے ہیں خواہ جسمانی برائی ہو کہ اخلاقی یعنی انسان کا طبعاً بد اور بدکار ہونا یا اپنے چال چلن سے اور افعال جسمانی سے بدی اور بدکاری کا اظہار کرنا ہے بہر حال لفظ ملیشیا کے معنی

---

[1] اس مضمون پر جو بحث کی گئی ہے اُس کے متعلق دیکھا جائے فیصلہ یکطرفہ بمقدمۂ ہل چانسری ڈویژن جلد ۲۲ صفحہ ۶۹۵۔ فیصلۂ باؤلن لارڈ جسٹس جو اس رپورٹ کے صفحہ ۷۰۴ پر شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھا جائے فیصلۂ یکطرفہ بمقدمۂ ٹیلر کوئینز بینچ ڈویژن جلد ۱۸ صفحہ ۲۹۵۔

محض بدخواہی اور دشمنی کے نہیں بلکہ بدی اور گناہ کے بھی ہیں اور اس لیئے
انگریزی قانون میں جو لفظ میلس بمعنی خصومت استعمال کیا جاتا ہے اُس میں
بُری غرض تدبیر نیت اور تحریک اور ہر ایک قسم کی بدی اور بُرائی داخل ہے[۱]
اس کے قبل نیت کی دو قسموں کا بیان ہو چکا ہے نیت بلا واسطہ
اور نیت آخری اور اس آخری نیت ہی کو تحریک کہتے ہیں۔ اصطلاح خصومت
کا اطلاق نیت کی ان دونوں قسموں پر کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے اس
اصطلاح کا مفہوم اس قدر مبہم ہو گیا ہے کہ بادی النظر میں اُس کے سمجھنے
میں ناظرین کو پریشانی ہوتی ہے لہذا میں اس ابہام کے متعلق وضاحت
کر دینا چاہتا ہوں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں فعل خصومت سے یا خصومتانہ
طور پر کیا گیا ہے تو ہمارے اس قول کے دو جداگانہ مطالب ہوتے ہیں۔
اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ فعل ارادتاً کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا مفہوم
فعل مذکور کا نیت مجرمانہ سے کیا جاتا ہے چنانچہ ایسے مرکب الفاظ کے ٹکڑوں
میں جیسا کہ خصومتانہ قتل انسان (قتل انسان مبنی بر خصومت) خصومتانہ
ضرر رسانی بہ جائداد میں خصومتانہ کے معنی بلا ارادہ یا مبنی بر نیت ہیں۔ مثلاً
اگر میں کسی شخص کے مکان کو ارادتاً آگ لگا دوں تو میرا اُس مکان کو جلا دینا
خصومتانہ کہلاتا ہے ورنہ میرا اُس کو آگ لگانا مبنی بر غفلت ہے۔ یہ بات بالکل
صاف ہے کہ ان تمثیلات میں جو لفظ خصومتانہ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد
مرتکب کی نیت آخری یا تحریک نہیں ہے لیکن اس کے برعکس ایسی عبارت میں
جیسا کہ خصومت سے استغاثہ پیش کرنا یا خصومتانہ نالش فوجداری کا دائر کرنا
ہے خصومت اور خصومتانہ سے مراد ایسی تحریک ہے جس کی بنا پر مدعی استغاثہ
یا نالش فوجداری دائر کرتا ہے لیکن وہ تحریک قانون میں پسندیدہ نظروں سے
نہیں دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً جس استغاثے کے پیش کرنے میں مدعی کی نیت آخری
یا غرض اصلی مدعیٰ علیہ کو پریشان کر کے اُس سے روپیہ وصول کرنا ہو تو وہ

---

[۱] اس کی مثال کے لیئے دیکھو ڈائجسٹ ۴-۳-۱ - مترجم۔

استغاثۂ خصومتانہ ہے۔ ایسا ہی اس ازالۂ حیثیت عرفی کی نالش میں جس میں مدعیٰ علیہ کو مدعی کی توہین کا استحقاق ہو مدعی کو خصومت مدعیٰ علیہ کے متعلق اس امر کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ اس توہین سے مدعیٰ علیہ کی نیت آخری مدعی سے بجبر روپیہ وصول کرنا ہے[1]

ہر چند قانون رومی میں لفظ ملیشیا (خصومت) استعمال ہوا ہے لیکن جو اصطلاح اس قانون میں نیت ناجائز کے لیئے استعمال کی جاتی ہے وہ ڈولس (Dolus) ہے بلکہ زیادہ صحیح اصطلاح ڈولس ملس (Dolus malus) ہے۔ نیت مجرمانہ کی دو قسمیں یا شکلیں ڈولس اور کلپا (Culpa) جرم) ہیں۔ بہر حال تنگ مفہوم کے لحاظ سے ڈولس سے مراد وہ نیت مجرمانہ ہے جس کے لیئے انگریزی قانون میں اصطلاح فریب یعنی دھوکا یا دغا دینے کی نیت[2] استعمال کی جاتی ہے۔ اس محدود مفہوم سے ترقی پاکر ڈولس کا دائرۂ مفہوم وسیع ہوتا گیا ہے تا ایں کہ ہر ایک قسم کے فعل ناجائز مبنی بر ارادہ کے لیئے اس کا استعمال ہونے لگا اور اب یہ لفظ انھیں عام اور وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن انگریزی قانون کی اصطلاح فریب کے مفہوم کو کبھی ایسی وسعت نصیب نہیں ہوئی اس پر بھی یہ اصطلاح ذو معنی ہونے کے سبب سے اصطلاح ڈولس کے

[1] خصومت کے جو دو مفہوم متن میں بیان کئے گئے ہیں انمیں سے صرف ایک مفہوم پر اس مشہور تعریف کا جو بمقدمہ بروملیج بنام پروسیر کے فیصلے میں ڈیارن ول او کلارنگین جلد ۴ صفحہ ۲۴۷ - آر - آر - جلد ۲۸ صفحہ ۱۴۱ میں بیان ہوئی بخوبی اطلاق ہوتا ہے "خصومت کا عام مفہوم ایک شخص کا دوسرے سے بدخواہی کرنا ہے اور معمولی بول چال میں یہ لفظ انھیں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن قانون میں اس لفظ سے مراد ایسا فعل ناجائز ہے جو بغیر کسی جائز عذر کے ارادتاً کیا جاتا ہے" اسی مضمون کی بابت باوین لارڈ جسٹس کا فیصلہ بمقدمہ مغل اسٹیم شپ کمپنی بنام میک گریگر گا ڈاینڈ کمپنی کوئینز بینچ ڈیویژن جلد ۲۳ صفحہ ۶۱۲ اور لارڈ واٹسن کا فیصلہ بمقدمہ ایلین بنام فلڈ (۱۸۹۸ء) اپیل کیسیز صفحہ ۹۴ قابل دید ہیں۔

[2] ڈائیجسٹ ۴ - ۳ - ۱ - ۲ -

مشابہ ہے۔ جیساکہ ابھی بیان کیا گیا ہے اس کے تنگ معنوں کے لحاظ سے اس کا مطلب دھوکا دہی اور دغا ہے اور اس لئے لفظ فریب جبر کا ضد سمجھا جاتا ہے لیکن مفہوم وسیع کے لحاظ سے اس میں ہر ایک قسم کی بد دیانتی داخل ہے یعنی انسان ناجائز رویہ جو کسی ہوس خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ دوسروں کو ضرر پہنچاکر اپنا فائدہ کرتا ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے فریب ضد ہے خصومت کی اور معمولی بول چال میں اسکا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر مجھے دوسروں کو دھوکا جبر یا کسی اور ذریعے سے نقصان پہنچاکر اپنا مالی فائدہ کرنا منظور رہو اور یہی میرے فعل ناجائز کی تحریک قرار پائے تو جو فعل اس مقصد برآری کیلئے مجھ سے سرزد ہوتا ہے وہ مبنی بر فریب کہلائیگا۔ لیکن اگر میرے فعل کی تحریک کا صرف اس قدر مقصد ہو کہ ایک دوسرے شخص کو نقصان پہنچنے سے مجھے خوشی حاصل ہوتی ہے اور مجھے اس کے نقصان سے اپنے کو کسی قسم کا فائدہ پہنچانا منظور نہیں ہے تو میرا فعل جس کا میں اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے مرتکب ہوتا ہوں مبنی بر خصومت کہلائیگا۔ مال کو چرانا مبنی بر فریب ہے یعنی فریب کے ذریعے سے انسان سرقے کا ارتکاب کرسکتا ہے لیکن جائداد کو ضرر پہنچانا مبنی بر خصومت ہے۔

فصل ۱۳۶ تعلق و عدم تعلق تحریک

اس کے قبل ابھی اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ جب کبھی کسی شخص کی ذمہ داری معرض بحث میں ہوتی ہے تو اس امر کی تحقیق کی جاتی ہے کہ اس شخص کی نیت بلاواسطہ کو کس طرح سے اور کس حد تک اُس کے فعل سے تعلق ہے۔ اگرچہ انسان کی ذمہ داری کے متعلق کسی عام قاعدے کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے لیکن یہ ایک صریح بات ہے کہ جب تک کسی شخص کا فعل اُسکے ارادے یا غفلت پر مبنی نہ ہو وہ اپنے فعل کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہرحال جب تک مرتکب فعل سے دو اہم اور باضابطہ شرائط کی خلاف ورزی

سرزد نہ ہو اس پر کسی قسم کی تعزیری ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی یعنی مرتکب کی نیت اور غفلت کا ثابت کیا جانا لازم اور مشروط ہے۔

اس فصل میں میرا مقصد نیت آخری یا علت غائی کو بیان کرنا ہے۔ نیت آخری ایک ایسی حالت ہے جس کا تعلق فعل مرتکب کے ساتھ ہوتا ہے۔ قانون میں کس حد تک تحریک مجرمانہ پر غور اور لحاظ کیا جاتا ہے کس حد تک عدالتیں ارتکاب جرم کے سبب کو نہیں بلکہ مرتکب کی غرض اور رعایت کو دریافت کرتی ہیں کس حد تک خصوصیت جس کا مفہوم مرتکب کی تحریک ناجائز ہے جرم قانونی کا ایک جزو ترکیبی سمجھی جاتی ہے۔

ہر چند ان سوالات کا ایک عام جواب دیا جا سکتا ہے تاہم وہ بھی چند اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ قانون میں تحریک فعل واقعۂ غیر متعلقہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے اگر کوئی شخص کسی ناجائز تحریک کی بنا پر کسی فعل جائز کا ارتکاب کرے تو اس کی تحریک کی وجہ سے اُسکا فعل ناجائز نہیں ہو سکتا اور ایسا ہی کسی تحریک جائز کی بنا پر کوئی ناجائز فعل جائز نہیں قرار پا سکتا کیونکہ قانوناً جو کسی مرتکب فعل کے مقابلے میں جو مواخذہ کیا جاتا ہے اس کا اس فعل کے نتیجے اور انجام پر انحصار ہے اور قانوناً اس امر کی تحقیق نہیں کی جاتی کہ مرتکب نے کن وجوہ اور اغراض سے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے۔

ایک فیصلے میں لارڈ ہوشل[۱] نے تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ قانون انگلستان کا یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو فعل بادی النظر میں جائز معلوم ہو وہ ان تحریکات کی بنا پر جن کی وجہ سے اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے ناجائز نہیں ہو سکتا اور نہ وہ قابل نالش ہی قرار دیا جا سکتا ہے"۔

اسی طرح ایک دوسرے فیصلے میں طے[۲] پایا ہے کہ "اگر کسی شخص کی جائز تحریک کی بنا پر اس کا کسی شخص غیر کی جائداد کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے تو اُس

---

[۱] ایلن بنام فلڈ (۱۸۹۸ء) اپیل کیسیز صفحہ ۱۳۲۔

[۲] کارپوریشن آف بیڈفرڈ بنام پیکلز (۱۸۹۵ء) اپیل کیسیز صفحہ ۵۸۷ و نیز صفحہ ۵۹۸۔

شخص کا اسی جائداد کو کسی ناجائز تحریک یا خصومت کی وجہ سے اپنے استعمال میں لانا ناجائز نہیں ہوسکتا" ایک دوسرے فیصلے میں لارڈ میکناٹن[۱] کی رائے ہے کہ "اگر ہم تحریک فعل کی تحقیقات کی اجازت دیدیں تو پبلک (اہل ملک) کو فائدے کے عوض سخت نقصان پہنچیگا ۔ بسا اوقات ایسا فعل جس کے خلاف مدعی داد رسی کا طالب ہوتا ہے بنفسہٖ جائز اور بے ضرر ہوا کرتا ہے اور بسبب جواز فعل مرتکب کو اپنے فعل کے نتائج قانونی سے اندیشہ اور خوف کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اور جو تحقیقات اس قسم کے افعال کی کی جاتی ہے اس کو سراسر غلط اور خلاف ضابطہ سمجھنا چاہیئے"۔ تمثیلات ذیل سے فعل کے ساتھ تحریک کا عدم تعلق بہ آسانی ناظرین کتاب کے ذہن نشین ہوسکتا ہے ۔ ہر مالک زمین کو ایک حد تک اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زمین کو جس طرح چاہے استعمال کرے خواہ اس کے ہمسایوں کی زمین اور مکانات کو اس سے ضرر ہی کیوں نہ پہنچتا ہو ۔ چنانچہ مالک زمین اپنے اپنے ہمسائے کے مجرائے روشنی کو جو اس کی زمین پر سے گزرتا ہے مسدود کرکے ہمسائے کے مکان کے روشندانوں کو بیکار بناسکتا ہے اسی طرح اگر وہ اپنی زمین پر ایک گڑھا کھودے تو اس کی وجہ سے اس کے ہمسائے کی دیوار کو جو ایک بنیادی مدد اس کی زمین سے پہنچتی ہے باقی نہیں رہ سکتی ۔ ایسا ہی وہ اپنی زمین میں سے پانی کو کھینچ کر اپنے ہمسائے کے کنوئیں میں قلت آب پیدا کرسکتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ مالکان اراضی کے اس قسم کے حقوق کی بنا ان تحریکات پر نہیں رکھی گئی ہے جن کی وجہ سے مالکان زمین اس قسم کے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جن کا تمثیلات بالا میں بالاجمال ذکر کیا گیا ہے ۔ قانون میں اس امر کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا کہ افعال متذکرۂ صدر کا ارتکاب مالک زمین اپنی نیک نیتی اور محض اپنی جائداد کو ترقی دینے کی غرض سے

---

[۱] ایلن بنام فلڈ (۱۸۹۸ء) اپیل کیسیز جلد ۹۲ صفحہ ۱۵۲۔

کرتا ہے یا اُس کے ایسے افعال بدنیتی اور دوسروں کی جائداد کو ضرر یا نقصان پہنچانے کی غرض سے صادر ہوا کرتے ہیں۔ مالک زمین کو اپنی جائداد کے ساتھ جس طرح چاہے پیش آنے اور اُس کو اپنے عمل میں لانے کا اختیار حاصل ہے[1]۔

بہرحال اس قاعدے کے متعلق جس کی رو سے فعل کے ساتھ تحریک کا عدم تعلق قرار دیا گیا ہے چند اہم مستثنیات ہیں اور اُن کا زیادہ تر تعلق قانون تعزیری (تعزیرات و ضابطۂ فوجداری) سے ہے۔ چنانچہ ذیل میں ان میں سے بعض مخصوص مستثنیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل ۱۳۷ اقدام جرم

کسی ایسے جرم کا اقدام کرنا (جس کا الزام تحریری مصدقہ چوری کلاں ہو یا جو قابل دست اندازی پولس ہو) بذات خود ایک جرم ہے۔ ہر ایک جرم کا اقدام ایک فعل ہے جو اس نیت کے ساتھ سرزد ہوتا ہے کہ جس جرم کی تقدیم کی جاتی ہے اُس کا ارتکاب کیا جائے۔ اسی نیت آخری یا تحریک کو ہر ایک جرم کے اقدام کی بنا اور بنیاد سمجھنا چاہیئے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ فعل جس کے ذریعے سے اقدام جرم کا ظہور ہو بنفسہ قابل الزام و اعتراض نہ ہو لیکن ایسا فعل صرف اسی حالت میں مجرمانہ اور قابل الزام سمجھا جائیگا جبکہ اُس کے انجام دینے کی غرض اور غایت

---

[1] قانون روما اور قانون انگلستان میں اراضی متصلہ کے مالکوں کے حقوق کے متعلق اختلاف ہے پہلے قانون کی رو سے غیر کی اراضی وغیرہ کو مخاصمانہ طریقے سے جو ضرر پہنچایا جاتا ہے اس کے خلاف ضرر رسیدہ جائداد کے مالک کی دادرسی ہو سکتی ہے اور اس قسم کے ضرر پہنچانے والے کے خلاف جائداد متضرر کا مالک نالش دائر کر سکتا ہے ملاحظہ ہو ڈائجسٹ ۹-۳۹-۳-۱-۱۲۔ جرمنی کے مجموعۂ ضابطۂ دیوانی دفعہ ۲۲۶ کی رو سے مالک زمین عموماً اپنے اس حق کی بنا پر دیدہ و دانستہ عمل نہیں کر سکتا اور نہ اس اختیار و حق کی وجہ سے عمداً غیر کو نقصان پہنچا سکتا اور اگر وہ اپنے اس قسم کے اختیار پر عمل کرنا بھی چاہے تو اس کا عمل ناجائز اور باطل قرار دیا ہے۔

مجرمانہ ہو۔ چنانچہ غذا میں سنکھیا کا شریک کرنا بذات خود ایک فعل جائز ہے کیونکہ احتمال ہو سکتا ہے کہ چوہوں کو ہلاک کرنے کی غرض سے مرتکب فعل نے ایسا کام کیا ہے۔ لیکن اگر کسی انسان کی جان لینے کی غرض سے کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے تو اُس کا یہ فعل اسی غرض کی بنا پر اقدام قتل عمد سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی صورتوں میں ان ممالک کے دساتیر قانونی میں جن کی بنا عقل وتدبیر پر رکھی گئی ہے تحریک فعل کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ ارتکاب جرم میں تحریک ایک واقعۂ متعلقہ سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ تحریک ہی کی وجہ سے فعل کے نتائج جو اس تحریک کے ذریعے سے کیا جاتا ہے مجرمانہ اور ضرر رساں ہوتے ہیں اس لئے قانون میں اس قسم کی تحریک مجرمانہ قرار دی گئی ہے۔

اگرچہ ہر ایک اقدام جرم ایک ایسا فعل ہے جو نیت مجرمانہ کے ذریعے سے انجام پاتا ہے لیکن اس کا عکس صحیح نہیں ہے یعنی ہر ایک فعل جو نیت مجرمانہ کی بنا پر کیا جاتا ہے وہ اقدام جرم نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے فعل میں اور اس جرم میں جو بالآخر تکمیل کو پہنچتا ہے دوسرے واقعات کے حائل ہو جانے سے بُعد واقع ہوتا ہے اور مرتکب کی نیت کے مجرمانہ ہونے کے باوجود اس پر تعزیری ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً اگر میں ایک شخص کی گھانس کی گٹھری کو آگ لگانے کی نیت سے ایک دیاسلائی کی ڈبیہ خرید کر لوں تو میرا یہ فعل جرم آتش زنی کا اقدام نہیں ہو سکتا لیکن اگر میں اُس گٹھری کے قریب جا کر ان دیاسلائیوں میں سے ایک دیاسلائی کو جلاؤں تو میری نیت میں ترقی ہونے سے مجھ پر اس جرم کے اقدام کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ نیت ارتکاب جرم ایک شئے ہے اور تیاری ارتکاب جرم شئے دیگر۔ لیکن ارتکاب جرم ان دونوں سے جدا ہے۔ بہر حال ان تینوں حالتوں میں فرق ہے اور ان کے نتائج قانونی بھی مختلف ہیں اور اسی بنا پر ہر ایک جرم کے چار مدارج اور اجزائے ترکیبی قرار دیئے گئے ہیں یعنی نیت، تیاری، اقدام اور تکمیل (اختتام)۔ ان میں کے پہلے دو مدارج یا اجزا عموماً غیر مجرمانہ اور ناقابل الزام سمجھے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی فعل کی نیت رکھے اور اُس کو عملی جامہ نہ پہنائے تو اُس کی نیت اسی طرح سے غیر مجرمانہ

سمجھی جاتی ہے جس طرح سے اُس کا کوئی فعل بغیر کسی نیت کے اس سے سرزد ہوتا ہے اور اس شخص کی نیت بلا فعل اور فعل بلا نیت دونوں کے سبب سے اس پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں عائد کی جا سکتی بلکہ اصول یہ ہے کہ مرتکب کے ارادے اور فعل میں اتحاد و اتصال ہونا چاہیئے ارادہ سبب ہے اور فعل مسبب، جبتک ارادے کا فعل کے ذریعے سے ظہور نہ ہو ارادہ اور فعل دونوں ناقابل الزام متصور ہوتے ہیں بعض صورتوں میں ایسے افعال تک قابل عفو سمجھے جاتے ہیں جن پر صرف تیاری جرم کا اطلاق ہو سکتا ہے حالانکہ نیت مجرمانہ کے دیباچے میں ان کا ارتکاب کیوں نہ کیا جاتا ہو مثلاً ہر ایک شخص ارتکاب جرم کی غرض سے پنچہ یا کوئی آلہ مہلک خرید سکتا ہے اور اس طرح کی خرید و فروخت کوئی جرم قانونی نہیں ہے۔ ان دونوں حالتوں کو قابل بازپرس نہ قرار دینے کی وجہ ظاہر ہے، یہ ایسی حالتیں ہیں کہ مرتکب ان میں اپنے ارادے کو تکمیل تک پہنچانے سے باز رہ سکتا ہے اور انجام کار کا اندازہ کر کے پشیمان ہو سکتا ہے لیکن جرم کے آخری دو مدارج کی ایسی کیفیت نہیں ہے بلکہ اقدام اور تکمیل فعل کی بنا پر مرتکب اپنے فعل کا قانوناً ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ لہذا مرتکب فعل کی بے گناہی اور نہ ارتکاب جرم میں کیونکر تمیز کرنا چاہیئے؟ تیاری جرم اور اقدام جرم میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ کس حد تک کوئی شخص اپنی نیت مجرمانہ اور خواہشات نفسانی کی پیروی کر سکتا ہے اور جب اس کا نفس اُس کو ملامت کرے یا دشواری فعل وغیرہ سے وہ مایوس ہو جائے تو اُس کا راہ کج سے پلٹ کر راہ راست پر آ جانا قانون تعزیری کی گرفت سے کہاں تک اُس کی گلو خلاصی کرا سکتا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا معقول اور تشفی بخش جواب دینے سے انگریزی قانون ساکت ہے۔ چنانچہ سر جیمز اسٹیفن نے اپنے مجموعۂ قانون تعزیری[1] میں اقدام جرم کی حسب ذیل تعریف کی ہے۔ "ہر ایک جرم کا اقدام ایک ایسا فعل ہے جو اُس جرم کے ارتکاب کی نیت سے کیا جاتا ہے اور اُس سلسلۂ افعال کا ایک جزو ہے

---

[1] آرٹیکل ۵۰ طبع پنجم۔

جو اس جرم کے ارتکاب کے لیئے اختیار کیا جاتا ہے) بشرطیکہ اس سلسلے کے واقعات سابق میں کسی قسم کی مزاحمت واقع ہوئی ہو اور اس سبب سے جرم تکمیل کو نہ پہنچا ہو لیکن اُس مقام اور حالت کی تعریف کرنی جہاں سے کسی جرم کے ارتکاب کے لیئے افعال کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے ناممکن ہے بلکہ ہر ایک مقدمے کے حالات پر اس کا انحصار ہے اور ہر ایک مخصوص مقدمے کے لحاظ سے سلسلۂ افعال میں اُس مقام کا تعین کیا جا سکتا ہے جس مقام سے اس سلسلے کی ابتدا ہوتی ہے؟ لیکن اقدام جرم کی آن قانون داں حضرات کی نہ تو کافی ہدایت ہوتی ہے اور نہ اُس کے ذریعے سے کوئی ایسا اصول طے پاتا ہے کہ جسکی وجہ سے اقدام جعل کے الزام میں ملزم کے خلاف سیاہی اور کاغذ خریدنے کا ثبوت پیش ہونے پر تجویز اثبات جرم روک دی جاسکے۔

لیکن تعزیرات جرمنی میں اقدام جرم کی تعریف اس کے برعکس کی گئی ہے۔ اس تعریف کے مطابق اقدام جرم ایک ایسا فعل ہے جو کسی جرم کے ارتکاب کی غرض سے کیا جاتا ہے اور اُس کے ذریعے سے اس جرم کی تکمیل کی ابتدا ہوتی ہے یعنی جب تک ایسا فعل جرم مکمل کا ایک جزو ترکیبی نہ ہو اقدام جرم نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا نہ ہو تو اس قسم کا فعل اقدام جرم نہیں بلکہ تیاری جرم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ تعریف بھی بالکل صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے یہ مسئلہ بخوبی حل ہوسکتا ہے۔ اگرچہ تکمیل جرم کے وقت سے واقف ہونا کوئی دشوار امر نہیں ہے لیکن اس بات کا علم کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس طویل سلسلۂ افعال ابتدائی کی کس منزل یا مقام سے (جو کسی جرم کے ارتکاب کے لیئے اختیار کیا جاتا ہے) اس جرم کی ابتدا ہوتی ہے؟ اس سوال کا بظاہر یہ جواب ہوسکتا ہے کہ ارتکاب جرم کی ابتدا اُس فعل سے ہوتی ہے جو اس سلسلۂ افعال میں سب سے پہلے ضروری نیت مجرمانہ کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن اس پر بھی اُس کے ایک فعل کا اُس سلسلے میں اس قدر دور واقع ہونا ممکن ہے کہ اس پر اقدام جرم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہوسکتا اور نہ اس پر اقدام جرم کی بنا ہوسکتی ہے۔

اچھا تو پھر اس کے متعلق صحیح اصول کیا ہے؟ ہر چند یہ نہایت دقیق اور پیچیدہ سوال ہے تاہم اس کے متعلق ایک جواب دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک جرم کا اقدام ایک فعل ہے لیکن اس فعل کی ایک خاص نوعیت اور ماہیت ہے اور اس خاص ماہیت کے سبب سے وہ فعل اس نیت مجرمانہ کی شہادت سمجھا جاتا ہے جس کا وہ نتیجہ ہوتا ہے اگر اقدام جرم کی کسی جسم سے تعبیر کی جائے تو اُس کے چہرے سے نیت مجرمانہ کا ظہور ہونا چاہیئے یعنی وقوع فعل سے مرتکب کی نیت مجرمانہ کا اظہار ہوتا ہے۔ واقعہ اپنے وقوع کو خود ثابت کرتا ہے۔ (Res ipsa loquitur) ۔ برخلاف اس کے جو فعل بنفسہ اور بظاہر بھی غیر مجرمانہ ہوتا ہے وہ کسی جرم کے اقدام کی بنا نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ کسی دوسرے طریقے پر مرتکب کی غرض اور غایت فعل کو ثابت کرنے سے اس کو اس فعل کی پاداش میں سزا دی جا سکتی ہے مثلاً دیا سلائی کا خریدنا جرم آتش زنی کے اقدام کی بنا نہیں ہو سکتا کیونکہ مشتری اپنے متعدد جائز اغراض کے لئے دیا سلائی خرید سکتا ہے اور اُس کا یہ فعل بذات خود غیر مجرمانہ ہے لیکن تلبیس سکہ کی نیت سے کسی سانچے یا اوزار کا خریدنا جرم جعل کا اقدام ہے کیونکہ فعل کی ذات سے ہی نیت مجرمانہ کا اظہار ہوتا ہے اور اس قسم کا فعل ہی اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جرم کی ابتدا اور اُس کی تکمیل کی غرض سے اس فعل کا ارتکاب کیا گیا ہے[۱]۔ ایسا ہی

---

[۱] نوٹ۔ حاشیہ صفحہ نشان ؏ مقدمہ رابرٹ، نظائر فوجداری مرتبہ ڈارسن صفحہ ۵۲۹۔ جارک بیرنٹ (رکن عدالت العالیہ انگلستان) کی رائے مندرجہ صفحہ ۱۵ قابل دید ہے جس کا ذیل میں اقتباس دیا جاتا ہے۔ ملاً کسی جرم خفیف کا اقدام اُس وقت تک قابل دست اندازی پولس نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے متعلق چالان پیش کیا جا سکتا ہے جب تک اس امر کا اطمینان نہ کر لیا جائے کہ وہ اقدام ایک ایسا فعل ہے جو بذات خود تقریباً ایک جرم سنگین مقصود ہوتا ہو اور میرے خیال میں فعل زیر بحث بخوبی جرم سنگین کی حد تک پہنچتا ہے۔ مجھے اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک ملک غیر کے سکہ بنانے کے سانچے انگلستان میں سوائے اس نیت کے نہیں لائے جا سکتے کہ ان سے سکہ بنایا جائے۔ میری رائے میں اسکے سوا ان سانچوں کی درآمد سے

قتل عمد کے ارتکاب کی نیت سے بندوق کا خریدنا اور اُس کو بھرنا معمولی حالات اور اوقات میں قتل عمد کا اقدام نہیں ہے لیکن کسی بھری ہوئی بندوق یا طپنچہ کو لیئے ہوئے کسی کی تاک میں چھپ کر بیٹھنا یا شست باندھنا یا گولی چلانا ایک ایسا فعل ہے جس سے اس نیت مجرمانہ کا اظہار ہوتا ہے جس کی بنا پر اس فعل کو کیا جاتا ہے اور اس لیئے ایسا فعل قابل سزا ہوتا ہے اگر اس مسئلے کی یہی تفسیر و توجیہ صحیح ہے تو جرم کی تیاری اور اقدام میں جو فرق کیا جاتا ہے اُس کی وجہ بخوبی ظاہر ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ تیاری جرم مرتکب کی نیت مجرمانہ ہے اور جس فعل کا وہ ارتکاب کرتا ہے وہ اسی نیت کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے لیکن اُس کو بے گناہ اور اُس کے فعل کو غیر مجرمانہ اس لیئے سمجھا جاتا ہے کہ اگر تیاری جرم کے خلاف شہادت لینے کا طریقہ رائج ہو جائے تو مخلوق خدا کو ناحق ان افعال کے لیئے سزا بھگتنی پڑے گی جو بذات خود غیر مجرمانہ ہیں اور جن کی نسبت کسی قسم کے الزام کا شبہہ نہیں ہو سکتا ہے کوئی شخص محض خیال رکھنے کی بنا پر سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا کسی شخص کو اُسکی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ملزم کی کوئی دوسری غرض جائز نہیں پائی جا سکتی ہے " وائٹ مین جسٹس نے صفحہ ۱۵۵ پر اپنی رائے کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ " فعل زیر بحث کا اس جرم کے ارتکاب سے براہ راست اتصال ہے جس کا قیدی پر الزام لگایا گیا ہے اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ملزم کی نیت اور غرض الزام منسوبہ کے ارتکاب کے سوا کچھ اور نہ تھی " جورس چیف جسٹس نے اسی رپورٹ کے صفحہ ۱۵۰ پر حسب ذیل اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ " ملزم کے قبضے سے ایسے اوزار اور آلات برآمد ہوئے ہیں کہ جن کا تعلق جرم منسوبہ کے سوا کسی اور شے سے نہیں ہو سکتا اور اوزار مذکورہ کے برآمد ہونے سے اس امر کا بھی بخوبی اظہار ہوتا ہے کہ ملزم کی نیت اس جرم کے ارتکاب کی تھی اور جو آلات ملزم کے یہاں سے برآمد کیئے گئے ہیں اُن کا جرم منسوبہ کے سوا کسی اور کام میں استعمال نہیں کیا جا سکتا "

نیت اور غرض مجرمانہ کے لیئے اس وقت تک سزا نہیں دی جاسکتی جب تک اُس کی ایسی نیت کا کسی فعل علانیہ سے اظہار نہ ہووے۔ ظاہر ہے کہ اس اصول کی خلاف ورزی سے نہ صرف انتظام ملک میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ انصاف کا خون کرنا ہے۔

اس کے علاوہ اقدام جرم کے نظریئے کی بابت ایک اور دشواری ہے۔ بعض افعال اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اگرچہ جرائم کے ارتکاب کی نیت سے اُن کو کیا جاتا ہے لیکن ان افعال کے ذریعے سے ان جرائم کی تکمیل ناممکن ہوتی ہے، مثلاً اگر میں کسی شخص کی خالی جیب میں چوری کی نیت سے ہاتھ ڈال دوں اور اُس میں سے کوئی چیز میرے ہاتھ نہ لگے یا میں شکر کو سنکھیا یاور کر کے کسی شخص کو کھلا دوں تو یہ میرا فعل کیا سمجھا جائیگا؟ قانون انگلستان کی رو سے مدتوں عدالتیں اس قسم کے فعل کے متعلق اقدام جرم کے اثبات کی تجویز کرتی رہی ہیں اور صدیوں تک لوگوں کا خیال رہا ہے کہ یہ سلسلہ افعال اور اُن واقعات کا اقدامِ جرم کا ایک جزو ہونا چاہیئے جو سلسلۂ افعال وغیرہ اس مخصوص جرم کے ارتکاب کے واسطے اختیار کیا جاتا ہے[۵۱]۔ لیکن چند سال سے اس خیال میں تبدیلی ہوگئی ہے اور گزشتہ چند برس کے عدالتی فیصلوں میں اصول سابقہ کے برعکس جدید اصول طے پائے ہیں[۵۲]۔ اصول سابق کے مطابق کسی جرم کے اقدام کے لیئے تقدیم کرنے والے کے ذہن میں اُس کے نتیجہ فعل کی کامیابی کی امید و امکان کا پیدا ہونا ایک امر لازمی تھا لیکن حال کے نظائر نے طے کر دیا ہے کہ امکان کامیابی اقدام جرم کا کوئی ضروری عنصر

---

۵۱ ملکۂ معظمہ بنام کالنز لے اینڈ کمپنی صفحہ ۴۷۱۔

۵۲ ملکۂ معظمہ بنام ڈنگ لا جنرل مرتبۂ ملن اینڈ گریک صفحۂ ۱۱۶۔ ملکۂ معظمہ بنام براون کوئینز بینچ ڈیویژن جلد ۲۴ صفحہ ۳۵۷۔

نہیں ہے اور ہماری رائے میں بھی یہی اصول صحیح ہے بر ینہم یہ مسئلہ دشواری سے خالی نہیں ہے اصول جدید کی تردید میں یہ دلیل پیش ہوسکتی ہے کہ جن افعال کے نتائج بے ضرر ہیں اور اُن کے ارتکاب سے کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوسکتا ہے لہذا ایسے افعال کو زمرۂ جرائم میں داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ایک شخص اپنے دشمن کو سحر کے ذریعے سے ہلاک کرنے کی کوشش کرے تو کیا اس کا یہ فعل اقدام قتل عمد سمجھا جائیگا؟۔

فصل ۱۳۸ عدم تعلق تحریک دیگر مستثنیات

ناظرین اس بات سے واقف ہوگئے ہیں کہ انسان کی نیت آخری یا تحریک قانون میں ایک شئے غیر متعلق خیال کی جاتی ہے اور اس قاعدے کا سب سے پہلا استثناء اقدام جرم ہے۔ اس قاعدے کا ایک دوسرا استثنا بھی ہے اور اس میں ایسی تمام اشکال داخل ہیں جن میں ہر ایک جرم کی تعریف ایک مخصوص نیت پر مبنی رکھی گئی ہے۔ مثلاً راتوں کو نقب زنی کا جرم ایک شخص کا دوسرے شخص کے مکان مسکونہ میں کسی جرم سنگین کے ارتکاب کی نیت سے رات کے وقت بذریعہ نقب داخل ہونے پر مبنی ہے۔ ایسا ہی جعل کے لیئے فریب دہی کی غرض سے کسی جعلی دستاویز کا بنانا ضرور ہے۔ اس قسم کے ارتکاب جرائم کیلیئے جو افعال کئے جاتے ہیں اُن تمام کا ماخذ خواہ کلاً ہو کہ جزاً مرتکب کی نیت آخری ہوتی ہے اور اس نیت کی وجہ سے ان افعال سے نتائج بد پیدا ہونے کا اندیشہ کیا جاتا ہے اس لیئے قانون میں فاعل کی نیت آخری واقعہ متعلقہ قرار دیگئی ہے۔
اگرچہ نیت آخری کا تعزیری ذمہ داری سے تعلق ہے لیکن دیوانی کی ذمہ داری سے اس کو کچھ تعلق نہیں ہے یعنی تحقیقات جرائم میں نیت آخری واقعۂ متعلقہ کن تا وانی یا دیوانی نالشوں میں مرتکب کی نیت آخری واقعۂ غیر متعلقہ سمجھی جاتی ہے۔ دوسری قسم کے دعووں میں قانوناً صرف فعل زیر بحث کی تحقیقات کی جاتی ہے لیکن ان تحریکات کے متعلق جن کی بنا پر ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں کسی قسم کی دریافت

نہیں کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دیوانی کے قانون میں بھی اس مضمون کے متعلق چند مستثنیات ہیں اور ان میں کے مخصوص مستثنیات وہ ہیں جو اس اصول میں داخل ہیں کہ کسی ناجائز تحریک اور خصومت کے بغیر جو مضرت بخش فعل کیا جاتا ہے وہ ضرر جائز متصور ہوتا ہے اور جب اس قسم کا فعل کسی ایسی تحریک کے ساتھ کیا جاتا ہے جو قانون میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی جاتی ہو تو وہ رعایت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ بعض اقسام کے ضرر جو منفرد اشخاص کو نقصان پہنچاتا ہے رفاہ عام کی غرض سے قانون میں جائز سمجھے جاتے ہیں اور جب تک اس طرح کے ضرر سے عوام کو تھوڑا بہت فائدہ پہنچتا ہے اور اس کو جاری رکھنے کی معقول وجہ پائی جاتی ہے اُس وقت تک قانون کی جانب سے اس کا انسداد نہیں کیا جاتا لیکن اس امتیاز اور رعایت کا بے جا استعمال شروع ہوتے ہی قانون اپنی سرپرستی کو مرتکب سے اُٹھا لیتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے جس قدر دعاوی ہیں اُن کی بنیاد خصومت ہے اور خصومت ثابت کرنے کے بغیر مدعی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے جرائم کی مثال ازالۂ حیثیت عرفی (جن صورتوں میں مُزیل کو توہین کی اجازت حاصل ہو) اور جھوٹے استغاثے کا پیش کرنا ہے۔ ان تمام اشکال ہو مدعی پر خصومت مدعی علیہ کا ثابت کرنا لازم ہے کیونکہ اگر خصومت کا ثبوت نہ دیا جائے تو مدعی علیہ کے متعلق عدالت کو ضرر جائز کے احتمال کرنے کا موقع ملتا ہے اور یہ احتمال مدعی علیہ کی نیک نیتی پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔

فصل ۱۳۹۔ ”حق ضرورت“

ارتکاب جرم بالارادہ کے نظریئے کی نسبت جو تحقیق و تفتیش ہم نے کی ہے ہم اس کو ایک مخصوص جرم کے بیان کے ساتھ ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس فصل میں اُس مخصوص شکل پر غور کرنا ہمارا مقصد ہے۔ اگرچہ اس صورت میں نیت تو موجود رہتی ہے لیکن نیت مجرمانہ مفقود سمجھی جاتی ہے۔ ذمہ داری کے مجبورو نظریئے کی رو سے کوئی فعل جس کا کرنا ضروری اور ناگزیر ہو خواہ فاعل اپنی

کامل نیت اور پوری توجہ سے ہی اُس کو انجام کیوں نہ دے جرم نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ ضرورت قانون سے ناواقف ہوتی ہے، (ضرورت کے نزدیک قانون کا وجود و عدم برابر ہے) یہاں ضرورت سے مراد ایک ایسی تحریک ہے جو قانون ملک کے منشا کے خلاف ہوتی ہے اور صاحب ضرورت پر اس کا اس قدر اثر غالب ہو جاتا ہے کہ قانون میں جرائم کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور جن کی وجہ سے انسان کے قلب پر جو خوف طاری ہوتا ہے وہ صاحب ضرورت کے دماغ سے زائل ہو جاتا ہے۔ حق مبنی بر ضرورت انسان کا ایک ایسا حق ہے کہ سزائے قانونی کا خوف اُسکو اس حق پر عمل کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ ارباب قانون کی رائے ہے کہ جن صورتوں میں تخویف اور دھمکی سے کام نہیں نکلتا ان اشکال میں قانون کو اُن حربوں سے مدد نہ لینی چاہیئے اور اگر سزا دینے پر عمل کیا جائے تو چند نفوس کے حق میں ایسی غیر ضروری بدی ہو جاتی ہے جس سے اہل ملک کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

اس حق کی ایک معمولی مثال دو ڈوبتے ہوئے آدمیوں کا ایک ایسے تختے کو پکڑ لینا یا اُس سے چمٹ جانا ہے جس کے ذریعے سے صرف ایک ہی شخص کو سہارا مل سکتا ہو۔ ایسی صورت میں مسئلۂ ایثار کا تصفیہ قانون کے ذریعے سے نہیں کیا جاتا بلکہ اخلاق پر مبنی ہے۔ اُن دو ڈوبتے ہوؤں میں اُس شخص کا جس سے کسی کی پرورش وغیرہ متعلق نہ ہو یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ دوسرے شخص کی جان پر جس کی شوہر یا پدر کی حیثیت ہے اپنی جان نثار کر دے اور اسی طرح سے اگر ان دو آدمیوں میں ایک بوڑھا اور دوسرا جوان ہو تو بوڑھا اپنی جان کو نوجوان کی زندگی پر اخلاقاً قربان کر سکتا ہے۔ لیکن قانون کے ذریعے سے ایسی صورتوں کے متعلق کسی قاعدے کا طے کرانا ایک فعل عبث ہے اس پر بھی قانون میں جو اصول طے ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں اگر ایک شخص قوی اور دوسرا ضعیف ہو تو طاقتور کو اپنی قوت کے ذریعے سے اپنی جان کو محفوظ رکھنے کا حق دیا گیا ہے ایک دوسری

ضرورت کی شکل جو لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتی ہے طوفان زدہ جہازوں کے ملاحوں کی ہے جو شکستہ یا ڈوبتے ہوئے جہاز سے اپنی جان بچا کر چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو جاتے ہیں اور جن کے ساتھ سامان خور و نوش نہیں ہوتا ہے۔ اس قسم کے ملاحوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ فاقہ کشی سے ہلاک ہو جائیں یا آپس میں ایک دوسرے کی جان لے کر مردم خوری کریں۔ حق ضرورت کی ایک تیسری مثال بھی ہے اور یہ ان صورتوں میں پیش آتی ہے جب ایک شخص کو دوسرا شخص فوراً اُس کی جان لینے یا اُس کے جسم کو ضرر شدید پہنچانے کا ناجائز خوف دلاتا ہے۔ ہابز کا مقولہ[1] ہے کہ "اگر کسی شخص کو اُس کی فوری ہلاکت کا خوف دلا کر بحالت مجبوری اُس سے کسی ناجائز اور خلاف قانون فعل کا ارتکاب کرایا جائے تو مرتکب فعل معذور ہے اور قانوناً اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جا سکتی ہے"۔

یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ فقرات بالا میں مرتکب جرم کے قلب سے اندیشۂ تعزیر قانونی کے زائل ہونے کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اُس کا تعلق کسی خاص اور نہایت سنگین سزا سے نہیں ہے بلکہ قانون میں جو معمولی اور معقول سزائیں جرائم کی مقرر کی گئی ہیں اُن کی دہشت ان حالتوں میں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے مرتکب کے قلب میں باقی نہیں رہتی ہے اس لیئے مرتکب کی ضرورت کے متعلق ایک معیار قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ناجائز تحریک سے مرتکب مغلوب ہو جائے اور اُس کے دل سے کسی جرم کی ایسی سزا کا خوف زائل ہو جائے جو قانون میں بلحاظ ضرورت ملک اور منصفانہ و معقول طور پر مقرر کی گئی ہو تو مرتکب کی ایسی ناجائز تحریک اُس کا حق یا اختیار مبنی بر ضرورت سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر نہایت خفیف سرقے کے لیئے مجرم کے زندہ جلانے کی سزا قانون میں مقرر کر دی جائے تو اُس کے خوف سے کسی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی گرسنہ اور مفلس کیوں نہ ہو روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تک چرانے کی جرأت نہیں ہو سکتی

---

[1] لیڈی اے تھان (نام تصنیف) باب ۲۷ تصنیفات ہابز بزبان انگریزی جلد ۳ صفحہ ۲۸۸۔

اور ایسی صورت میں حق ضرورت کا وجود ذہنی تک باقی نہیں رہتا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی سنگین سزاؤں سے دنیا کو حقوق جائداد کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے لہذا انسان کے قلب پر ایسی چند تحریکات کا اثر ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ اُن جرائم کا مرتکب ہوتا ہے جن کے لیئے قانون میں معقول اور مناسب سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ ایسی صورتوں میں نیت مجرمانہ کا ایک عنصر ضروری یعنی انسان کی وہ قوت ممیزہ اور آزادی جس کے ذریعے سے وہ نیک و بد میں تمیز کرسکتا ہے مفقود ہوجاتی ہے۔ پس جہاں تک حق ضرورت کا تعلق قانون کے مجرد نظریئے سے ہے وہاں تک اس حق کی وجہ سے مرتکب جرم پر کسی قسم کی قانونی ذمہ داری عائد نہیں ہوسکتی ہے۔

لیکن عملی نقطۂ نظر سے ایسی بین اور مثبت دشواریاں پیش آتی ہیں جنکی وجہ سے حق ضرورت کا دائرۂ عمل نہایت محدود کردیا گیا ہے۔ بہت ہی کم ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں مرتکب اپنے نفس پر قابو پاسکتا ہے اور نیک و بد میں تمیز کرسکتا ہے لہذا ایسی صورتوں میں فاعل کا اپنے فعل کے لیئے ذمہ دار قرار نہ دیا جانا صحیح اور جائز ہے۔ اس حق کے متعلق نظریئے اور عمل میں جو اختلاف ہے اُس کو رفع کرنے کی غرض سے قانون نے ان دونوں میں ایک قسم کا سمجھوتہ کرادیا ہے چنانچہ چند مخصوص اشکال میں عذر ضرورت تسلیم کیا جاتا ہے اور اکثر صورتوں میں ضرورت کی بنا پر مرتکب جرم اپنی ذمہ داری سے نہیں بچ سکتا البتہ اس عذر کے ثابت ہونے پر اس کا تعلق ذمہ داری کی مقدار اور درجے سے ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے سزا میں خواہ وہ کتنی ہی تقلیل اور برائے نام کیوں نہ ہو تخفیف ہوجاتی ہے لیکن مجرم سزایابی سے بالکل بچ نہیں سکتا۔ مثلاً جب ایک شخص کے سر پر غصے کا بھوت سوار ہوجائے اور وہ غیظ و غضب سے اندھا ہوکر قتل انسان کا مرتکب ہو تو اُس کا جرم قانوناً قتل عمد نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس میں تخفیف ہوکر اس سے کم درجے کا جرم قتل انسان مستلزم سزا قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سلطنت برطانیہ میں تباہ شدہ جہاز کے ملاح اپنی جان بچانے کے لیئے اپنے ساتھیوں کو

کاٹ کر جو کھا جاتے ہیں از روئے قانون اُن سے جرم قتل عمد کا ارتکاب ہوتا ہے لیکن شاہ انگلستان کے مراحم خسروانہ کی بدولت انکی سزائے موت چند سال کی سزائے قید سے مبدل ہو جاتی ہے[۱]

فصل ۱۴۰ غفلت

جرائم کے تین انواع ہیں اور اب تک جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کا تعلق ان کی پہلی نوع سے ہے یعنی جرائم مبنی بر نیت اور ارادے کا بیان ختم ہو چکا اور اس فصل میں ہم ان کی دوسری نوع کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور اور ان جرائم کا تعلق غفلت سے ہے۔

لفظ غفلت ایک ذو معنی لفظ ہے۔ ایک مفہوم کے لحاظ سے غفلت سے مراد انسان کے دماغ کی ایک مخصوص کیفیت ہے اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے غفلت کا اطلاق انسان کے اس فعل پر کیا جاتا ہے جو اس دماغی حالت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پہلے معنوں یعنی مفہوم ذہنی کے لحاظ سے لفظ غفلت ضد ہے نیت مجرمانہ کی اور یہ دونوں شکلیں ہیں قلب مجرمانہ کی جو مرتکب پر اُس کے فعل کی تعزیری ذمہ داری عائد کرنے کے لیئے ایک ضروری شرط ہے لیکن مطلب ثانی یعنی مفہوم خارجی کے لحاظ سے نیت مجرمانہ کی ضد نہیں بلکہ جرم بالارادہ کی ضد ہے۔ اسی طرح سے بعض اور الفاظ (انگریزی زبان میں) ذو معنی ہیں مثلاً ظلم کا مفہوم ذہنی انسان کی ظالمانہ طبیعت ہے اور اُس کا مفہوم خارجی وہ فعل ہے جس کا

---

[۱] ملکۂ معظمہ بنام ڈڈلی کوئینز بینچ ڈیویژن جلد ۱۴ صفحہ ۲۷۳ - تاریخ قانون تعزیری (فوجداری) مولفۂ اسٹیفن جلد ۲ باب ۱۸ میں جبر اور ضرورت کے متعلق جو قانون طے پایا ہے اُسکی تدوین ہو کر اسپر بحث کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ قتل انسان کے متعلق ایک مضمون لاکوارٹرلی ریویو (تبصرۂ قانون جو ہر تیسرے مہینے شائع ہوتا ہے جلد ۱ صفحہ ۵۱ پر طبع ہوا ہے اسکے علاوہ ملاحظہ ہو تعزیرات جرمنی دفعہ ۵۴ جس میں حق ضرورت کو صریحاً تسلیم کیا گیا ہے۔

انسان کی ظالمانہ طبیعت سے ظہور ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کے بعض الفاظ میں ابہام ضرور ہے لیکن اس کی وجہ سے مرتکب کے متعلق ایسا شبہہ نہیں واقع ہوسکتا جس کے سبب سے فعل کی صفت اور خاصیت کے دریافت کرنے میں مجبوری لاحق ہوتی ہو اور اس بنا پر لفظ غفلت میں جو ابہام ہے اُسکی وجہ سے فعل غافلانہ کے تعین میں کسی قسم کی دشواری نہیں پیدا ہوسکتی ہے اس کے علاوہ ابہام کی بنا پر غفلت کی جو دو قسمیں قرار پائی ہیں ان میں زیادہ فرق نہیں ہے بلکہ تقریباً وہ دونوں ایک ہیں۔ غفلت خارجی اصل میں ایک قسم کی غفلت ذہنی ہے جس کا فعل کے ذریعے سے اظہار کیا جاتا ہے اور غفلت ذہنی کے متعلق جب تک اس کا کسی فعل کے ذریعے سے اظہار نہ ہو قانون میں کسی قسم کی بازپرس نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں لفظ غفلت عموماً مفہوم ذہنی کے لیئے استعمال کیا جائیگا اور اس کا خارجی مفہوم فعل غافلانہ یا جرم مبنی بر غفلت کے لیئے استعمال[1] ہوگا۔ غفلت یعنی بے احتیاطی مستلزم سزا ہے۔ چنانچہ ولز جسٹس[2] نے ایک فیصلے میں تحریر کیا ہے کہ "غفلت سے مراد ایسی احتیاط کی عدم موجودگی ہے جس پر عمل کرنا مدعی علیہ کا فرض تھا" اچھا تو بے احتیاطی کا کیا مطلب ہے؟۔ اسمیں شک نہیں کہ لفظ بے احتیاطی میں نیت مجرمانہ نہیں داخل ہوسکتی کیونکہ یہ

---

[1] قانون روما میں لفظ غفلت کا مفہوم اصطلاحات "کلپا" (Culpa) اور "نگ لی جنیشیا" (Negligentia) کے ذریعے سے ادا کیا جاتا ہے اور ان الفاظ کی ضد "ڈولس" (Dolus) مبنی بر نیت مجرمانہ ہے۔ احتیاط یعنی عدم غفلت کیلئے اس قانون میں "ڈیلی جنیشیا" (Deligentia) استعمال کیا جاتا ہے لیکن انگریزی زبان میں (Delegence) بمعنی احتیاط کا استعمال منسوخ و متروک ہوگیا ہے اور اس لفظ کے موجودہ معنی مصروفیت و مشقت کے ہیں اور یہ لفظ بے احتیاطی کی نہیں بلکہ بیکاری کی ضد ہے لیکن قدیم زمانے کی یادگار کے طور پر یہ لفظ کتب قانونی میں استعمال کی جاتی ہے۔

[2] گرل بنام جنرل آیرن اسکرو کولی ایری کمپنی لاء ریورٹس۔ آکی سی بی صفحہ ۶۱۲۔

دونوں دماغ انسانی کی دو متضاد حالتیں ہیں اور اگرچہ ان دونوں حالتوں کا تعلق انسان کے افعال اور اُن کے نتائج سے ہے لیکن کسی ایک فعل کی نسبت ایک ہی انسان کے دماغ میں یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔ جس فعل کا نتیجہ بے احتیاطی پر مبنی ہو ممکن نہیں کہ اس کے واقع ہونے سے قبل فاعل نے اُس کا ارادہ کیا ہو اور ایسا ہی انسان جس فعل کا ارادہ کر لیتا ہے ممکن نہیں کہ بے احتیاطی کی وجہ سے اُس کا مرتکب ہو۔[1]

غفلت اور بے احتیاطی کے متعلق ایک اور امر قابل غور ہے ہر ایک شکل میں اس حالت کا بے توجہی اور بے پروائی پر مبنی ہونا ضرور نہیں ہے۔ اگرچہ عموماً غفلت بے توجہی اور بے پروائی پر ہی مشتمل ہوتی ہے لیکن اُس کا اُسی ایک چیز پر ہمیشہ مبنی ہونا امر لازمی نہیں ہے۔ مثلاً اگر میرے کسی فعل سے کسی شخص یا اُس کی جائداد کو ضرر پہنچے تو یہ ضرور نہیں ہے کہ میری ضرر پہنچانے کی نیت تھی بلکہ یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے بے پروائی کے سبب سے اپنے فعل کے مضرت بخش نتیجے پر غور نہیں کیا اور سرسری طور پر باور کر لیا کہ وہ فعل بے ضرر ہوگا لہٰذا اگر قبل ارتکاب میں لاابالی یا بے پروا ہو جاؤں تو یقیناً میرا فعل مبنی بر غفلت متصور ہو کر مجھ پر غفلت کا الزام عائد کئے جانے کا باعث ہوسکتا ہے۔ لیکن غفلت کی ایک دوسری شکل بھی ہے اور اسی قسم کی غفلت بے پروائی یا لاابالی پن پر ہرگز مبنی نہیں ہوتی ہے مثلاً اگر میں کسی ایسی سڑک پر جس پر لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت ہو اپنی بگھی کو سرپٹ دوڑاتا ہوا لے جاؤں اور اگرچہ مجھے اس امر کا بخوبی علم ہو کہ میری سواری کے تیز چلنے سے دوسرے راہ روؤں کو

---

[1] کیٹل ویل بنام واٹسن چانسری ڈیویژن جلد ۲۱ صفحہ ۷۰۶ فریب دلالت کرتا ہے منصوبے اور غرض پر۔ غفلت دلالت کرتی ہے کہ مرتکب نے بلا کسی منصوبے اور غرض کے بے احتیاطی سے کسی فعل کو انجام دیا۔

ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے تو بھی کسی کو یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ میری نیت لوگوں کو ارادتاً ضرر پہنچانے کی ہے۔ لیکن اگر میرے اس فعل سے کوئی راہرو کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو مجھ پر قتل انسان مبنی بر نیت (قتل عمد) کی نہیں بلکہ قتل انسان مبنی بر غفلت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں کسی کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا ہوں لیکن مجھ کو اس امر کا علم ہے کہ میری گاڑی کی تیز رفتاری سے راہروؤں کو صدمہ پہنچ سکتا ہے اور اگر ایسی صورت میں فی الواقع کسی کو ضرر پہنچ جائے تو میں غافل سمجھا جاؤں گا اور میرا فعل بے پروائی پر نہیں بلکہ غفلت پر مبنی سمجھا جائے گا کیونکہ مجھے اپنے فعل کے نتیجے کا پہلے سے اندازہ ہو چکا تھا اور اُس کے واقع ہونے کا گمان غالب تھا۔

اگر غفلت یا بے احتیاطی وہی حالت نہیں ہے جسکو ناعاقبت اندیشی یا بے پروائی کہتے ہیں تو پھر کیا وہ شئے ہے اور اُس کی کیا ماہیت ہے اس کا صحیح جواب صرف یہی ہے کہ بے احتیاط وہ انسان ہے جو احتیاط نہیں کرتا ہے۔ غفلت، کی اصل بے پروائی نہیں بلکہ بے اعتنائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات بے اعتنائی کی وجہ سے بے پروائی پیدا ہوتی ہے لیکن یہ دونوں ایک شئے اور ایک حالت نہیں ہیں بلکہ بے اعتنائی کے بغیر بے پروائی اور بے توجہی کا جیسا کہ مثال متذکرہ صدر سے ثابت ہے وجود ہوتا ہے۔ مثلاً اگر میں اپنے فعل کے نتائج پر توجہ نہ کروں یعنی ان سے بے پروا یا بے خبر ہو جاؤں تو قبل وقوع اُن کا جو میں اپنے ذہن میں اندازہ کرسکتا ہوں یا اُن سے مجھ کو وقوف حاصل ہو سکتا ہے اُس کے حاصل کرنے میں مجھ سے قصور ہو جائیگا لیکن اس کے برعکس اگر پہلے سے میں اپنے ذہن میں ان نتائج کا ٹھیک اندازہ اور موازنہ کرلوں تو بھی میں اُن نتیجوں سے بے اعتنائی کرسکتا ہوں اور اس لیے میرا فعل غفلت پر مبنی ہو سکتا ہے۔

لہذا کسی شخص کا اپنے کسی فعل اور اُس کے نتائج سے غیر واجبی طور پر اپنے ذہن میں بے اعتنائی کرنا غفلت کی بنیاد اور اصل[1] ہے اور اسی حالت کو غفلت کہتے ہیں۔

---

[1] تصور غفلت کے متعلق ایک نہایت عمدہ تحلیل تصنیف مرکل مسمی

جب ہم غفلت کی اس ماہیت سے واقف ہو جاتے ہیں تو نیت اور غفلت کے فرق کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی۔ جس شخص کا ارادہ ارتکاب جرم کا ہوتا ہے وہ اپنے فعل کے مضر نتائج کو پیدا کرنے کی خواہش رکھتا ہے اور اس لیئے ان نتائج کو پیدا کرنے کی غرض سے وہ اس فعل کو انجام دیتا ہے اس کے برعکس اُس شخص کی حالت جو غفلت کی وجہ سے جرم کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ اگر کامل طور پر نہیں تو ایک حد تک غافل کا فعل بے احتیاطی پر مبنی ہوتا ہے اور اس لیئے اُس کو اس فعل کے نتائج برآمد ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بے پروائی رہتی ہے لہذا فعل کے اندیشہ ناک اور ضرر پر محمول ہونے کے باوجود وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے ضرر پہنچانے کی خواہش رکھنے کے سبب سے مجرم بالارادہ اپنے فعل کا ذمہ دار متصور ہوتا ہے اور مجرم غافل کی ذمہ داری کا سبب اس کا کافی طور پر اپنے کو اس خواہش سے باز نہ رکھنا ہے جس کی بنا پر وہ کسی فعل مجرمانہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس لیئے اُس کا فعل قابل عفو نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے فعل کی ذمہ داری سے بچنے کے لیئے یہ عذر پیش کرے کہ میرا منشا اس سے کسی کو نقصان یا مضرت پہنچانے کا نہیں تھا تو اُس کا یہ جواب تشفی بخش

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ دفعات ۲۲ و ۲۳ میں درج ہے خصوصاً دفعہ ۲۳ ضمن (۱) قابل ملاحظہ ہے "جرم مبنی بر غفلت ایسا جرم ہے جو نیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ بے پروائی (gleichgultigkeit) یا بے اعتنائی (UnaufHirk samkeit) مستلزم سزا کے ذریعے سے سرزد ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسی صورت میں مجرم کسی کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا لیکن جو ضرر اُس کے فعل سے کسی دوسرے کو پہنچتا ہے اس سے اپنے کو وہ باز رکھنا بھی نہیں چاہتا لہذا مجرم کے قلب کی یہ جو دوسری حالت ہے اسی کو غفلت کہتے ہیں۔ قانون میں ضرر پہنچانے کی نیت کا نہ ہونا کافی نہیں ہے بلکہ قانون کا ہر ایک شخص کو حکم ہے کہ وہ اپنے ارادے سے اس ضرر کو روکے جو اس کے فعل سے دوسرے کو پہنچنے والا ہے۔

نہیں ہو سکتا کیونکہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے اور تردید میں اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ اگرچہ آپ کا مقصد کسی کو ضرر پہنچانا نہ ہو لیکن اگر آپ احتیاط سے کام لیتے تو آپ سے فعل زیر بحث ہرگز سرزد نہ ہوتا اور وہ نتیجہ بد جس سے کسی کو ضرر پہنچا ہے برآمد نہ ہوتا لہذا ضرر کی بنا پر آپ ذمہ دار نہیں قرار دئے گئے ہیں بلکہ نتیجۂ فعل کے برآمد ہونے یا نہ ہونے کے متعلق آپ نے بے احتیاطی اور بے اعتنائی کی ہے اس لئے آپ پر اُس کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔

تعریف متذکرۂ صدر کے مطابق غفلت قلب مجرمانہ کی ایک شکل اور قسم متصور ہوتی ہے اور ایسا خیال کرنا صحیح اور جائز ہے اور اس لئے غفلت کی وہی حیثیت اور اہمیت ہے جو نیت مجرمانہ کی ہے جس طرح نیت مجرمانہ بنائے ذمہ داری ہے اسی طرح غفلت ذمہ داری کی بنیاد ہے۔ انسان سے قلب کی بھی وہ ایسی حالتیں ہیں جن کی بنا پر معدلت تعزیری کے ذریعے سے مجرموں کی جو تادیب کی جاتی ہے وہ جائز ہے۔ ارادتاً جن جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے اُن کے مرتکبین کو سزائے قانونی کا دیا جانا صحیح ہے کیونکہ مجرم اپنی خواہش کی بنا پر اپنے فعل کے نتیجے کو برآمد کرتا ہے (اور اگر اُس کی اس طرح کی خواہش نہ ہو تو اُسکا ایسا نتیجۂ فعل جو جرم سمجھا جاتا ہے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا)۔ اور اُس کے سزایاب ہونے سے آئندہ اُس کے دل میں اس قسم کی مجرمانہ خواہش نہیں پیدا ہوتی بلکہ خواہش بد کی بجائے خواہش نیک کے پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے ایسا ہی جرم مبنی بر غفلت کی نسبت قانون میں جو سزا مرتکب کو دی جاتی ہے وہ بھی صحیح و جائز ہے کیونکہ غفلت کی صورت میں مجرم کو دوسروں کے اغراض و مفاد کی جانب سے بے پروائی ہوتی ہے اس لئے سزا پانے کے سبب سے اُس کی طبیعت میں جو یہ نقص ہے اُس کی تکمیل ہو جاتی ہے اور آئندہ سے دوسروں کے اغراض و مفاد کو وہ اپنے اغراض و مفاد سمجھنے لگتا ہے چونکہ اور دو اشکال کے سوا کسی اور شکل میں سزا موثر نہیں ہو سکتی اس لئے انھیں دو صورتوں میں وہ جائز سمجھی جاتی ہے۔ ہر ایک مجرم عذرات ذیل کی بنا پر مجرد نظریۂ قانون کی رو سے اپنے کو تعزیری ذمہ داری سے بری کر سکتا ہے میری وجہ سے جو ضرر (مدعی کو) پہنچا ہے وہ میری خواہش کا نتیجہ نہیں ہے

اور نہ یہ ضرر میرے ان افعال و نتائج پر مبنی ہے جن کے متعلق میں نے بے احتیاطی یا بے اعتنائی کی ہے۔ اس ضرر کے پہنچانے کا نہ تو میرا منشا تھا اور نہ احتیاط کرنے سے میں اس کے وقوع کو روک سکتا تھا۔

تحلیل متذکرۂ صدر کی رو سے غفلت کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں۔ ایک ایسی غفلت جو بے پروائی پر مبنی ہو دوسری ایسی غفلت جو اس پر مبنی نہ ہو۔ دوسری قسم کی غفلت کے لیے عام اصطلاح غفلت بالارادہ ہے اور اسی کو بے احتیاطی بھی کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں پہلی قسم کی غفلت سادہ کہلاتی ہے۔ جو غفلت بے پروائی پر مبنی نہیں ہوتی ہے اس میں مرتکب کو اپنے فعل کے ضرر کی نسبت قبل وقوع احتمال و امکان نظر آتا ہے لیکن غفلت کی دوسری قسم میں مرتکب پہلے سے اپنے نتیجۂ فعل کا نہ تو اندازہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے برآمد کرنے کا اس کا ارادہ ہوتا ہے مثلاً جو طبیب کمی استعداد یا بے پروائی کے سبب سے اپنے مریض کا ناقص علاج کرتا ہے وہ غفلت سادہ یا ایسی غفلت کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے جو بے پروائی پر مبنی ہوتی ہے لیکن اگر وہی طبیب مریض کی تکلیف رسانی سے اپنے کو بچانے کے لیے یا فن طب میں کسی عملی تجربے کے حاصل کرنے کی غرض سے مریض کو کوئی ناقص علاج بتائے تو ظاہر ہے کہ اس سے مریض کو جس نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ اور خطرہ ہے اس سے وہ پہلے سے بخوبی واقف رہتا ہے اس لیے اس طبیب کا فعل بالارادہ کہلاتا ہے[1]

ہر چند عملی نقطۂ نظر سے غفلت کی دو انواع قرار دینا اور ان میں اس طرح سے فرق کرنا بے سود ہے اور نہ تحقیقات مقدسہ میں اس تقسیم سے مدد ملتی ہے تاہم دو امور کی وجہ سے فقرات بالا میں اس کے متعلق بحث کی گئی ہے غلط طور پر یہ بات لوگوں کے ذہن نشین ہو گئی ہے کہ ہر ایک قسم کی غفلت کی بنا بے پروائی ہے۔ اس بحث کا دوسرا سبب الفاظ غفلت بالارادہ کی حیرت میں ڈالنے والی

---

[1] غفلت کی ان دو قسموں کے فرق کو کتاب مرکل مسمی دفعہ ۳۲ و (۳) میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ماہیت ہے۔ نیت اور غفلت میں جو اصلی فرق اور اختلاف ہے اُس کی رو سے
بظاہر غفلت بالارادہ دو متضاد الفاظ معلوم ہوتے ہیں اور ان سے ایک دوسرے
کا بطلان لازم آتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ مثلاً جو شخص اس امر
سے بخوبی واقف ہو کر کہ اُس کے فعل سے دوسروں کو ضرر پہنچنے کا قوی
احتمال ہے بالآخر ایک خطرناک کام کر بیٹھتا ہے اور اگر اس فعل سے کوئی
مہلک حادثہ پیش آ کر کسی شخص کی جان چلی جائے تو اس پر قتل عمد کا الزام
نہیں بلکہ غفلت کا الزام لگایا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ اس شکل میں
مرتکب کا "ارادہ" قتل انسان کا باعث نہیں ہے بلکہ اُس کا سبب غفلت
ہے۔ مرتکب سے صرف غفلت نہیں سرزد ہوتی ہے بلکہ وہ دیدہ و دانستہ
قصداً اور ارادتاً غفلت کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ فعل کو انجام دینے کے
وقت اُس کو اپنے فعل کی صحیح ماہیت کا علم رہتا ہے۔ علاوہ بریں اس لحاظ
سے بھی اس کے فعل کو بالارادہ سمجھنا چاہیئے کہ بوقت ارتکاب نتائج فعل کے
متعلق اُس کی حالت دماغی وہی ہوتی ہے جس کو مستلزم سزا بے پروائی
کہتے ہیں۔

فصل ۱۴۱ بحث متعلق اعتراض

تحلیل مذکرۂ صدر پر ذیل کا اعتراض وارد کیا جا سکتا ہے "یہ کہنا صحیح
نہیں ہے کہ ہر ایک شکل میں غفلت سے مراد بے احتیاطی یعنی بے پروائی
یا بے تعلقی ہے۔ مثلاً ایک شخص حالت سکر میں لڑکھڑاتا ہوا سڑک پر چلا جاتا
ہے اگرچہ وہ اپنے ذہن میں سیدھا راستہ چلنے اور اپنے پیروں کو اپنے
قابو میں رکھنے کے خیال پر اڑا رہتا ہے اور حتی الوسع کوشش کرتا ہے کہ اُسکی
متوالی چال سے کسی قسم کا حادثہ پیش نہ آنے پائے اُس پر بھی اگر اُس کے
بے قابو ہو کر کسی دکان کی کھڑکی پر گر جانے سے اس کھڑکی کو گزند پہنچے تو اس پر
غفلت کا الزام لگایا جا سکتا ہے اور اُس کا اُس کی کوشش و تشویش کے عذرات کو
اپنی صفائی میں پیش کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر کسی کم استعداد اور ناتجربہ کار طبیب کے

سوء علاجی سے اُس کے بیمار کو نقصان پہنچے اور اُس کی جانب سے طبیب پر غفلت کا الزام عائد کیا جائے تو وہ اپنی احتیاط اور فکر و تدبیر کو بطور عذر نہیں پیش کر سکتا ہرچند اس قبیل کے طبیب نے درحقیقت اپنے مریض کے علاج میں ایک دوسرے تجربہ کار اور لائق طبیب سے کہیں زیادہ محنت توجہ اور ہمدردی سے ہی کیوں نہ کام لیا ہو"

اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ تمثیلات بالا اور اس قسم کی جس قدر صورتیں پیش آتی ہیں ان میں بے احتیاطی بمعنی بے پروائی درحقیقت موجود رہتی ہے لیکن بے احتیاطی، فعل کا سبب قریب نہیں بلکہ سبب بعید ہوتی ہے۔ ہماری مثال کا شخص مخمور دوسرے اشخاص کی کھڑکیوں کے توڑنے کے خیال سے حالت سُکر میں راستہ طے کرنے کے وقت فکرمند ہوتا ہے اور اپنے کو صحیح و سالم راستے سے لے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اب اُس کی یہ کوشش و فکر اُس کے لیئے مفید نہیں ہو سکتی کاش اُس صفے یہ فکر و کوشش کچھ دیر پہلے کی ہوتی اور اگر وہ اس وقت کافی طور پر مآل اندیش و محتاط ہوتا تو وہ اپنے کو مے نوشی سے محفوظ رکھتا اور جو حادثہ کہ پیش آیا وہ معرض وقوع میں نہ آتا۔ یہی جواب اس کم استعداد اور ناتجربہ کار طبیب کے متعلق بھی دیا جاتا ہے جس کا ذکر فقرۂ بالا میں کیا گیا ہے۔ یہ ایک قانون کا طے شدہ اصول ہے کہ کسی شخص کا کسی پیشے یا فن سے ناواقف ہونا اور اس میں تجربہ و مہارت نہ رکھنا اُسکی غفلت کے مساوی ہے۔ عدم قابلیت اور ناتجربہ کاری بذات خود ایک قسم کا جرم[ا] ہے جو شخص جس تجارت یا پیشے کو انجام دیتا ہے اس کو اُس کی انجام دہی کے متعلق اس قدر معلومات اور لیاقت ہونی چاہیئے کہ وہ اس فن کو معقول استعداد اور قابلیت سے چلا سکے لیکن جس شخص میں ایسی معقول استعداد نہیں ہوتی ہے وہ اپنی کم استعدادی اور کم علمی کے سبب سے جو ضرر اور خطرہ (اس کے پیشے یا فن کو) پہنچتا ہے اُس کے لیئے وہ اپنی ذات سے ذمہ دار ہے اور اسی لیئے

[ا] انسٹی ٹیوشن جسٹی نین ۴-۳-۷-

اس کو اس کا خسارہ اٹھانا چاہیئے نااہل اور ناواقف کار طبیب پر اس کے مریض
کی ہلاکت کی ذمہ داری اور ناتجربہ کار نعل بند پر اُس گھوڑے میں لنگ پیدا کرنے
کی ذمہ داری جس کا نعل باندھنے میں اُس سے غلطی ہوئی ہو ازروئے قانون
عائد کی جاتی ہے اور اس ذمہ داری کا سبب طبیب یا نعل بند کی اپنے فن سے
لاعلمی اور ناتجربہ کاری نہیں ہے کیونکہ فن کا جاننا اور اُس میں مہارت پیدا کرنا ایک
نہایت دشوار امر ہے اور قانون کی جانب سے کسی شخص پر ایسا بار نہیں ڈالا
جاتا جس کا وہ متحمل نہ ہو، پھر بھی اس قسم کے اشخاص کی ذمہ داری کی قانون
میں ایک خاص وجہ ہے۔ چونکہ اس طرح کے اہل فن جاہل اور ناتجربہ کار
ہونے کے باوجود ان پیشوں کو انجام دینے کا ادعا کرتے ہیں جن کے چلانے
کی اُن میں اہلیت نہیں ہوتی ہے اس لیئے ایسے لوگ اپنے افعال کے نتائج کے ذمہ دار
قرار دیئے گئے ہیں۔ قانون کی رو سے کسی شخص کے لیئے ایک اچھا جراح
(سرجن) یا عمدہ وکیل بننے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہر ایک شخص کا قانونی
فرض ہے کہ جب تک وہ ایک عمدہ جراح یا وکیل بننے کی استعداد و مہارت
نہ پیدا کرلے اُس پیشے کو انجام نہ دے ہم نے جس ناتجربہ کار طبیب کی مثال
دی ہے اُس کی ذمہ داری کا بھی یہی سبب ہے اُس کی ذمہ داری اس وجہ سے
نہیں ہے کہ اس نے بوقت علاج اپنے مریض کی صحت سے بے احتیاطی کی بلکہ
جس پیشے کو وہ انجام دے رہا ہے اُس کی اُس میں اہلیت نہیں ہے اور
اُس کو اختیار کرنے کے پہلے اُس نے اپنی موجودہ قابلیت سے زیادہ اپنے کو
اس کا اہل باور کیا اور اس باور کرنے میں اس سے بے احتیاطی سرزد ہوئی
اس لیئے وہ اپنی بے احتیاطیٔ سابق کی بابت مریض زیر بحث کے سوء علاج
میں ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ اگر طبیب مذکور کو اپنے پیشے کے جاری کرنے
سے پہلے اس امر کا علم ہوتا کہ اس میں اس قدر قابلیت نہیں ہے جس کی پیشۂ طبابت
کی انجام دہی کے لیئے ضرورت ہے تو اس سے اُس وقت بے احتیاطی نہ
واقع ہوتی لیکن ایسی صورتوں میں انسان اپنے نفس کو دھوکا دیا کرتا ہے اور ممکن
ہے کہ ہماری مثال کے طبیب نے بھی باور کرلیا ہو کہ اُس میں اُس کے پیشے کو

چلانے کی کامل قابلیت ہے۔ اس صورت میں ہم کو راہ تلاش پر ایک اور قدم آگے بڑھ کر مرتکب کی اس حالت ذہنی کا پتا لگانا چاہیئے جس کو بے پروائی کہتے ہیں اور جس پر ہر ایک قسم کی غفلت مبنی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے متعلق جو اپنے میں کسی قابلیت کو باور کرکے ایسا کام کر بیٹھتے ہیں جس سے دوسرے کو ضرر پہنچتا ہے قانون کا حکم ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرنے سے قبل کامل غور وفکر سے کام لیں۔ چونکہ طبیب زیر بحث نے اس قسم کی رائے قائم کرنے میں زمانہ سابق میں بے احتیاطی کی تھی اس لیئے آج مریض کے سوء علاج کے ضمن میں اس بے احتیاطی کی ذمہ داری اس پر عائد کی جاتی ہے ایسا ہی ہر ایک شخص سے آج کے دن قانون اس رائے کے متعلق بازپرس کرسکتا ہے جس کو بے احتیاطی سے برسوں پہلے اُس نے قائم کیا تھا۔

فصل ۱۴۲۔ معیار احتیاط

قانون نے بعض صورتوں میں احتیاط کو فرض گردانا ہے۔ ان اشکال کے سوا کسی اور صورت میں بے احتیاطی نہ تو مستلزم سزا سمجھی جاتی ہے اور نہ اس کی وجہ سے مرتکب پر کسی قسم کی قانونی ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے۔ بجز ان چند شکلوں کے ایک شخص کا دوسروں کے اغراض ومقاصد سے بے پروائی کرنا جائز ہے۔ چونکہ اس فرض کا تعلق قانون مجرد سے نہیں بلکہ قانون عین یعنی ملک کے عملی قانون اور ضابطے سے ہے اس لیئے اس کے متعلق کسی ایک عام اصول کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ حسب ضرورت قانون ملک کی بعض صورتوں میں بے احتیاطی کو جائز اور بعض اشکال میں ناجائز قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ غفلت کے متعلق قانون تعزیری کی رو سے جو ذمہ داری عائد کی جاتی ہے اس کو ایک قسم کا استثناء سمجھنا چاہیئے اور شاذ ونادر ہی اس قانون میں مرتکب کی ذمہ داری کا سبب غفلت قرار پاتی ہے کیونکہ تمام جرائم نیت پر مبنی ہوتے ہیں یعنی ہر ایک جرم مرتکب کے ارادے کا نتیجہ ہوا کرتا ہے اور قلب مجرمانہ کی دو شکلوں (نیت مجرمانہ اور غفلت) میں عدالت تعزیری کی سختی اور تشدد کے لیئے غفلت غیر مکتفی وجہ خیال کی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک شکل میں غفلت کے ساتھ اس طرح رعایت نہیں کی جاسکتی ہے چنانچہ قتل انسان مبنی بر غفلت ایک تعزیری جرم ہے۔ برعکس اس کے دیوانی کے قانون میں قلب مجرمانہ کی

ان دو قسموں میں اس طرح سے فرق نہیں کیا جاتا ہے اور اس لیئے بطور کلیہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جو فعل نیت پر مبنی ہونے سے دیوانی کے قانون میں ناجائز (یعنی جرم) سمجھا جاتا ہے وہی فعل اگر غفلت پر مبنی ہو تو بھی اس قانون میں جرم سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی کام کے دیدہ و دانستہ نہ کرنے کے متعلق کوئی قانونی فرض عائد کیا جائے تو اسی فعل کو حادثتاً واقع نہ ہونے دینے کی نسبت احتیاط کرنے کے لیئے وہی فرض قانونی عائد کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ قاعدہ بھی چند مستثنیات سے خالی نہیں ہے اور یہ اُن صورتوں میں پیش آتی ہیں جہاں دیوانی کے قانون کی ذمہ داری کے لیئے بھی نیت مجرمانہ پر ان افعال کا مبنی ہونا لازم ہے جنکی وجہ سے مرتکب پر قانون مذکور کی مقرر کردہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایسی صورتوں میں جو شخص بالارادہ دوسرے کو ضرر پہنچاتا ہے وہ دیوانی کے قانون کی رو سے ذمہ دار ہے حالانکہ اس فعل کے نہ کرنے کے متعلق جس سے ضرر پر منتج ہوتا ہے احتیاط کرنا اُس کو لازم نہیں ہے۔ مثلاً دیوانی کے قانون کی رو سے ایک شخص ارادۃً دروغ بیانی کر کے دوسرے کو فریب دینے کا مجاز نہیں ہے لیکن جب تک قانون کی رو سے کوئی مخصوص فرض ایک شخص پر عائد نہ ہو وہ اپنے اُن غلط بیانات کے لیئے جن کو وہ اپنی نیک نیتی سے صحیح باور کرتا ہو اور ان کے بیان کرنے میں خواہ اُس سے کتنی ہی غفلت سرزد کیوں نہ ہو بری الذمہ ہے حالانکہ اُس کی اس غلط بیانی سے دوسرا شخص فریب میں کیوں نہ آجائے[1] اس قسم کے مقدمات ایسی صورتوں میں پیش آتے ہیں جبکہ فریقین یا اُن اشخاص کے مابین جن کو معاملے سے تعلق ہوتا ہے صراحتاً یا کنایتاً کوئی معاہدہ طے پاتا ہے یا کسی امر کے متعلق قول و قرار کیا جاتا ہے مثلاً جو شخص اپنی کوئی شے دوسرے کو عارتیاً بلا معاوضہ دیتا ہے اس کا فرض ہے جو خطرناک نقائص اس شے میں موجود ہیں اور جن کو فی الواقع وہ جانتا ہے اُن کا اظہار عاریت لینے والے پر کر دے لیکن شے کے حوالے کرنے کے قبل اس کے صحیح و سالم ہونے کی نسبت عاریت دینے والے کو تحقیق و احتیاط کر لینی لازم نہیں ہے اور اس شے کے جن نقائص سے وہ ناواقف ہے اُن کو دریافت کر کے اُن کے متعلق عاریت لینے والے کو اطلاع کرنا بھی اُس کا فرض نہیں ہے کیونکہ جو شخص کسی شے کو (بلا معاوضہ) عارتیاً لیتا ہے کنایتاً

[1] ڈیری بنام پیک اپیل کیسیز جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۷ لی لیور بنام گولڈ (۱۸۹۳ء) کوئینز بنچ جلد ۱ صفحہ ۴۹۱۔

یا معنوی طور پر وہ اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اسی حالت میں جس حالت میں کہ اسکو وہ شئے پہنچی تھی اُس کے مالک کو واپس کرے گا اور اس دوسرے شخص کے قبضے میں آنے کے بعد شئے مستعار میں جن نقائص کا پتا چلتا ہے اُن کے متعلق عاریت لینے والا ذمہ دار ہے۔ مگر کرائے پر جو چیز لی جاتی ہے اُس کی اس کے برعکس کیفیت ہے۔ کرائے کی شئے کو صحیح و سالم رکھنے کے متعلق کامل احتیاط اور حفاظت کرنا کرایہ دار کا فرض ہے اور یہ حفاظت و احتیاط ایسی ہونی چاہیئے جیسی کہ مالک اپنی شئے کی حفاظت و پرداخت کرتا ہے[1]۔

بے احتیاطی کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں اور اس لحاظ سے اس میں اور قلب مجرمانہ کی دوسری شکل میں فرق ہے۔ نیت کا یا تو وجود ہی ہو سکتا ہے یا عدم لیکن نیت کے درجۂ موجودگی کی نسبت سوال نہیں کیا جا سکتا یعنی جب نیت کے متعلق بحث کی جائے تو اس امر کا دریافت کرنا کہ مرتکب کی نیت کی کیا مقدار رہے اور کس درجے کی اُس کی نیت ہے ممکن نہیں۔ بے احتیاطی پر جو فعل بنی ہوتا ہے اور اُس کے ذریعے سے دوسروں کو جو ضرر پہنچا یا پہنچنے کا اندیشہ ہے اس مناسبت سے بے احتیاطی کی مقدار راست بدلتی رہتی ہے۔ اگرچہ ایک شخص کی نیت دوسروں کو ضرر پہنچانے کی نہیں ہوتی ہے لیکن جب اُس کے فعل سے دوسروں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ بے احتیاطی کا

---

[1] سکاروی بنام نیک (لاریپورٹس مرتبۂ ہرلسٹن اینڈ نارمن جلد ۶ صفحہ ۳۲۹۔ کافلن بنام گلیسن (۱۸۹۹ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۱۴۵۔ اسی لیئے ان دوکان داروں کا فرض ہے جن کی عمارتیں بوسیدگی کی وجہ سے خطرناک حالت میں ہوتی ہیں۔ ان اشخاص کے جسم و جان کے متعلق حفاظت کریں جو ان دوکانوں میں بغرض کاروبار یا خریداری آتے ہیں لیکن جو شخص ایسے دوکان دار کی اجازت سے دوکان میں داخل ہوتا ہے اُس کے مقابلے میں دوکان دار پر قانون کسی فرض کو عائد نہیں کرتا۔

گاٹ ریٹ بنام ایجرٹن لاریپورٹس مرتبۂ کیرنگٹن اینڈ پین جلد ۲ صفحہ ۳۷۱۔ اسطرح سے ثالث فریب کے لیئے ذمہ دار ہے مگر غفلت اور نااہلیت کی وجہ سے کوئی ذمہ داری نہیں عائد کی جا سکتی۔ تھارسس سلفر اینڈ کاپر کمپنی بنام لافنس لاریپورٹس مرتبۂ سی۔ پی۔ آئی جلد ۸۔

مرتکب سمجھا جاتا ہے اور جس قدر ضرر پہنچنے کا خطرہ زیادہ ہو اُس قدر بے احتیاطی زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ ضرر کے لحاظ سے اُس کا صدور اور وجود دو امور پر موقوف ہے اولاً مقدار ضرر جس کے پہنچنے کا لوگوں کو اندیشہ ہو اور ثانیاً وقوع ضرر کا احتمال و امکان۔ جس قدر ضرر زیادہ ہو اور اُس کے واقع ہونے کا لوگوں کو جس قدر زیادہ احتمال ہو اُس قدر اُس شخص کی بے پروائی یا بے احتیاطی زیادہ سمجھی جاتی ہے جس نے اس ضرر کے واقع ہونے کا خطرہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا ہے۔

چونکہ بے احتیاطی کی مقدار بدلتی رہتی ہے اس لیئے اس امر سے واقف ہونا ضرور ہے کہ کس درجے کی بے احتیاطی غفلت مستلزم سزا کی بنا ہو سکتی ہے قانون نے احتیاط کا کیا معیار قرار دیا ہے۔ اعراض و حقوق غیر کی حفاظت کیلئے منجانب قانون ہر ایک شخص پر کس مقدار کی حزم و احتیاط فرض گردانی گئی ہے اور کن حدود کے درمیان بے پروائی جائز قرار دی گئی ہے۔

اس مقام پر ہم کو ایک ایسے معیار احتیاط پر غور کرنا ہے جس کو قانون انسان کیلیئے مقرر کر سکتا تھا لیکن اس پر اُس کو عمل کرانا مناسب نہیں خیال کیا گیا۔ فطرت انسان جس درجے کی احتیاط پر عمل کرنے کی متقضی ہے اس سے زیادہ درجے کی احتیاط پر عمل کرنے کا قانون نے انسان کو حکم نہیں دیا ہے۔ مثلاً اگر مجھ سے نادانستہ طور پر کوئی فعل سرزد ہو جائے اور اس سے کسی کو نقصان پہنچے تو ازروئے قانون اُس کے لئے میں ذمہ دار نہیں ہوں لیکن اس فعل کی ذمہ داری مجھ پر عائد کرنے کے لیئے یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ اگر میں اعلےٰ درجے کی عقل سے کام لیتا اور زیادہ غور سے آل کار کا اندازہ کرتا تو نتیجۂ فعل سے فعل کے واقع ہونے سے پہلے واقف ہو جاتا اور اس فعل کے انجام تک پہنچانے سے باز رہتا۔ اگر میں اس امر سے واقف بھی ہو جاؤں کہ میرے فعل سے جس کو میں کرنے والا ہوں دوسروں کو ضرر پہنچنے کا امکان ہے اور اگر میں ہر ایک قسم کی ممکن احتیاط سے کام لوں تو لوگوں کو جو ضرر میرے فعل سے پہنچنے والا ہے اس سے میں باز رہ سکتا ہوں اس پر بھی میں اپنے فعل کے لیئے قانون میں ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورتوں میں جس احتیاط پر عمل کرنے کا قانون میں حکم دیا گیا ہے وہ ممکن احتیاط نہیں ہے

بلکہ معقول احتیاط ہے اور اس کا تعلق بمقدار ضرر سے ہے۔ اگر انسان کے لیئے اس اصول کے علاوہ کوئی دوسرا اصول احتیاط کے متعلق قرار دیا جاتا تو دنیا کے کاروبار میں خلل واقع ہوتا لہذا ہر ایک شخص کو ایک حد تک اپنے ابنائے جنس کو ضرر پہنچانے کی قانون میں اجازت دی گئی ہے اور اس قسم کے ضرر کے متعلق فعل کے واقع ہونے سے پہلے جو مرتکب کو علم ہوجاتا ہے اُس کی وجہ سے اُس کا فعل ناجائز نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر میرا بارود کا کارخانہ کسی حادثے کی بنا پر یعک سے اُڑجائے (اور اُس سے کام کرنے والوں کو ضرر پہنچے تو) مجھ پر غفلت کی ذمہ داری نہیں عائد کی جاسکتی حالانکہ کارخانے کے قائم کرنے اور اس صنعت کو جاری کرنے سے پیشتر مجھ کو اس صنعت کی خطرناک خاصیت کا بخوبی علم تھا اگرچہ اس بے پروائی سے لوگوں کی جان و مال کو نقصان پہنچتا ہے لیکن یہ ایسے خفیف درجے کی بے پروائی ہے کہ قانون میں جائز سمجھی گئی ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ آلات آتش انگنی کی صنعت و تجارت اور اُن سواریوں کے تیز چلانے سے جنھیں گھوڑے کھینچتے ہیں کثرت سے حادثے پیش آتے ہیں اور کافۂ انام کی جان و مال کو ضرر پہنچتا ہے۔ جس شخص کی طبیعت میں اعلیٰ درجے کی احتیاط اور دوسروں کی اغراض و حقوق کا لحاظ ہوتا ہے وہ اس قسم کے خطرناک کاروبار سے فطرتاً احتراز کرنا چاہتا ہے۔ پھر بھی مخلوق کی ضرورتوں اور اغراض کے لحاظ سے اس قسم کے کاروبار کا جاری رکھنا ناگزیر ہے اور ان حادثات کے ذریعے سے انسان کی جان و مال کو جو نقصان پہنچتا ہے اُس کا برداشت کرنا بھی اس کے لیئے ضرور ہے لہذا قانون میں احتیاط کے متعلق کوئی ایسا معیار نہیں قرار دیا گیا ہے جس کی رو سے اس قسم کے مستعدانہ کاروبار پر مستلزم سزا غفلت کا اطلاق ہوسکے لہذا ناواجب بے احتیاطی پر انسان کا عمل کرنا قانون میں ممنوع قرار پایا ہے اور ناواجب احتیاط کرنے کی قانوناً کسی شخص کو ضرورت نہیں ہے اور ان دو قاعدوں میں جو فرق ہے وہ نہایت مصلحت اور خوبی سے قانون میں طے کیا گیا ہے۔

اس کے برعکس مرتکب کے ایسے عذرات کہ میں نے فعل کے ارتکاب سے قبل بہترین تدبر و تفکر سے کام لیا اور جو فعل مجھ سے سرزد ہوا وہ محض میری نیک نیتی پر مبنی ہے اور مقدمے کے حالات کے لحاظ سے جس قدر احتیاط کرنا میری رائے میں ضروری پایا گیا اُس قدر میں نے احتیاط کی ناکافی اور ناقابل لحاظ سمجھے جاتے ہیں۔ ہر ایک مقدمے میں

یہ امر تحقیق طلب نہیں ہوتا کہ آیا مرتکب کا فعل کافی احتیاط پر مبنی تھا بلکہ اصل میں اس بات کو دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا فی الواقع مرتکب نے اس درجے کی واجبی احتیاط پر عمل کیا جسکا معیار قانون میں معین کیا گیا ہے۔

اچھا تو احتیاط کے متعلق قانون میں کونسا معیار قرار دیا گیا ہے ہر ایک مقدمے کے مخصوص حالات کے لحاظ سے احتیاط کی مقدار مقرر کی گئی ہے اور وہ معیار احتیاط اسی مقدمے کے لیئے واجبی سمجھا جاتا ہے[۵۱] واجبی احتیاط برتنے کی جو قانون میں ہدایت کی گئی ہے اُسکا عموماً مختلف طرزِ انشا کے ذریعے سے (انگریزی ادب قانونی میں) اظہار کیا جاتا ہے۔ مثلاً "کسی معقول شخص" کا فعل یا کسی "معمولی عقل کے انسان" کا فعل اور اسی قسم کے چھوٹے چھوٹے جملے واجبی احتیاط کے لیئے استعمال کیئے جاتے ہیں اور ان سے ایسا شخص مراد ہے جس کے مزاج میں دور اندیشی ہو اور جو عقل سلیم رکھتا ہو۔ چنانچہ ایک فیصلے[۵۲] میں لکھتا ہے کہ "غفلت سے مراد کسی ایسے کام کا نہ کرنا ہے جس کو کوئی معقول آدمی کرتا یا کسی ایسے فعل کا انجام دینا ہے جس کو کوئی معقول آدمی انجام نہ دیتا"۔ ایک اور فیصلے[۵۳] میں لکھا ہے کہ "ہم کو اس قاعدے کی متابعت کرنی چاہیئے جس کی رو سے ہر ایک حالت میں ایسی احتیاط کرنے کا حکم ہے جس کو ایک معمولی عقل کا آدمی برتا کرتا ہے... ایک معمولی عقل کا آدمی جس قسم کی احتیاط پر عمل کرتا ہے اسی قسم کی احتیاط کرنے کا کا فۂ انام کو حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ایک قاعدے کی شکل میں مدون کر لیا گیا ہے"۔

ہر ایک مقدمے کے حالات کے لحاظ سے اس امر کا تصفیہ ہو سکتا ہے کہ اس مقدمے میں "کون شے" اور "کیا حالت" واجبی احتیاط ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان حالات سے وہ شخص جسکا فعل زیر تحقیقات ہے واقف رہا ہو۔ اس امر کا واقعات سے تعلق ہے کہ مرتکب نے مقدمۂ زیر تحقیقات کے حالات کے متعلق جن کا اُس کو علم تھا واجبی احتیاط

[۵۱] فورڈ بنام لندن اینڈ سوتھ ویسٹرن ریلوے کمپنی (۱۸۶۲ء) لا ریپورٹس مرتبۂ فاسٹر اینڈ فنلےسن جلد ۲ صفحۂ ۷۳۷۔

[۵۲] بلائیث بنام برمنگھم واٹر ورکس کمپنی (۱۸۵۶ء) لا جرنل اکسچیکر جلد ۲۵ صفحۂ ۲۱۳۔

[۵۳] وِیا گمن بنام مین لو (۱۸۳۷ء) بنگھم یو کیسیز جلد ۳ صفحۂ ۴۷۵۔

عمل میں لائی اور کیا اُس نے اس طرح عمل کیا جس طرح ایک صاحب عقل وفہم کو عمل کرنا چاہیئے یا نہیں" اور چونکہ اس تنقیح کا تعلق عموماً واقعات سے ہوتا ہے اس لیے اس کے متعلق ایسے قواعد کا بیان کرنا قانونی شان ہو غیر ممکن ہے۔ پھر بھی اس قسم کی واقعاتی تنقیح کا تصفیہ دو باتوں پر منحصر ہے۔ اولاً اس امر کو دیکھنا چاہیئے کہ مرتکب کے فعل سے غیروں کو جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس کی کیا مقدار ہے اور ثانیاً یہ بات قابل غور ہے کہ جس خطرناک فعل کو مرتکب کرنا چاہتا ہے اس سے اُس کا کیا مقصد ہے اور اس مقصد کی کیا اہمیت ہے۔ ہر ایک فعل کی واجبیت اس نیت پر موقوف ہے جو ان دو عناصر فعل (ضرر اور اہمیت مقصد) میں پائی جاتی ہے۔ کسی غیر مناسب مقصد کے حصول کے لیے ایک شخص کا دوسروں کو ضرر پہنچانا ناواجب سمجھا جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر مقصد اور ضرر میں مناسبت ہے یعنی مقصد فعل کا مدعا عوام کو فائدہ پہنچانا ہو یا کسی بہتر غرض کے حاصل کرنے کے لیئے فعل مضرت بخش کیا جائے تو ضرر جو اس کی وجہ سے دوسروں کو پہنچتا ہے قانوناً جائز سمجھا جاتا اور اس پر غفلت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ریل گاڑیوں کو بحساب ۵۰ میل فی ساعت چلانے سے ریلوے کمپنیاں متعدد مہلک حادثات کی مرتکب ہوئی ہیں اور اگر ریل گاڑیوں کی رفتار میں بحساب دس میل فی ساعت کمی کر دی جاتی تو بہت سی مخلوق خدا کی جانیں محفوظ رہتیں لیکن اگر مسافروں کی جان کا لحاظ کیا جائے اور ریل کی رفتار ۴۰ میل فی ساعت قرار دی جائے تو جو نقصان عوام کو اُن کے کاروبار کی نسبت پہنچتا ہے وہ اُن کی جان بچانے کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا ریلوے کمپنیاں تیز رفتاری کے متعلق جو احتیاط نہیں کرتی ہیں اس کی وجہ سے اُن کا فعل واجبی احتیاط کے معیار سے کم نہیں متصور ہوتا اور نہ ان پر غفلت کا الزام لگایا جا سکتا ہے[1]

فصل ۱۴۳ مدارج غفلت

ہم نے بیان کیا ہے کہ انگریزی قانون میں احتیاط کیلیئے صرف ایک معیار قرار

[1] فورڈ بنام لندن اینڈ ساؤتھ ویسٹرن ریلوے کمپنی (۱۸۶۲ء) لاء رپورٹس مرتبہ فسٹر اینڈ فین لے سن جلد ۲ صفحہ ۳۰۔

دیا گیا ہے اور اسے بجائے مختلف مدارج کے غفلت کا صرف ایک درجہ یا معیار اس قانون میں سمجھا جاتا ہے۔ اس قانون کے لحاظ سے اگر کسی شخص پر کسی قسم کی احتیاط کرنا لازم ہے تو اُس کا فرض اس قدر احتیاط کرنا ہے جس پر مقدمے کے حالات کے لحاظ سے عمل کرنا اس کے لیئے واجبی سمجھا جاتا ہو۔ اور اگر وہ اس درجے کی احتیاط پر عمل نہ کرے تو اُس کا فعل غفلتِ مستلزم سزا پر مبنی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ قانون انگلستان میں غفلت کے متعلق جو قاعدہ ہے وہ یہی ہے جو اب بیان کیا گیا لیکن بعض مصنفین نے غفلت اور احتیاط کے متعلق چند مدارج اور معیار قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی بنا پر بعض علمائے قانون نے غفلت کی دو قسمیں سنگین (Culpa lata) خفیف (Culpa livis) قرار دی ہیں اور اُن کی رائے کے مطابق انسان کا کبھی غفلت سنگین اور کبھی غفلت خفیف کا مرتکب ہونا ممکن ہے۔ بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ بجائے دو کے غفلت کے تین مدارج ہیں۔ بناءً علیہ ان اساتذہ نے غفلت کے لیئے حسب ذیل نام تجویز کئے ہیں۔ غفلت سنگین غفلت معمولی اور غفلت خفیف[۱]۔ اس میں شک نہیں کہ غفلت کے جو اس طرح مدارج قائم کئے گئے ہیں اُن کا سبب کچھ تو قانون رومابہے اور کچھ اُن قوانین کے سمجھنے میں ان اساتذہ سے غلطی ہوئی ہے۔ اگرچہ بعض فیصلوں میں انگلستان کے بعض ججوں نے غفلت کے متعلق اس طرح کے مدارج بیان کئے ہیں۔ لیکن ہم نہایت وثوق اور اعتماد سے ان جلیل القدر ججوں کی آراء کے خلاف اپنی ادنیٰ رائے کا اظہار کرتے ہیں اور علی الاعلان اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ انگریزی[۲] قانون میں کسی ایسے مسئلے اور اصول کا پتا نہیں چلتا جس کی بناء پر غفلت کے اس طرح کے مدارج قرار دئے گئے ہوں۔

---

[۱] بطور مثال ملاحظہ ہو نظائر مشہور مرتبۂ اسمتھ جلد ۱ صفحۂ ۲۲۸ طبع دہم (نوٹس متعلقۂ مقدمۂ گاگس بنام برنارڈ)۔

[۲] ملاحظہ ہو ہن ٹن بنام ڈبن کوئینز بینچ جلد ۲ صفحۂ ۶۶۱۔ اس فیصلے میں ڈین مین چیف جسٹس نے تحریر فرمایا ہے کہ "غفلت سنگین اور غفلت معمولی میں جو فرق کیا جاتا ہے وہ بے معنیٰ اور لغو ہے اور اس کی حقیقت کے متعلق شبہہ کرنا جائز ہے"۔

غفلت کے ان مدارج اور اقسام کو تسلیم کرنے میں ایک خرابی یہ ہے کہ اس طرح غفلت کے مدارج کا تعین کرنا نہ صرف ناممکن ہے بلکہ عملاً بھی اس طرح غفلت میں فرق کرنا دشوار ہے۔ اچھا تو ہم ان لوگوں سے جنھوں نے غفلت کے مدارج اور اقسام قرار دئیے ہیں دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کس اصول پر غفلت سنگین اور غفلت خفیف میں فرق کیا جاتا ہے اور درجے کا جو فرق ہے اس کو بڑھا چڑھا کر کس طرح نوعیت کا فرق قرار دیا جا سکتا ہے بالفرض غفلت کے مدارج اور مختلف معیار کا تعین ممکن بھی ہو تو ان کے معین کرنے کی کیا ضرورت اور مصلحت ہے اس کا سراغ نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی قانون میں غفلت کا جو ایک معیار مقرر کیا گیا ہے اُس کی رو سے ہر ایک قسم کی غفلت کی بخوبی تحقیق ہو سکتی ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اساتذۂ متذکرۂ صدر کو غفلت کے معیار میں جو قانون انگلستان میں مقرر کیا گیا ہے کیا خرابی نظر آئی اور کیوں کسی شخص کو اس احتیاط سے زیادہ احتیاط ظاہر کرنے کی ضرورت ہے جو حالات مقدمہ کی رو سے واجبی سمجھی جاتی ہے اور کیوں اس شخص کے ساتھ رعایت کرنی چاہیئے جو بلحاظ حالات مقدمہ اس مقرر کردہ واجبی احتیاط سے کم احتیاط کا اظہار کرتا ہے۔

غفلت سنگین اور غفلت سادہ میں جو فرق بیان کیا جاتا ہے اس پر صرف ایک ضرورت سے غور کرنا چاہیئے۔ اس فرق کی بناء قانون روما کا ایک مشہور مسئلہ ہے جس کی وجہ سے پہلی قسم کی غفلت یعنی کلپالیٹا (Culpalata) نیت مجرمانہ (Dolus) کے مساوی سمجھی جاتی ہے اور یہ ایسا اصول ہے جو کبھی کبھی قانون انگلستان میں تسلیم کیا جاتا اور جس کا بعض وقت اس قانون میں اظہار ہوا کرتا ہے۔ اس کے متعلق قانون روما کا مقولہ ہے کہ غفلت سنگین نیت مجرمانہ ہے۔ اگر اس مقولے کے لفظی معنی لیئے جائیں تو اس کی صحت باقی نہیں رہتی ہے یعنی اگر اس قول کے لفظوں پر غور کیا جائے تو اس کا مفہوم ظاہری صحیح نہیں بلکہ غلط پایا جاتا ہے کیونکہ اس امر سے ہم واقف ہو چکے ہیں کہ قلب مجرمانہ کی دو شکلیں ہو بہو ایک ہی نہیں ہو سکتی ہیں اور دونوں میں سخت منافرت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بے احتیاطی خواہ وہ کسی درجے کی کیوں نہ ہو کبھی غرض اور منصوبہ کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ جو الفاظ اس مقولے کے مطلب کے واسطے استعمال کئے گئے ہیں اُن کا صحیح طور پر

انتخاب نہیں ہوا ہے اور ادائے مفہوم کے لئے وہ صحیح بھی نہیں ہیں پھر بھی اس مقولے کا ایک صحیح مفہوم بھی ہے۔ غفلت حقیقی خواہ وہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو نیت کے مساوی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے البتہ غفلت مبینہ اُس کے مساوی ہو سکتی ہے اور غفلت مبینہ سے ہماری مراد وہ غفلت ہے جس کو بعض اساتذہ نے غفلت سنگین کہا ہے۔ اگر غفلت مبینہ کی کچھ اصلیت ہو تو فی الواقع وہ بہت سنگین ہو سکتی ہے اور اس وجہ سے وہ غفلت نہیں ہے بلکہ غرض مجرمانہ ہے۔ اس کی سنگینی کے باعث اس کی حقیقت کے خلاف قیاس کیا جاتا ہے جس قدر غفلت کو سنگین کہا جائے اس قدر سننے والے کے دل میں غفلت کی غیر موجودگی کا قیاس پیدا ہوتا ہے۔ ہم اس امر سے واقف ہو گئے ہیں کہ بے احتیاطی کو اس ضرر کی مقدار سے ناپا جاتا ہے جس کے پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہذا جس قدر زیادہ ہو اور اُس بلا کے نازل ہونے کے آثار قریب ہوں اسقدر زیادہ گمان ہوتا ہے کہ وہ ضرر نیت پر مبنی ہے۔ انتہائی درجے کی دو متضاد حالتوں میں حقیقی بے پروائی اور بے احتیاطی شاذ و نادر ہی ایک حالت ہوتی ہے چنانچہ معمولی قسم کے خطرات کے پیدا کرنے کے متعلق یا ایسے خطرات جو صدور فعل کے بہت بعد واقع ہوتے ہیں انسان فطرتاً بے پروا ہو جاتا ہے لیکن انسان کے جن افعال سے دوسروں کو شدید مضرت پہنچنے کا احتمال ہو عموماً انسان ان صورتوں میں احتیاط پر عمل کرتا ہے اور اپنے کو ارتکاب فعل سے باز رکھتا ہے لہذا ایک شخص کے فعل سے اگر دوسرے کو سنگین ضرر پہنچے تو سمجھنا چاہیئے کہ مرتکب کی خواہش اور نیت اس قسم کے ضرر پہنچانے کی تھی اور اس کا فعل غفلت پر مبنی نہیں ہے۔ اگر کسی فعل کے نتیجے سے اس بات کا اظہار ہو کہ اس نتیجے کے برآمد ہونے کا فاعل کو احتمال اور گمان تھا تو اس نتیجے کے ذریعے سے فاعل کی نیت کا ثبوت ملتا ہے اور اُس کی غفلت کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً علاج معالجہ اور دایہ گری کے نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی طفل نوزائیدہ مر جائے تو اگرچہ اس کی موت کا سبب (اس کے والدین کی) صرف غفلت سمجھی جا سکتی ہے لیکن لوگوں کا زیادہ تر گمان یہ ہوگا کہ اُس کے والدین کی غرض مجرمانہ اور خصومت جو ان کو اس طفل کے ساتھ تھی اور جو پہلے سے اُن کے دل میں پیدا ہو گئی تھی اُس طفل کی ہلاکت کا باعث ہوئی۔ ایسا ہی اگر

ایک شخص دوسرے شخص کے سر پر ایک لوہے کی سلاخ سے مار دے تو مارنے والے کا مطلب بظاہر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ چوٹ کھانے والے کے سر پر کچھ زخم آئے یا تھوڑی دیر کے لیئے وہ بے ہوش ہو جائے اور ضرر رسیدہ کی ہلاکت اُسے منظور نہ تھی لیکن دنیا کا گمان ضارب کے مقصد کے خلاف[۱] ہوا کرتا ہے اور اس کی رائے میں اس قسم کی ضرب کا منشاء مضروب کی موت سمجھا جاتا ہے۔

اس کتاب میں جس مقام پر ہم نے نیت کی اصل و بنیاد اور ماہیت سے بحث کی ہے وہاں اس امر کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ بعض صورتوں میں اس قیاس واقعاتی پر کہ ہر ایک شخص اپنے فعل کے ان نتائج کے برآمد کرنے کی نیت رکھتا ہے جن کے وقوع پذیر ہونے کا اُس کو قوی احتمال ہوتا ہے اس قدر شد و مد سے عمل کرتا ہے کہ وہ ایک قیاس قانونی بن گیا ہے اور اس لیئے ناقابل تردید سمجھا جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں جو حالت از روئے واقعہ غفلت سمجھی جاتی ہے وہ قانون میں نیت مجرمانہ متصور ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حقیقت میں ایسی حالت نیت نہیں ہے

---

۱ بمقدمۂ لے لیور بنام گولڈ (۱۸۹۳ء) کوئینز بنچ صفحہ ۵۰۰ لارڈ جسٹس بلوان نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر اس مقدمہ کی بمعیت جوری تحقیقات کی جاتی تو جج جوری کو اس امر کی تفہیم کرتا کہ غفلت سنگین کو فریب کا ثبوت سمجھنا چاہیئے بشرطیکہ وہ ایسی سنگین ہو کہ اُس کو نیک نیتی کی ضد سمجھا جائے اور اگر واقعات سے مرتکب کی بدنیتی کا پتا نہ چلے تو غفلت سنگین فریب کے مساوی نہیں ہو سکتی"۔ اگر اس عبارت کے لفظی معنوں پر غور کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ غفلت سنگین فریب نہیں ہو سکتی لیکن وہ فریب کا ثبوت ہو سکتی ہے۔ مگر ہم اس کو بھی غلط اور ناممکن سمجھتے ہیں اگر دو چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہوں یا دو حالتیں ایک دوسرے کے مغائر ہوں تو ایک کے ذریعے سے دوسرے کا ثبوت نہیں مل سکتا بہر حال رائے متذکرۂ صدر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ غفلت مبینہ یا مسلمہ اس قدر سنگین ہو سکتی ہے کہ اُس کے ذریعے سے اس نتیجے پر پہنچنا آسان ہے کہ ایسی غفلت حقیقت میں فریب ہے اور کسی طرح سے اس کو غفلت نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو کینٹل مِل بنام واٹسن چانسری ڈویژن جلد ۱۱ صفحہ ۷۰۶ جہاں فرائی جسٹس کی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔

بلکہ تعبیراً اور معناً قانون میں وہ نیت سمجھی جاتی ہے چنانچہ قتل انسان کے متعلق جو قانون ہے اُس کے مطالعے سے اس مطلب کی ہم کو ایک مثال ملتی ہے۔ قتل عمد سے مراد انسان کو بالارادہ ہلاک کرنا ہے لیکن قتل انسان اس طرح کی ہلاکت انسان کو کہتے ہیں جو مبنی بر غفلت ہے لیکن ان دونوں میں قانون کی رو سے جو فرق کیا جاتا ہے وہ اس فرق سے بالکل جدا ہے جو از روئے واقعات قتل عمد اور قتل انسان (مستلزم سزا) میں پایا جاتا ہے۔ اکثر ایسی ہلاکتیں جو واقعات کے لحاظ سے محض غفلت پر مبنی ہو سکتی ہیں قانون میں قتل انسان بالارادہ سمجھی جاتی ہیں۔ اگر ضرر شدید سے کسی شخص کی ہلاکت واقع ہو جائے تو مرتکب کی نیت جو مہلوک کو ضرر شدید پہنچانے کی تھی قانون میں وہ اُس کی نیت قتل سے بدل جاتی ہے اور اگر کسی شخص کو اس امر کا علم ہو کہ اُس کے فعل سے کسی دوسرے شخص کی موت واقع ہونے کا احتمال ہے تو از روئے قانون یہ سمجھا جائیگا کہ اُس نے شخص مہلوک کی موت کو واقع کرنے کی نیت سے اس فعل کا ارتکاب کیا۔ اس طرح کے قانونی اور قطعی قیاسات کو جائز اور صحیح ماننے کے متعلق دو وجوہ ہیں اولاً یہ کہ غفلت سنگین جس کا ذکر کیا گیا ہے حقیقت میں غفلت نہیں بلکہ غرض مجرمانہ ہے اور ثانیاً یہ کہ اگر غفلت سنگین کو غفلت مان بھی لیا جائے تو اُس کی سنگینی کی وجہ سے وہ ایک ایسی مذموم حالت ہے جیسے کہ نیت قبیح سمجھی جاتی ہے اور یہ لحاظ اخلاق نیت بد کا وہی اثر سمجھا جاتا ہے جو غفلت سنگین کا نتیجہ متصور ہوتا ہے لہذا غفلت سنگین کو نیت مجرمانہ خیال کرنا اور اُس کی پاداش میں اُس کے مرتکب کو سزا دینا جائز ہے۔ اسی بناء پر بعض وقت مدعی علیہ کو منجانب قانون حسب ذیل جواب دیا جاتا ہے:۔ جیسا کہ آپ بیان کرتے ہیں ممکن ہے کہ آپ سے فعل زیر تحقیقات کے متعلق محض غفلت سرزد ہوئی ہو اور کسی مجرمانہ غرض کے عنوان کے طور پر آپ نے اس فعل کو انجام نہ دیا ہو پھر بھی آپ کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جائیگا گویا آپ نے نیت مجرمانہ سے اس فعل کو انجام دیا ہے اور قطعی طور پر قیاس کیا جائے گا کہ آپ کا فعل مبنی بر ارادہ تھا۔ آپ کے عذر ناقابل قبول ہیں کیونکہ آپ کی بے پروائی کی وجہ سے وہی ضرر مدعی کو پہنچا جس کو آپ اپنی حقیقی نیت کی بنا پر پہنچا سکتے تھے۔ ہر چند آپ نے مدعی کو ضرر پہنچانے سے انکار کیا ہے لیکن آپ کے فعل کے متعلق تحقیق کرنے والے کو اس امر کا قوی احتمال

ہوتا ہے کہ آپ کی نیت حقیقت میں اس ضرر کے پہنچانے کی تھی لہذا صدور فعل کے قبل آپ کی جانب سے نتیجۂ فعل سے واقف ہونے کی یا اُس کا اندازہ کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی گئی ہوگی۔

فصل ۱۴۴۔ غفلت کے متعلق چند دوسرے نظریات

چونکہ تصور غفلت کی تحلیل ایک نہایت دقت طلب اور دشوار امر ہے لہذا غفلت کے متعلق بعض دوسرے نظریات کا جس کے تسلیم کرنے سے ہم نے انکار کردیا ہے بیان کرنا اور ان پر بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بعض مصنفین کی رائے ہے کہ غفلت کی بنا بے پروائی ہے اور بے پروائی کے بغیر غفلت کا وجود نہیں ہوسکتا ہے۔ انسان پر بے خبری اور بے توجہی کی حالت طاری ہونے سے وہ اپنے فعل کی صحیح ماہیت اور اُس کے حالات متعلقہ اور نتائج کا اپنے ذہن میں اندازہ نہیں کرسکتا ہے۔ نیت اور غفلت میں فرق یہ ہے کہ جو شخص ارادتاً جرم کا ارتکاب کرتا ہے اُس کو اپنے فعل کے مجرمانہ ہونے کا پہلے سے علم رہتا ہے لیکن جس شخص سے بربنائے غفلت جرم سرزد ہوتا ہے وہ اپنے فعل کی مجرمانہ حیثیت سے پہلے سے واقف نہیں رہتا ہے اور اُس کی ناواقفیت کی وجہ اُس کے دماغ کی سستی اور کاہلی[۱] ہے۔

اگرچہ غفلت کی یہ تعریف سچائی کے ایک اہم جزو پر مبنی ہے لیکن بنفسہ وہ ناموزوں ہے اور اُس کی ناموزونیت کے دو وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ ہر ایک غفلت بے احتیاطی پر مبنی نہیں ہوتی ہے۔ اس قول کو ہم نے اس کے پہلے ثابت کر دکھایا ہے۔ چنانچہ بعض غفلتیں بالارادہ ہوتی ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ بعض صورتوں میں غفلت توجہ اور اعتنا پر مبنی ہوتی ہے اور ان شکلوں میں مرتکب اپنے فعل کی صحیح ماہیت، حالات متعلقہ، اور ان نتائج فعل سے بخوبی واقف ہوجاتا ہے جن کے پیدا ہونے کا اُس کو قوی احتمال رہتا ہے۔ چونکہ مرتکب کو برآمد ہونے والے نتائج کا اندازہ ہوجاتا ہے اور اس پر بھی اُس کی

---

[۱] آسٹن لکچر نمبر ۲۰ برک میر اسٹراف ریمنٹ فصل ۱۷۔ کلارک تحلیل ذمہ داری تعزیری باب ۹۔

نیت ان نتیجوں کو پیدا کرنے کی نہیں ہوتی ہے اس لیئے اُس پر جرم بالارادہ کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فعل کے نتائج وغیرہ کے متعلق جو مرتکب کی ذہنی یا دماغی حالت ہے وہ نیت نہیں ہے بلکہ غفلت کی ایک صحیح شکل ہے اور اس دماغی حالت اور غفلت کی توجیہہ کرنے سے نظریۂ بے اعتنائی ساکت ہے۔

ثانیاً یہ کہ ہر ایک بے پروائی یا بے اعتنائی غفلت نہیں ہے۔ کسی شخص کا اپنے فعل کی ماہیت کے سمجھنے میں یا اُس کے نتائج کے اندازہ کرنے میں قصور کرنا مستلزم سزا یا قابل الزام نہیں ہے اور جب تک اس قسم کے قصور کا سبب اس شخص کی بے احتیاطی بمعنیٔ ناواجبی بے پروائی نہ ہو اُس پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں عائد کی جا سکتی۔ اُس شخص کو غافل کہنا صحیح نہیں ہے جو کسی بات سے ناواقف ہو یا اُس کو بھول گیا ہو حالانکہ اس امر کے متعلق علم پیدا کرنے کی یا اس بات کو اپنے حافظے میں تازہ کر لینے کی اُس کی خواہش ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر سگنل مین (وہ شخص جس کی خدمت ریل گاڑی کو پٹریوں پر سے چلانے یا روکنے کے متعلق آگاہ کرنے کی ہوتی ہے) اپنے اشارہ دینے کے مقام پر سو جائے تو وہ غافل سمجھا جاتا ہے یعنی وہ غفلت کا مرتکب ہوتا ہے اور اسکو مرتکب غفلت سمجھنے کا سبب اُس کی نیند نہیں ہے بلکہ اُس کا اپنے کو بیدار رکھنے کے متعلق کافی احتیاط نہ کرنا ہے۔ چنانچہ اگر خستگی اور ماندگی یعنی زیادہ محنت کرنے سے وہ تھک کر یا کسی مرض کی وجہ سے وہ سو جائے تو اُس کو کسی قسم کا الزام نہیں دیا جا سکتا لہذا غفلت کی اصل بے پروائی نہیں بلکہ بے احتیاطی ہے۔ بعض صورتوں میں بے احتیاطی کا نتیجہ بے پروائی ہوتا ہے اور بعض میں بے پروائی سے بے احتیاطی پیدا ہوتی ہے لیکن کسی صورت میں بھی غفلت کا بے پروائی پر مبنی ہونا ممکن نہیں ہے۔

حامیان نظریۂ بے پروائی کی جانب سے قلب مجرمانہ کی تین شکلیں بیان کی جاتی ہیں یعنی (۱) "نیت" اس شکل میں مرتکب اپنے فعل کے نتائج کا جن کے پیدا کرنے کی اُس کی نیت ہوتی ہے پہلے سے اندازہ کر لیتا ہے۔ (۲) "بے پروائی" اس شکل میں مرتکب کو اُس کے فعل کے نتائج کا اندازہ تو ہو جاتا ہے لیکن اُن کے برآمد کرنے کی اس کی نیت نہیں ہوتی ہے اور (۳) "غفلت" اس شکل میں مرتکب کو اپنے فعل کے نتائج کا نہ تو پہلے سے اندازہ ہی ہوتا ہے اور نہ وہ اُن کے برآمد کرنے کی نیت ہی رکھتا ہے۔

لیکن قانون میں قلب مجرمانہ کی تین کی بجائے دو شکلیں قرار دی گئی ہیں یعنی دوسری اور تیسری شکل کو ملا کر نیت کی ایک شکل مقرر کی گئی ہے اور ہماری رائے میں یہی طریقہ صحیح ہے حقیقت یہ ہے کہ غفلت اور بے پروائی دو جداگانہ حالتیں نہیں ہیں اور نہ ان میں کسی قسم کا فرق ہے اور جب تک غفلت یا بے پروائی بے احتیاطی کا نتیجہ نہ ہو مرتکب پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی ہے۔

اب ہم دوسرے نظریئے کے متعلق بحث کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیئے "نظریۂ خارجۂ غفلت" کا لقب تجویز کیا گیا ہے۔ بعض اساتذہ کی رائے ہے کہ غفلت حالت ذہنی نہیں ہے بلکہ خارجی ہے۔ غفلت انسان کے دماغ کی کوئی خاص حالت نہیں ہے اور نہ اُس کو قلب مجرمانہ کی ایک شکل سمجھنا چاہیئے بلکہ غفلت افعال انسانی سے ایک فعل کا نام ہے۔ احتیاط کرنے کے متعلق جو انسان کا فرض ہے اُسکی خلاف ورزی کرنا غفلت ہے احتیاط کرنے سے مراد ایک شخص کا اپنے افعال کے مضرت بخش نتائج کے خلاف حفظ ماتقدم کرنا ہے اور ان افعال کی انجام رسانی سے احتراز کرنا ہے جن سے دوسروں کو ناواجبی طور پر ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً رات کے وقت بغیر روشنی کے سواری کا سڑک پر سے چلانا مبنی بر غفلت ہے کیونکہ جس قدر عقلمند اور ہوشیار لوگ ہیں وہ حادثات کے وقوع کو روکنے کی غرض سے اپنی سواریوں پر حفظ ماتقدم کے بطور روشنی رکھتے ہیں۔ جس طرح کسی شخص کے سر دی لگ جانے کو اُس کی دماغی حالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح احتیاط کرنے کو بھی دماغ انسانی سے کوئی سروکار نہیں ہے[1] لیکن ہماری رائے میں غفلت کی جو اس طرح تحلیل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بے احتیاطی کی بناء پر بطور حفظ ماتقدم مضرت کے واقع نہ ہونے دینے کے متعلق ضروری تدبیروں کے اختیار کرنے میں مرتکب سے قصور کا واقع ہونا ممکن ہے اور

---

[1] کلارک اینڈ لینڈ سیل ٹارٹس صفحہ ۳۹۴ طبع ششم "غفلت سے مراد اس احتیاط کا ترک کرنا ہے جو بلحاظ حالات (زیر بحث) اُس کے تارک پر از روئے قانون فرض گردانی گئی ہو۔ کسی صورت میں بھی غفلت کے مفہوم میں خیال یا فعل مثبت داخل نہیں ہے اور اسکا تعلق کسی طرح سے بھی انسان کی دماغی حالت سے نہیں ہے یہ ملاحظہ ہو پالک ٹارٹس صفحات از ۴۵۴ تا ۴۶۲ طبع دہم۔

اور بعض وقت اسی وجہ سے وہ اپنے کو خطرناک افعال کے ارتکاب سے باز نہیں رکھ سکتا ہے اس پر بھی مرتکب کی بے احتیاطی وہی شے نہیں ہے جو اس کا خطرناک فعل ہے اسطرح اُس کی بے احتیاطی اُس کے حفظ ماتقدم کے اختیار نہ کرنے کے قصور میں فرق ہے اُس کی بے احتیاطی اُس کی یہ دوسری حالت نہیں ہے۔ ایسا ہی بے احتیاطی کا نتیجہ بے پروائی ہوسکتی ہے لیکن یہ دونوں ایک چیز نہیں بلکہ دو جداگانہ حالتیں ہیں۔ بطور حفظ ماتقدم کسی تدبیر کے اختیار نہ کرنے میں غفلت کرنا یا خطرناک افعال کا ارتکاب کرنا ہر ایک صورت میں جرم نہیں ہے کیونکہ انسان بعض وقت ایسی غلطی یا حادثے کی بنا پر جس کا روکنا اُس کے امکان سے خارج ہو اس طرح کے خطرناک افعال کا مرتکب ہوتا ہے اور ضرر کے پہنچانے سے وہ اپنے کو باز نہیں رکھ سکتا۔ اس کے برعکس اگر فعل ناجائز جرم ہو تو بھی اُسکا غفلت پر مبنی ہونے کی بجائے نیت پر مبنی ہونا ممکن ہے۔ مثلاً ایک شخص کا اپنے مکان میں (چور پکڑنے کے دروازے کو کھٹکا لگانے) بغیر اس نیت سے کھلا رکھنا کہ اُس کا دشمن اس میں گر کر ہلاک ہو جائے ممکن ہے اسی طرح ایک شخص شیشی پر دوا کے نام کی چٹھی لگانے کے بغیر اُس میں اس نیت سے زہر رکھ سکتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص غلطی سے اُس کو پی جائے۔ علیٰ ہذالقیاس جہاز رانی یا ملاحی کے معمولی قواعد سے غفلت کر کے جہاز کا کپتان اپنے جہاز کو غرق آب کر دے سکتا ہے۔

اگر کسی شخص کا معصوم بچہ علیل ہو اور اُس کو دوا نہ دینے میں اُس کے باپ سے غفلت ہو جائے تو باپ پر محض غفلت کا الزام نہیں بلکہ انسان کشی بالارادہ (قتل عمد) کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال جس قدر مثالیں اس وقت بیان کی گئی ہیں اور اس قسم کی باقی تمام صورتوں میں جب تک مجرم کی دماغی حالت کی تحقیق نہ کی جائے اور جب تک اُس کی ذہنی حالت کا اُس کے فعل اور نتائج فعل کا دوش بدوش مقابلہ نہ کیا جائے اُسوقت تک جرم مبنی بر نیت اور جرم مبنی بر غفلت میں فرق کرنا ممکن نہیں ہے۔ مرتکب کی حالت ذہنی اور حالت خارجی کے لحاظ سے جرائم کی دو قسمیں قرار دینا اور ان میں اسطرح تمیز کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ ممکن ہے "غفلت" جرم مبنی بر نیت کی ضد ہے اور چونکہ یہ دوسری شئے ایک ذہنی واقعہ ہے اس لیئے پہلی شئے کا بھی واقعۂ ذہنی ہونا لازم ہے۔

خلاصہ

ماہیت نیت:۔

خواہش کی بناء پر مرتکب کا نتائج فعل کا اندازہ کرنا۔

فرق مابین نیت اور توقع

نتائج مبنی برنیت ایسے نتیجے ہیں جن کے برآمد ہونے کی ہمیشہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

جن نتائج کے برآمد ہونے کی توقع کی جاتی ہے وہ ہمیشہ نیت پر مبنی نہیں ہوتے ہیں۔

نیت معنوی (یا تعبیری)۔

نیت { بلا واسطہ (یا ابتدائی)۔
　　　آخری۔تحریک۔

خصومت۔نیت ناجائز (یا مجرانہ)۔

ابہام اصطلاح، خصومت جس کی وجہ سے کبھی خصومت کا تعلق نیت بلا واسطہ سے اور کبھی اس کا تعلق نیت بعیدہ سے سمجھا جاتا ہے۔

ایک ہی وقت میں ایک ہی قسم کے چند تحریکات کا پیدا ہونا۔

قانون میں تحریکات کا واقعات غیر متعلقہ سمجھا جانا۔

مستثنیات اصول بالا۔

نظریۂ اقدام جرم۔

جرم مکمل کے چار مدارج۔ نیت۔ تیاری۔ اقدام۔ تکمیل۔

فرق مابین تیاری و اقدام جرم۔

اقدام جرم بذریعۂ اسباب ناممکن الحصول۔

حق مبنی بر ضرورت۔

نظریۂ متعلقہ۔

اس نظریئے پر عمل کرنے کے لیئے ایک حد تک قانون سے اجازت کا عطا ہونا۔

ماہیت نیت۔

اصطلاح نیت کا ذہنی اور خارجی مفہوم۔

فرق مابین غفلت ونیت اور ایک اصطلاح کا دوسرے کی ضد سمجھا جانا۔
غفلت سے لامحالہ بے پروائی مراد نہیں ہے۔
غفلت کی اصل بے اعتنائی ہے۔
غفلت اور نیت علی سبیل البدل ذمہ داری تعزیری کے اسباب سمجھے جاتے ہیں۔

غفلت { مبنی بر نیت (بالارادہ) یا مبنی بر اعتنا۔
ساده یا مبنی بر بے اعتنائی۔ }

غفلت بلاواسطہ وبالواسطہ۔
غفلت وکمی عقل۔
احتیاط کا فرض قانونی سمجھا جانا۔
ذمہ داری غفلت کی بنائے ضروری کیا شئے ہے۔
کس وقت تعزیری (فوجداری) قانون اور کس وقت دیوانی کے قانون کی رو سے ذمہ داری غفلت کا وجود ہوتا ہے۔
معیار احتیاط
قانون میں سب سے اعلیٰ درجے کا ممکن الحصول معیار احتیاط نہیں قرار دیا گیا ہے۔
ایک معقول محتاط شخص جس درجے کی احتیاط پر عمل کرتا ہے قانون میں وہ احتیاط معیار قرار دیگئی ہے۔
مدارج غفلت
سنگین اور خفیف غفلت میں جو فرق ہے اس کو قانون انگلستان کا نہ تسلیم کرنا غفلت سنگین نیت مجرمانہ ہے۔
اس قضیے کا مفہوم۔
غفلت اور نیت معنوی۔
غفلت کے دوسرے نظریات پر انتقاد۔

(۱) غفلت سے مراد بے پروائی نہیں ہے۔
(۲) نظریۂ خارجیۂ غفلت۔

انیسواں باب

ذمہ داری (سلسلۂ مضمون سابقہ)

فصل ۱۴۵ جرائم ذمہ داری مطلق

اب ہم جرائم کی تیسری نوع سے بحث کرنا چاہتے ہیں یعنی ایسے جرائم جنکی ذمہ داری مشروط نہیں بلکہ مطلق ہے ۔ یہ ایسے افعال ہیں کہ مرتکب کی نیت اور غفلت پر مبنی نہ ہونے کے باوجود ان کی ذمہ داری اُس پر عائد ہوتی ہے ۔ قانون کا جو یہ مشہور مقولہ ہے کہ کسی شخص کا فعل ناجائز اُس وقت تک جرم نہیں سمجھا جاتا جب تک وہ اُسکی نیت مجرمانہ پر مبنی نہ ہو اُس کے مستثنیات گویا جرائم متذکرۂ صدر ہیں ۔ ناظرین کے ذہن میں اس مقام پر یہ خیال پیدا ہوگا کہ ذمہ داری مطلق کے قاعدے پر فوجداری کے قانون میں نہیں بلکہ دیوانی کے قانون میں عمل ہونا چاہیئے لیکن طرز عمل اس کے خلاف ہے اور دیوانی کے قانون کی رو سے شاذ و نادر ہی صورتوں میں ذمہ داریٔ مطلق پر عمل کیا جاتا ہے ۔ معترض کی جانب سے یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ " فوجداری قانون کی رو سے تمام معمولی اشکال میں ذمہ داری کی بناء جو نیت مجرمانہ قرار دی گئی ہے وہ ظاہر ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ اصول کہ کسی شخص کو اُسکے جرم کے واسطے سزا نہ دینا چاہیئے بشرطیکہ وہ قبل ارتکاب جرم اپنے جرم سے واقف ہو گیا ہو یا اگر وہ احتیاط سے کام لیتا تو فعل مجرمانہ کی نوعیت سے واقف ہو جاتا نہایت صحیح اور جائز ہے اور اسی بنا پر ایسی غلطی یا حادثہ جس کا انسداد مرتکب کے امکان سے خارج ہو مرتکب کی طرف سے بطور عذر (مدعی علیہ) پیش کیا جا سکتا ہے لیکن کیوں اسی اصول کا دیوانی طرز کی ذمہ داری پر اطلاق کیا جاتا ہے مثلاً اگر میں کسی دوسرے شخص کو

ضرر پہنچاؤں تو اس امر سے چشم پوشی کرتے ہوئے کہ آیا وہ ضرر میری نیت یا غفلت یا کسی حادثے پر مبنی ہے مجھ کو اس ضرر کی تلافی مافات کے لیئے کیوں نہ مجبور کیا جاتا اور کیوں اس قسم کی ذمہ داری میں میری نیت وغیرہ کا بغیر لحاظ کئے اُس کا تاوان متضرر کو نہیں دلایا جاتا ہے اس کا حسب ذیل جواب ہے، چونکہ دیوانی طرز کی نالشوں (یا عدالتی کارروائیوں) کا مقصد مدعی کے نقصان کے متعلق محض چارہ سازی (یا دادرسی) کرنا اور مدعی علیہ کو سزا نہ دینا ہے اس لیئے نیت مجرمانہ کے متعلق جو قاعدہ ہے اُسکا دیوانی کے دعوؤں پر اطلاق کرنا موزوں نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قانون انگلستان کی رو سے دیوانی کی نالش میں ذمہ داری مطلق کے قاعدے پر عمل نہیں کیا جاتا اور نہ اُس کو ملحوظ رکھنے کی کوئی ضرورت ہے لیکن ان تمام عدالتی کارروائیوں میں جن کے ذریعے سے مدعی کو فوجداری طرز کی دادرسی ملتی ہے قانون کا منشا نہ صرف مدعی کو دادرسی کا عطا کرنا ہے بلکہ اُسکی غرض اصلی مدعی کو سزا دینی ہوتی ہے اور اس لیئے فوجداری مقدمات میں مدعی کی دادرسی محض ایک ذریعہ یا آلہ مدعی علیہ کی سزا کا ہے محض سزا دینے کی وجہ سے فوجداری مقدمات کا چلانا جائز اور صحیح نہیں ہے جب تک مدعی کو اُس کے ضرر کے متعلق کوئی معقول معاوضہ مدعی علیہ سے نہ دلایا جائے عدالت فوجداری کی کارروائی سے اس کے نقصان کی تلافی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ جب تک ایسا نہ کیا جائے اس جرم کا اثر نہیں مٹ سکتا ہے جس سے مدعی کو نقصان پہنچا ہو اور نہ اُس کی بگڑی ہوئی حالت پہلی حالت میں عود کر سکتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مدعی کو معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں اس جرم کی جس کا ارتکاب اُس کے خلاف ہوا ہے اُس کے حق میں تلافی نہیں ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس حادثے یا غلطی کا اثر ہے مثلاً اگر کسی حادثے کی وجہ سے میرے ہاتھ سے کسی شخص کا مکان جل جائے اور اس کی پاداش میں مالک مکان کو تاوان ادا کرنے کے لیئے میں مجبور کیا جاؤں تو اسکا نتیجہ اس کے سوائے کچھ اور نہ ہوگا کہ نقصان جو مالک مکان کو برداشت کرنا چاہیئے تھا وہ میری طرف منتقل کیا جاتا ہے اس پر بھی اصل میں وہ نقصان مٹ نہیں سکتا کیونکہ وہ ایک شخص سے دوسرے شخص پر منتقل کیا جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی ہے لیکن ایسی صورتوں میں قدرتاً یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر مکان مذکور کے جل جانے میں

میرا کوئی قصور نہیں ہے تو میرے فعل کے مضرت بخش نتیجے کے لیئے کیوں قانون ہیں تاوان ادا کرنے کے واسطے مجھ کو مجبور کرنا چاہیئے اور کیوں اس نقصان کی ذمہ داری مجھ پر عائد کی جاتی ہے اگر ایسا ہی ہے تو مجھ پر ان نقصانات کی بھی ذمہ داری عائد ہونا چاہیئے جو لوگوں کے مکانوں کو زلزلے اور بجلی کے گرنے سے پہنچتے ہیں۔ اگر کوئی معقول فائدہ پہنچتا ہو تو ایک شخص کا نقصان دوسرے کو منتقل کرنا چاہیئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو عقل سلیم اور قانون کی رو سے نقصان کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہیئے یعنی ایسی صورتوں میں ضرر رسیدہ کے لیئے اُس کے ضرر کا برداشت کرنا عین انصاف ہے۔[۵۱]

اگرچہ دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کی قانونی کارروائیوں یعنی مقدمات میں عام طور پر قلب مجرمانہ کا لحاظ کیا جاتا ہے لیکن اس پر بھی اس قاعدے کے متعدد مستثنیات ہیں۔ ان مستثنیات کے بھی متعدد اسباب و علل ہیں لیکن ان تمام اسباب میں سب سے زیادہ اہم وجہ صحیح اور موزوں طور پر نیت یا غفلت کے متعلق ثبوت بہم پہنچانے کی دشواری ہے۔ ہرچند مقتضائے انصاف یہ ہے کہ اکثر ان اشکال میں جہاں اس قسم کی دشواری پیش آتی ہے قانون کو راستبازی اور جرأت سے کام لے کر اس دشواری کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور اکثر اسی پر عمل ہوتا ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں دیانت اور سچائی پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ مرتکب پر ذمہ داری عائد کرنے کے لیئے قلب مجرمانہ کی جو شرط لگائی گئی ہے اُس سے قانون میں اغماض کیا جاتا ہے اور یہ ایک قسم کی بددیانتی ہے کہ بعض مخصوص صورتوں میں مرتکب کے خلاف قلب مجرمانہ کے وجود کے متعلق قانون میں بھی قطعی قیاس کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طریقے سے ناکردہ گناہوں کے

---

۵۱ قانون غیر موضوعۂ انگلستان مولفۂ ہومز صفحات از ۸۱ تا ۹۶ میں اس مسئلے کے متعلق صراحت سے بحث کی گئی ہے اس کے علاوہ اس مسئلے کی بابت قانون ٹارٹ مولفۂ پالک صفحات از ۱۴۲ تا ۱۵۱ طبع دہم قابل ملاحظہ ہیں۔

حق میں سختی اور نا انصافی ہوتی ہے لیکن دیوانی مقدمات میں اس قیاس قطعی پر جو عمل ہو کر مدعا علیہم پر اُن کے افعال کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے اس سے لوگوں کو چنداں نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ دیوانی طرز کی ذمہ داری پیدا ہونے کی صورت میں مرتکب قبل ارتکاب اپنے فعل کے مضرت بخش نتیجے سے واقف ہو کر اور بصورت ذمہ داری اُس کو برداشت کرنے کا ارادہ کر کے فعل کو انجام دیا کرتا ہے۔ مگر فوجداری مقدمات میں عدالتیں اس قیاس قطعی پر بہت ہی کم عمل کرتی ہیں اور چند نہایت خفیف قسم کی نالشوں میں اُس پر عمل پیرا ہوتی ہیں[1] لہذا ان اشکال میں مسئلۂ قلب مجرمانہ کے متعلق زیادہ احتیاط کرنے اور اُس کی تائید میں ثبوت بہم پہنچانے کی دشواریاں پیش آتی ہیں ان صورتوں میں جیسا کہ سطور مندرجۂ بالا میں بیان کیا گیا ہے قانون میں ذمہ داری مطلق کی ایک خاص شکل قرار دی گئی ہے۔

اس قسم کی ذمہ داری کی مخصوص اشکال پر غور کرنے سے اُس کے تین اقسام پائے جاتے ہیں (۱) غلطی قانون۔ (۲) غلطی واقعہ اور (۳) حادثہ۔

فصل ۱۴۶ غلطی قانون

لاعلمیٔ قانون کی بنا پر قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک ایسا مسلمہ اصول ہے جس پر نہ صرف برطانوی نظام قانون میں عمل کیا جاتا ہے بلکہ ممالک غیر کے دساتیر قانونی میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ قانون روما کے مشہور مقولے سے بھی اصول مندرجۂ بالا کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ "قانون کی ناواقفیت کے عذر کو پیش کر کے کوئی شخص اپنی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا ایک قیاس قانون کے پیرائے میں بھی اسی قاعدے کا اظہار

---

[1] اس امر کے متعلق کہ تعزیری ذمہ داری میں کہاں تک قلب مجرمانہ کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ملکۂ معظمہ بنام ٹالسن کوئینز بنیچ ڈویژن جلد ۲۳ صفحہ ۱۶۸۔ ملکۂ معظمہ بنام پرنس لا رپورٹس کرائون کیسز جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ چزہرم بنام ڈولٹن کوئینز بنیچ ڈویژن جلد ۲۲ صفحہ ۷۳۶۔

کیا جاتا ہے، ہر ایک شخص ملک کے قانون سے واقف رہتا ہے۔ یہ قاعدہ (نیت مجرمانہ وغیرہ کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ اپنے اثر میں) مطلق ہے اور اس بنا پر قانون میں جو قیاس قرار دیا گیا ہے وہ ناقابل تردید ہے۔ عدالت خواہ کتنا ہی حزم و احتیاط سے تحقیقات کر کے مدعی علیہ کی لاعلمی قانون اور عدم نیت کے نتیجے پر پہنچے اس پر بھی اس قاعدے کا توڑنا ممکن نہیں اور نہ مدعی علیہ کی جانب سے ناگزیر لاعلمی یا غلطی کا عذر پیش ہونے پر وہ اپنی اس ذمہ داری سے جو کسی قانون کی خلاف ورزی کرنے سے اُس پر عائد ہوتی ہے سبکدوش ہو سکتا ہے۔

اس اصول کے قائم کرنے کے جو کسی قدر سخت ہے تین وجوہ ہیں۔ اوّلاً یہ کہ بلحاظ نظریہ "قانون" ایک ایسی شئے ہے جو معین ہے اور جس سے لوگ واقف ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک کے قانون کے اس جزو سے واقف رہے جس کا اُس سے تعلق ہے لہٰذا ہر ایک شخص کا اپنے یہاں کے قانون سے بحالت مجبوری ناواقف رہنا ناممکن ہے۔ یہ ایک قطعی قیاس ہے کہ ابنائے ملک قانون ملک سے واقف رہتے ہیں اور عدالتیں اُن کے ساتھ اس طرح پیش آتی ہیں گویا اُنھیں اس قانون کا علم حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابنائے ملک اُس ملک کے قانون سے واقف ہو سکتے ہیں اور اُس کا جاننا اُن کے لیئے لازم ہے۔

ثانیاً یہ کہ ازروئے حقیقت کسی شخص کا کسی ناگزیر لاعلمی کی وجہ سے قانون کے کسی حصے سے ناواقف رہنا ممکن ہے لیکن اگر عدالتیں اس قسم کی لاعلمی قانون کو تسلیم کرنے کی جانب مائل ہو جائیں تو اُنھیں اُس کے متعلق ثبوت لینے میں ایسی دشواریاں پیش آئینگی جن کو رفع کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ فائدہ اس جدید طریقے سے حاصل ہوگا اُس سے ملک کی عدل گستری کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچیگا کیونکہ مدعی علیہ کی ذمہ داری ایسی شرائط پر منحصر رکھی جاتی ہے جن کا تعلق قانون ملک کی واقفیت یا ذرائع واقفیت سے ہے اور ان شرائط کی صحت کے متعلق تحقیقات کرنا انسان کے امکان سے خارج ہے۔

کیا ایک شخص کی تائید میں دوسرا شخص گواہی دے سکتا ہے کہ وہ قانون زیر بحث سے واقف ہے یا اگر وہ اپنی زندگی کے گزشتہ زمانے میں معقول احتیاط کرتا اور روا جبی دانائی سے کام لیتا تو وہ اس قانون سے واقف ہو جاتا۔

ثالثاً یہ کہ ہر ایک ملک کے قانون کا ماخذ زیادہ تر قدرتی انصاف کے قواعد ہیں۔ ہر ایک سلطنت کا قانون حق و باطل کے اُن اصول پر مبنی ہوتا ہے جو ازروئے اخلاق انسان کے ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ قانون ملک سے مراد اس کے سوا کوئی اور شئے نہیں ہے کہ سلطنت انھیں اصول کو برقرار رکھنے کی نسبت اپنی نیت کا اعلان کرتی ہے اسی وجہ سے برطانیہ کے قانون غیر موضوعہ کا کثیر حصہ ابنائے ملک کی راستبازی اور عقل سلیم پر مشتمل ہے اور اسی دلیل کی رو سے یہ کہنا درست ہے کہ ہر چند کسی شخص سے لاعلمی قانون کی بنا پر قانون ملک کے کسی حصے کی خلاف ورزی ممکن ہے تاہم وہ اس امر سے ضرور واقف رہتا ہے کہ وہ ایک ایسے قاعدے کو توڑ رہا ہے جو حق اور راستبازی پر مبنی ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کو اپنی لاعلمی اور بے پروائی کی وجہ سے قانون کے خلاف ورزئ عمل کرنے کا علم نہ ہو لیکن اس کو ماننا پڑے گا کہ وہ اپنی بد دیانتی اور ناانصافی سے اپنے کو اس قانون سے جس کے خلاف اُس سے عمل سرزد ہوا ہے واقف نہیں ہونے دیا لہذا اگر قانون میں ایسے قانون شکن کا عذر لاعلمی قانون تسلیم نہ کیا جائے اور عدالت اُس کے ساتھ اسی طرح خلاف اخلاق سلوک کرے جس طرح اُس نے دوسروں کے مقابلے میں راست بازی اور خوش اخلاقی کا خون کیا ہے تو اُس کو اس تشدد قانونی کی نسبت شکایت نہ کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اس امر کو باور کرلے کہ جس فعل کو وہ انجام دینے والا ہے وہ حدود قانون کے اندر واقع ہوگا اور اس بنا پر دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیئے آمادہ ہو جائے تو ان قانونی حدود کے متعلق اُس کو جو علم ہوا ہے اُس کا وہ ذمہ دار ہے لہذا اس طرح کی ذمہ داری جو مرتکب پر ازروئے قانون عائد کی جاتی ہے وہ صحیح اور جائز ہے۔ بہرحال (غلطی قانون) کا عذر ایک ایسا عذر ہے کہ اُس کا تسلیم نہ کیا جانا ہی مناسب ہے۔ ذمہ داری قانون کے متعلق جو باضابطہ شرائط ہیں اور جس طرح ثبوت و شہادت سے اُن کی تحقیقات کی جاتی ہے اس طرح اس عذر کی تحقیقات نہ ہونی چاہیئے۔

ہر چند فقرات بالا میں غلطی قانون کو تسلیم نہ کرنے کے متعلق تین قوی دلائل بیان کیئے گئے ہیں اور اگرچہ ایک حد تک یہ دلیلیں جائز اور موثر بھی ہیں لیکن قاعدۂ زیر بحث اسقدر سخت و شدید ہے کہ ان براہین سے اسکی پوری طور پر تائید نہیں ہوسکتی جس شد و مد کا یہ قاعدہ ہے

لہ اس قاعدے کا اثر دیوانی اور فوجداری طرز کی ذمہ داری تک محدود نہیں ہے بلکہ قانون ملک کے

ان میں کی ایک دلیل بھی اس پائے کی نہیں ہے۔ یہ دلیل کہ ہر ایک ملک کے باشندے اپنے قانون سے واقف رہ سکتے ہیں محض قیاس ہے اور حقیقت سے بہت بعید ہے کیونکہ ایسے ممالک میں جیسا کہ برطانیہ وغیرہ ہیں قانون ملک نہ صرف غیر معین و غیر محدود ہے بلکہ آئے دن بدلتا رہتا ہے لہذا ابنائے ملک کے لیئے اپنے یہاں کے اس طرح کے غیر معین اور تغیر پذیر قانون سے ہر آن و ہر لحظہ واقف رہنا کیونکر ممکن ہے۔ یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ لاعلمی قانون مبنی بر غفلت اور ناگزیر لاعلمی قانون میں فرق کرنا ناممکنات سے ہے قاعدۂ زیر بحث کی تائید میں جو یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ عدالتوں کے لیئے مدعی علیہ کی ناواقفیت قانون کے متعلق تحقیقات کرنے میں سخت دشواری کا سامنا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات عدالتیں اس سے زیادہ گنجلک اور دشوار امور کی بلا عذر و حیلہ تحقیقات کرتی ہیں لہذا لاعلمیٔ قانون کے عذر کو تحقیق کرنے میں ایسی کونسی زحمت انھیں پیش آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس حجت کی صحت میں بھی ہم کو شبہہ ہے کہ جو شخص قانون ملک کا لحاظ نہیں کرتا یا اُس کے کسی جزو کی خلاف ورزی اُس سے سرزد ہوتی ہے گویا وہ انصاف راستبازی اور ایمانداری کے اصول کو توڑتا ہے اور اکثر صورتوں میں یہ دلیل بھی باطل ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان ممالک میں جہاں کا نظام قانون مخلوط ہے ابنائے ملک کی ہدایت نفس کے لیئے عقل سلیم اور راستبازی کا جوہر کافی نہیں ہو سکتا بلکہ ان ملکوں میں انسان کو دیگر امور سے بھی شمع ہدایت کا کام لینا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عام حالات کے لحاظ سے قاعدۂ زیر بحث صحیح اور جائز معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ ابنائے ملک کے حق میں جو سختی ہوتی ہے اس سختی اور تشدد کے جواز کو ان دلائل سے ثابت کرنا جو اس تائید کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں دشوار ہے۔

فصل ۱۴۷ غلطی واقعہ

جس طرح کسی شخص پر قانونی ذمہ داری عائد کرنے سے پہلے اس کی ناواقفیت

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گذشتہ۔ ہر ایک صیغے اور شعبے پر بھی یہ قاعدہ نافذ ہے چنانچہ اگر ایک شخص غلطی قانون کی بنا پر دوسرے کو روپیہ ادا کرے تو وہ ناواقفیت قانون کا عذر کر کے اسکو اُس شخص سے واپس نہیں پا سکتا حالانکہ غلطی واقعہ کی بنا پر ایک شخص سے جو دوسرے کو روپیہ پہنچتا ہے وہ از روئے قانون پہلے شخص کو واپس مل سکتا ہے۔

یا غلطیٔ قانون کے اثر کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اور جس طرح اس مسئلے کو قانون انگلستان نے قانون روما سے بطور میراث حاصل کیا ہے اس طرح قانون اور واقعے میں فرق کرنے کا طریقہ بھی پہلے قانون کو دوسرے قانون سے ورثتاً ملا ہے چنانچہ اس نظام قانون میں کوئی شخص ناواقفیت قانون کا عذر کرنے کا مجاز نہیں ہے اور نہ کسی شخص کا ایسا عذر قابل تسلیم ہے مگر اس کے برعکس ایسی لاعلمی واقعہ جو ناگزیر اور لاعلاج ہو عموماً عذر معقول خیال کی جاتی ہے[1]۔ اگرچہ قانون انگلستان کا یہ ایک مقولہ ہے لیکن یہ بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا دائرۂ عمل فوجداری قانون تک محدود ہے اور دیوانی کے قانون کی رو سے کسی شخص پر اُس کے کسی واقعے کی نسبت ناواقف ہونے کے سبب سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ ذمہ داریٔ مطلق ہے ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کرنے کی غرض سے شخص مذکور ناواقفیت واقعہ کا عذر نہیں پیش کرسکتا۔ دیوانی طرز کی ذمہ داری کے متعلق انگریزی قانون میں ایک عام اصول یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی ذات جائداد شہرت یا حقوق جائزہ میں مداخلت کرتا ہے وہ اپنی دست اندازی و مداخلت کا ذمہ دار ہے اور جب اس کی دست اندازی کی بنا پر دوسرے کو ضرر پہنچے اور متضرر اس ضرر کی تلافی کا خواہاں ہو تو ضرر رساں کو ہرگز ایسے عذر پیش کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے کہ میں نے نیک نیتی اور معقول اسباب کی بنا پر فلاں واقعے یا حالت کی موجودگی کو باور کیا اور اس لیئے اس واقعے یا حالت کی نسبت جو فعل سرزد ہوا وہ جائز اور ناقابل گرفت ہے۔ مثلاً اگر میں ایک غیر شخص کی زمین پر مداخلت بے جا کروں تو میں اپنی صفائی میں یہ عذر پیش نہیں کرسکتا کہ میں نے چند معقول وجوہ کی بنا پر اس زمین کو زمین باور کیا اور اس لیئے اس میں داخل ہو کر تصرف کیا۔ ایسا ہی اگر میری نیت کسی طرح سے مجرمانہ نہیں بلکہ پاک وصاف ہو اور کسی ناگزیر غلطیٔ واقعہ کی بنا پر میں دوسرے شخص کے مال (یا جائداد منقولہ) میں تصرف کر بیٹھوں یا دست اندازی کروں تو میرے اس فعل سے جو نقصان اُس کے اصلی مالک[2] کو پہنچتا ہے اس کی تلافی کی مجھ پر ذمہ داری

---

[1] ڈائجسٹ جسٹی نین دصول ہونے کے بعد اسی نوٹ کا ترجمہ کیا جائے گا ۱۲۔

[2] بالنز بنام فولو لارپورٹس ہوس آف لارڈ جلد ۷ صفحہ ۷۵۷۔ کان سالیدیٹڈ کمپنی بنام کرٹس (۱۸۹۴ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۴۹۵۔

عائد ہوتی ہے۔ اگر میری نیت الف کو گرفتار کرنے کی ہو اور میں غلطی سے اُسکی بجائے ب کو گرفتار کر لوں حالانکہ ب کو شناخت کرنے میں میں نے کتنی ہی احتیاط سے کام کیوں نہ لیا ہو مجھ پر غلط گرفتاری کی ذمہ داریٔ مطلق عائد ہوتی ہے۔ علیٰ ہذ القیاس اگر میں کسی واقعے کو بیان کروں اور اُس کی صحت کی نسبت میری کوشش بلیغ اور احتیاط فراوان کے باوجود مجھ سے غلط بیانی ہو جائے اور اس سے ایک دوسرے شخص کا ازالۂ حیثیت عرفی ہو تو میرا یہ عذر کہ میں نے صحت واقعہ کے متعلق احتیاط کر لی تھی قابل پذیرائی نہیں ہے بلکہ میں اُس شخص کی آبروریزی کا جس کا ازالۂ حیثیت عرفی ہوا ہے ذمہ دار سمجھا جاؤں گا اس پر بھی غلطیٔ واقعہ کی نسبت دیوانی طرز کی ذمہ داریٔ مطلق کا جو قاعدہ ہے اُس کے چند مستثنیات بھی ہیں لیکن یہ مستثنیات ایسے خفیف اور کم ہیں کہ ان کے اصول کے جواز کی بابت شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

لیکن غلطیٔ واقعہ کی وجہ سے جو فوجداری طرز کی ذمہ داری مرتکب پر عائد ہوتی ہے اسکی ایک جداگانہ کیفیت ہے اور جو فرق غلطیٔ قانون اور غلطیٔ واقعہ میں ہے اُس کا بخوبی فوجداری کے قانون میں اظہار ہو سکتا ہے۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسی فوجداری کی شکل پیش آتی ہے جس میں غلطیٔ واقعہ کی بنا پر مرتکب اپنے فعل کا ذمہ دار قرار پا سکتا ہے چنانچہ اُس کی ایک مثال یہ شکل ہے جس میں کسی ایسی لڑکی کا بھگا لے جانا جو عمر قانونی کو نہ پہنچی ہو اور جس کی وجہ سے اُس کا اپنی رضامندی کو ظاہر کرنا ناقابل قبول سمجھا جاتا ہو ازروئے قانون جرم قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایسی صورت میں مدعی علیہ یہ عذر پیش کرے کہ وہ لڑکی کی عمر سے ناواقف تھا اور عمر کے متعلق جو غلطی کہ اس سے واقع ہوئی وہ ناگزیر اور لاعلاج ہے تو اس کا عذر قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا اور اسکو اپنے فعل کا خمیازہ[1] بھگتنا چاہیئے۔

قانون انگلستان میں ناگزیر غلطیٔ واقعہ کے عذر کو دیوانی طرز کی ذمہ داری کے متعلق دقبول کرنے کا جو قاعدہ ہے وہ ایک دلچسپ تاریخی واقعے پر مبنی ہے جس کا اس مقام پر بالاجمال ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] ملکۂ معظمہ بنام پرنس لا رپورٹس کراؤن کیسیز جلد ۲ صفحہ ۱۵۴۔

انگلستان میں بزمانۂ قدیم ثبوت پیش کرنے کا جو طریقہ رائج تھا اور جس ضابطۂ دیوانی پر اُس زمانے میں وہاں عمل ہوتا تھا وہ دونوں صورتیں انسان کی دماغی حالتوں کی تحقیق کرنے کے لیئے نہایت ناموزوں تھیں۔ چونکہ اس قسم کی تحقیقات کرنے میں عدالتوں کو سخت دشواریوں کا سامنا ہوتا تھا اسلیئے اُس زمانے کی عدالتوں نے محض افعال ظاہری کے متعلق ثبوت لینے کا طریقہ اختیار کرلیا اور قانون میں صرف افعال ظاہری کی اہمیت قائم ہوگئی۔ چونکہ جرائم کے ان اجزائے ترکیبی کے متعلق جو اُس زمانے میں اجزائے ذہنی کہلاتے ہیں اُس وقت ثبوت لینا یا انکی نسبت معلومات کا بہم پہنچانا عدالتوں کے لیئے نہایت دشوار تھا اس لیئے جرائم کے عناصر ذہنی کی بابت اس عہد میں عدالتیں لحاظ نہیں کرتی تھیں چنانچہ اس زمانے کا قانونی مقولہ ہے کہ (مرتکب) کی نیت اور علم ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کی نسبت ثبوت لیا جانا چاہیئے یا جن کے متعلق تنقیح قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ بادشاہ ایڈورڈ چہارم کے عہد کے ایک جج نے اپنے ایک فیصلے میں تحریر کیا ہے کہ "یہ ایک مشہور بات ہے کہ مجرم کی نیت کے متعلق تحقیقات نہ ہونی چاہیئے کیونکہ شیطان تک کو انسان کی نیت کا علم نہیں ہوسکتا"[1]۔ بہرحال اس زمانے کی عدالتیں مجرم کے جس فعل کے متعلق تنقیح قائم کرتی تھیں وہ یہ تھا کہ آیا وہ فعل جس کی نسبت فریادی شکایت کی گئی ہے ملزم سے سرزد ہوا کہ نہیں اور اس امر کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا تھا کہ ملزم نے آیا اس فعل کو ارادتاً کیا یا بلا ارادہ۔ ایسا ہی ملزم کی ناواقفیت واقعہ یا حالت کا اور اس امر کا کہ وہ فعل زیر بحث کو قبل ارتکاب جرم جانتا تھا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اسی قاعدے پر اب بھی دیوانی طرز کی ذمہ داری کے متعلق عمل کیا جاتا ہے لیکن قدیم زمانے میں ہی عدالتوں کو اس قاعدے کی سختی مجرمین کے حق میں محسوس ہونے لگی تھی اور اُس کے رائج ہونیکے

---

[1] ایر لی بک عہد اڈورڈ چہارم جلد ۱، صفحہ ۲۔

کچھ مدت بعد اس قاعدے کو فوجداری طرز کی ذمہ داری کے متعلق بدل دینا پڑا اور قدیم زمانے سے ہی انگلستان میں جرائم کی تحقیقات کرنے میں ملزم کی نیت اور علم کے متعلق تنقیح قائم ہونے لگی مگر دیوانی طرز کی ذمہ داری میں قاعدۂ مذکور پر عموماً عمل ہوتا تھا اور اب بھی اسی قاعدے پر عمل کیا جاتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانے کے قانون میں بھی جو اس قاعدے پر عمل کیا جاتا ہے اُس کی وجہ سے عدالتوں کو تحقیقات کی دشواریوں اور پیچیدگیوں سے نجات ملی ہے جس شئے کا عملاً اور فعلاً ثابت کرنا ناممکن ہے اُس کی تحقیقات میں دیوانی عدالتوں کو الجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے ۔ اس کے علاوہ اس قاعدے کی کامیابی کی ایک دوسری وجہ بھی ہے ۔ مدعی علیہ پر فوجداری طرز کی ذمہ داری عائد کرنے کے لیئے اُس کی نیت مجرمانہ کا ثابت کیا جانا لازم ہے لیکن اس قاعدے کی بنا پر عدالتیں ذمہ داریٔ تعزیری اس باضابطہ شرط کا لحاظ نہیں کرتی ہیں اس لیئے مدعی جس دادرسی کا طالب ہوتا ہے اس سے وہ محروم نہیں کیا جاتا ہے ۔ قاعدۂ متذکرۂ صدر کی بنا پر مدعی کی جو دادرسی کی جاتی ہے اُس سے تعزیری ذمہ داری کی باضابطہ شرط (نیت مجرمانہ) کی اہمیت کم ہوگئی ہے اور یہی اس قاعدے کی کامیابی کی دوسری وجہ ہے ۔

فصل ۱۴۸ حادثہ

اگرچہ قانون انگلستان کی رو سے غلطی کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے لیکن حادثے کی اس قانون میں اس کے برعکس کیفیت ہے ۔ حادثے کی بنا پر مرتکب اپنے فعل سے بری الذمہ خیال کیا جاتا ہے چونکہ غلطی اور حادثہ تقریباً ایک ہی قسم کی حالتیں ہیں اور چونکہ قانون میں حادثے کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے لہٰذا ان دونوں حالتوں میں جو فرق ہے اُس کی توضیح کردینی مناسب معلوم ہوتی ہے ۔ اگر انسان کسی فعل کو ارادتاً نہ کرے تو سمجھا جائے گا کہ وہ فعل اس سے بربنائے حادثہ یا بربنائے غلطی واقع ہوا ہے ۔ نتائج فعل کے لحاظ سے

مرتکب کی نیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اگر قبل ارتکاب مرتکب کی نیت اپنے فعل کے اُن نتائج کو پیدا کرنے کی نہ ہو جن کا ظہور ہوا ہے تو سمجھا جائیگا کہ اس کا فعل حادثے پر مبنی ہے۔ اگر فعل کے نتائج پر غور کرنے سے اس امر کا پتا چلے کہ ان میں سے بعض نتیجوں کو پیدا کرنے کی مرتکب کی نیت تھی لیکن ان میں سے کسی ایک اہم حالت (نتیجے) کو پیدا کرنے کا مرتکب کا منشاء نہ تھا تو اس کا فعل مبنی بر غلطی سمجھا جائیگا۔ مثلاً اگر اندھیری سڑک پر میں اپنی بگھی کو ہانکتا ہوا لے جاؤں اور کسی شخص کو اُس کے نیچے آجانے سے ضرر پہنچے تو میرا فعل مبنی بر حادثہ متصور ہوگا کیونکہ مجھے اس امر کا مطلق علم نہیں ہے کہ ضرر رسیدہ اس سڑک سے جارہا ہے لیکن اس کے برخلاف مجھے کسی ایسے شخص کا گرفتار کرنا منظور ہو جو قابل گرفتاری ہو اور اگر میں غلطی سے اُس شخص کی بجائے اسی شخص کو گرفتار کرلوں جو میری گاڑی کے نیچے آیا تھا تو میرے فعل سے اس شخص کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ بربنائے حادثہ نہیں بلکہ بربنائے غلطی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں میری نیت کسی شخص کو ضرر پہنچانے کی نہ تھی لیکن دوسری شکل میں میری نیت اس شخص کو ضرر پہنچانا نہ تھی جو گرفتار ہوا بلکہ میں ایک دوسرے شخص کو ضرر پہنچانا چاہتا تھا اور غلطی کی وجہ سے اُس کو ضرر نہ پہنچا سکا یعنی حالت اور واقعے کے متعلق مجھ سے غلطی سرزد ہوئی اور غلطی سے میں نے اس حالت کو صحیح باور کرلیا اگر مجھ سے غلطی نہ ہوتی تو میرا فعل جائز سمجھا جاتا۔ ایسا ہی اگر میں کامل طور پر احتیاط نہ کروں اور میرے مویشی میرے کھیت سے نکل کر ایک دوسرے شخص کے کھیت میں جو میرے کھیت سے متصل ہے چرنے کے لیے چلے جائیں تو میرے مویشیوں کا شخص غیر کے کھیت میں چلا جانا مبنی بر حادثہ ہے۔ برخلاف اس کے اگر میں اپنے ہمسائے کے کھیت کو سہواً اپنا کھیت باور کرکے اُس میں اپنے مویشی باندھ دوں تو میرے مویشیوں کا اس کھیت میں پایا جانا مبنی بر غلطی ہے۔ اگرچہ یہ دونوں صورتیں میری نیت پر مبنی نہیں ہیں اور ان دونوں شکلوں میں میری نیت اپنے ہمسائے کو ضرر پہنچانے کی نہیں ہے لیکن پہلی شکل میں نتیجۂ فعل کے پیدا کرنے کے متعلق اور دوسری شکل میں اس حالت یا واقعے کے پیدا کرنے کی نسبت جو کہ پیش آئی میری نیت نے قصور کیا یعنی پہلی شکل میں نتیجۂ فعل اور دوسری شکل میں حالت یا واقعہ جو کہ پیدا ہوا اُس کا میں قبل ارتکاب

صحیح اندازہ کر سکا۔

غلطی کی طرح حادثے کی بھی دو قسمیں مستلزم سزا اور ناگزیر حادثات قرار دی گئی ہیں اگر حادثہ غفلت کا نتیجہ ہے تو مستلزم سزا سمجھا جاتا ہے اور اگر حادثے کے سرزد نہ ہونے دینے کے لئے انسان کو اس معیار احتیاط سے کام لینا پڑے جو قانون کے مقررہ معیار سے زیادہ ہو تو اُس کو حادثہ ناگزیر کہتے ہیں۔ بجز ان چند مخصوص اشکال کے جن میں محض مرتکب کی نیت مجرمانہ کی تحقیق کی جاتی ہے اور نیت مجرمانہ ہی سبب جرم سمجھی جاتی ہے حادثہ مستلزم سزا مدعی علیہ کی صفائی میں عذر معقول کے طور پر پیش ہو سکتا ہے اور ان مخصوص صورتوں کے سوا کسی دوسری صورت میں حادثہ مستلزم سزا کو بطور عذر پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے قوانین کی رو سے ناگزیر حادثے کا بطور عذر پیش کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ قاعدہ بھی چند اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے مگر ان مستثنیات کا تعلق دیوانی کے قانون سے ہے۔ یہ ایسی صورتیں ہیں جن میں انسان خطرناک کام کو خطرناک جان کر کرتا ہے اس لئے قانون نے بھی اُس کے افعال کے لئے خواہ وہ حادثے کی شکل ہی میں کیوں نہ واقع ہوں اُس کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ذیل میں ان مخصوص اشکال کا ذکر کیا جاتا ہے، صحرائی جانوروں[1] کا پالنا آتش بازی کی صنعت اور آتش بازی کا چھوڑنا[2]، منبع آب[3] یا حوض کا تعمیر کرنا یا ایک شخص کا اپنی زمین پر کسی ایسے مادے کا جمع کرنا کہ اگر وہ اُس کی زمین سے نکل جائے تو اُس کے ہمسائے کی زمین کو نقصان[4] پہنچے یا شارع عام پر کسی ایسی شے کا تعمیر کرنا جس کے متصل یا قریب آنے سے راہروؤں کو ضرر پہنچے ظاہر ہے کہ اس قسم کے افعال کی انجام رسانی سے مرتکب کا مقصد کسی شخص کو ضرر پہنچانا ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں سے کوئی فعل بذات خود جرم ہے لیکن اُس کو

---

[1] فل برن بنام ایکوا ے ری ان کمپنی جلد ۲۵ صفحہ ۲۵۸۔

[2] بلیک بنام کرائیسٹ چرچ فیناس کمپنی (۱۸۹۴ء) اپیل کیسیز صفحہ ۴۸۔

[3] رائی لینڈز بنام فلیچر لا رپورٹس ہوس آف لارڈز جلد ۳ صفحہ ۳۳۳۔

[4] بکرڈ بنام اسمتھ کامن بنیچ بیو سریز جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۰۔

اس امر کا بخوبی علم رہتا ہے کہ اس قسم کے امور بنفسہٖ خطرناک ہیں اور اُن کی انجام رسانی سے دوسرے اشخاص کو ضرر پہنچنے کا قوی احتمال ہے لہذا جو ضرر اس قسم کے افعال کے ارتکاب سے پیدا ہوتا ہے اُس کی ذمہ داری بھی خواہ وہ فعل بطور حادثہ ہی کیوں نہ سرزد ہوا ہو مرتکب پر عائد ہونی چاہیئے۔

ایک مخصوص شکل میں حادثے کی بنا پر بھی مرتکب پر ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔ چونکہ اس شکل کا تعلق قدیم زمانے کی مخصوص تاریخ سے ہے لہذا اس ذمہ داری مطلق کی ابتدا کی طرف ناظرین کی توجہ کو منعطف کرنا مناسب ہے۔ ہر ایک شخص اپنے مویشی کی مداخلت بیجا کے واسطے اپنی ذات سے مطلقاً ذمہ دار ہے۔ مثلاً اگر میرا گھوڑا یا بیل میری زمین سے چھوٹ کر دوسرے شخص کی زمین پر چلا جائے تو اُس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اور شخص غیر کو میری غفلت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں[1] ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ ایک معقول قیاس قانونی پر مبنی ہے جس کی وجہ سے مدعی کو مدعی علیہ کی غفلت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ قیاس قانونی یہ ہے کہ مالک کی غفلت سے اُسکا جانور مداخلت بیجا کا مرتکب ہوتا ہے لیکن تاریخ کی رو سے یہ قاعدہ قدیم زمانے کے اصول عدالت کی ایک یادگار ہے۔ اُس زمانے میں اگر ایک شخص کی جائداد سے دوسرے شخص یا اُسکی جائداد کو نقصان پہنچا تو پہلے شخص پر اس کی جائداد کے فعل کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے چنانچہ قانون قدیم کے نظریئے کی رو سے اگر میرے کسی مویشی سے مداخلت بیجا کا ارتکاب ہو تو اُس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اور اس کا سبب مویشی کی حفاظت کرنے میں میرا غفلت کرنا نہیں ہے بلکہ میرے مالک ہونے کی وجہ سے میرے حیوان مملوک کے فعل کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی جاتی ہے۔ اسی بنا پر قانون روما میں بھی غلام کے جرائم کی نسبت اُس کا مالک ہی ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اس شکل کے مبدا کی تاریخ پر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ یہ اصل میں ذمہ داری نیابیہ (یا نیابتی ذمہ داری) کی شکل ہے۔ قدیم زمانے کے قانون اور اسم ین انتقال لینے کا جو طریقہ رائج تھا اور اُس کے سلسلے میں مرتکب پر جو ذمہ داری عائد کی جاتی یا اُس کو سزا دی جاتی تھی وہ افعال انسانی تک محدود

---

[1] ایلس بنام لاف ٹش آئرن کمپنی لاریپورٹس مرتبہ گیارگ ٹن ایڈیشن جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۔

نہ تھا بلکہ بعض صورتوں میں مجرم کا اطلاق بے زبان حیوانات اور بے جان اشیاء پر بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے قبل ایک دوسرے بحث میں ہم نے قانون موسوی کے ایک حکم کا ذکر کیا ہے کہ "اگر کسی بیل کے سینگ مارنے سے کوئی مرد یا عورت ہلاک ہوجائے تو اس بیل کا سنگسار کیا جانا لازم ہے اور انسان کے لئے اس کا گوشت کھانا حرام[1] ہے۔ قوانین افلاطون میں بھی لکھا ہے[2] کہ "اگر کسی باربرداری کے جانور یا کسی دوسرے جانور کی وجہ سے کسی انسان کی موت واقع ہو تو متوفی کا عزیز قریب حیوان قاتل کے مقابلے میں استغاثہ پیش کرے گا اور جو لوگ ملک میں محافظان امن کی خدمت انجام دیتے ہیں وہ اس استغاثہ کی تحقیقات کرینگے اور اگر حیوان ملزم کے خلاف الزام ثابت ہوجائے تو محافظان امن اس مجرم حیوان کو قتل کرینگے اور اس کی لاش سرحد ملک کے باہر پھینک دیجائیگی۔ ایسا ہی قوانین بادشاہ الفریڈ[3] میں مرقوم ہے کہ "جو لوگ لکڑہارے کا کام کرتے ہیں اگر کسی درخت کے کاٹتے میں ایک شخص کے ہاتھ سے دوسرا شخص بالارادہ قتل ہوجائے تو وہ درخت مقتول کے عزیز کو ملنا چاہیے"۔ قانون انگلستان کی رو سے بھی سنہ ۱۸۴۶ء تک وہ ہتھیار یا شے جس سے بطور حادثہ کسی شخص کی موت واقع ہوتی تھی مجرم وقابل نفرین[4] متصور ہوتا اور بحق بادشاہ ضبط کر لیا جاتا تھا۔ بہرحال ان قوانین کے ذریعے سے اس قاعدے کی بنیاد کا سراغ ملتا ہے جو ذمہ داری مطلق کی نسبت وضع ہوا ہے۔ ان قوانین کے لحاظ سے اگر ایک شخص کے مویشی یا اس کے غلام دوسرے کو ضرر پہنچاتے تو ضرر رسیدہ ان مویشیوں یا غلاموں سے اپنے ضرر کا انتقام لے سکتا تھا لیکن ضرر رسیدہ کو اس قسم کے مویشی یا غلاموں کو اپنے انتقام لینے کی غرض سے ہلاک کرنے کی جو اجازت تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا منشاء ان کے مالکوں کو سزا دینا تھا۔ بہرکیف جانوروں یا غلاموں کے مالکوں کی ذمہ داری نے

---

[1] اکسوڈس ۲۱ – ۲۸ –

[2] قوانین افلاطون صفحہ ۸۷۳ –

[3] قوانین آئین قدیمہ انگلستان مصنفہ تھارپ جلد ا صفحہ ۷۱ دفعہ ۱۳ –

[4] ۹ اور ۱۰ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۶۲ – بلیک اسٹن جلد ا صفحہ ۳۰۰ –

از روئے تاریخ تین مدارج طے کئے ہیں۔ اس ذمہ داری کی پہلی منزل وہ تھی جس میں ضرر رسیدہ اس شخص کی اس جائداد کو جس سے اس کو ضرر پہنچا ہو بغیر کسی شرط کے ضبط کر لیتا تھا اور مالک کو اپنی جائداد اس کے حوالہ کر دینا پڑتا تھا اور اس طریقے سے ضرر رسیدہ اپنے ضرر کا انتقام لیتا تھا۔ اس کی دوسری منزل یا حالت وہ تھی جس میں مالک جائداد کو اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی اس جائداد کو جس سے کسی دوسرے کو ضرر پہنچا ہو ضرر رسیدہ کے حوالہ کر دے یا اس کا انفکاک کرائے یعنے اس ضرر کا معاوضہ دیکر اس شئے کو ضرر رسیدہ سے واپس لے لے اور اسی حالت کو قانون روما کے اُن نالشات ضرر کی بنا سمجھنا چاہئے جو فعل حیوانات سے واقع ہوتا تھا اور انھیں کے لئے "نالشات زیان ناجائز"[1] (Aobio un nonalcs) اس قانون میں نام تجویز ہوا تھا اس کی تیسری منزل ترقی وہ ہے جس میں انفکاک جبری پر عمل کیا جاتا ہے یعنے مالک حیوان ضرر رسیدہ کو بلا چون وچرا تاوان یا ہرجہ ادا کرتا تھا۔

فصل ۱۴۹ ذمہ داری نیابیہ

اب تک ہم نے صرف ذمہ داری کے شرائط ہی کو بیان کیا ہے اس لئے ذاتی شرائط کے محل وقوع کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور محل وقوع ذمہ داری سے ہماری مراد وہ شخص ہے جس پر اُس کے فعل ناجائز کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ فعل ناجائز یا جرم کا ذمہ دار وہی شخص سمجھا جاتا ہے جس سے اُس کا ارتکاب ہوتا ہے۔ پھر بھی از روئے قانون قدیم و جدید ایسی شکلیں بھی پیش آتی ہیں جن میں ایک شخص دوسرے شخص کے فعل کے لئے ذمہ دار متصور ہوتا ہے اور اس قسم کی ذمہ داری کو نیابتی ذمہ داری یا ذمہ داری نیابیہ کہتے ہیں۔ چند مخصوص حالتوں کے سوائے زمانۂ موجودہ میں فوجداری طرز کی ذمہ داری کبھی نیابتی ذمہ داری نہیں ہو سکتی ہے اور بن چند مخصوص صورتوں میں فوجداری قسم کی نیابتی ذمہ داری کا وجود پایا جاتا ہے وہ بھی نہایت خفیف اور ادنیٰ قسم کے جرائم[2] ہیں۔ لیکن قدیم زمانے کے نظم قانونی میں

[1] انسٹی ٹیوشن جسٹی نین کتاب ۴ فصول ۸ و ۹۔

[2] چیٹر ہوم بنام ڈرلشین کوئینز بنچ ڈویژن جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔ پارکر بنام آلڈ ۱۸۹۹ء کوئینز بنچ ڈویژن جلد ۱ صفحہ ۲۰۔

نیابتی ذمہ داری پر بہت زیادہ عمل ہوتا تھا اور اس کے خلاف اس زمانہ کی سلطنتوں اور ان کے نظم قانونی میں اس قسم کی ذمہ داری بہت ہی کم رائج ہے۔ بلکہ یہ ذمہ داری زمانۂ حال کے خیالات معدلت کے مغائر سمجھی جاتی ہے۔ جس زمانے میں بنی نوع انسان کی وحشیوں کی سی حالت تھی اُس زمانے میں ایک شخص کا اپنے قرابت داروں کے افعال کے لیے جوابدہ قرار پانا ایک معمولی بات تھی اور وہ ایک امر قدرتی خیال کیا جاتا تھا چنانچہ اسی بناء پر اس امر کے متعلق ایک صحیح قاعدے کا وضع کرنا شریعت موسوی میں ضروری خیال کیا گیا اور وہ حسب ذیل ہے "اولاد اپنے والدین کے گناہ (قصور) کے لیے اور والدین اپنی اولاد کی معصیت[1] کے واسطے قتل نہیں کئے جائیں گے یا یوں کہئے کہ باپ کے گناہ کے لیے بیٹے کا قتل کیا جانا اور اگر بیٹا خطاکار ہو تو اُسکی پاداش میں اس کے باپ کو ہلاک کرنا ناجائز ہے۔ ایسا ہی افلاطون نے بھی اس امر کی طرف توجہ کی ہے اور اسی اصول کو اس نے اپنے قوانین[2] میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ قدیم زمانے میں سزائے جرم کو لوگ کفارۂ جرم اور انتقام خیال کرتے تھے لیکن اس زمانے میں بہت ہی کم لوگوں کا یہ عقیدہ ہوگا۔ پرانے خیال کے مطابق مجرم کو جو سزا دیجاتی ہے اگر اس سے جرائم کا انسداد اور مجرمین کی اصلاح مقصود نہ ہو بلکہ سزا دینے کا منشاء صرف مجرم سے انتقام اور کفارہ لینا ہے تو مجرم کی رضامندی پر ذمہ داری جرم کا محل وقوع موقوف رکھا جا سکتا ہے یعنے مجرم خود سزا پانے کے عوض اپنی رضامندی سے کسی دوسرے شخص کو سزا پانے کے لئے اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ مجرم کی سزایابی کے سوا کسی اور شئے سے مستغیث کے ضرر کی تلافی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ جرم کا الزام کیا جا سکتا ہے لیکن مجرم کے لئے سزا کا بھگتنا کیوں لازم کیا گیا ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص بحیثیت نائب اس کی جانب سے سزا بھگتے تو کیا قباحت ہے بہرکیف یہ اس زمانہ کا خیال ہے جبکہ انسان کی حالت وحشیانہ تھی اور یہ خیالات

---

[1] ڈیوٹ-۲۲-۱۶-

[2] قوانین افلاطون صفحہ ۸۵۶ - قدیم زمانہ کے قانون میں قرابتدار کے فعل کے متعلق جو اسکے عزیز پر نیابتی ذمہ داری عائد کیجاتی تھی اسکے متعلق ملاحظہ ہو کتاب موسومہ ضعیف الاعتقادی وجبر مصنفہ آلی از صفحہ ۱۲ تا ۲۰ طبع چہارم۔

کرشمۂ قدرت سمجھے جاتے تھے اور انھیں کی وجہ سے قانون ملک میں تبدیلیاں پیدا کیجاتی تھیں۔ چنانچہ جس طرز کی "الٰہیات" (دینیات) عوام میں رائج ہے اس سے خیال متذکرہ کا پتا چلتا ہے۔

زمانۂ موجودہ کے دیوانی کے قانون کی رو سے نیابتی ذمہ داری صرف دو صورتوں میں قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی شکل کے لحاظ سے مالک اپنے ملازم کے اس فعل کے لئے ذمہ دار ہے جس کی انجام رسانی کے واسطے وہ مامور کیا جاتا ہے اور اس مخصوص خدمت کے بجالانے میں یا اس فعل کے ارتکاب میں دوسرے جس قدر افعال ملازم سے سرزد ہوں ان سب کی ذمہ داری مالک پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کی دوسری شکل وہ ہے جس میں ایک شخص متوفی کے قائم مقام اس کے ان افعال کے لئے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں جن کو اس نے اپنی ذات سے اپنے زمانۂ حیات میں انجام دیا ہو۔ ان دو اشکال کا ذیل میں بالاجمال ذکر کیا جاتا ہے۔

بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ فعل ملازم کے لئے مالک کی ذمہ داری کی بنار وہ ذمہ داری ہے جس کی رو سے مالک اپنے غلام کے فعل کے لئے ذمہ دار سمجھا جاتا تھا اور تاریخ سے بھی اس دوسری قسم کی ذمہ داری کا پتا چلتا ہے بہر حال پہلی قسم کی ذمہ داری کا ماخذ دوسری قسم کی ذمہ داری ہے لیکن ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ انگریزی قانون میں آجر (مالک) کی ذمہ داری کے متعلق جس اصولی مسئلے کا قیام ہوا ہے اس کی حال ہی میں ایجاد ہوی ہے اس کی بنار ایک قیاس قانونی ہے اور وہ بتدریج قطعی قرار پایا ہے اور وہ حسب ذیل ہے:۔ ایسے تمام افعال جو ایک ملازم سے اپنے آقا کے کاروبار کی انجام رسانی میں سرزد ہوتے ہیں ان کے متعلق تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے مالک نے صراحتاً یا کنایتاً ان افعال کے کرنے کی اجازت دی ہے لہذا ایسے افعال حقیقت میں اس ملازم کے مالک کے افعال سمجھے جاتے ہیں اور ان کے واسطے اس کے مالک کا ذمہ دار قرار دیا جانا جائز ہے۔ اس قیاس کے قطعی اور قانونی ہونے کا

---

[1] ملاحظہ ہو مضامین متعلقہ اصول قانون و تاریخ قانون مصنفہ سامنڈ صفحات از ۱۷۱ تا ۱۲۳۔ وگ مور ذمہ داری افعال مبنی بر شرارت مضامین منتخب نسبت انگلو۔ امریکن تاریخ قانون جلد (۲) صفحات از ۵۲۰ تا ۵۳۷۔ نیز ملاحظہ ہو سے ذمہ داری قانونی مولفہ اسٹریٹ جلد (۲) ابواب از ۴۱ تا ۴۳۔

اثر یہ ہے کہ ملازم کے جس فعل کے خلاف مدعی نالش کرتا ہے اس کی جوابدہی میں آجر یا مالک اس ملازم کا یہ عذر نہیں کرسکتا کہ میں نے اپنے ملازم کو فعل زیر بحث کے کرنے کا حکم نہیں دیا تھا یا یہ کہ میرے ملازم نے فعل زیر بحث کو میری صریح ممانعت کے باوجود کیا ہے۔ لہٰذا اس قیاس کی بنا پر مالک ہر حالت میں اپنے ملازم کے فعل کا ذمہ دار متصور ہوتا ہے۔ جس طرح اس قبیل کے قیاسات بتدریج قانون ملک سے مفقود ہو جاتے ہیں اور ان کے عوض قانون وضع کر دیا جاتا ہے اسی طرح اجازت مالک کے متعلق یہ قطعی قیاس بھی مفقود ہو گیا اور اس کے بجائے ذمہ داری آجر کا اصول بشکل قانون وضع کر کے مستقل اور دائمی قرار دیا گیا ہے۔ قانون روما کا ایک یہ اصول ہے کہ جو شخص دوسرے کے ذریعے یا واسطے سے کوئی کام کرتا ہے گویا اس کو وہ بذات خود انجام دیتا ہے اور یہ کہنا کہ قانون انگلستان میں جو ذمہ داری آقا برائے فعل ملازم کا اصول پایا جاتا ہے اس کی بنا قانون روما کا بیان کردہ اصول ہے صحیح نہیں ہے بلکہ اس قول کو ایک تاریخی فسانہ سمجھنا چاہیے۔ قانون روما کا مقولہ مختصراً اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مالک کو جوابدہی کرنی چاہیے۔

نیابتی ذمہ داری کے قائم کرنے اور اس کو جائز قرار دینے کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ اس قسم کی ذمہ داری کے متعلق ثبوت لینے میں عدالتوں کو سخت دشواریاں پیش آتی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں صحیح طور پر مالک کی اجازت کا ثابت کرنا تقریباً ناممکن ہے اس بنا پر ذمہ داری مالک کے متعلق قانون میں ایک قطعی قیاس کا قائم کرنا مناسب سمجھا گیا اور اجازت مالک ثابت کرنے کے لئے ملازم کو بہت کچھ آسانی اور سہولت دی گئی ہے حتیٰ کہ مالک کی زبان سے اجازت کے متعلق کسی لفظ کا نکل جانا یا اس امر کو مالک کا اشارتاً اور کنایتاً کہنا ثبوت کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے اور اس بنا پر عدالتیں ملازم کو حکم مالک کی تعمیل کے لئے مجبور اور معذور تصور کرتی ہیں نیز خیال کیا جاتا ہے کہ اس طرح کے حکم اور اجازت کی وجہ سے ملازم نے فعل زیر بحث کے متعلق اس معیار احتیاط یا دیانت پر عمل نہیں کیا جو احتیاط اور دیانت کی نسبت قانون میں مقرر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اجازت مالک کے متعلق ثبوت کی اجازت دیجائے تو قانون کو ملازم کے لئے احتیاط اور دیانت سے عمل کرنے کے لئے ایک مخصوص معیار قائم کرنا پڑے گا جو

زحمت سے خالی نہیں ہے اور ایسے معیار پر عمل کرنا فطرت انسانی کے بھی خلاف ہے لہذا ان دشواریوں پر نظر کرتے اجازت مالک کی تائید یا خلاف میں ثبوت پیش کرنیکا طریقہ رائج نہیں ہے۔

ثانیاً یہ کہ مالک عموماً متمول اور ملازم اکثر مفلس ہوتا ہے۔ ادائے تاوان یا ہرجہ کی ذمہ داری کا تعلق فوجداری کے قانون سے نہیں بلکہ دیوانی کے قانون سے ہے اس لئے ایک شخص کا دوسرے کے فعل کے لئے ذمہ دار قرار پانا خلاف انصاف نہیں ہو سکتا۔ یہ امر بھی قرین معدلت ہے کہ اگر ایک شخص اپنے تمول کی وجہ سے دوسرے کم استطاعت شخص سے کام لیتا ہے تو اس کے افعال کا بار بھی پہلے شخص کے تمول پر پڑنا چاہئے علاوہ برایں مفلس کے مقابلے میں ضرر رسیدہ کی دادرسی نہیں ہو سکتی اس لئے جب آقا اپنے امور کو اپنے ملازمین یا نائبین کے تفویض کرتا ہے تو ہرجہ اس کے ملازمین وغیرہ سے دوسروں کو پہنچتا ہے اس کی تلافی کرنا بھی اسی کا فرض ہے۔ یہ دنیا کا اصول ہے کہ ایک شخص سے جس قدر ضرر دوسرے شخص کو پہنچتا ہے اس ضرر کی مناسبت سے وہ ضرر رسیدہ اپنے تاوان پانے کا طالب ہوتا ہے اس لئے اگر ملازم کو اس فعل کے لئے جو اس کے آقا کے کاروبار میں اس سے سرزد ہوا ہے ذمہ دار قرار دیا جائے تو اس کی کم استطاعتی کی وجہ سے تاوان اور ضرر میں جو مناسبت ہے وہ باقی نہیں رہ سکتی اسی بنا پر دیوانی طرز کی عدل گستری میں مالک کو اپنے اختیارات اور فرائض کا اپنے ملازم یا نائب کو تفویض کرنا اس امر پر مشروط کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ملازم کے افعال کے لئے جوابدہ اور ذمہ دار رہے گا۔

نیابتی ذمہ داری کی دوسری شکل وہ ہے جس میں متوفی اشخاص کے قائم مقامان زندہ اپنے مورثین کے ان افعال کے لئے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں جن کو ان لوگوں نے اپنی حیات میں انجام دیا ہو۔ اس کے پہلے دیوانی اور فوجداری طرز کی دو ذمہ داریوں کا ذکر آچکا ہے اور ناظرین ان ذمہ داریوں کے فرق سے بھی واقف ہو چکے ہیں لہذا اس مقام پر فوجداری طرز کی ذمہ داری کے متعلق زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ فوجداری ذمہ داری کا تعلق عموماً مجرم کی ذات سے ہے اور اس کا بار اس پر ڈالا جاتا ہے لہذا مجرم کے مرجانے سے اسکی

ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے لیکن تاوان یا ہرجہ پانے کی دادرسی کی یہ کیفیت نہیں ہے اور دادرسی تاوان کا مسئلہ بھی دشواری سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس دوسری قسم کی ذمہ داری کے متعلق سزا اور ہرجے کے دو متضاد اصول میں تصادم واقع ہوتا ہے اور ان دونوں اصول کے لحاظ سے جن ضرورتوں کی تکمیل کیجاتی ہے وہ ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئی ہیں۔ سزادہی کا اصول اس امر کا مقتضی ہے کہ مجرم کی حیات کے اختتام کے ساتھ اس کی ذمہ داری کا ختم ہو جانا لازم ہے لیکن برعکس اس کے جس اصول کی بناء پر ضرر رسیدہ کو تاوان دلایا جاتا ہے اس کا منشاء مرتکب فعل کے مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داری کو قائم و بحال رکھتا ہے۔ انگلستان کے قدیم قانون غیر موضوعہ کی رو سے عدالتیں ان میں کے پہلے اصول پر عمل کرتی تھیں اور اس زمانے کا یہ قانونی مقولہ تھا کہ حق خلاف شخص اس شخص کے مرجانے سے ساقط ہوتا ہے جس کے خلاف وہ کسی دوسرے شخص کو حاصل ہوا ہو۔ چونکہ شخص کے مرجانے کے بعد اس کو سزا نہیں دیجا سکتی اس لئے خیال کیا جاتا تھا کہ جو شخص دادرسی تاوان کا طالب ہے اس کو اپنی نالش ضرررساں کے حین حیات پیش کرنی چاہئے کیونکہ دادرسی تاوان بھی اصل میں سزا کا ایک ذریعہ ہے اور تاوان دلانے سے عدالت کا منشا مدعی علیہ کو ایک قسم کی سزا دینا ہے۔ لیکن اس زمانے کے لوگوں کا خیال رائے متذکرہ کے خلاف ہے اور انگلستان میں مختلف قوانین وضع کرکے حکومت نے اس پرانے قاعدے میں بہت کچھ ردوبدل کیا ہے۔ اگرچہ اب بھی تاوان کے متعلق مدعی علیہ کی ذمہ داری کی بناء ضرورت سزا سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی ذمہ داری کا اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہنا محض تاوان یابی کی ضرورتوں پر مبنی ہے کیونکہ جب ایک مرتبہ تاوان کی ذمہ داری قائم ہو جاتی ہے تو وہ ضرر رسیدہ کے لئے ایک قیمتی حق قرار پاجاتی ہے اور اگر ضرررساں کے مرجانے سے یہ حق ساقط ہو جائے تو ضرر رسیدہ اپنے حق کی قیمت پانے سے محروم ہو جاتا ہے لہذا حکومت کا فرض ہے کہ رعایا کے ہر قسم کے حقوق کی کامل طور پر حفاظت کرے اور ان حقوق پر ایسے حادثہ کا اثر نہ پڑنے دے جیسا کہ ضرررسانی کی موت ہے۔ بہرحال ہرجہ پانے کا حق ایک حق خلاف شخص ہے جس طرح کسی دائن کو اپنے مدیون سے اپنی رقم قرضہ کے وصول پانے کا حق حاصل ہے اسی طرح اس ضرر رسیدہ کو جس پر کسی شخص نے حملہ مجرمانہ کیا ہو یا جس کا کسی شخص نے

ازالۂ حیثیت عرفی کیا ہو ان جرائم کے مرتکبین سے تاوان یا ہرجہ وصول پانے کا حق حاصل ہے۔ لہذا دائن اور ضرر رسیدہ کے حقوق میں فرق کرنا درست نہیں ہے بلکہ دونوں کے ایک ہی قسم کے حقوق ہیں۔

اس کے متعلق اور ایک دلیل پیش کیجاتی ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انسان کو اس کے مرنے کے بعد سزا نہیں دیجا سکتی ہے۔ بظاہر لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ سزا مجرم کو اس کی زندگی میں دیجاتی ہے اور اس لئے سزا کا دینا موثر سمجھا جاتا ہے لیکن اصل میں ایسا نہیں ہے سزا پانے سے مجرم اپنے افعال سے باز نہیں آتا بلکہ سزا کی دہشت اس کو ارتکاب جرم سے باز رکھتی ہے۔ انسان کو اس سزا سے جو اس کے مرنے کے بعد اس کی وجہ سے اس کی اولاد و احفاد کو دی جانے والی ہے قدرتاً زیادہ خوف ہوتا ہے بہ نسبت اس سزا کے جس کو وہ اپنی زندگی میں خود بھگتنے والا ہے اور جیسا کہ متوفی کے افعال کے لئے اس کے قائم مقاموں کی سزا کا خیال بظاہر ایک قسم کی خوف دلانے والی بات ہے۔ اس طرح اس قسم کے جرائم کے لئے قانون [illegible] جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس قسم کی سزا سے میت کے قائم مقاموں اور ورثار کے حق میں کسی قسم کی ناانصافی نہیں ہوسکتی کیونکہ رقم ہرجہ متوفی کے متروکہ سے وصول کیجاتی ہے۔ جس طرح متوفی کا متروکہ متوفی کے تنزول [illegible] کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہے اسی طرح اس کا متروکہ [illegible] ادا کرنے کے لئے ذمہ دار ہے۔ حق وراثت سے مراد متوفی کے ورثاء کا متوفی کی اس جائداد کو پانا ہے جو اس کے مرنے کے بعد باقی رہجاتی ہے اور جس طرح متوفی کے [illegible] وغیرہ کو اس [illegible] سے ادا کرنے کے بغیر ورثاء متروکہ نہیں پاسکتے ہیں اسی طرح متوفی کے [illegible] جو رقم ہرجہ وہ جب [illegible] ادا ہوتی ہے اس کو اس متروکہ سے ادا کرنے کے وہ ورثاء ذمہ دار ہیں۔

اس مقولے [illegible] کہ حق خلاف شخص (یا حق بمقابلہ شخص) حقدار کے مرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے ایک دوسرا مفہوم بھی ہے اور تصفیۂ [illegible] میں ایک دوسرے طریقے سے اس کا اطلاق کیا جاتا ہے لیکن جس طرح اس مقولے کے پہلے مفہوم کی تائید کرنا دشوار اور

غیر صحیح ہے اسی طرح اسکا دوسرا طریقۂ اطلاق بھی صحیح اور جائز نہیں ہے اور نہ اس کی تائید میں کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کی رو سے دادرسی تاوان کا حق نہ صرف مجرم کے مرجانے سے ساقط ہوتا تھا بلکہ مستغیث یا ضرر رسیدہ کی وفات سے بھی الساحق زائل ہو جاتا تھا لیکن اس قاعدے میں بھی قانون موضوعہ کے ذریعے سے کسی قدر ترمیم کی گئی ہے۔ یہ ایک کھلی ہوی بات ہے کہ جب معمولی جرائم کیلئے مجرمین کو سزا دینا جائز ہے تو مستغیث یا ضرر رسیدہ کے مرجانے سے مجرم کی ذمہ داری کیونکر زائل ہو سکتی ہے۔ بلکہ مقتضائے انصاف یہ ہے کہ تاوان پانے کا جو حق ضرر رسیدہ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس کے مرجانے سے اس کی اولاد و احفاد یا قایم مقاموں پر منتقل ہونا چاہئے۔

فصل نمبر ۱۵۱ فوجداری طرز کی ذمہ داری کا معیار

اب تک ہم نے تعزیری ذمہ داری کے شرائط اور اس کے محل وقوع کو بیان کیا ہے اور اس فصل میں ہمارا مقصد اس ذمہ داری کے معیار کے متعلق بحث کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جرائم اور افعال ناجائز یعنے دیوانی اور فوجداری طرز کے افعال ناجائز میں جو فرق ہے اس کی بھی ہم صراحت کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اصول جن پر ان دونوں قسم کی ذمہ داری مبنی ہے مختلف اور متضاد ہیں۔

سزا دینے کی سب سے اہم غرض انسداد جرائم ہے۔ ہم اپنی اس تحقیق میں اسی ایک غرض کو ملحوظ رکھینگے اور اس طرح بحث و تفتیش کرتے ہوئے جن نتائج پر ہم پہنچینگے ان میں کہیں کہیں حسب ضرورت تبدیلی بھی کرنی ہوگی کیونکہ سردست ہم کو اپنی تحقیق کو آسان اور دلچسپ بنانے [illegible] سے سزا دینے کے ان اغراض کو جو ذیلی اور ضمنی ہے اور جن کی اسقدر اہمیت نہیں ہے [illegible] انسداد جرائم کی بہ نظر انداز کرنا پڑے گا۔

اگر تمام انسانوں کی عقل کامل ہوتی اور تمام انسان اپنے افعال کے نتائج کا قبل ارتکاب اسی خوبی اور دانائی سے اندازہ لگا سکتے جیسا کہ ایک ذی شعور اور دقیقہ شناس آدمی کر سکتا ہے تو قانون تعزیر کا مسئلہ چنداں دشوار نہ ہوتا بلکہ سلطنتیں ڈریکن جیسے مقنن کے اس سلیس اور شدید معیار تعزیر پر نہایت آسانی سے عمل کرتیں جو تمام قسم کے مجرمین کی سزایابی کی غرض سے قرار دیا گیا تھا اور دنیا کے تمام مجرمین کے لئے یہی معیار بخوبی موثر ہوتی اور ان کے حق میں اعلیٰ درجہ کا انصاف سمجھا جاتا۔ اگر تمام انسانوں کی

عقل درجۂ کمال کو پہونچگئی ہوتی تو تمام ذہنوں کے تناقض موہوم ہو رہے ہیں پر کہ تمام جرایم کی بہ لحاظ عدم جواز وخطا کاری ایک نوعیت اور اہمیت ہے سلطنتوں کا سزا دینے کے متعلق عمل کرنا ممکن تھا اور اگر انسان اس جادۂ اعتدال سے جو منجانب قانون مقرر کردیا جاتا ذرا بھی کبھی اختیار کرتا تو اسکے لئے سزا کا تجویز کیا جانا نہایت آسان تھا بالفاظ دیگر اگر اس امر کا یقین ہوتا کہ سخت اور شدید قسم کی سزا دینے سے جرائم کا انسداد ممکن ہے تو سب سے عمدہ قانون وہی سمجھا جاتا جس کے ذریعہ سے بلا لحاظ حالات ملک سخت سے سخت سزا مجرم کے لئے تجویز کی جاتی اور موثر طور پر ملک سے جرائم کا استیصال ہوتا۔ اگر انسان کی فطرت اس طرح سے واقع ہوتی کہ کسی خفیف سے خفیف جرم کے لئے شدید سے شدید سزا دینے سے انسان ارتکاب جرم سے باز رکھا جا سکتا تو سنگین اور خفیف دونوں قسم کے جرائم کے لئے ایک ہی قسم کی نہایت سخت سزا کا تجویز کرنا موثر اور جائز ہو سکتا انسانی جرأت اور تہور کے مختلف مدارج ہیں بعض انسان فطرتاً دوسرے سے زیادہ دلیر اور بعض دوسرے سے زیادہ بزدل ہوتا ہے اگر سب انسانوں کی ایک ہی فطرت ہوتی اور وہ سب بزدل ہی ہوتے تو انسداد جرائم کے لئے ایک ہی قسم کی سزا کا خوف کافی تھا مثلاً انسان کو زندہ جلانے کی سزا کی دہشت سے کسی مجرم کو ارتکاب جرم کی ہرگز جرأت نہ ہوتی۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ انسانی طبائع مختلف ہیں ایک شخص نہایت آسانی سے اپنے جذبات کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص بانجام بیں اور نکتہ رس ہوتا ہے بعض لوگوں کو بغیر سوچے سمجھے کام کرنے کی عادت ہوتی ہے اور بعض تدبر اور تفکر کے بغیر کسی امر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لہٰذا ایسی معاشرت انسانی میں جس کے ارکان کے عادات و اطوار جذبات و خیالات میں اتنا اختلاف ہو شدید قسم کی سزا اور سخت تعزیر سے جرائم کا انسداد نہیں ہو سکتا بلکہ ان میں ایک گونہ کمی واقع ہوتی ہے۔ اگر کسی ملک کے قانون تعزیر کی خوبی کو جانچنا منظور ہو تو اس امر کا اندازہ لگانا چاہئے کہ مجرموں کو سزا دینے سے تعین سزا سے جرائم سے کسقدر جرائم کا انسداد ہوا اور کس حد تک اس ذریعے سے ان کا انسداد نہ ہو سکا اور تعین تعزیرات قانون کا منشاء مجرمین کے دلوں میں جو خوف پیدا کرنے کا تھا وہ حاصل ہوا کہ نہیں؟ اگر سزا و تنبیہ وغیرہ سے اس ملک میں جرائم کا انسداد ہوا اور اس کے ذریعے سے جو فائدہ ملک کو پہونچا وہ اس نقصان سے زیادہ ہو جو مجرمین پر تخویف قانون کا اثر نہ ہونے سے انھوں نے ارتکاب جرم کی شکل میں ملک کو پہنچایا تو سمجھنا چاہئے کہ اس ملک کا قانون مکمل اور عمدہ ہے بہر حال قانون کا مفید اور مضر ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ اس کے ذریعے سے ایک حد تک جرایم کا انسداد ہو کر ملک کو زیادہ فائدہ پہونچتا ہے

یا اس کے ذریعے سے جرائم کا انسداد بخوبی نہ ہونیکی وجہ سے ملک کو زیادہ نقصان پہونچتا ہے اگر تعزیری ذمہ داری کے معیار کے متعلق کسی قاعدے یا قانون کا بنانا منظور ہو تو اس کو اسطرح وضع کرنا چاہئیے جس کے ذریعے سے فائدہ متذکرہ صدر زیادہ مقدار میں حاصل ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا فائدہ سزا کی سختی اور شدت پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً نہایت خفیف درجے کے سرقے کیلئے سزائے قید کے بجائے سزائے موت کی تجویز کرنے سے بیشک ملک میں اس قسم کی چوریوں کا کثرت سے واقع نہ ہونا ممکن ہے لیکن اس طریقے کے اختیار کرنے میں نہ صرف اہل ملک کے حق میں اعلیٰ درجے کی سختی ہوتی ہے بلکہ ان صورتوں میں جن میں اس قسم کی سخت سزاؤں سے مجرمین متاثر نہیں ہو سکتے ہیں قانون کیلئے کسی دوسرے زیادہ موثر طریقے سے کام لینے کا موقع باقی نہیں رہتا بلکہ قانون کا ورشتی کیساتھ اصول پر رنید جنا ضروری ہے (ہر سزائے جرم کی مقدار متعین کرتے میں) اس جرم کے تین اجزائے ترکیبی یا عناصر کا لحاظ کرنا ضرور ہے اور وہ اجزا حسب ذیل ہیں (۱) تحریکات جن کی بنا پر مرتکب سے جرم کا ارتکاب ہوتا ہے (۲) مقدار جرم یعنی جرم کی سنگینی وغیرہ اور (۳) خصلت یا سیرت مجرم۔

۱۔ تحریک جرم۔ انسان کی عام عادتوں اور دنیا کے معمولی حالات کے لحاظ سے سزا دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر ارتکاب جرم کی نسبت مجرم کو تحریص و ترغیب ہو اسقدر زیادہ سزا اُس کو ملنی چاہئیے۔ تعزیری ذمہ داری کے ابتدائی اصول پر اس قاعدے کی بنا ہے اور انھیں اصول سے اسکا استخراج کیا گیا ہے جن قدرتی تحریکات کی بنا پر انسان کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے اُسکے انسداد کے لئے حکومت کو چند متضاد اور مصنوعی تحریکات قرار دیکر کام لینا پڑتا ہے اور ان غیر قدرتی تحریکات کے ذریعے سے حکومت جرائم کا انسداد کرنے میں کامیاب ہوتی ہے اور یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ جس قدر قدرتی تحریکات قوی اور موثر ہوں اُنکے استیصال کیلئے اسقدر زیادہ حکومت کو انسدادی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ مجرم اپنے فائدے اور اپنے جذبات کیواسطے ہر ایک ممکن تشدد اور قوت سے کام لیتا ہے لہذا اسکی قوت تشدد اور کشمکش جذبات کی مناسبت سے انسدادی تدابیر کو موثر بنانا چاہیئے لیکن یہ اصول بھی بعض اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے جس کا ہمکو کچھ آگے چلنے کے بعد پتا چلیگا۔ اس کے برعکس کثرت سے ایسی مثالیں ہم پہنچ گئیں جن میں قانون نے مجرم کے انتہائی درجے کی تحریص و ترغیب جرم کو سزا کی زیادتی نہیں بلکہ کمی کا باعث قرار دیا ہے۔

۲۔ سنگینی جرم۔ فطرت انسانی اور دنیا کے معمولی حالات کے لحاظ سے سزا دینے کا یہ اصول ہونا چاہئیے کہ جسقدر جرم سنگین یا عظیم ہوتا اسی قدر اس کی سزا بھی سنگین و سخت ہوتی یعنے جرم کے نتائج اور اثرات

کی مناسبت سے سزا کا تجویز کیا جانا لازم تھا لیکن جو عمل قانون میں کیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف ہے
بظاہر اس خیال کا سزا کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں پایا جاتا بلکہ لوگ قیاس کرتے ہیں کہ ارتکاب جرم سے
مجرم کو جو نفع حاصل ہوتا ہے محض اس کو اس کی سزا کا معیار قرار دینا چاہئے اور ان نقصانات کا لحاظ
نہ کرنا چاہئے جو اس جرم کے ہاتھوں دوسروں کو پہنچتے ہیں چنانچہ اس خیال کے بموجب یہ دلیل پیش
کیجاتی ہے کہ اگر تحریک کے لحاظ سے دو جرم مساوی یعنے ایک درجے کے سنگین ہوں تو ان کی سزا بھی
مساوی درجے کی ہونی چاہئے حالانکہ از روئے حقیقت دونوں میں سے ایک جرم بہ لحاظ نتیجہ زیادہ
مضرت بخش کیوں نہو لیکن حقیقت حال اس قیاس کے خلاف ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔

(الف) جس جرم کا نتیجہ جسقدر مضر ہے اوسیقدر اس کی سزا کا سنگین ہونا لازم ہے اور اس مناسبت سے
جو فائدہ حکومت کے پیش نظر رہتا ہے وہ محض اس جرم کے انسداد کی توقع ہے "سزا" دینا بذات خود ایک
ظالمانہ فعل ہے اور انسان طبعًا اس کو برا سمجھتا ہے لیکن سزا کے ذریعے سے جرایم کا جو انسداد کیا جاتا ہے
اور اس کی وجہ سے جو نفع کافۂ انام کو پہونچتا ہے اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہے اس بنا پر سزا کی
برائی اور انسداد جرم کی بھلائی مین ایک قسم کی مناسبت قرار دی گئی ہے۔ سزا دینے کے متعلق جو قانون
بنتا ہے اس میں اس مناسبت کو ملحوظ رکھنا واضعان قانون کا فرض ہے اگر اس نقصان میں جو کسی
جرم کے ذریعے سے ضرر رسیدہ کو پہونچتا ہے زیادتی ہو تو اس نسبت میں جو سزا کی برائی اور انسداد جرم کی
بھلائی میں قائم ہوتی ہے کمی واقع ہوتی ہے اور جب تک اس نسبت کے لحاظ سے ایسے جرم کی سزا
میں زیادتی نہ کیجائے میزان عدل کا وہ پلہ جس میں انسداد جرم کی بھلائی تولی جاتی ہے سزا کی برائی کے
پلے سے وزن بھاری نہیں ہو سکتا اسی بنا پر کسی مساوی درجے کے دو جرموں کی سزاؤں میں نتیجۂ جرم کے
لحاظ سے سزا میں کمی بیشی کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہم سرقے اور قتل انسان مستلزم سزا کو بلحاظ تحریک ایک ہی
قسم کے جرائم مان بھی لیں تو دوسرے جرم کے لئے سنگین سزا (سزائے موت) کا تجویز کرنا زیادہ مفید و موثر
ہو سکتا ہے اس کے برعکس اگر پہلے جرم کی سزا اسقدر سنگین مقرر کیجائے تو بنی نوع انسان کو فائدے
کے عوض سخت نقصان پہونچیگا ظاہر ہے کہ پہلا جرم نہایت خفیف ہے اور اس کا انسداد نہایت
سخت سزا کے ذریعے سے کرنا قوم کو ناقابل برداشت نقصان پہونچانا ہے۔

(ب) بعض جرایم ایسے ہیں کہ ان کے نتائج کی سختی اور مقدار کے لحاظ سے مجرم ان کا ارتکاب
کرتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس جرم کا نتیجہ کم مضرت بخش ہو اس کو زیادہ مضرت بخش جرم پر
ترجیح دے اور اس بنا پر قانون میں بھی خفیف جرم کی خفیف اور سنگین جرم کی سنگین سزا مقرر

کی گئی ہے لہٰذا جرم کی سختی کے لحاظ سے اس کی سزا میں بھی تبدیلی کا واقع ہونا لازمی ہے۔ اگر نقب زنی (بوقت شب) اور قتل عمد کی ایک ہی سزا ہو تو پہلے جرم کا مرتکب اپنی فطرت سے مجبور ہو کر پہلے جرم کے عوض دوسرے جرم کے ارتکاب پر آمادہ ہوگا۔ ایسا ہی اگر جرم مکمل اور اس کے اقدام کی ایک ہی سزا ہو تو مرتکب کو اس امر کی حسرت کرنے کی ضرورت باقی نہ رہیگی کہ جب پوری سزا بھگتنی تھی تو کاش جرم کی بھی تکمیل ہو جاتی!۔

۳- "خصلت مجرم" مجرم کے عادات و اطوار جسقدر برے ہوں اسقدر اس کی سزا میں اضافہ ہونا چاہئیے۔ انسان کی خصلت بد کے دو اسباب ہیں۔

(۱) "ارتکاب جرائم" کی طرف انسان کا فطرتاً مائل ہونا یعنے تحریکات جرائم سے اس کا مغلوب ہو جانا اور۔

(۲) انسان کی طبیعت کا اس طرح کمزور واقع ہونا کہ اپنی خواہشات نفسانی سے متاثر ہو کر قانون ملک کی نافرمانی اور انتظام سلطنت سے سرکشی پر آمادہ ہو کر اپنی روش کو خلاف قانون بنانا۔ ایک شخص دوسرے سے زیادہ بد ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے شخص کی طبیعت میں دوسرے کی بہ نسبت غیظ و غضب اور حرص و خصومت کے مادے کی زیادتی ہوتی ہے یہی نہیں بلکہ پہلا شخص بنی نوع انسان کو مضرت پہونچانے پر فطرتاً مائل رہتا ہے۔ اسی مضمون کو ایک دوسرے طرز سے بھی بیان کرسکتے ہیں۔ اگر انسان کی طبیعت میں جذبات اور خواہشات نفسانی کا خلقتاً اعتدال نہ ہو تو اسکی خصلت نیک نہیں رہسکتی بلکہ قدرتاً اس سے خصلت بد کا اظہار ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ سنگین جرائم کے اسباب ارتکاب وقوع پر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کو قانون شکنی کا خوف ارتکاب جرم سے باز رکھتا ہے اور اس کے برعکس ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو اس خوف کے علاوہ دوسرے اسباب کی بنا پر قانون کی خلاف ورزی اور جرائم کے ارتکاب سے احتراز کرتے ہیں چنانچہ ہمدردی اور مہر و شفقت کے جذبات جو قدرتاً ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اس کو اپنی جنس کو مضرت پہونچانے سے باز رکھتے ہیں ایسا ہی انسان کے قلب پر مذہبی اعتقادات اخوت باہمی غیرت اور اپنے کو عزیز و مکرم قرار دلوانے کے خیال کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ قانون کے ذریعے سے جو خوف اور دہشت انسان کو دلائی جاتی ہے وہ اسقدر موثر نہیں ہوسکتی۔ اگر انسان کی طبیعت میں اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کا مادہ زیادہ ہو تو اسکی خصلت نیک اور اگر اس کے مزاج میں جذبات بد اور خواہشات نفسانی کی زیادتی ہو تو اسکی خصلت بد ہوتی ہے۔ بہر حال نیک اوصاف اور نیک جذبات کی نایابی یا کمی کی وجہ سے انسان کے عادات و اطوار

بدہوتے ہیں اور وہ مخرب الاخلاق سمجھا جاتا ہے۔

فقرہ بالا میں خصلت بد کے دو وجوہ بیان کئے گئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک وجہ کی بناء پر اس مجرم کی سزا میں جس کی خصلت بد ہو سختی اور زیادتی ہونی چاہیئے فوجداری قانون کا منشاء تعزیر کے ذریعے سے تہذیب و شائستگی کا قائم کرنا ہے اسلئے اگر کوئی شخص اپنے جذبات سے مغلوب ہو جائے اور اس تحریص و ترغیب کا جس کی بناء پر دوسرے انسانوں کو ارتکاب جرم کا شوق پیدا ہوتا ہے اس پر غیر معمولی اثر پڑتا ہو تو قانون میں بھی ایسے مجرم کی دو چند سختی کے ساتھ سزا کا مقرر کیا جانا ضروری ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس تادیب کا رائج ہونا ناممکن ہے جس کو سلطنت فوجداری قانون کے ذریعے سے قائم کرنا چاہتی ہے جو اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے سے عاجز ہوتے ہیں اور ان کے قلوب ان تمام قدرتی اثرات کے قبول کرنے کے قابل نہیں جن کی وجہ سے وہ شایستہ انسان کہلائے جاسکتے تو انکے لئے تادیب تعزیری کے برقرار رکھنے کی غرض سے قانون میں ایسی سخت اور غیر معمولی سزائیں مقرر کی جاتی ہیں جنکا معمولی طبایع کے مجرمین کو دینا مناسب نہیں خیال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر ایک جرم کے لئے ایک سزا ہے اور معمولی حالات میں مجرم کو وہی سزائے معینہ دیجاتی ہے لیکن اگر مقدمے کے واقعات سے اس امر کا اظہار ہو کہ مجرم بے حس اور بے حمیت ہے تو سزائے معینہ سے زیادہ سزا پانے کا وہ مستوجب ہو جاتا ہے منجملہ ان اسباب کے جن کی بناء پر سزا میں اضافہ کیا جاتا ہے سب سے اہم اور مقدم سبب ملزم کا بار بار جرائم کا ارتکاب کرنا ہے چنانچہ اسی بناء پر سزا یافتہ ملزمین کو جرم کی معمولی اور معینہ سزا سے زیادہ سزا دی جاتی ہے لہذا یہ مقولہ صحیح ہے کہ قانون ان لوگوں کے لئے جو طبعاً مجرم ہیں ان کے جرم کی مقدار اور سختی سے زیادہ سزا تجویز کرتا ہے اور قانون میں ایسے لوگوں کے مقابلے میں اس مفاد کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا جو جرایم کے ذریعے سے ان کو پہونچتا ہے۔ ایسی سزائیں جو معمولی طبیعت کے مجرموں کے لئے تجویز کی جاتی ہیں وہ ان مجرموں کے واسطے ناکافی اور ناموزوں سمجھی جاتی ہیں جن کی فطرت غیر معمولی بد ہوتی ہے اور جن کے اخلاق و جذبات جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری شکل جس میں اس اصول پر عمل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب اس نقصان میں جو جرم کے ذریعے سے ضرر رسیدہ کو پہنچتا ہے اور اس مفاد میں جو بوجہ ارتکاب جرم ملزم کو حاصل ہوتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کا بلاوجہ اور محض خباثت نفس کی بناء پر دوسرے کو قتل کرنا یا اس غرض سے قتل کرنا کہ مقتول کی جامہ تلاشی سے جو زر و جواہر اس کے جسم پر ہو قاتل کو ملجائے (جیسا کہ قزاق مسافروں کے ساتھ

پیش آتے ہیں۔ اس کے برعکس اس شخص کی حالت ہے جو غیض و غضب اور جذبات سے متاثر ہو کر قتل انسان کا مرتکب ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ پہلی مثال میں جس قسم کے قاتل کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہایت بیدرد اور بے حس مجرم ہے اور ایسا شخص خارج از انسانیت سمجھا جاتا ہے جس طرح اس قسم کے مجرمین غیر معمولی انسان ہوتے ہیں اسی طرح جو سزائیں کہ ان کو دیجاتی ہیں۔ ان کا بھی غیر معمولی ہونا لازمی ہے۔ تیسری قسم میں ایسے جرائم داخل ہیں جن کی وجہ سے مجرم کی دناءت طبع کا پتا چلتا ہے اور وہ دائرہ انسانیت سے خارج سمجھا جاتا ہے حتی کہ خباثت نفس اور ارتکاب جرم کا شوق اس کی قدرتی محبت و شفقت پر غالب ہو جاتا ہے، مثلاً کسی شخص کا اپنے باپ کو قتل کرنا۔ اگرچہ بلحاظ نوعیت اس جرم میں اور معمولی قتل انسان میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن پہلی حالت میں بیٹے کا جرم خلاف فطرت انسانی ثابت ہوتا ہے اور تحریک جرم اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ بیٹے کی طبیعت فطرتی اور معینہ معیار انسانیت سے گھٹی ہوی واقع ہوی ہے لہذا ہر ایک زمانے میں دنیا نے ایسے قاتلوں کو زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور بعض اقوام کے قوانین میں اس قسم کے مجرمین کو اس سزا سے کہیں زیادہ سزائیں دیگئی ہیں جو جرم قتل انسان کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ رابعاً یہ کہ اسی اصول کی بناء پر ان جرائم کے لئے جن کا مجرمین ارادۃً ارتکاب کرتے ہیں زیادہ سنگین سزائیں مقرر کیگئی ہیں اور جو جرائم غفلت کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں ان میں اس قدر سخت سزا نہیں دیجاتی ہے۔

ایک دوسری وجہ جو چنداں اہم نہیں ہے اور جس کی بناء پر بوقت تجویز مجرم کی خصلت بد کو ملحوظ رکھ کر اس کی سزا میں اضافہ کیا جاتا ہے ملزم میں غیرت و حمیت کی کمی ہے کمی حمیت کے ساتھ سزا میں اضافہ کا ہونا لازمی ہے کیونکہ مجرم جس قدر بے حمیت ہوتا ہے اسی قدر سزا میں بھگتنے میں اسے شرم نہیں آتی اس لئے بے غیرت مجرمین کو شدید اور سنگین سزائیں ملنی چاہئیں اور ان سزاؤں کی تکلیف سے ان میں غیرت کا مادہ پیدا ہو سکے۔ بعض مجرمین نہ صرف ازروئے اخلاق بے حمیت ہوتے ہیں بلکہ ان میں جسمانی بے حیائی اور بے غیرتی بھی پائی جاتی ہے جس سنگدلی اور بے حسی کے ساتھ وہ دوسروں کی جان شیریں تلف کرتے ہیں اسی بے حسی اور بے پروائی سے خنداں لب وہ خود سزائے موت کو برداشت کر لیتے ہیں۔ جن لوگوں کے جذبات حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں اور جن کو قدرت نے معمولی اور معینہ اوصاف انسانیت سے متصف کیا ہے وہ لوگ ایسے مجرمین کی بیباکانہ جرأت کو نظر استعجاب سے دیکھتے ہیں۔

اب ہم اس مقام پر اس مسئلے کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا سابق میں ذکر تو چھیڑ دیا گیا تھا لیکن بعض وجوہ سے اس کی توضیح کرنی مناسب نہیں سمجھی گئی تھی اور جو بظاہر متناقض موہوم معلوم ہوتا ہے یعنی اگر ارتکاب جرم کی تحریک اور ترغیب میں شدت ہو تو اس جرم کی سزا میں بھی اس شدت کے مطابق سختی ہونی چاہئے۔ اگرچہ یہ مسئلہ ایک عام قاعدے کی حیثیت سے صحیح ہے لیکن بعض صورتوں میں اس کے چند اہم مستثنیات پائے جاتے ہیں۔ ارتکاب جرم کے متعلق جو قانونی قیاس ہے کہ انسان اپنی خصلت بد کی وجہ سے جرم کا مرتکب ہوتا ہے اس کا تفصیل سے سابق کے فقروں میں ذکر کیا گیا ہے بعض ایسے جرائم بھی پائے جاتے ہیں جن میں انسان اپنی خصلت بد کی وجہ سے نہیں بلکہ ارتکاب جرم کے متعلق اس کی طبیعت میں شدت سے ترغیب پیدا ہوتی ہے کہ اس کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا اور وہ بحالت اضطرار جرم کا مرتکب ہوتا ہے اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس قسم کے واقعات سے قیاس متذکرۂ صدر کا ابطال ہوتا ہے۔ مثلاً اکثر اس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں جن میں ایک شخص اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے یا اپنی خودغرضی کی بناء پر نہیں بلکہ معاشرتی اور ہمدردی کے جذبات سے متاثر ہو کر جرم کا ارتکاب کرتا ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ترغیب جرم کی شدت کے لحاظ سے مجرم کی سزا میں زیادتی ہونی چاہئے لیکن جب شدت ترغیب سے مجرم کی بدخوئی اور بے تمیزی کی تردید ہوتی ہو تو مجوزہ کے دل میں مجرم کی جانب سے سختی کے بجائے نرمی پیدا ہوتی ہے اور مجرم سزائے خفیف کا مستوجب سمجھا جاتا ہے نیز مجوزہ کے قلب پر پہلے خیال سے زیادہ اسی دوسرے خیال کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مفلس سے اپنے کمسن بچوں کے لئے کا غذ کا مہیا کرنا ممکن نہ ہو اور حصول معاش و تلاش رزق سے مایوس ہو کر وہ اپنے بچوں کو کھلانے کی غرض سے دوسرے شخص کی روٹی کا سرقہ کرے تو وہ سزائے خفیف پانے کا مستوجب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مجرم کی اس درجہ سنگین سزا نہ ہونی چاہئے جو اس سارق کو دیجاتی ہے جس کی ترغیب سرقہ اس کی حرص ہوتی ہے پہلے قسم کے مجرم کی سزا میں رعایت اور دوسرے قسم کے مجرم کی سزا میں سختی کرنے سے سزا کے نظریۂ انسدادی میں کوئی فرق نہیں آسکتا بلکہ بخلاف اسکے مقتضائے عقل کی بناء پر اس نظریئے کی صحت اور خوبی منحصر ہے ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کو خفیف فائدہ پہونچانے کی غرض سے یا نہایت معمولی نفع حاصل کرنے کی نیت سے قتل انسان کا مرتکب ہوتا ہے اسے حد درجے کی سخت و شدید سزا دینی چاہئے کیونکہ ایسے انسان سے اس قسم کا جرم محض اسکی شقاوت قلب اور بےحیائی

کے باعث سرزد ہوتا ہے لیکن جو شخص کسی ناقابل برداشت توہین یا ضرر کی تلافی اور انتقام کی غرض سے قتل انسان کا مرتکب ہوتا ہے اس کی سزا کو اس کے تحریکات و ترغیبات جرم پر منحصر کرنا چاہئے بلکہ انھیں ترغیبات کی بناء پر اس کے قصور سے درگذر کرنا چاہئے۔

فصل ۱۵۱ دیوانی طرز کی ذمہ داری کا معیار

فوجداری طرز کی ذمہ داری یعنی تعزیری ذمہ داری کی ایک قسم تاوانی دادرسی ہے جس کے ذریعے سے قانون، ضرر رساں کو مجبور کر کے ضرر رسیدہ کو نقد معاوضہ دلاتا ہے اور یہی معاوضہ یا تاوان مجرم کے حق میں سزا تصور ہوتا ہے۔ اس سے قبل اُن تین اسباب کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعے سے ذمہ داری تعزیری کے معیار کا صحیح طور پر تعین کیا جاتا ہے لیکن جس طرز کی سزا خاطی کو تاوانی دادرسی کے ذریعے سے دیجاتی ہے اس کا تعلق ان تین اسباب میں سے صرف ایک سبب سے مختص ہے۔ تاوان کے تعین میں محض جرم یعنے ضرر کی مقدار کا لحاظ کیا جاتا ہے گویا مقدار ضرر تاوان کے لئے معیار ہے ضرر رساں کے فعل سے جسقدر ضرر رسیدہ کو نقصان پہونچتا ہے اسی قدر پہلے شخص سے دوسرے شخص کو تاوان دلایا جاتا ہے۔ تاوانی دادرسی میں خطاکار کی خصلت کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا اور اس لئے اس کی ایک ادنی غفلت یا بے احتیاطی کی پاداش میں اس کو اسقدر سزا بھگتنی پڑتی ہے گویا کہ اس نے خصومت دیرینہ کی وجہ سے اور خوب غور و فکر کرنے کے بعد اس فعل کا ارتکاب کیا ہے جس کی پاداش میں اسے تاوان ادا کرنا لازم ہے۔ ایسا ہی اس قسم کی دادرسی میں قانون میں ان تحریکات کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا جن کے باعث جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ یہ ایسی دادرسی ہے کہ اس میں اس ضرر رساں کو جسے اپنے فعل کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ پہونچا ہو اور ایسے ضرر رساں کو جسے اپنے فعل سے نفع ہی نفع حاصل ہوتا ہو ایک ہی قسم کی سزا دیجاتی ہے بشرطیکہ ضرر یا نقصان جو ضرر رسیدہ کو پہونچتا ہے ایک ہی قسم اور مساوی درجے کا ہو۔ اس دادرسی کے خصوصیات میں سب سے آخری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فعل کے ان نتائج کا لحاظ نہیں کیا جاتا جن کے پیدا کرنے کی مرتکب کی نیت ہو یا جن کے واقع ہونے کا قوی احتمال اس کے ذہن میں گذرا ہو۔ بالفاظ دیگر اس دادرسی میں فعل کے نتائج بالارادہ اور نتائج بالظن کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ قانون کے پیش نظر محض وہی نتائج رہتے ہیں جو فی الحقیقت وقوع پذیر ہوتے ہیں اس بناء پر خاطی کی ذمہ داری اس ضرر یا نقصان پر مبنی نہیں ہوتی ہے جس کے پہونچانے کی اس کی نیت ہو بلکہ اس کی ذمہ داری اس ضرر پر منحصر ہے جو فی الواقع ضرر رسیدہ کو پہونچتا ہے اور جس کے پہونچانے میں ضرر رساں کامیاب ہوتا ہے لہذا ایسے خاطی کو

اس کی خطا یعنے دوسرے شخص کو ضرر پہونچانے کی وجہ سے سزا نہیں دیجاتی بلکہ نتیجۂ ضرر کے برآمد ہونے پر اس کی سزا منحصر سمجھی جاتی ہے اس قسم کی دادرسی میں اگر ایک خاطی کے حق میں دوسرے سے زیادہ سختی کیجاتی ہے تو اس کا سبب پہلے شخص کی خطا یا جرم کا دوسرے شخص کے جرم سے زیادہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا سبب دوسرے شخص کی ایسی بدقسمتی ہے جس کی بناء پر وہ اپنے اغراض ناجائز میں پہلے شخص سے زیادہ کامیاب ہوجاتا ہے یا شومی طالع سے وہ اپنے فعل کے ان نتائج کو برآمد ہونے سے نہیں روک سکتا جن کو محل وقوع میں لانیکی اس کی نیت نہیں ہوتی اوران نتائج کے انسداد میں اس کو پہلے شخص کی بہ نسبت کم کامیابی ہوی ہو۔

اگرچہ تادیب تعزیری کے صحیح اور حقیقی معیار اور تاوانی دادرسی میں چند ایسے اختلافات پائے جاتے ہیں جن کا فقرہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے لیکن اس اختلاف اور فرق کی وجہ سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ دیوانی طرز کی یہ ذمہ داری حق بجانب نہیں ہے یا ضرر رسیدہ کے حق میں جو تاوانی دادرسی کی جاتی ہے وہ جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ تاوانی دادرسی سزا دینے کا ایک ذریعہ اور آلہ ہے جس قدر اعتراضات اس دادرسی کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ وہ فوائد ہیں جو اس کے ذریعے سے بنی نوع انسان کو پہونچتے ہیں۔ اوراس لئے ان فوائد کے مقابلے میں اعتراضات کا اثر زایل ہوجاتا ہے۔ منجملہ اور فوائد کے اس دادرسی کا ایک خاص فائدہ یہی ہے کہ اس کی رو سے ضرر رسیدہ کے ضرر کی تلافی ہوکر اس کو نفع اور ضرر رساں کو نقصان پہونچتا ہے حالانکہ سزا دینے کے دوسرے اقسام سے جیساکہ قید جرمانہ وغیرہ میں ضرر رسیدہ کو اس قسم کا فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ اس کے علاوہ اس دادرسی کی وجہ سے ضرر رسیدہ کے لئے سلطنت کی عدل گستری کو کامل اور کامیاب بنانے میں خاص دلچسپی ہوتی ہے لیکن قانون تعزیری (فوجداری نالشات) میں اس طرح دلچسپی لینے کا مستغیث کو موقع نہیں ملتا یہ صحیح ہے کہ اگر محض اسی قانون پر اکتفا کیا جائے جس کا تعلق تاوانی دادرسی ہے تو "سزا" کی ایسی اسکیم (تعزیرات وضابطہ فوجداری) جو عقل وحکمت پر مبنی ہو بارآور اور عمل پذیر نہیں ہوسکتی اور نہ تاوانی دادرسی کا قانون اس اسکیم کے چلانے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس بناء پر اس زمانے کے تمام ترقی یافتہ سایتر قانونی میں قانون متذکرہ کے نقائص کو اس کے ہم پلہ ذمہ داری تعزیری کے نظام (اور اسکیم) کے ذریعے سے رفع کیا گیا ہے اور اس دوسرے نظام کی بدولت پہلی اسکیم کی تکمیل کی گئی ہے اگر ان دونوں میں صحیح طور پر ترکیب دیجائے اور ان میں صحیح مناسبت قایم کیجائے تو ان کے ذریعہ سے ایک ایسی عمدہ اور موثر اسکیم تیار ہوتی ہے جس کے

ذریعے سے بہ آسانی ملک میں انصاف قایم رہ سکتا ہے۔

خلاصہ

جرایم ذمہ داری مطلق۔ ان کے ارتکاب کا نیت مجرمانہ پر مبنی ہونا ضرور نہیں ہے۔ اس قسم کے جرایم کی مخصوص ماہیت۔

ناوانی دادرسی بہ حیثیت دادرسی نہیں بلکہ بہ حیثیت سزا جائز سمجھی جاتی ہے، غلطی قانون۔

عام طور سے اس کا عذر نہیں پیش کیا جا سکتا یعنے کسی قسم کی بھی جوابدہی غلطی قانون کے عذر پر مبنی نہیں ہو سکتی۔

وجوہ قاعدۂ ہذا۔

انتقاد قاعدۂ مذکور۔

غلطی واقعہ۔

فوجداری نالشوں میں اس غلطی کا عذر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن دیوانی مقدمات میں عموماً ایسا عذر نہیں کیا جا سکتا۔

فرق مابین حادثہ و غلطی۔

حادثہ اور غلطی { مستلزم سزا / ناگزیر

حادثہ ناگزیر کا عموماً دیوانی اور فوجداری دونوں طرز کی نالشوں میں عذر کیا جا سکتا ہے۔

مستثنیات

ذمہ داری تعزیری کا محل وقوع۔

ذمہ داری نیابیہ یا نیابتی ذمہ داری۔

۱۔ مالک یا آقا کی ذمہ داری۔

یہ ذمہ داری عقل و حکمت پر مبنی ہے۔

۲۔ قایم مقاماں متوفی کی ذمہ داری۔

اس ذمہ داری کی بناء عقل و حکمت ہے۔

تعزیری ذمہ داری کا معیار۔

۱۔ فوجداری طرز کی ذمہ داری۔

بے سوچے سمجھے سخت سزا تجویز کرنے کے خلاف وجوہ۔

سزا دینے کی کیا غرض ہونی چاہئے۔

سزا دیتے وقت کن اسباب کا خیال کرنا چاہئے۔

(الف) تحریک جرم۔

(ب) مقدار یا سختی جرم۔

(ج) خصلت مجرم۔

۲۔ دیوانی طرز کی ذمہ داری۔

معاوضۂ جبری کے فوائد اور نقصانات اور اس معاوضے کا سزا کے بجائے استعمال کیا جانا

(۹۰)

بیسواں باب

قانون جائداد

فصل ۱۵۲ مفاہیم اصطلاح جائداد

دیوانی کے قانون اصلی[1] تین بڑے اصناف میں تقسیم کئے گئے ہیں یعنے قانون جائداد، قانون فرائض (معاہدات) اور قانون حیثیت، پہلی صنف میں ان تمام حقوق ملکیت کا بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق شئے سے ہوتا ہے دوسری صنف ایسے تمام حقوق ملکیت کے ذکر پر مشتمل ہے جو شخص کے مقابلے میں قرار دئے جاتے ہیں اور تیسری صنف ایسے تمام حقوق شخصی کے بیان پر مبنی ہے جو حقوق ملکیت تو نہیں ہیں لیکن حقوق متعلق شئے اور حقوق خلاف شخص ہو سکتے ہیں۔ اس باب میں سب سے پہلے قانون اصلی کی پہلی صنف کا بالاجمال ذکر کیا جائے گا اور اس کے بعد ہم اسی طرح دوسری صنف یعنے قانون فرائض کو بیان کریں گے لیکن قانون حیثیت کی ایسی نوعیت نہیں ہے جس کا اس طرح بیان کرنا ضروری ہے۔ اور نہ قانون کے عام نظریے کی رو سے اسکے متعلق بحث کرنا چنداں مفید ہو سکتا ہے۔

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ اصطلاح جائداد کا ایک مفہوم حقوق ملکیت متعلق شئے ہے لیکن یہ ایک مفہوم ہی ایسا وسیع اور عام ہے کہ اس کی عمومیت کے مختلف مدارج کے لحاظ سے اسی ایک لفظ کا حسب ذیل مختلف معنوں میں اطلاق کیا جاتا ہے:-

---

[1] قانون اصلی سے مراد وہ قانون ہے جو قانون اضافی یعنے ضابطہ کی ضد ہے۔ ایسا ہی قانون دیوانی ضد ہے قانون فوجداری کا۔

۱۔ تمام قانونی حقوق ۔ وسیع مفہوم کے لحاظ سے لفظ جائداد سے مراد ایک شخص کے تمام قانونی حقوق ہیں خواہ ان کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ انسان کی جائداد ان تمام چیزوں پر مبنی ہوتی ہے جو قانون میں اس کی یعنے اس کی ملک سمجھی جاتی ہیں ۔ اگرچہ (انگریزی زبان میں) اس زمانے میں اس لفظ کا ان معنوں میں استعمال متروک ہوگیا ہے لیکن قانون کی پرانی کتابوں میں لفظ جائداد کا یہی مفہوم لیا گیا ہے چنانچہ بلیک اسٹن نے لفظ جائداد کو حق کے معنوں میں استعمال کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ مالک یا آقا کی جائداد اس کے ملازم کی ذات میں ہوتی ہے اور باپ کی جائداد اس کے بیٹے کی ذات میں سمجھی جاتی ہے ۔ یعنے آقا کو اپنے ملازم پر اور باپ کو اپنے بیٹے پر حق ہے اور اس مقام پہ جائداد بمعنی حق مستعمل ہوئی ہے ۔ایک دوسرے مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "ماتحت کو اپنے بالادست افسر کی صحبت حفاظت اور امداد میں کوئی جائداد نہیں ہے بلکہ بالادست کو اپنے ماتحت کی ذات میں ان چیزوں کے متعلق جائداد حاصل ہے[1]" یعنے اپنے بالادست کی صحبت حفاظت ونگرانی میں رہنے اور اس سے امداد پانے کا حق نہیں رکھتا بلکہ بالادست کو حق حاصل ہے کہ وہ ماتحت کو اپنی صحبت میں رکھے اور اس سے اپنی حفاظت کرائے یا اور امور میں اس سے امداد لے ۔ ایسا ہی ہابز[2] نے بھی ایک مقام پہ لکھا ہے کہ "اشیاء جو انسان کی جائداد ہوسکتی ہیں ان میں سب سے زیادہ عزیز انسان کی خود زندگی یا حیات اور اس کے اعضائے بدن ہیں اور اس کے بعد اکثر اشخاص کے نزدیک وہ لوگ عزیز خیال کئے جاتے ہیں جن کے تعلقات کی بناء زناشوئی کی محبت اور اس کے بعد دولت اور ذرائع روزگار عزیز سمجھے جاتے ہیں" اسی طرح سے لاک[3] نے بھی لکھا ہے کہ "ہر ایک شخص کی جائداد اُسکی ذات میں ہوتی ہے"

---

[1] تصانیف بلیک اسٹن جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ "طفل کی جائداد اس کے باپ یا اس کے ولی میں نہیں ہے بلکہ باپ اور ولی کو طفل میں جائداد حاصل ہے (یعنے باپ کو اپنے فرزند نابالغ اور ولی کو اس نابالغ پر حق حاصل ہوتا ہے جو اسکے ولایت میں رکھا یا جاتا ہے۔ ایضاً ۔

[2] لی وی لے تھان باب ۳۰ تصنیفات انگریزی جلد ۳ صفحہ ۳۲۹ ۔

[3] رسالہ متعلق حکومت منظم (Treatise on coil government) جلد ۲ باب ۵ فصل ۲۷ ۔

اور ایک دوسرے مقام[1] پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ ہر ایک شخص کو اپنی جائداد کو محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہے اور جائداد سے مراد اس نے انسان کی "حیات آزادی اور جائداد" بمعنی املاک لی ہے۔

۲۔ حقوق ملکیت (ملکیت اور حیثیت) لفظ جائداد کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے اور یہ مفہوم بہ نسبت اس مفہوم کے جس کا بیان فقرۂ بالا میں ہوا کم وسیع اور کسی قدر تنگ ہے۔ اس تنگ مفہوم کے لحاظ سے اصطلاح جائداد کے معنی انسان کے تمام حقوق نہیں بلکہ صرف حقوق ملکیت ہیں اور حق ملکیت ضد ہے شخصی حق کی۔ پہلی قسم کے حقوق پر شخص کی جائداد یا اسٹیٹ مشتمل ہوتی ہے اور دوسرے قسم کے حقوق پر اس کی حیثیت یعنے حالت شخصی مبنی ہوتی ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے کسی شخص کی جائداد سے مراد اس کی زمین اس کے مویشی اور مال منقولہ اس کے حصص اور اس کے قرضہ جات ہیں لیکن اس کی جائداد میں اس کی حیات اس کی شخصی آزادی اور اس کی نیک نامی داخل نہیں ہے۔ ان ہی معنوں کے لحاظ سے لاک کے مقولہ کے خلاف کہ ہر ایک شخص کی اس کی ذات میں جائداد ہوتی ہے اُلپین کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے کہ "کسی شخص کو اپنی ذات پر ملکیت حاصل نہیں ہے"[2] بہرحال زمانۂ موجودہ میں لفظ جائداد کا یہی مفہوم زیادہ تر استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے دوسرے معنی بھی اپنے اپنے مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں اس لئے اس اصطلاح کو مختلف معنوں میں سے کسی ایک مفہوم کے لئے مخصوص کرنا لاحاصل ہے اور اسی وجہ سے اس امر کا تعین کرنا بھی بے سود ہے کہ ان مختلف معنوں میں سے جائداد کا کون مفہوم صحیح ہے۔

۳۔ حقوق ملکیت متعلق بہ اشیاء (ملکیت اور وجوب یا معاہدہ) اس فقرے میں ہم جائداد کے تیسرے مفہوم کو بیان کرتے ہیں اور اس بات میں لفظ جائداد کے یہی معنی لئے گئے ہیں اس خاص مفہوم کے لحاظ سے جائداد میں کسی شخص کے تمام حقوق نہیں بلکہ صرف ایسے حقوق ملکیت داخل ہیں جن کا تعلق شئے سے ہوتا ہے چنانچہ

[1] ایضاً باب ۷ فصل ۸۷۔

[2] ڈائیجسٹ ۹-۲-۱۳ دیباچہ۔

اس بناء پر قانون جائداد سے مراد ایسا قانون ہے جو حقوق ملکیت متعلق اشیاء پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی ضد حقوق ملکیت خلاف اشخاص کا قانون ہے۔ ان دونوں قسم کے قوانین میں امتیاز پیدا کرنے کی غرض سے موخرالذکر قانون کو قانون فرائض (یا قانون معاہدہ) بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ انگریزی زبان میں لفظ جائداد انھیں معنوں میں استعمال کی جاتی ہے اور اس بناء پر فری ہولڈ (زمین معافی یا انعام) پٹہ حق ایجاد اور حق تصنیف پر جائداد کا اطلاق کیا جاتا ہے لیکن قرضے یا کسی معاہدے کے نفع کو جائداد نہیں کہتے ہیں۔

۴۔ جائداد مادی (جائداد مادی اور جائداد قانونی) اس سلسلے کے آخر میں ہم جائداد کے سب سے زیادہ تنگ مفہوم کو بیان کرتے ہیں اس لحاظ سے جائداد کے معنی محض جائداد مادی ہوتے ہیں یعنے کسی شخص کا ایسا حق ملکیت جو اس کو کسی مادی شئے میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض وقت خود شئے مادی کنایتہً حق ملکیت کے بجائے استعمال کیجاتی ہے یعنے شئے کو ازروئے صنعت تلویح حق کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اہرینز[1] نے جائداد کی حسب ذیل تعریف کی ہے "جائداد سے مراد ایسی مادی شئے ہے جس پر ایک شخص کو بلاتوسط غیرے اختیار حاصل رہتا ہے"۔ لیکن بنیتھم[2] کی رائے میں اشیائے مادی کے سوا کسی دوسری شئے پر لفظ جائداد کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ اس طرز عمل کو استعارہ خیال کرتا ہے جس کی اس کے نزدیک ضرورت نہیں ہے۔

فصل ۱۵۳ اقسام جائداد

اس سے قبل کسی[3] مقام پر جائداد کی دو مادی اور غیر مادی قسموں کا بیان آچکا ہے۔ اشیاء مادی میں کسی شخص کو جو حق ملکیت حاصل ہوتا ہے وہ اس کی جائداد مادی ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر حقوق ملکیت متعلق اشیاء کسی شخص کو حاصل ہوتے ہیں وہ اس کی

---

[1] ڈرواینچرلی (قانون فطرت) جلد ۲ فصل ۵۵۔

[2] اصول صفحہ ۲۳۱ تصنیفات جلد ا صفحہ ۱۰۸۔ اس کے علاوہ تصنیف یکجا فصل ۲۳۱ ملاحظہ طلب ہے۔

[3] ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا حصہ ماسبق فصل ۸۰۔

جائداد غیر مادی ہیں ۔ جائداد غیر مادی کی اور دو قسمیں ہیں یعنے (۱) حقوق دراشیائے غیر یا کفالتیں خواہ یہ حقوق اور کفالتیں وغیرہ مادی ہوں کہ غیر مادی جیسا کہ زمینوں کے پٹے اور رہن اور استفادہ حقیت (Servitude) تابع میں ہوا کرتا ہے اور (۲) کسی شخص کے ایسے حقوق جو اس کو اس کی غیر مادی اشیا پر حاصل ہوسکتے ہیں اس کی مثالیں حقوق ایجاد و تصنیف اور نشانات تجارت ہیں ۔ ذیل کی جدول سے جائداد کی تینوں قسموں کی بخوبی صراحت ہوسکتی ہے ۔

- جائداد
  - حقوق دراشیائے خود
    - اشیائے مادی
      - زمین
      - مویشی
      - } جائداد مادی
    - اشیائے غیر مادی
      - ایجادات
      - تصنیفات
      - نشانات تجارت
      - وغیرہ
  - حقوق دراشیائے غیر
    - پٹہ جات
    - استفادہ حقیت غیر
    - کفالتیں
    - وغیرہ
    - } جائداد غیر مادی

فصل ۱۵۴ ملکیت اشیائے مادی
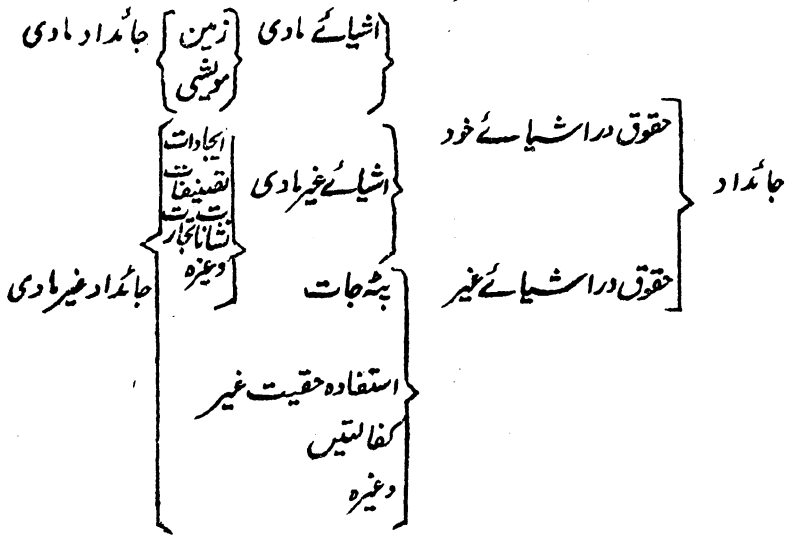
کسی مادی شئے کا مالک وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو اس شئے سے ہر ایک قسم کی تمتع حاصل کرنے کا مجاز ہو یا یوں کہنا چاہیے کہ جس شخص کو کسی مادی شئے کے مجموعہ تمتعات سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے وہ اس کا مالک ہے ۔ کسی مادی شئے میں جس شخص کو محدود یا مخصوص حق تمتع حاصل ہو وہ اس کا مالک نہیں بلکہ اس کا کفالت دار یا

مواخذہ دار کہلاتا ہے اس کی مثالیں زمین غیر پر لوگوں کے چلنے پھرنے کا حق اور استفادہ حقیت غیر ہیں۔ تمتع کے مطلق یا غیر محدود حق کا نام ملکیت نہیں ہے بلکہ ملکیت سے مراد تمتع کا عام حق ہے۔ مالک شئے وہ شخص ہے جو اس شئے کے تمام تمتعات سے مستفید ہونے کا حق رکھتا ہو اور قانون کی رو سے اس شئے کے کسی تمتع یا تصرف سے وہ محروم نہ کیا گیا ہو لیکن قانون میں کبھی ایسے حق کا وجود تسلیم نہیں کیا گیا ہے جس کا تعلق کسی مطلق یا غیر محدود تمتع سے ہو۔ تمتع (یا استعمال و تصرف) کی صرف دو قسمیں ہیں عام (یعنے مابقی) اور خاص۔ پہلی قسم کے تمتع کو ملکیت کہتے ہیں اور دوسری قسم کے تمتع کا نام کفالت یا مواخذہ اور بار ہے۔

ان حدود یا قیود کی دو قسمیں ہیں جو اس طرح کسی مالک کے حق تمتع یا تصرف کے متعلق قائم کی جاتی ہیں۔ پہلی قسم کو ملکیت کے قدرتی قیود سے تعلق ہے۔ یہ جو مسئلہ قانونی ہے کہ تم اپنی جائداد کو اس طرح استعمال کرو کہ اس کے ذریعے سے دوسرے شخص کی جائداد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے اصل میں اس کے مختلف مطالب کا ان قدرتی قیود کے ذریعے سے اطلاق کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قانون کے اس مسئلے کا منشا اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ اس کے ذریعے سے مالک کے اختیارات تصرف کو جائز اور مناسب طریقے سے محدود کیا جائے عوام کے فائدے یا پڑوسیوں کی ضرورت پوری کرنے اور ان کو نفع پہنچانے کی غرض سے انسان کو قانون اس کی مملوکہ اشیاء پر تصرف کرنے سے باز رکھتا ہے اور اس طرح انسان کے حق ملکیت میں منجانب قانون دست اندازی کی جاتی ہے لہذا اس مسئلہ قانونی کو ایک دوسرے مسئلے کی کہ ہر ایک شخص کو اپنی شئے پر جس طرح چاہیے تصرف کرنے کا اختیار ہے ضد سمجھنا چاہیئے۔

دوسری قسم کے حقوق کا تعلق جو حق مالک پر عائد کئے جاتے ہیں ان کفالتوں یا بار سے جو ایک شخص کی ملک میں دوسروں کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ مصنوعی حدود و قیود ہیں اور ان کا قائم کیا جانا یا نہ کیا جانا دونوں باتیں ممکنات سے ہیں۔ مثلاً اگر میں اپنی زمین کو رہن کردوں یا پٹہ پر دوں یا اس پر کسی قسم کی کفالت (یا بار) قائم کردوں یا اس کی بابت چند ایسے شرائط قرار دئے جائیں جن سے میری ملکیت محدود ہو سکتی ہو تو بھی اس زمین کا مالک میرے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا کیونکہ اس قسم کے

قیود اور شرائط قائم کرنے کے بعد بھی جس قدر اس زمین کے تصرفات اور تمتعات باقی رہجاتے ہیں ان کو استعمال کرنے کا تنہا میں محق ہو سکتا ہوں۔ اس زمین پر تصرف کرنے اور اس سے متمتع ہونے کا جو کوئی حق کسی دوسرے کو بصراحت منجانب قانون نہ دیا گیا ہو وہ مجھی کو حاصل رہتا ہے حالانکہ باقی تصرف و تمتع کتنا ہی خفیف و قلیل کیوں نہ ہو اس میں شک نہیں کہ اکثر ایسی صورتوں میں زمین پر کفالت دار کے حقوق مالک کے حقوق سے کہیں زیادہ بہتر ہوتے ہیں پھر بھی مالک زمین مالک ہے اور کفالت دار شخص غیر سمجھا جاتا ہے۔ اگر میری زمین پر سے فرض کرو کسی وجہ سے کفالت دار کا حق کل ساقط ہو جائے تو میرا حق جو اس کی کفالت کے بار سے دبا ہوا ہے اور بخوبی ظاہر نہیں ہو سکتا ہے نہایت آسانی سے اغیار کو محسوس ہو سکے گا اور اس کے اثرات باسانی و بخوبی نمایاں ہو سکیں گے۔ ایک شخص کے حق پر دوسرے شخص کو کفالت حاصل ہو جانے سے پہلے شخص کے حق کا وجود مٹ نہیں سکتا اسی طرح ایک شخص کا حق ملکیت دوسرے اشخاص کی کفالتوں کی زیر باری کے باوجود کبھی زائل نہیں ہو سکتا۔ حق ملکیت خواہ وہ دوسرے حقوق سے زیر بار کیا جائے یا نہیں اس کی وہی حیثیت سمجھی جاتی ہے۔

چونکہ حق ملکیت سے مراد کسی شئے کے تصرفات اور تمتعات کا مجموعہ ہے اس لئے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حق ملکیت ایک مستقل حق ہوتا ہے۔ عارضی تمتع یا تصرف کی بناء پر کوئی شخص کسی شئے کا مالک نہیں قرار پا سکتا حالانکہ اس حق تمتع کے جاری رہنے کے زمانے میں اس کی نوعیت کتنی ہی عام کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس عارضی حق تمتع کے ختم ہونے کے بعد اس شئے کے مالک کا حق تمتع اس شئے پر شروع ہو جاتا ہے کفالت دار کے بعد شئے سے مستفید ہونے کا موقع مالک ہی کو ملتا ہے اور اس لئے کفالت دار کے بعد مالک کی نوبت آتی ہے کیونکہ کفالت دار کے تمتعات سے جو کچھ باقی رہتا ہے وہ شئے کے مالک کو ملتا ہے۔ حق مستقل سے مراد ایک ایسا حق ہے جو اس شئے کے باقی رہنے تک قائم رہتا ہے جس سے اس کا تعلق ہے بالفاظ دیگر حق مستقل اپنے موضوع کی بقا تک بحال رہتا ہے حالانکہ موضوع کی مدت بقا کتنی ہی طویل یا قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

جس طرح ملکیت کی عمومیت سے اس کا استقلال مترشح ہوتا ہے اسی طرح اس کے استقلال سے اس کی ایک خاص کیفیت کا اظہار ہوتا ہے یعنے ملکیت کا قابل توریث ہونا اس کی عمومیت اور استقلال کا ایک لازمی نتیجہ ہے فانی انسان جن مستقل حقوق کا مالک ہوسکتا ہے وہ محض ایسے حقوق ہیں جو اس کی وفات پر اس کے ورثا و یا قائم مقاموں کو منتقل ہوتے ہیں ان کے علاوہ جس قدر حقوق ہوں وہ عارضی ہیں اور اس شخص کے پیمانۂ عمر کے لبریز ہونے پر جن کو وہ حاصل تھے زایل ہوجاتے ہیں لہذا حق ملکیت ایک ایسا حق ہے جو قابل توریث ہے۔ مالک کے مرنے کے بعد بھی یہ حق باقی رہتا ہے گویا حق ملکیت ایک پسماندہ شئے ہے۔ اس حق کا ان حقوق میں شمار کیا جاتا ہے جو انسان کی موت کے باعث بطور حقوق متوفی ساقط ہوجاتے ہیں لیکن اصل میں انکی ہستی زایل نہیں ہوتی ہے۔

فقرات بالا میں جن نتائج کا استخراج کیا گیا ہے انکی رو سے حق ملکیت متعلق شئے ادی کی تعریف اسطرح ہوسکتی ہے کہ اس سے مراد وہ کل عام مستقل اور قابل توریث تصرفات و تمتعات ہیں جن کا تعلق اس شئے سے ہے

انگریزی قانون کا یہ ایک سخت اصولی مسئلہ ہے کہ ملک کی اراضی کا مالک بجز تاج (بادشاہ انگلستان کے کوئی اور شخص نہیں ہوسکتا اس اصول کے لحاظ سے ایسی اراضی تک جو فی سمپل کہلاتی ہے اور جو ایک قسم کا ایسا بہترین حق مقابضت ہے جو انگلستان کی کسی رعیت کو زمین میں حاصل ہوسکتا ہے صحیح معنوں میں کسی شخص کی ملک نہیں ہوسکتی بلکہ اسکو تاج انگلستان کی ملکیت پر ایک قسم کا بار یا کفالت سمجھنا چاہئے فی سمپل سے مراد ایسی مقابضت زمین یا پٹہ ہے جو کسی شخص کو اور اس کے بعد اس کے ورثا کو عطا کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر فی سمپل ایک قسم کا پٹہ دائمی ہے جو پٹہ دار کے خاندان میں نسلاً بعد نسل اور بطناً

لہ اگرچہ حق ملکیت کی ایک ضروری خاصیت یا کیفیت مالک کا وہ اختیار کامل ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی ملک کو نہایت آزادی سے اپنی زندگی میں خود اور مرنے کے بعد بذریعۂ وصیت منتقل کرسکتا ہے لیکن اس اختیار کو حق ملکیت کا کوئی جزو سمجھنا چاہئے اور نہ یہ خاصیت اسقدر اہم ہے کہ اسکو حق ملکیت کی تعریف میں داخل سمجھ سکیں چنانچہ قانون انگلستان کی رو سے حق بامراپنے کے حاصل ہونیکے قبل جن تمتعا عورتوں کے اختیارات انتقال پر قیود عائد کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی جائداد کی مالکانت سمجھی جاتی ہیں حالانکہ انھیں اپنی جائداد کو انتقال یا مکفول و زیر بار کرنیکا نہیں ہوتا ہے۔

آسٹن نے (اصول قانون صفحہ ۸۱۰ طبع سوم) حق ملکیت کی اسطرح تعریف کی ہے۔ کہ وہ کسی شئے پر ایک ایسا حق ہے جو بلحاظ تمتع و تصرف معین نہیں کیا جاسکتا اسکے مالک کا اختیار انتقال غیر محدود اور اسکے دوران کی کوئی مدت نہیں قرار دیجاسکتی ہے۔

بعد لبطن بحال رہتا ہے[1] بہر حال یہ حق تمتع مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے کیونکہ جس صورت میں اسامی (نی سمپل کا پٹہ دار) کسی وارث یا موہوب لہٗ (بالوصیت) چھوڑنے کے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو یہ حق مقابضت بھی قدرتی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ اسامی یا معطی لہٗ کا سلسلۂ نسل جاری رہنے پر اس سلسلہ میں نی سمپل وراثتاً منتقل ہوتا رہتا ہے۔ بہرکیف آسامی کی لاوارث فوتی کی وجہ سے اس قسم کی اراضی تاج انگلستان کی طرف عود کرتی ہے یعنے تاج انگلستان کو نی سمپل زمین میں جو ملکیت حاصل ہے وہ کبھی نہیں ہونے پاتی بلکہ نی سمپل کی وجہ سے اس پر ایک قسم کا بار عائد کیا جاتا ہے اور جب کسی وجہ سے جیسا کہ اس مثال میں اسامی کی لاوارثی عود کی بناء قرار دی گئی ہے بادشاہ کے اس ملک سے اس طرح کا بار ہٹ جاتا ہے تو زمین مذکور اس حالت پر پہنچ جاتی ہے جو قبل عطا تھی نی سمپل عطا کے بار اور قید وراثت سے آزاد رہ کر پھر بادشاہ کی ملک مطلق بنجاتی ہے اس کے برعکس جائداد یا مال منقولہ کی حالت ہے جس طرح بادشاہ (انگلستان) اس جائداد یا مال کا مالک ہو سکتا ہے اسی طرح رعیت بھی اس کی ملک بن سکتی ہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جس طرح بصورت لاوارثی نی سمپل زمین بادشاہ کے حق میں عود کر آتی ہے اسی طرح اس رعیت کا مال جس کا کوئی قریب کا رشتہ دار نہ ہو اور جس نے بلاوصیت وفات پائی ہو بصیغۂ لاوارث بادشاہ کو پہنچتا ہے لیکن ان دونوں اشکال میں از روئے نظریۂ قانون ایک بین فرق ہے۔ مال منقولہ کی صورت میں تاج انگلستان کو حق ملکیت وراثتاً پہنچتا ہے تاج شخص متوفیٰ کا وارث متصور ہوتا ہے جس طرح متوفیٰ کی ملکیت اس کے کسی وارث یا قرابت دار قریبہ میں بصورت موجودگی وارث وغیرہ منتقل ہو کر جاری رہتی ہے اسی طرح اس کے لاوارث مرنے کے بعد اس کی ملکیت بادشاہ میں منتقل ہو کر

---

[1] نی سمپل وغیرہ کی صراحت کے متعلق ملاحظہ ہو تشریحات مندرجہ تاریخ دستور انگلستان برائے انٹرمیڈیٹ صفحات از ۹۳ تا ۱۴۱۔

بحال رہتی ہے لیکن عود کی صورت میں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے متوفی کا حق ختم ہو جاتا ہے متوفی کا حق وراثتاً نہیں پاتا بلکہ اس کا حق اس کو واپس ملتا ہے۔

زمین کا فی سمپل (حق مقابضت) اور زمین کی ملکیت میں جو ازروئے نظریۂ قانون اس طرح کا فرق کیا جاتا ہے وہ کوئی حقیقی اور مادی فرق نہیں ہے بلکہ وہ ایک قسم کا صوری فرق ہے۔ اگرچہ فی سمپل کی آسامی کا حق (مقابضت) ازروئے نظریۂ قانون مستقل نہیں ہے لیکن عملاً اور فی الحقیقت اس کا یہ حق مستقل اور دائمی ہے کیونکہ عود کا عمل اُسی وقت کیا جاتا ہے جبکہ اسامی بلا وصیت فوت ہوتا ہے اس لئے گو اسامی اپنی حیات میں اپنی فی سمپل کو اپنے مرنے کے بعد بذریعۂ وصیت وغیرہ منتقل کرنے کا انتظام کرلے تو اس کا فی سمپل عود کے اثر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ بنابراں ہماری رائے میں انگلستان کے قانون جائداد غیر منقولہ کے اس اصطلاحی فرق کا نظر انداز کیا جانا مناسب ہے اور ہمیں اختیار ہے کہ ہم زمین کے فی سمپل کو ملکیت زمین کہیں اور تاج کا حق ملکیت جو اس قسم کی زمین میں ہے اس کو تاج کی ایسی زمین نہ سمجھیں جو کسی رعیت کے حق مقابضت سے زیر بار ہوئی ہے بلکہ اس کی نسبت تاج کو ایسا حق وراثت حاصل ہے جو اسامی کی وفات بلا وصیت کے سبب سے نفاذ پاسکتا ہے۔

فصل ۱۵۵۔ منقولہ اور غیر منقولہ جائداد

اشیائے مادی کی جو مختلف اصول پر تقسیم کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ اہم اور مفید اصول وہ ہے جس کی بنا پر ان اشیاء کی دو قسمیں منقولہ اور غیر منقولہ قرار دی جاتی ہیں۔ اسی فرق کو انگریزی قانون میں ایک دوسرے نہج سے بیان کیا گیا ہے اور جو الفاظ اس کے لئے قانون میں مشہور ہیں ان سے لوگوں کے کان بھی آشنا ہیں یعنے مال اور زمین انگلستان کے قانون میں منقولہ اور غیر منقولہ اشیائے مادی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ دوسرے دساتیر قانونی میں بھی اشیائے مادی کی اس طرح دو قسمیں قرار دی گئی ہیں لیکن انگلستان کے قانون میں جس قدر اشیا کے ان اقسام میں

فرق کیا جاتا ہے اس قدر کسی ملک کے قانون میں ان اشیاء کے متعلق امتیاز نہیں کیا جاتا ہے۔

قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کسی غیر منقولہ شئے یعنے ایک قطعۂ زمین حسب ذیل عناصر (یا اجزا) پائے جاتے ہیں:۔

۱۔ سطح ارض کا ایک معین حصہ۔

۲۔ پہلے فقرہ میں جو حصۂ ارض معین کیا گیا ہے اس کی سطح کے نیچے کی جانب کی زمین تا مرکز کرۂ ارض۔ زمین انگلستان کے جس قدر قطعات ہیں وہ سب نیچے کی طرف اپنے عمق میں بڑھتے ہوئے کرۂ ارض کے مرکز کے نقطے پر پہنچکر آپس میں مل جاتے ہیں۔

۳۔ اسی طرح اس ملک کے ہر ایک قطعۂ زمین کا وہ حصہ جو اس کی سطح سے فضا میں آسمان یعنے از تحت تا ثریا پہنچتا ہے۔ چنانچہ کوک[1] نے لکھا ہے کہ قانون کی نظروں میں کرۂ ارض میں بلندی کی طرف بڑھنے یعنے صعود کرنے کا بہت زیادہ مادہ ہے زمین کا شمار جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے سمندر کی تہ سے سطح آب تک نہیں کیا جاتا بلکہ سطح آب یا سطح زمین کے بعد سے ہوا وغیرہ جس قدر چیزیں فضا میں آسمان تک ہیں وہ سب کرۂ ارض میں داخل ہیں۔ کیونکہ (قانون روما کا بھی یہی مقولہ ہے) "جو شخص جس قطعۂ زمین کا مالک ہے آسمان تک ہی زمین اُسکی ہے"۔ لیکن یہ ایسا مسئلہ ہے جو خالی از بحث نہیں ہے۔ اگر دنیا کے تمام وسائیر قانونی میں اس کو تسلیم کر لیا جاتا تو اس مسئلہ کی بنا پر فضا میں مداخلت بیجا کے ارتکاب کا لوگوں پر الزام لگایا جا سکتا اور مالکان اراضی دیگر اشخاص کو فضا میں جو ان کی زمینوں کی سطح کے اوپر واقع ہے پرواز اور حمل و نقل کرنے سے ممانعت کر سکتے۔ اگر کوئی شخص زمین سے غبارہ کے ذریعہ سے نصف میل کی بلندی تک پرواز کرے تو کیا اس کے فعل سے زمین کے ان مالکوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے جو اس میلوں کے نیچے سطح ارض پر واقع ہوتی ہیں قانون انگلستان کی موجودہ حالت پر نظر کرتے ہوئے

---

[1] تصنیفات قانونی کوک مرتبہ لٹل ٹن صفحہ ۴ (الف)

اس سوال کے تین جواب ہو سکتے ہیں۔ اس ملک کے قانون کی رو سے فضا میں کسی شخص کو حق ملکیت نہیں حاصل ہو سکتا یا اگر حاصل بھی ہو تو مالک زمین اپنے فضائی حصے کو تنہا آپ استعمال کرنے کا مجاز نہیں ہے البتہ وہ دوسروں کے ایسے افعال کو روک سکتا ہے جو اس کی زمین کی سطح سے اس قدر نزدیک فضا میں کئے جاتے ہیں جن کے قرب کی وجہ سے اس کی سطح زمین کو نقصان پہنچتا ہو یا وہ افعال بلحاظ نوعیت ایسے ہوں جن کی وجہ سے وہ اپنی زمین کی سطح سے پوری آزادی کے ساتھ متمتع نہ ہو سکتا ہو۔[۱] جرمنی کے مجموعۂ قانون دیوانی کے لحاظ سے اگرچہ مالک زمین کو اس حصہ پر جو اس کی زمین کی سطح سے فضا میں آسمان کی طرف واقع ہوتا ہے ملکیت حاصل ہے لیکن وہ دوسرے اشخاص کے افعال کو جو اس کی زمین کی فضا میں ایسی بلندی پر کئے جاتے ہیں جن سے اس کو اپنے متمتع سطح سے ضرر نہ پہنچے نہیں روک سکتا۔[۲]

۴۔ ایسی تمام اشیاء جو زمین کی سطح کے اوپر اور نیچے (مرکز ارض کی طرف) اپنی قدرتی حالت میں پائی جاتی یا واقع ہوتی ہیں جیسا کہ معدنیات اور نباتات قدرتی ہیں۔ ہرچند اس قسم کی چیزیں جسمانی طور پر زمین سے ملحق و ملصق نہیں ہوتی ہیں تاہم وہ اس زمین کا جس میں یا جس پر وہ واقع ہوتی ہیں جزو سمجھی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے ایسے پتھر جو سطح زمین پر پڑے ہوتے ہیں اور جو زمین میں نصب نہیں کئے جاتے زمین کا جزو خیال کئے جاتے ہیں اور اس لئے ایسے پتھروں کی بھی وہی حالت سمجھی جاتی ہے جو سنگ معدن کی کیفیت ہے۔

۵۔ ایسی تمام اشیاء جو انسان کے ذریعہ سے سطح زمین کے اوپر یا نیچے بہ نیت الحاق دائمی رکھی جاتی ہیں وہ سب جزو زمین قرار پاتے ہیں اور ان کی

---

[۱] اس مسئلہ کے متعلق ملاحظہ ہو قانون ٹارٹ مولفہ پالک صفحہ ۳۶۳ طبع دہم قانون ٹارٹ مولفہ کلارک و لنڈسل صفحہ ۳۶۲ طبع ششم۔ قانون فضا (ہوا) مولفہ ہیلزل ٹائن۔ پکرنگ بنام رڈ کمپل جلد ۴ صفحہ ۲۱۹۔ ریوارڈ ریورٹس جلد ۱۶ صفحہ ۷۔ نے بنام برٹش کامن بینچ جلد ۱ صفحہ ۸۲۸۔ وانڈز ورتھ بورڈ آف ورکس بنام یونائیٹڈ ٹیلیگراف کمپنی کوئینز بینچ ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۹۰۴ اے یس بنام لافلش آیرن کمپنی لا ریورٹس مرتبہ گیرگمش اور بین جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۔

[۲] آرٹیکل ۹۰۵۔

وہ حیثیت اور ہستی باقی نہیں رہتی جس کی بنا پر وہ منقولہ سمجھے جاتے تھے۔ اسکی مثالیں عمارات، دیواریں اور خندقیں ہیں۔ چنانچہ قانون روما[1] کا مقولہ ہے کہ جب چیز کی زمین پر تعمیر ہوتی ہے وہ اس سے ملصق ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر اس امر کا اظہار کر دینا ضرور ہے کہ عمارت یا کسی اور غیر چسپاں شئے کے جزو زمین متصور ہونے کے لئے اس شئے کا زمین پر یا اس کے اندر بہ نیت الحاق دائمی بنایا جانا یا رکھا جانا لازم ہے۔ اگر تعمیر کنندہ کی ایسی نیت نہ ہو تو تعمیر کردہ یا رکھی ہوی شئے زمین سے ملحق یا اس کا جزو نہیں متصور ہو سکتی چنانچہ اسی بناء پر ایسے پتھروں کی دیوار جو چونے یا مٹی اور پاسے (بنیاد) کے بغیر زمین پر بنائی جائے یعنے صرف پتھروں کو جمع کر کے ان کے ذریعہ سے ایک دیوار کھڑی کر دی جائے تو ایسی دیوار بھی زمین کا اسی طرح جزو سمجھی جاتی ہے جس طرح کہ چونے یا مٹی اور پتھروں کی پختہ دیوار زمین کی ملحقات میں شمار ہوتی[2] ہے۔

اس کے برعکس اگر رکھنے والے کی نیت الحاق دائمی کی نہ ہو تو اس سے الحاق جسمانی پانے کے باوجود شئے اس کا جزو نہیں بن سکتی ہے چنانچہ ایسی اشیاء جو تزئین مکان کی غرض سے کمروں کی دیواروں اور دروازوں وغیرہ پر لٹکائی جاتی ہیں اور قالین وغیرہ کو جن کا فرش کیا جاتا ہے کیلوں کے ذریعہ سے دیواروں اور فرش پر چسپاں کر دینے سے قالین وغیرہ مکان کا جزو نہیں متصور ہوتے ہیں[3] ایسا ہی جو روپیہ زمین میں دفن کیا جائے وہ اسی طرح سے جائداد (یا مال) منقولہ سمجھا جاتا ہے جس طرح وہ روپیہ

[1] انسٹی ٹیوٹس جسٹینین جلد ۲ عنوان ۱ فقرہ (۲۹) ملاحظہ ہو گایس ۲ - ۳ - ۷۳ زمین کی ملکیت کے تابع اس شئے کی ملکیت ہے جو اس زمین کی سطح پر تعمیر کیجاتی ہے۔

[2] مانٹی بنام بار عز (سنہ ۱۹۰۱ء) کنگز بینچ جلد ۱ صفحہ ۲۰۵۔

[3] انگلستان کے قانون نے بتدریج اور نامکمل مطابقت کے ساتھ اس مادہ میں ایک رائج العلم اصول قائم کیا ہے۔ اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ انگلستان کے قدیم قانون میں جزو زمین قرار پانے کے لئے کسی شئے کا زمین سے جسمانی الحاق کا پیدا کر لینا ضروری اور کافی سمجھا جاتا تھا لیکن اس قانون میں اس ضرورت کے متعلق اس کثرت سے اہم مستثنیات کا اضافہ کیا گیا تھا کہ اصل اصول کی کوئی عاقلانہ بنیاد

جو کسی کی جیب[1] میں رکھا ہوا ہو۔ یہ امر بالکل طے شدہ اور صاف ہے کہ اشیاء میں منقولہ اور غیر منقولہ کا جو امتیاز کیا جاتا ہے اس کا تعلق صرف مادی اشیاء سے ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ باقی نہیں رہی تھی۔ اس اصول یا نکتہ کے متعلق انگلستان کا جو موجودہ قانون ہے اس کی نسبت ملاحظہ ہو ہالینڈ بنام ہاجسن لا رپورٹ پریوی کونسل جلد ۷ صفحہ ۳۲۸۔ مانٹی بنام بارنز (سنہ ۱۹۰۱ء) کنگز بینچ جلد ۱ صفحہ ۲۰۵۔ بمعاملہ ڈی فیل (سنہ ۱۹۰۱ء) چانسری جلد ۱ صفحہ ۵۲۳۔ (سنہ ۱۹۰۲ء) اپیل کیسز صفحہ ۱۵۷۔ ایلوینر بنام برگس کمپنی چانسری ڈویژن جلد ۳۳ صفحہ ۵۶۲۔ اسی قسم کا قانون جرمنی کے مجموعہ قانون دیوانی کے آرٹیکل ۹۵ میں درج ہے "جن اشیاء کا عارضی غرض سے زمین کے ساتھ الحاق کیا جاتا ہے وہ زمین کا جزو نہیں ہو سکتی ہیں" مقدمہ رے نلڈز بنام ایشن لی اینڈ سن (سنہ ۱۹۰۶ء) اپیل کیسز صفحہ ۴۶۶ کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے کہ انگریزی قانون میں اس اصول کے متعلق ابھی تک ایک قاعدہ تک ایسا نہیں اختیار کیا گیا ہے جو سریع الفہم اور مستقل و استوار ہو۔

[1] ہر ایک مادی شئے کی قدرتی حدود ہوتی ہیں لیکن زمین کے لئے منجانب قدرت حدود معین نہیں کیگئی ہیں۔ اس پر بھی ایک زمین کا حصہ دوسری زمین کے حصہ سے جو علیحدہ قرار دیا جاتا ہے اس کا سبب قدرتی حدود نہیں ہیں بلکہ انسان نے مصنوعی حدود قائم کرکے اس طرح ایک شخص کی زمین کو دوسرے شخص کی زمین سے علیحدہ کر لیا ہے۔ بہرحال زمین کے بلحاظ ملکیت جو متعدد اور مختلف قطعات قرار دئے جاتے ہیں ان کا انحصار انسان کی اس تقسیم پر ہے جس کو اس نے خود مختارانہ اور مصنوعی طور پر قائم کیا ہے۔ لہذا انسان زمین کی تقسیم در تقسیم علیحدہ علیحدہ ملکیت قائم کرنے کی غرض سے اپنی مرضی کے موافق کر سکتا ہے۔ جن حدود اور خطوط کے ذریعہ سے مالکان اراضی اپنی زمینات کی ذیلی تقسیم کرتے ہیں ان کا بخط قائم اور بخط عرض دونوں طرح سے واقع ہونا ممکن ہے یعنے زمین کی ذیلی تقسیم کا عمودی اور افقی (عرضی) دونوں طرز کے خطوط سے ہو سکتی ہے ایک قطعہ زمین کی سطح کا ایک شخص اور طبقات زیر زمین کا دوسرا شخص مالک ہو سکتا ہے اسی طرح ایک مکان یا عمارت کی مختلف منزلیں مختلف اشخاص کی ملک ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ دی مڈ لینڈ ریلوے کمپنی بنام رائٹ (سنہ ۱۹۰۱ء) چانسری جلد ۱ صفحہ ۷۳۸ کے مقدمہ میں عدالت نے طے کیا ہے کہ اس کمپنی کی زمین کے ایک حصہ کی سطح حق قدامت کی بناء پر مدعا علیہ کی ملک ہو گئی لیکن اس سطح کا طبقہ زیر زمین جس میں سے ایک ٹنل کمپنی مذکور نے جاری کی ہے اور جو عرصہ دراز سے مسلسل اس کے قبضہ میں ہی ہے کمپنی کی ملک سمجھی جائیگی۔

اس پر بھی شومئی قسمت سے قانون نے حقوق میں بھی اس قسم کے امتیاز کو جاری کرنیکی کوشش کی ہے۔ جس طرح اشیاء کا محل اور موقع ہوتا ہے اسی طرح قانون میں حقوق کا بھی محل اور موقع تصور کیا جاتا ہے۔ جس طرح وہ منقولہ یا کسی ایک مقام پر ملحق اور مستقل ہوتے ہیں اسی طرح حقوق بھی قانون میں کسی جگہ سے ملحق اور مستقل یا منقولہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حقوق میں جو اس طرح قانون نے امتیاز کیا ہے وہ منطق کے خلاف اور بعید از عقل ہے اور اس کی بناء یوں ہوئی کہ حقوق ملکیت کو ان اشیاء کے مساوی یا ان کی بجائے تصور کیا گیا ہے جن پر وہ حقوق عامل ہوتے ہیں یعنے حقوق ملکیت اپنی موضوعات کے مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح میں اپنی زمین یا مال منقولہ کا مالک ہوسکتا ہوں اسی طرح میں حقوق آسائش حصص قرضہ جات، معاہدات اور ایجادات کا مالک بن سکتا ہوں۔ جس طرح جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میری ملک ہوسکتی ہے اسی طرح یہ تمام حقوق آسائش وغیرہ کا میری ملک میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ زمین، معاہدات، حقوق آسائش، حصص وغیرہ پر ملک اور جائداد کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ان میں سے بعض کے لئے مقام و محل ہے لہذا ان کا جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں تقسیم کیا جانا صحیح اور جائز ہے لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے قانون نے یہاں ان میں سے بعض اشیاء کی بجائے ان میں کی تمام اشیاء کو محل اور موقع سے متصف کیا گیا ہے۔ جو صفات مادی اشیاء کے واسطے مخصوص ہیں انہی سے قانون نے غیر مادی اشیاء کو بھی متصف کر دیا ہے۔ قانون نے اس امتیاز کی بناء پر جو اشیائے طبعی (مادی اشیاء) میں پایا جاتا ہے، تمام حقوق ملکیت کی دو حصوں میں تقسیم کی ہے۔ یہ انوکھا پن محض انگریزی قانون ہی میں نہیں پایا جاتا ہے بلکہ اس کا پتا ممالک یورپ کے اکثر و سائر قانون میں بھی چلتا ہے[1]۔

[1] باڈری لیکن ٹی نری ڈیس بیینس دفعہ ۱۲۳۰ "لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ایسے حقوق جن کو قانون میں غیر مادی اشیاء خیال کیا جاتا ہے اصل میں منقولہ یا غیر منقولہ اشیاء (یا جائداد) نہیں ہیں۔ لیکن ایک قانونی مفروضہ یا افسانہ کی بناء پر قانون ملک میں ان کی موضوعات کی نوعیت کے لحاظ سے بعض وقت یہ حقوق منقولہ اور بعض وقت غیر منقولہ متصور ہوتے ہیں۔" اس کے علاوہ ملاحظہ ہو پنڈیکٹن مصنفہ ڈرونبرگ جلد ا دفعہ ۶۷ -

آخر کار اصول پر قانون ملک نے حقوق کی دو قسمیں منقولہ اور غیر منقولہ قرار دی ہیں اس سوال کے جواب میں ایک عام قاعدہ بیان کیا جاتا ہے۔ جب قانون میں ایک حق منقولہ اور دوسرا غیر منقولہ کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون میں حق کی وہی صفت سمجھی جاتی ہے جو موضوع حق کی ہے۔ جس حق کا موضوع غیر منقولہ شئے ہوتی ہے اس کا حق بھی غیر منقولہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ اسی بنا پر پٹہ سروس ٹیوڈر (تابعیت استفادہ از زمین غیر) کفالت ایسی قسم کی جس قدر حقوق زمین غیر میں شخص کو حاصل ہوتے ہیں غیر منقولہ کہلاتے ہیں لیکن ہر ایک ایسا حق جو کسی منقولہ شئے میں شخص کو حاصل ہوتا ہے وہ حق منقولہ کہلاتا ہے۔ بہر حال اگر موضوعات کے لحاظ سے قانون میں اس طرح حقوق کی تقسیم کی گئی ہے تو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں لوگوں کو چنداں دشواری نہیں ہو سکتی ہے لیکن ایسے حقوق جیسا کہ تصنیف، ایجاد کسی تجارت یا دوکان کی شہرت عام یا نشان تجارت یا نفع معاہدہ کے حقوق ہیں اور جن کی موضوعات مادی نہیں ہیں قانون میں کس طرح تقسیم کی گئی ہے اور اس کی کیا توجیہہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قانون ملک میں اس قسم کے تمام حقوق منقولہ قرار دئے گئے ہیں۔ جن حقوق کا کسی وجہ سے جائداد غیر منقولہ میں شمار کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ہے یا جو حقوق اس قسم کی جائداد میں داخل ہونے کے مستحق نہیں پائے جاتے ہیں ان کا شمار جائداد منقولہ میں کیا جاتا ہے اور ان کو حقوق منقولہ کہتے ہیں بہر حال جو حقوق پہلی صنف میں داخل ہونے کے بعد باقی رہجاتے ہیں ان پر حقوق منقولہ کا مجموعہ مبنی ہوتا ہے۔

قانون ملک نے حقوق کی نہ صرف دو قسمیں منقولہ اور غیر منقولہ قرار دی ہیں بلکہ اس سے بڑھکر ایک اور کام کیا ہے مقام اور محل سے ہی حقوق کو متصف کیا گیا ہے۔ قانون ملک نے محض اس امر کا بیان کرنا کہ فلاں حق کا وجود ہے اپنے ذمہ لیا ہے بلکہ اس امر کا تعین کرنا کہ اس حق کا وجود کہاں ہے اُس نے اپنے پر فرض کر لیا ہے۔ جن حقوق کا تعلق اشیائے مادی سے ہوتا ہے یعنے جن حقوق کی موضوعات مادی اشیاء ہیں ان کا موقع اور محل بتلانے میں کسی قسم کی دشواری نہیں پیش آتی چنانچہ قانون میں کسی سروی ٹیوڈ یا کسی حق در زمین غیر کا وہی مقام ہے جہاں کہ زمین ممنوع واقع ہوتی ہے۔ ایسا ہی جو حق کسی شئے پر ہوتا ہے وہ جائداد منقولہ ہے اور جہاں وہ شئے منتقل

ہوتی ہے وہیں وہ حق بھی اس شئے کے ساتھ منتقل ہوتا ہے۔ لیکن جس حق کا موضوع کوئی مادی شئے نہیں ہے تو اس حق کا مقام یا محل کیونکر معین کیا جا سکتا ہے قرضے یا کسی کمپنی کے حصے یا کسی معاہدے کے نفع یا کسی حق تصنیف کا کیا مقام اور محل ہے؟ ان حقوق کا محل وقوع کس شئے کو سمجھنا چاہیئے؟ ان سوالات کا کسی صحیح اصول اور قاعدے کے ذریعے سے جواب دینا ممکن نہیں ہے لیکن ان کے جوابات بعض اصول کی مشابہت کی بناء پر دئے جا سکتے ہیں۔ مصنفین نے چند من گھڑت جوابات دئے ہیں اور ہم اس مقام پر نہایت افسوس سے ان سوالات وجوابات کو درج کئے دیتے ہیں۔ قانون ملک کی حالت موجودہ پر نظر کرتے ہوئے اس قسم کے حقوق کے متعلق چند قواعد کا پتا چلتا ہے اور یہ قواعد اس مفروضے پر مشتمل ہیں کہ ہر ایک قسم کی جائداد کا جس کا وجود ہو سکتا ہے کہیں نہ کہیں (کسی ایک مقام پر) موجود ہونا لازم ہے[1]۔ ان قواعد کے اطلاق کے لئے حقوق کے مقام ومحل کا تعین بھی لازم ہے حالانکہ حقوق کے محل وقوع کے قرار دینے میں قانونی مفروضات اور افسانہ جات سے کام لینے کی ضرورت ہی کیوں نہ پیش آتی ہو۔ چنانچہ لارڈ لنڈلے[2] نے لکھا ہے کہ "جائداد کے متعلق جو تصور قانونی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کے مقام وجود یا اس کے محل وقوع کا بھی اسی طرح قانون میں تصور کیا جانا ضرور ہے ... یہ کہنا کہ جائداد کسی مقام پر نہیں موجود ہوتی ہے میرے نزدیک بعید از فہم ہے۔"

حقوق کے مقام ومحل کو معین کرنے کی بابت ایک عام اور مشہور اصول یہ ہے کہ حق کا محل وقوع وہ مقام سمجھا جاتا ہے جہاں اس سے حقدار مستفید اور بہرہ متصرف ہوتا ہے۔ لہذا جہاں مادی اشیاء واقع ہوتی ہیں وہی مقام ان کے حقوق متعلقہ کا

---

[1] مثلاً انگریزی عدالتوں کو اشخاص متوفی کے متعلق اہتمام ترکہ کا انگلستان کے ان ہی مقامات میں اختیار حاصل ہے جن مقامات میں اشخاص متوفی کی جائداد واقع ہوتی ہے۔ ایسا ہی قانون مالگزاری اور قانون بین الاقوامی کے بعض ان حصوں کی بنا جن کا تعلق مختلف سلطنتوں کی رعایا سے ہے اس مفروضہ پر رکھی گئی ہے کہ تمام حقوق ملکیت کے لئے کہیں نہ کہیں محل وقوع ہوا کرتا ہے۔

[2] ان لینڈ ریوینیو کمشنرز بنام ملز اینڈ کمپنیز ہاربرین لمیٹیڈ (سنہ ۱۹۰۱ع) اپیل کیسیز صفحہ ۲۳۶۔

سمجھا جاتا ہے۔ تجارت یا دوکانداری کی شہرت عام اسی مقام پر سمجھی جاتی ہے جہاں اس قسم کا کاروبار چلایا جاتا ہے[۱]۔

قرضہ جات کا عموماً ان ہی مقامات میں واقع ہونا تصور کیا جاتا ہے جہاں ان کے مدیون رہتے ہیں[۲] کیونکہ دائن کو اپنے زر دین[۳] کے وصول کرنے کے لئے اسی مقام پر جانا پڑتا ہے

---

[۱] ان لینڈ ریونیو کمشنرز بنام ملرائنڈ کمپنیز مارجرین لمیٹڈ (۱۹۰۱ء) اپیل کیسز صفحہ ۲۳۶۔

[۲] ڈایس کان فلیکٹ آف لاز (تصادم قوانین) صفحہ ۳۱۰ طبع دوم۔

[۳] بعض ایسے نظائر پائے جاتے ہیں جن کے فیصلوں میں عدالت نے فرض کیا ہے کہ جائداد غیر مادی (جائداد غیر جسمانی) کے لئے موقع اور محل کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر دی اسمیلٹنگ کمپنی آف آسٹریلیا بنام کمشنرز آف ان لینڈ ریونیو (۱۸۹۶ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۱۷۲ میں طے پایا ہے کہ نیو ساؤتھ ویلز کے حق ایجاد کا ایک حصہ اور اس ایجاد کو اس نو آبادی (آسٹریلیا) کے ایک مخصوص ضلع میں استعمال کرنے کا حق ایسی جائداد نہیں ہے جو "ریاست متحدہ (برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ) کے باہر موقع اور محل رکھتی ہو" اس مقدمہ میں جس جائداد یا حق کا محل وقوع برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کے باہر قرار دئے جانے کی کوشش کیجا رہی ہے وہ قانون اسٹامپ بابتہ (۱۸۹۱ء) کی دفعہ ۵۹ ذیلی دفعہ ۱ کے معنوں میں داخل نہیں ہیں۔ اس رپورٹ کے صفحہ ۱۸۱ پر لارڈ جسٹس لوئیس نے لکھا ہے کہ "یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی حق ایجاد یا ایسی اجازت جس کے ذریعہ سے وہ حق استعمال کیا جائے جو انسان کو نظر نہ آئے اور اسکی قوت لامسہ سے محسوس نہ ہو سکے۔ باوجود اس کے اسکی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ کسی مقام یا محل پر واقع ہے۔" بہر حال اس خیال کے خلاف جن آرا کا لارڈ جسٹس بگھیم و لمزنے بمقدمہ ملزانینڈ کمپنیز مارجرین لینڈ بنام ان لینڈ ریونیو کمشنرز (۱۹۰۰ء) کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۳۲۲ اظہار کیا ہے وہ قابل دید ہیں۔ ایسا ہی جب اس فیصلہ کا مرافعہ ہوا لارڈ لینڈلے نے لارڈ جسٹس لوئس کی رائے کے خلاف حقوق اور غیر مادی جائداد کے لئے محل اور مقام کا ہونا لازمی قرار دیا ہے ملاحظہ ہو یہی نظریہ (۱۹۰۱ء) اپیل کیسز صفحہ ۲۳۷۔ اس کے علاوہ جائداد غیر مادی کے محل اور مقام کے متعلق ملاحظہ ہو ڈیو نیو بین شگر فیکٹریز بنام کمشنرز آف ان لینڈ ریونیو (۱۹۰۱ء) کنگز بینچ جلد ۱ صفحہ ۵۴۵۔ کمشنر آف اسٹامپ بنام ہوپ (۱۸۹۱ء) اپیل کیسز صفحہ ۴۷۶۔ اٹرنی جنرل بنام ڈی منڈ کرمیٹن اینڈ جروس صفحہ ۳۰۵۔ ریوائزڈ رپورٹس جلد ۳۵ صفحہ ۳۲۷ بمعاملہ کلارک (۱۹۰۴ء) چانسری جلد ۱ صفحہ ۲۹۴۔

جہاں اس کے مدیون کی سکونت ہوتی ہے۔

فصل ۱۵۶ ریی ال (متعلق شئے) اور پرسنل (خلاف شخص) جائداد

جائداد کی جو دو قسمیں منقولہ اور غیر منقولہ قرار دی گئی ہیں اسی کے مشابہ جائداد کی ریی آل (متعلق شئے) اور پرسنل (خلاف شخص) دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ جو فرق منقولہ اور غیر منقولہ جائداد میں ہے اسی سے جائداد کا یہ دوسرا فرق ریی آل اور پرسنل مستخرج ہوا ہے۔ تمام حقوق ملکیت یا جائداد کے متعلق جس قدر حقوق ہیں ان کا مجموعہ ان دو تقسیم متداخل سے منقسم ہوتا ہے۔ ریی آل جائداد اور غیر منقولہ جائداد ایسے دو متداخل دائرے ہیں جو تقریبًا ایک دوسرے سے مساوی ہیں لیکن دونوں ایک نہیں ہیں دونوں میں نہایت خفیف سا فرق ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس قسم کی جائداد کے ساتھ دو علٰحدہ صفتیں (ریی ال اور غیر منقولہ) استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ریی ال جائداد کا قانون تقریبًا وہی قانون ہے جس کا تعلق اراضی سے ہے یا یوں کہئے کہ ریی آل جائداد کے قانون اور قانون اراضی میں مشکل سے کسی قسم کا فرق پایا جاتا ہے لیکن اس قسم کی مشابہت اور مساوات جائداد کے قانون اور جائداد منقولہ کے قانون میں نہیں پائی جاتی ہے۔ جائداد کی ان دونوں قسموں میں جو خفیف سا فرق ہو گیا ہے اس باعث کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ اس امتیاز کی وجہ وہ طریقہ اور طرز ہے جس طریقے سے قانون ملک میں ترقی ہوئی اور اس کو ایک قسم کا حادثہ سمجھنا چاہئے۔ لہٰذا جائداد کی جو دو قسمیں ریی ال اور پرسنل قرار دی گئی ہیں وہ محض انسان کی خود مختار طبیعت کا نتیجہ ہیں ورنہ یہ تقسیم کسی طرح بھی علمی اسباب پر مبنی نہیں ہے ریی ال جائداد ان تمام حقوق پر مشتمل ہوتی ہے جس کا تعلق اراضی یا زمین سے ہوتا ہے اور اس جائداد میں بعض ایسے حقوق وغیرہ اضافہ کئے گئے ہیں اور چند ایسے مستثنیات کا شمار کیا جاتا ہے جن کو اراضی میں داخل کرنا قانون میں مناسب خیال کیا گیا ہے۔ ان کے سوا دوسرے جس قدر حقوق ملکیت ہیں خواہ ان کا تعلق شخص سے ہو کہ شئے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ ڈائسی کان فلیکٹ آف لاز (تصادم قوانین) صفحات ۳۰۹ تا ۳۱۴ طبع دوم۔

ان پر پرسنل جائداد کا قانون مشتمل ہوتا ہے۔

پرسنل اور ری آل حقوق کے فرق کی بنا منطق اور عقل ہے لیکن اس طرح جائداد میں جو فرق کیا جاتا ہے وہ عقل اور منطق پر مبنی نہیں ہے اور نہ ان دونوں قسم کے فرق میں کوئی تعلق یا ربط پایا جاتا ہے۔ اس پر بھی ان دونوں امتیازات میں ایک تاریخی تعلق ہے کیونکہ یہ دونوں قسم کے فرق ایک ہی ماخذ سے مستخرج ہوئے ہیں یعنے ان کا ماخذ رومانیوں کا وہ امتیاز ہے جس کی بنا پر رومانیوں نے دعوے کی دو قسمیں دعوے متعلق شئے اور دعوے خلاف شخص قرار دی تھیں۔ اس لحاظ سے ری آل جائداد سے مراد ابتدا میں وہ جائداد تھی جو ری آل نالش کے ذریعے سے یعنے نالش متعلق شئے کے ذریعے سے حاصل کیجاتی تھی۔ اور پرسنل جائداد وہ جائداد تھی جو پرسنل (خلاف شخص) نالش کے ذریعے سے حاصل ہوسکتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزی قانون میں نالشوں کی جو دو قسمیں ری آل (متعلق شئے) اور پرسنل (خلاف شخص) قرار دی گئی تھیں اس کی ابتداء بیکٹن اور دوسرے اشخاص نے کی ہے جو انگریزی قانون کے بانی ہیں اور ان لوگوں نے اس امتیاز کو جسٹینین کی نالشات متعلق شئے اور نالشات خلاف شخص سے استخراج کیا ہے۔ حالانکہ اس زمانہ کی ضرورتوں کی بناء پر اس عہد کے انگریزی قانون کے اس امتیازی مسئلے میں رومانیوں کے مسئلہ امتیاز سے کہیں زیادہ اہم اور مفید ترمیمات کیگئی تھیں [1]

منقولہ اور غیر منقولہ جائداد نیز پرسنل اور ری آل جائداد میں جو فرق و امتیاز ہے اس کے متعلق لفظ چیٹل (Chettel) یعنے مال یا جائداد منقولہ) کے مختلف مفہوم اور معنے قابل غور ہیں چنانچہ اس اصطلاح کے انگریزی قانون میں تین مختلف معنے ہیں۔

۱۔ ایک منقولہ جسمانی شئے مثلاً گھوڑا کتاب شلنگ وغیرہ خصوصاً جبکہ ان جسمانی اور طبعی اشیا اور زمین میں فرق کرنا منظور ہو تو پہلی قسم کی چیزوں کو چیٹل یعنے مال یا جائداد غیر منقولہ کہتے ہیں۔

---

[1] سٹر ٹی۔ سی ہیلز لا کوارٹر جنرل جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ پر اس مسئلہ کے متعلق بخوبی بحث کی ہے۔

جائداد منقولہ جس میں جسمانی اور غیر جسمانی (مادی اور غیر مادی) دونوں قسم کی جائداد شامل ہے یعنے اس قسم کی جائداد میں ایسی کل اشیاء داخل ہیں جن کے لئے مال یا جائداد منقولہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے نیز ایسے تمام حقوق ملکیت جو غیر منقولہ حقوق کے مجموعے میں داخل نہیں ہیں چنانچہ اس طرز عمل کی بناء پر قرضہ جات حصص، معاہدات اور ایسے دعاوی رجوع کرنے کے حقوق جن کے ذریعے سے قرضہ یا زر وصول کیا جاتا ہے اسی طرح سے مال یا جائداد منقولہ کہلاتے ہیں جس طرح سے فرنیچر (میز کرسی) یا تجارتی سامان وغیرہ کو جائداد منقولہ کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ایجادات (حقوق ایجاد) حقوق تصنیفات اور دیگر حقوق متعلق شئے یعنے ایسے حقوق جن کا تعلق زمین سے نہ ہو جائداد منقولہ ہیں۔ ان تمثیلات سے ظاہر ہے کہ لفظ چیٹل کا دو طرح سے اطلاق کیا جاتا ہے اسم ایک ہے لیکن اس کی مسمی بہ دو قسم کی اشیاء ہیں یعنے چیٹل (مال یا جائداد منقولہ) کا اطلاق مادی اشیاء اور حقوق دونوں پر کیا جاتا ہے اور ان دونوں سے مراد جائداد منقولہ لی جاتی ہے۔ ظاہر ہے جس طرح صنعت تلویح کے ذریعہ سے جائداد جسمانی اور غیر جسمانی میں فرق کیا جاتا ہے اسی طرح اسی صنعت زبان کی بناء پر لفظ مال یا جائداد منقولہ کا اس طرح دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔ پرسنل جائداد جس میں منقولہ اور غیر منقولہ دونوں قسم کی جائداد شریک ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے پرسنل جائداد ریَل جائداد کی ضد سمجھی جاتی ہے۔ اسی مفہوم کی بناء پر پٹہ جات اراضی کا چیٹل یعنے مال یا جائداد غیر منقولہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ پٹہ زمین کو جائداد غیر منقولہ قرار دینے کا سبب انگریزی قانون کا ایک مخصوص قاعدہ ہے جس کی وجہ سے ریَل (غیر منقولہ) جائداد کے دائرہ عمل سے اس کو خارج کیا گیا ہے۔

فصل ۷۵ شخص کے اسکی غیر مادی اشیاء میں حقوق

حق ملکیت کا موضوع کوئی مادی یا غیر مادی شئے ہوا کرتی ہے۔ مادی شئے سے مراد کوئی جسمانی یا طبعی شئے ہے اس کے علاوہ دوسری جو شئے ہوسکتی ہے وہ غیر مادی یا غیر طبعی ہے اور ایسی غیر مادی شئے کسی حق کا موضوع ہوسکتی ہے[1]۔

[1] قانون میں جس حد تک صفات، مادۂ حقوق کی موضوعات سمجھی جاتی ہیں اس حد تک ان کا مادی اشیاء میں

پہلی قسم کی اشیاء کا قانون جائداد سے تعلق ہے۔ اکثر حالات اور نظائر کا لحاظ کرتے ہوئے حق جائداد سے مراد ایسا حق ہے جس کا کسی مادی شئے کے تمتعات و تصرفات سے تعلق ہوتا ہے بالفاظ دیگر کسی مادی شئے سے متمتع اور اس پر متصرف ہونے کے حق کو عموماً حق جائداد کہتے ہیں۔ سود و بہبود انسان کا جن مادی ذرائع سے تعلق ہے ان میں سے ایک نو ایک ذریعے کا تقریباً ہر ایک انسان کو عطا کرنا قانون ملک کی اس خاص صنف یا جزو کا کام ہے یعنے زمین کو ان انسانوں میں جو اس پر بستے ہیں بدرجہ اتم تقسیم کرنا قانون جائداد غیر منقولہ کا فریضہ ہے۔ انسان کی عقل اور محنت کا جس قدر غیر مادی تمثال ہے اس کو اصل میں اشیائے غیر مادی سمجھنا چاہیئے اور اس قسم کی جس قدر اشیا ہیں ان کو قانون میں حقوق جائداد کا موضوع قرار دیا گیا ہے۔ بطور کلیہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک انسان اس شئے کا جس کو وہ بناتا یا پیدا کرتا ہے مالک ہوتا ہے۔ جو شئے جس انسان کی عقل و محنت سے پیدا ہوتی یا بنتی ہے وہ اسی کی ملک ہے اور اس شئے سے مستفید ہونے یا اس پر تصرف کرنے کا بلا شرکت غیرے وہی انسان مستحق ہے۔ انسان اپنی قوت دماغی سے جن غیر مادی اشیا کا صنعت گر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ شمار کیا جانا چاہیئے۔ مادہ کی ایسی صفات جو قانون میں جائداد شخص کے لئے مخصوص ہو سکتی ہیں اصل میں دو ہیں یعنے قوت اور مکان (فضا) قانون میں بجلی مال یا جائداد منقولہ سمجھی جاتی ہے اور اس بنا پر بجلی ایک شخص کی ملک ہو سکتی ہے اس کی بیع و شریٰ ممکن اور جائز ہے اس کا چوری جانا بھی ممکن ہے بہر حال جو شخص چاہے بجلی کی بابت فعل جائز یا ناجائز کا ارتکاب کر سکتا ہے ملاحظہ ہو قانون بابت ۵۴ - اور ۶۴ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۵۷ دفعہ ۲۳ - جس طرح مادی اشیاء کے فضا میں واقع ہونے سے فضا یا مکان کئی اشخاص کی ملک قرار پاتا ہے اور ہر ایک اس طرح کا حصہ فضا اپنے مالک کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اسی طرح فضا کے خالی حصوں میں بھی ملک بننے کی قابلیت ہے میرے مکان کے اندر جس قدر خلا ہے وہ میری اسی طرح سے ملک ہے جس طرح سے مکان کی دیوار اور چھت میری ملک ہے۔ یہ بھی ایک علم مقولہ ہے کہ مالک زمین کی ملک فضا کا اس قدر حصہ ہے جو اس کی زمین کی سطح سے شروع ہو کر ثریا تک پہنچتا ہے۔ بہر حال اس مقولہ کی کامل صداقت یا صحت قانون ملک کی موجودہ حالت کے نظر کرتے شبہ سے خالی نہیں ہے لیکن قیاس یا نظریہ قانونی کی رو سے ملکیت فضا کے مسئلہ کی صحت میں کسی قسم کی دشواری نہیں پیش آتی ہے۔

ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ جس آدمی کے دماغ کی جو غیر مادی پیداوار ہے اس کا وہی آدمی مالک ہے اور جس طرح اس کی زمین یا مال اس کو عزیز ہوتا ہے اور جس طرح زمین یا مال اس کی قیمتی اشیاء ہیں اسی طرح یہ غیر مادی اشیاء بھی جن کو وہ اپنی قوت دماغی سے بناتا یا پیدا کرتا ہے اس کے نزدیک عزیز اور قیمتی ہیں۔ اسی بناء پر قانون ملک نے انسان کو اس کے غیر مادی دماغی محاصل پر حقوق ملکیت عطا کئے ہیں۔ جو شخص مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح کے محاصل میں تصرف کرے وہ اسی طرح سے اس شخص کے حقوق ملکیت کی پامالی کرتا ہے جس طرح سرقہ یا مداخلت بیجا کے ارتکاب سے وہ اس مالک کے حقوق کو ضرر پہنچا سکتا ہے۔ اس نوع کی غیر مادی جائداد کی پانچ مخصوص اقسام ہیں[1]۔

۱۔ ایجادات۔ حق ایجاد کا موضوع، ایجاد و اختراع ہوا کرتی ہے۔ جس شخص کے ذہن و ذکا یا محنت کے ذریعے سے صنعت و حرفت میں کسی جدید طریقے یا ترکیب کی ایجاد ہوتی ہے یا کوئی جدید آلہ بنایا جاتا ہے وہی شخص اس ترکیب اور اس آلہ کے استعمال کرنے اور اس سے مستفید ہونے کا مستحق ہے۔

۲۔ حق تصنیف متعلق ادبیات۔ اس حق کا موضوع وہ واقعات یا خیالات ہیں جن کا مصنف اپنی قوت ادب اور زور قلم سے اظہار کرتا ہے۔ اس شخص کی فہم و فراست یا محنت کا نتیجہ اس قسم کا ادبی مواد ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہے اور کسی دوسرے شخص کو اس سے استفادے کی نہ تو اجازت ہے اور نہ وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

۳۔ حق تصنیف متعلق فن مصوری۔ مصوری کی جس قدر اقسام جیسا کہ نقاشی

[1] اس کے قبل اس کتاب کی فصل ۸۰ میں اشیاء کی جسمانی اور غیر جسمانی اشیاء میں جو تقسیم کی گئی ہے اس کو اشیاء کے مادی اور غیر مادی ہونے کے موجودہ فرق میں خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔ یہ دوسرا ایک منطقی فرق ہے اور پہلا امتیاز محض ایک قسم کی صنعت زبان ہے۔ غیر جسمانی شئے اصل میں ایک قسم کا حق ہے یعنے ایسا حق جس کا موضوع تو کوئی مادی شئے ہوتی ہے لیکن حق اپنے ایسے موضوع کی بجائے نہیں سمجھا جاتا یعنے حق اور اس کے موضوع کی ایک ہی ہستی نہیں خیال کی جاتی۔ غیر مادی شئے حق نہیں ہے بلکہ کسی حق کا موضوع ہوا کرتی ہے۔ غیر مادی شئے سوائے مادی شئے بننے کے ہر ایک قسم کے حق کا موضوع قرار پا سکتی ہے۔

رنگ سادی مُثبّت کاری اور عکاسی ہیں وہ تمام ایک ایسے حق کی موضوعات ہیں جو ادبی حق تصنیف کے مشابہ ہیں۔ جو چیزیں کسی مصور کے فہم و فراست اور تدبیر و مہارت یا کسی عکاس کی ذاتی محنت کا نتیجہ ہیں ان کا مالک اس مصور یا عکاس کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا اور یہ اشخاص بلا شرکت غیرے اپنے مصنوعات سے مستفید ہونے کے مستحق ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس حق کا موضوع وہ مادی شئے نہیں ہے جس کو مصور یا عکاس بناتا ہے بلکہ موضوع حق وہ شکل یا شبیہ ہے جو مصور یا عکاس کے فن کے ذریعے سے اس مادی شئے پر اُتر آتی ہے۔ بمفہوم خارجی (مفہوم جسمانی) کے لحاظ سے تصویر سے مراد وہ مادی رنگ اور کین ویس (پارچہ) ہے جس سے تصویر بنتی ہے اور جو شخص ان دونوں مادی اشیاء کو خریدتا ہے وہی اس تصویر کا مالک ہوتا ہے لیکن تصویر اپنے ذہنی یا مثالی مفہوم کے لحاظ سے اس شخص کی ملک ہے جو اس شکل کو اپنے دماغ سے باہر لاتا ہے اور ان دو مادی اشیاء کے ذریعہ سے اُسے جامۂ ظاہری پہناتا ہے۔ لہذا پہلی تصویر ایک مادی جائداد اور دوسری تصویر ایک غیر مادی جائداد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں معنوں کے لحاظ سے مالک تصویر کا جو حق ہے وہ اسکی ذات سے مخصوص ہے اس میں کسی دوسرے شخص کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تصویر کے چوری جانے یا ٹوٹ جانے سے مالک کے اس حق کی پامالی ہوتی ہے جو اس کو اس کی مادی تصویر پر حاصل ہے لیکن غیر مادی تصویر پر مالک کو جو حق حاصل ہے وہ اس طرح پامال نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی پامالی کے لئے اس ذہنی یا مثالی شکل و شبیہ کو سرقہ کرنے کی ضرورت ہے جو مصور کے دماغ سے نکل کر جامۂ ظاہری پہنتی ہے۔ سرقہ کرنے والے اس ذہنی چربے سے دوسری مادی تصویریں بنایا کرتے ہیں۔

۴۔ ایجادات موسیقی اور ناٹک وغیرہ کا حق تصنیف۔ غیر مادی اشیاء کی چوتھی قسم کا تعلق ان تصنیفات سے ہے جو موسیقی اور ناٹک کے کھیل تماشوں کی نسبت لکھی جاتی ہیں۔ مُغنّی (موسیقی داں) اور ناٹک یا ڈراما نویس کی عقل و فراست سے جو غیر مادی شئے (کوئی راگنی یا سرود یا ڈراما یعنے ناٹک کا کھیل) پیدا کی جاتی ہے وہ موضوع ہے ایسے حق ملکیت کی جس سے متمتع ہونے کا حق بلا شرکت غیرے اس کے مصنف کو حاصل ہوتا ہے اور جو شخص مغنی یا ناٹک نویس کی اجازت کے بغیر اسکی ایجاد کردہ راگنی

دیا غنا) کو گا کر اور ایسا ہی دوسرے شخص کے ایجاد کردہ ناٹک کا تماشہ دکھلائے تو اس کے اس فعل سے ان غیر مادی اشیا کے مالکوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔

۵۔ تجارتی حسن ظن نشانات تجارت اور تجارتی نام۔ غیر مادی اشیا کی یہ پانچویں اور آخری صنف ہے، تجارتی حسن ظن اور اس کے دو مخصوص اشکال پر جو نشانات تجارت اور تجارتی ناموں کے لقب سے مشہور ہیں مشتمل ہے۔ جو شخص اپنی عقل و محنت سے اپنے بیوپار کو فروغ دیتا ہے اور اس بنا پر اس کے خریداروں میں اس کی ساکھ قائم ہو جاتی ہے تو اس کو خریداروں کے اس حسن ظن میں ایک قسم کا حق پیدا ہوتا ہے اور لوگ اسی شخص سے اس مال تجارت کو خریدنے کی طرف مائل ہوتے ہیں جس کا وہ بیوپار کرتا ہے۔ لہذا جو تجارتی حسن ظن اس طرح پیدا ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا وہی تاجر بلا شرکت غیرے مستحق ہے جس کی عقل و محنت سے اس کا وجود ہوا ہے، اگر کوئی دوسرا تاجر عوام کو غلط باور کرائے کہ وہ اسی تجارت کو چلاتا ہے، یا پہلے شخص کے تجارتی اعتبار سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کے ہاتوں پہلے شخص کے حق کی پامالی ہوتی ہے۔ اس تجارتی حسن ظن کے حق کی دو مخصوص اشکال "نشانات تجارت" اور "اسمائے تجارت" کے حقوق ہیں۔ ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ کسی ایک نام سے تجارت کرے یا اپنا بیوپار چلائے یا اپنا مال فروخت کرے۔ جس نام کو جو شخص اپنے تجارتی اغراض کے لئے اختیار کرتا ہے اس کے استعمال کرنے کا دوسرا شخص مجاز نہیں ہے اور نہ اس طرح سے دوسرا شخص عوام کو دھوکا دے کر پہلے شخص کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک تاجر کو اپنے حسب دلخواہ نشانات تجارت (اپنے مال کے لئے) استعمال کرنے کا اختیار ہے۔ وہ جس قسم کا تجارتی نشان چاہے اپنے مال پر قائم کرا سکتا ہے ان تجارتی نشانات کے ذریعے سے بازار میں مختلف تاجروں کے مال کی شناخت ہوتی ہے۔ ایک تاجر کے نشان کو دوسرا تاجر استعمال کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

فصل ۱۵۸۔ پٹہ جات

اب تک شخص کے ایسے حقوق کے مختلف اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کو

اس کی اشیاء میں حاصل ہوتے ہیں اور جن کا تعلق قانون جائداد سے ہے۔ لیکن اس فصل میں اور اس کے بعد ہم شخص کے ان مختلف حقوق کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو اس کو دوسروں کی اشیاء میں حاصل ہوتے ہیں اور جو قانون جائداد کے تابع ہیں۔ اس قسم کے حقوق میں جیسا کہ اسکے قبل بیان کیا گیا ہے[1]۔ چار سب سے زیادہ اہم اور قابل غور ہیں یعنے پٹہ جات سروی ٹیوڈ (تابعیات استفادات در جائداد غیر) کفالتیں اور امانتیں۔ امانت اور اس کی نوعیت کے متعلق ایک دوسرے سلسلے میں صراحت سے بحث کی گئی ہے[2] لہذا اس مقام پر باقی تین حقوق کی بنسبت تحقیق کرنا مناسب ہے اور ان میں سب سے پہلے ہم پٹہ یا حق مقابضت کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ زمین کا پٹہ اور مال (یا جائداد منقولہ) کی امانتی تحویل بلحاظ نوعیت ایک ہی قسم کے معاملات ہیں لیکن (انگریزی زبان) کوئی ایسا وسیع المفہوم لفظ نہیں ملتا جو ان دو اصناف کے لئے بطور جنس استعمال ہو سکے بہرحال زمین کے پٹہ یا اس کی مقابضت کے لئے کبھی لفظ تحویل نہیں استعمال کیا جاتا ہے اور اگرچہ اصطلاح مذکور کا مال جائداد منقولہ کے لئے استعمال کرنا قطعاً متروک العمل نہیں ہے لیکن زبان میں یہ لفظ اہل زبان کی خود مختاری کی وجہ سے زمین کے لئے مخصوص و محدود ہو گیا ہے۔ چونکہ ان حقوق کی تقسیم میں ہم کو حسن ترتیب و سلسلہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس لئے ہم محاورۂ زبان کے خلاف لفظ پٹہ (Lease) کو جنس کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور ہمارے استعمال کے مطابق

---

[1] کتاب ہذا فصل ۸۳۔

[2] کتاب ہذا فصل ۹۰۔

[3] کفالتوں (یا زیرباریوں) کا تعلق نہ صرف قانون جائداد سے ہے بلکہ قانون ذمام کے بھی یہ موضوع بیان ہیں۔ مثلاً نالشات کے ذریعہ سے قرضے یا روپئے وصول کرنے کے حقوق رہن کئے جا سکتے ہیں اس قسم کے حقوق کا ذریعہ انتقال یا ہبہ کیا جانا ممکن ہے اور جس طرح زمین (جائداد غیر منقولہ) اور جائداد منقولہ حقوق در اشیائے غیر کا موضوع ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سے یہ حقوق بھی جائداد در اشیائے غیر کا موضوع قرار پا سکتے ہیں لہذا کفالت (یا زیرباری) کے مختلف اقسام کی نوعیت کے متعلق جو کچھ بھی اس مقام پر کہا جا سکتا ہے بعینہ وہی صفات اور اقسام حقوق در اشخاص (حقوق خلاف اشخاص) کے ہیں اور اس طرح سے ان حقوق کا بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

اس لفظ میں نہ صرف زمین کی مقابضت داخل ہے بلکہ ہر ایک قسم کی جائداد منقولہ کی تحویل اور غیر جسمانی جائداد کی ہر ایک ایسی کفالت (زیر باری)[1] جو بلحاظ نوعیت مقابضت زمین کے مماثل ہو شمار کیا جانا چاہیئے۔

مفہوم جنسی کے لحاظ سے پٹہ ایک قسم کی کفالت یا زیر باری ہے۔ جائداد کا ایک شخص مالک ہوتا ہے اور اس کے قبضے اور تمتع سے دوسرا شخص مستفید ہوتا ہے اسی قبضے اور تمتع کو پٹہ کہتے ہیں یعنے پٹے کے ذریعے سے ملکیت اور قبضے میں افتراق پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ قبضے سے مراد کسی حق کا مسلسل استعمال و عمل ہے اور اگرچہ مالک یا حقدار ہی اپنے حق پر عموماً مسلسل عمل کرتا ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں حق کا اس طرح کا عمل غیر کے سپرد کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے ملکیت اور قبضے میں جو فرق پیدا کیا جاتا ہے وہ جائز بھی ہوسکتا ہے اور ناجائز بھی اور اگر وہ جائز ہے تو اس کو مالک کی حقیت پر ایک قسم کی کفالت یا زیر باری سمجھنا چاہیئے۔

عموماً کسی مادی شئے کا حق ملکیت اور خصوصاً ملکیت زمین پٹہ کے ذریعے سے مکفول یا زیر بار کی جاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں محاورۂ زبان کے لحاظ سے مادی شئے (جو پٹے پر دیجاتی ہے) حق (پٹہ داری) کے بجائے استعمال کیجاتی ہے چنانچہ لوگ اس کے عادی ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ زمین کا پٹہ ہو گیا ہے یا زمین پٹہ پر اُٹھا دی گئی ہے۔ جس طرح انگریزی میں ملکیت زمین اور قبضۂ زمین کے الفاظ حق ملکیت اور حق قبضہ کی بجائے استعمال ہوتے ہیں یعنے ان حقوق کو جس طرح مادی شئے (زمین) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح لفظ پٹہ کو جس کے اصلی معنے حق پٹہ داری ہیں، اس مادی شئے (زمین) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس پر وہ حق واقع ہوتا ہے۔ پٹہ دار یا پٹہ گیرندہ سے مراد ایسا شخص ہے

---

[1] صرف کفالت کی شکل میں جیسا کہ گرو کی کیفیت ہے شئے مقبوضہ (یعنے زمین کے عوض جائداد منقولہ کا قبضہ منتقل کیا جاتا ہے) بدل جاتی ہے اس لئے اس صورت میں قبضہ کا شمار پٹہ میں نہیں بلکہ کفالت میں کیا جاتا ہے۔

جس کو جائز طور پر کسی ایسی زمین کا قبضہ ملتا ہے جس کی ملکیت کسی دوسرے شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ مالک زمین پٹہ دہندہ کہلاتا ہے اور یہی شخص اپنی زمین کا قبضہ پٹہ گیرندہ کو منتقل کرتا ہے۔ پٹہ کے ذریعے سے جو زیر باری یا کفالت جائداد پر پیدا کی جاتی ہے وہ کسی مادی شئے کے حق ملکیت تک محدود نہیں ہے بلکہ ایسے تمام حقوق پٹے پر دیئے جاسکتے ہیں جن پر شخص کا قبضہ ہوسکتا ہے یعنے انسان اپنے جملہ مقبوضہ حقوق کو پٹے پر دے سکتا ہے۔ قبضے سے مراد شخص کا کسی شئے یا حق پر مسلسل اور مستقل طور پر تصرف کرنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا ہے لہذا جن حقوق پر شخص کا قبضہ ہوسکتا ہے انھیں حقوق کا پٹہ بھی ہوسکتا ہے اور جن حقوق پر کسی شخص کا قبضہ نہیں رہ سکتا ہے وہ ایسے حقوق ہیں کہ انسان کے ان پر تصرف کرنے سے وہ ختم یعنے ساقط ہوجاتے ہیں۔ جب زمین پٹے پر دیجاتی ہے تو ایسا (سروی ٹیوڈ) حق استفادہ ور زمین غیر) جو اس زمین سے متعلق ہوتا ہے اس کا بھی پٹہ کردیا جاتا ہے مثلاً پٹے کے ساتھ حق آمدورفت جو اس زمین سے متعلق رہتا ہے پٹہ دار کو ملجاتا ہے بہرحال سروی ٹیوڈ متعلقہ پٹہ کے ذریعے سے زمین کیساتھ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ایسا ہی مالک پٹہ اپنے پٹے کو ذیلی یا تکمی پٹے پر دیکر اپنے پٹے کو زیر بار کرسکتا ہے۔ کسی ایجاد یا حق تصنیف کا مالک اپنے ایسے حق کا پٹہ مدت معینہ کے لئے دوسرے شخص کو عطا کرسکتا ہے جس کی وجہ سے پٹہ دار اس حق پر تصرف کرنے یا اس سے متمتع ہونے کا مجاز ہوسکتا ہے لیکن اس کا مالک نہیں بن سکتا۔ علی ہذا القیاس غیر منقولہ اشیاء کے علاوہ منقولہ اشیاء کو بھی مکفول یا زیر بار کرنا ممکن ہے بشرطیکہ جو تمتع ان سے حاصل کیا جاتا ہے یا جس قسم کا تصرف شخص ان پر کرسکتا ہے اس میں مستقل اور مسلسل طور پر جاری رہنے کی قابلیت ہو۔ مثلاً وظائف یا رقوم سالانہ مخصص روپیہ جو سرمایہ جات سرکاری (سرکاری اسٹاک پرامسری نوٹ اور ڈبنچر جن پر سود بہ اوقات مقررہ ملا کرتا ہے) میں لگایا جاتا ہے اور سودی قرضہ جات کا مکفول یا زیر بار کرنا ممکن ہے۔ ان حقوق کا ایک شخص مالک اور دوسرا قابض ہوسکتا ہے۔ ان چیزوں کا ایک شخص کی ملک ہوکر دوسرے شخص کے قبضے میں رہنا ممکن ہے اس طرح کی صورتیں اس وقت پیش آتی ہیں جبکہ کوئی سالانہ رقم یا قرضہ سودی وغیرہ کو اس کا مالک بذریعہ امانت، مالک حین حیات کو ہبہ کرتا ہے اور بعد وفات مالک حین حیات ہبہ کسی دوسرے شخص کو منتقل ہوتی ہے۔

کیا پٹے کی مدت کا اس حق ملکیت کی مدت سے کم ہونا لازمی ہے جس کا پٹہ دیا جاتا ہے عام دستور یہی ہے کہ پٹے کی مدت حق ملکیت (جائداد یا ملک) کی مدت سے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ زمین کا پٹہ مدت معینہ کے لئے دیا جاتا ہے کبھی پٹے کی مدت چند سال پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی پٹہ دار کی حیات تک اس کا سلسلہ رہتا ہے لیکن زمین کا دائمی پٹہ نہیں ہوسکتا مالک اپنی شئے کا ہمیشہ کے لئے مالک ہے لیکن پٹہ گیرندہ اس شئے پر مدت معینہ کے لئے قابض ہوتا ہے خواہ یہ مدت کیسی ہی طویل کیوں نہ ہو۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے لوگوں کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ پٹے کے لئے کسی نہ کسی قسم کی مدت کا معین کیا جانا ایک لازمی شئے ہے اور اس خیال کے مطابق پٹے کی تعریف اس طرح کیجاتی ہے کہ جو حق کسی شخص کو دوامًا حاصل ہوتا ہے اس حق کے عارضی تمتع اور تصرف کو پٹہ کہتے ہیں اور یہ عارضی حق کسی دوسرے شخص کے قبضے میں مدت معینہ کے لئے دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اصولاً زمین کا دائمی پٹہ ہوسکتا ہے حالانکہ عملاً ایسا نہیں کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی قیاس اور اصول کی رو سے کسی حق ایجاد یا حق تصنیف کا اس کی کامل مدت کے لئے پٹہ دیا جاسکتا ہے یعنے جب تک مالک کو اس کی ایجاد یا تصنیف کا حق حاصل ہے اس وقت تک اپنے اس حق کا پٹہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے لیکن ہمارے اس خیال پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا دائمی پٹہ صحیح معنوں میں پٹہ یا کفالت نہیں ہے بلکہ اس طرح کے پٹے سے وہ حق جو پٹے پر دیا جاتا ہے اصل میں پٹہ دار کو منتقل کردیا جاتا ہے یا یوں کہئے کہ مالک اپنے حق کو پٹے پر دینے کے عوض اسے پٹہ دار کے تفویض یا سپرد کردیتا ہے اس حجت کی تائید میں یہ امر بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی قانون میں ایسا ذیلی پٹہ[1] جس کی مدت وہی ہوتی ہے جو اصلی پٹہ کی رہتی ہے تاویلاً انتقال یا سپردگی پٹہ اصلی سمجھا جاتا ہے کیونکہ ذیلی پٹے کی مدت کا اصلی پٹے سے کم ہونا ایک لازمی امر ہے خواہ پہلے پٹے کی مدت میں دوسرے پٹے کی مدت سے ایکدن ہی کی کمی کیوں نہ ہو

---

[1] بیرڈین بنام ولسن لارپورٹ مرتبہ کمر نگٹن اینڈمین جلد ۴ صفحہ ۵۷۔

اگرچہ انگریزی قانون میں عملاً استمرار پٹہ کی ممانعت ہے اور جن قواعد پر اس قانون میں عمل کیا جاتا ہے اُن کی رو سے کوئی حق یا شئے دوامًا پٹے پر نہیں دیا جاسکتا ہے لیکن قیاس اور اصول کی بناء پر پٹے کو دائمی قرار دینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے اور پٹہ اور اس ملک یا حق کی مدت میں جس کا پٹہ دیا جاتا ہے اس طرح فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ پٹے کا اُسی وقت وجود ہوتا ہے جب کسی شئے کے جائز قبضے سے اس کی ملکیت علحدہ کیجاتی ہے اگرچہ جو فرق اس طرح پیدا کیا جاتا ہے وہ عارضی ہے لیکن اس کے استمراری یا دوامی ماننے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوسکتی ہے مثلاً مجھکو کسی دوسرے شخص کے حق پر دوامًا تصرف کرنے یا اس سے متمتع ہونے کا حق حاصل ہوسکتا ہے پھر بھی میں اس حق کا مالک نہیں بن سکتا ایسی شکل میں تمتع اور تصرف کا حق پٹہ دار کو حاصل ہونے سے اس حق کی ملکیت گویا حالت خواب میں رہتی ہے یعنے مضمر و مخفی ہوجاتی ہے اگر میں کسی حق ایجاد کے مالک سے بر بنائے معاہدہ اس تمام مدت کے لئے اس حق کا تمتع اور تصرف حاصل کرلوں جس مدت کے واسطے اس کے مالک نے اس حق کو قائم کیا ہے تو بھی میں حق مذکور کا مالک نہیں بن سکتا ایسا ہی قانونی قیاس اور نظریے کی رو سے اگر میں اپنے پٹے کا ذیلی پٹہ کسی دوسرے شخص کو اس مدت کے لئے دے دوں جو میرے پاس باقی ہے تب بھی پٹہ کا میں ہی مالک سمجھا جاؤں گا اس میں شک نہیں کہ جس طرح فریقین کے ذہن میں انتقال پٹہ اور ذیلی پٹے کے دو جداگانہ مفہوم ہوتے ہیں اسی طرح سے نظریۂ قانون میں بھی ان دونوں اصطلاحات کے جداگانہ معنی ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف معاملات سمجھے جاتے ہیں انتقال پٹہ سے مراد ایسا معاملہ ہے جس میں ایک شخص کے عوض دوسرا شخص مالک پٹہ یا پٹہ دار قرار پاتا ہے اس قسم کے انتقال میں منتقل کنندہ اپنے لئے کسی قسم کا کوئی حق باقی نہیں رکھتا بلکہ بحیثیت پٹہ دار اس کو جس قدر حقوق پٹے میں حاصل رہتے ہیں وہ سب اس کی جانب سے منتقل علیہ کو منتقل کردئے جاتے ہیں

اس کے برعکس ذیلی پٹے میں وہ اصلی تعلق جو مالک زمین (زمیندار) اور
پٹہ دار (آسامی) میں ہوتا ہے نہیں ٹوٹنے پاتا ذیلی پٹہ دار کا تعلق اصلی
پٹہ دہندہ سے نہیں بلکہ پٹہ گیرندہ سے ہوتا ہے یعنے ذیلی پٹہ دار اصلی
پٹہ دار کا پٹہ دار سمجھا جاتا ہے[1]۔

فصل ۱۵۹ سروی ٹیوڈ (استفادہ از جائداد غیر)

کفالت یا زیر باری کی ایک قسم سروی ٹیوڈ ہے اور اس سے مراد کسی قطعہ زمین
کے متعلق قبضہ کے بغیر ایک قسم کا محدود حق تصرف و تمتع ہے مثلاً (حق مرور) ایک شخص
کی زمین پر دوسروں کی آمد و رفت کا حق زمین ملحقہ پر جو مکان واقع ہو اس میں پہلی
زمین پر سے روشنی لانے کے لئے گذرگاہ رکھنے کا حق دوسرے اشخاص کا اس زمین پر
اپنے مویشی چرانے کا حق یا عمارت ملحقہ کی بنیادوں کے لئے اس زمین سے
مدد لینے کا حق[2]۔

سروی ٹیوڈ کی ایک خاص خاصیت یہ ہے کہ اس حق میں اس زمین کا قبضہ
شامل نہیں ہوتا ہے جس پر یہ حق واقع ہوتا ہے اسی وجہ سے سروی ٹیوڈ اور پٹے
میں فرق کیا جاتا ہے اور یہ دونوں جدا گانہ حقوق ہیں پٹہ زمین سے مراد اس کا

---

[1] پٹہ دائمی کی مثال میں قانون روما کا امفی ٹیو سس (Emphytensis) پٹہ استمراری
پیش کیا جا سکتا ہے پٹہ کے دوام کی وجہ سے رومانی قانون دانوں کی آرا مین پٹہ دار
(Emphytenta) کی حیثیت کے متعلق صدیوں اختلاف رہا ان میں سے بعضوں کا
خیال تھا کہ پٹہ دار کو مالک سمجھنا چاہئے اور بعضوں کے خیال کے مطابق وہ کفالت دار سمجھا جاتا تھا حتی کہ
اس ملک کے قانون نے اس کو بالآخر کفالت دار ہی قرار دیا جسٹی نی ان انسٹی ٹیوٹس جلد ۳ عنوان ۲۴ دفعہ ۳۔

[2] سروی ٹیوڈ کی اصطلاح لفظ سروی ٹس (Servitus) سے مشتق ہے جو قانون روما کی اصطلاح ہے
لیکن انگریزی زبان میں یہ لفظ کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی اور نہ اس طرح سے وہ بطور اصطلاح مخصوص استعمال
کیا جاتا ہے بلکہ اس کے عوض ان معنوں میں جس کا ذکر تمثیلات بالا میں کیا گیا ہے انگریزی زبان میں (Easement)
حق آسائش کی اصطلاح استعمال کیجاتی ہے بہرحال سروی ٹیوڈ حق آسائش سے زیادہ بہتر اصطلاح ہے

جائز قبضہ اور تصرف ہے جس میں ملکیت داخل نہیں ہے اور اس کے برعکس زمین کا سروی ٹیوڈ ہے زمین کا جائز تصرف یا استعمال اشخاص غیر کو حاصل تو ہوتا ہے لیکن اس کی ملکیت اور قبضہ مالک زمین ہی کو حاصل رہتا ہے اگر میں کسی دوسرے شخص کی زمین پر سے اپنی آمد و رفت کے لئے راستہ بناؤں تو اس کے صرف دو طریقے ہیں میرے اور اس شخص کے درمیان بذریعۂ اقرار یہ امر طے پاسکتا ہے کہ وہ اپنی زمین کی ایک معینہ اور محدود چٹ کا قبضہ میرے حوالے کر دے اور اس کو کوئی دوسرا شخص اپنے استعمال میں نہ لاسکے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم دونوں میں بذریعۂ اقرار یہ امر طے کیا جائے کہ مالک زمین اپنی زمین کی ایک چٹ راستے کے لئے مخصوص کر دے لیکن اس کا قبضہ مجھکو نہ ملے بلکہ اس کے مالک کو حاصل رہے پہلی شکل میں جو حق مجھے حاصل ہوتا ہے وہ پٹہ ہے اور دوسری شکل میں جس قسم کا حق مجھے پیدا ہوتا ہے وہ سروی ٹیوڈ ہے[۱]۔

سروی ٹیوڈ کی دو قسمیں عام اور خاص ہیں خاص سروی ٹیوڈ وہ ہے جو کسی منفرد شخص کو حاصل ہوتا ہے اور عام سروی ٹیوڈ سے مراد ایسا حق استفادہ بہ زمین غیر ہے جو پبلک کو حاصل رہتا ہے ایک قطعہ زمین کے مالک کو اس کی ملحقہ زمین پر سے جو شخص غیر کی ملک ہو آمد و رفت کا حق یا اپنے مکان کی روشنی کے لئے گذرگاہ قرار دینے کا حق یا اپنے مکان کے لئے اس کی زمین سے مدد لینے کا حق حق ماہی گیری جو ایک شخص کو دوسرے کے تالاب وغیرہ میں حاصل ہوتا ہے یا معدنیات برآمد کرنے کا حق ایک شخص کو

---

[۱] سروی ٹیوڈ کا تعلق زمین سے ہی ہوا کرتا ہے اور جس قدر ایسے حقوق ہیں وہ زمین پر ہی واقع ہوتے ہیں صرف زمین کی ایسی نوعیت ہے کہ قبضہ کے بغیر شخص اس کو اپنے استعمال و تصرف میں لاسکتا ہے اس کے برعکس مال یا جائداد منقولہ کی حالت ہے کیونکہ کوئی شخص مال پر قبضہ پائے کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا اور نہ اس کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے حالانکہ اس قبضہ کی مدت کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو تا نون ملک میں مال یا جائداد منقولہ کا تصرف بلا قبضہ بحیثیت کفالت یا زیر باری ملکیت نہیں تسلیم کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے اگر ایسے تصرف بلا قبضہ کا وجود ہی نہ ہو تو وہ جائداد منقولہ کے ساتھ اس کے منتقل الیہم کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

دوسرے کی زمین میں ملا کرتا ہے بہرحال اس قسم کے تمام حقوق سروی ٹیوڈ خاص کہلاتے ہیں عام سروی ٹیوڈ سے مراد ایسا حق ہے جو کسی مقام کے تمام باشندوں کو یا ان میں کے کسی ایک گروہ کو بطور سروی ٹیوڈ حاصل ہوتا ہے شخص منفرد کی زمین پر سے کسی شاہ راہ عام کا واقع ہونا کسی ایسی ندی میں عوام کو حق ملاحی حاصل رہنا جس کی تہ کسی منفرد شخص کی ملک ہوتی ہے اہل پیرس (موضع[1]) کا کسی شخص کی زمین کو جو اس پیرس میں واقع ہو سیر و تفریح کے لئے استعمال کرنا خاص سروی ٹیوڈ کی مثالیں ہیں۔

انگریزی قانون کے ادب کی رو سے سروی ٹیوڈ کی مزید دو قسمیں قرار دیگئی ہیں ملحقہ اور غیر ملحقہ سروی ٹیوڈ ایسا سروی ٹیوڈ ہے جو ایک قطعۂ زمین کے لئے محض کفالت یا زیر باری نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے قطعۂ زمین کے حق میں وہ معاون ہوتا ہے یہ اصل میں ایک قطعۂ زمین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے دوسرے قطعۂ زمین کو استعمال کرنے کا حق ہے جب ایک شخص کے مکان اور سڑک کے درمیان دوسرے شخص کی زمین یا کھیت واقع ہو تو ایسی صورت پیش آتی ہے لہذا مالک مکان کو سڑک تک پہنچنے کے لئے دوسرے شخص کی زمین پر سے گذرنے کا حق پیدا ہوتا ہے یہ حق گذر دوسرے شخص کی زمین کے لئے نہ صرف ایک قسم کی کفالت یا زیر باری ہے بلکہ اس کے ذریعے سے مکان کو اعانت پہنچتی ہے ایسا ہی دوسرے شخص کی زمین سے مالک کا اپنے مکان کے لئے مدد لینے کا حق اور دوسرے کی زمین پر مالک کا اپنے مکان کے روشن دان بنانے کا حق اس سروی ٹیوڈ کی مثالیں ہیں جس زمین پر اس قسم کے سروی ٹیوڈ کا بار ڈالا جاتا ہے اس کو زمین یا اراضی تابع کہتے ہیں اور جو زمین اس طرح سے فائدہ اٹھاتی ہے وہ زمین یا اراضی متبوع کہلاتی ہے اگرچہ ان دونوں قطعات زمین کے مالکوں اور قابضوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے اور ان لوگوں کی وفات اور جائداد کے انتقال کی وجہ سے مالک اور قابض کا قدرتی طور پر بدلتے رہنا ایک امر ضروری ہے لیکن سروی ٹیوڈ جس کا اس قسم کے قطعات سے تعلق ہوتا ہے وہ زمین کے ساتھ بحال و قائم رہتا ہے ایسے دونوں قطعات زمین کی ملکیت کے ساتھ سروی ٹیوڈ کا نفع اور بار لگا رہتا ہے لیکن

[1] ملاحظہ ہو تاریخ دستور انگلستان برائے انٹرمیڈیٹ تشریحات صفحہ ۱۳۱۔

غیر ملحقہ سروی ٹیوڈ کی حالت اس کے برعکس ہے جب کسی سروی ٹیوڈ کا زمین تابع کے ساتھ اس طرح الحاق نہ ہو جس سے زمین متبوع کو اعانت اور نفع پہنچے تو اس کو غیر ملحقہ سروی ٹیوڈ کہتے ہیں عوام کا حق ملاحی حق گذر یا حق تفریح اور کسی منفرد شخص کا حق ماہی گیری یا اپنے مویشی چرانے کا حق یا معدنیات برآمد کرنے کا حق غیر ملحقہ سروی ٹیوڈ کے تمثیلات ہیں۔

فصل نمبر ۱۶۱ اقسام کفالت

کفالت ایک قسم کا بار (یا مواخذہ) ہے جو ایک شخص کی جانب سے دوسرے شخص کی جائداد یا اس کے حق پر ڈالا جاتا ہے اور اس کی غرض اس دوسرے شخص کے حق محصلہ کے

حق آسائش (Easement) کے خاص معنے ہیں اور اس لحاظ سے اس کو ایک خاص قسم کا سروی ٹیوڈ سمجھنا چاہیے یعنے اس سے مراد خاص ملحقہ سروی ٹیوڈ لیا جاتا ہے اور یہ ایسا حق نہیں ہے جس کی بناء پر اراضی تابع سے کوئی نفع حاصل کیا جاسکے مثلاً گذر (زمین تابع پر سے راستہ چلنے کا حق) حق روشنی اور حق امداد (جو زمین تابع سے مکان متبوع کی بنیادوں یا دیواروں کو پہنچتی ہے) حقوق آسائش ہیں لیکن مویشی چرانے کا حق یا معدنیات نکالنے کا حق انگریزی قانون میں ایک خاص قسم کا حق ہے جس کو نفع کہتے ہیں لیکن اس طرح کا امتیاز دیگر اقوام کے نظامات قانونی میں رائج نہیں رکھا گیا ہے اور نظریۂ قانون کے لحاظ سے بھی اس امتیاز سے بھی چنداں اہمیت نہیں ہے اس کی عملی اہمیت جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حق آسائش کا ملحقہ ہونا ضرور ہے لیکن نفع کے لئے اس قسم کی ضرورت نہیں ہے نفع ملحقہ اور غیر ملحقہ دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔

کفالت کی اصطلاح بطور جنس استعمال کی جاتی ہے اور اس لئے اس کا مفہوم نہایت وسیع ہے اس وسیع مفہوم کے لحاظ سے لفظ کفالت نہ صرف ان کفالتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کا تعلق جائداد سے ہوتا ہے بلکہ اسی لفظ کا اطلاق معاہدۂ ضمانت اور گیرنٹی پر بھی کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے اصلی مدیون کے علاوہ ایک دوسرا شخص بھی مدیون قرار دیا جاتا ہے جو ضامن کہلاتا ہے اور جو اصلی مدیون کے نادہندگی کی صورت میں ادائی دین اپنے ذمہ لیتا ہے اس مقام پر ان کو ضمانت یا گیرنٹی کے متعلق بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق قانون جائداد سے نہیں بلکہ قانون فرائض سے ہے۔

تمتع کو بحال رکھنے یا اس کی تکمیل میں سہولت پیدا کرنے کی نسبت اس کو اطمینان دلاتا ہے عموماً قرضہ لینے کی صورتوں میں کفالت کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کفالت کا تعلق محض قرضہ جات سے ہے بلکہ انکے علاوہ دیگر حقوق کی نسبت کفالت کے ذریعے سے اطمینان کیا جاتا ہے اس قسم کی کفالت کے دو اقسام ہیں رہن اور لی آن (Lien) بشرطیکہ یہ دوسری اصطلاح اپنے سب سے زیادہ وسیع مفہوم میں[1] استعمال کی جائے اس امتیاز کو بیان کرنے کے قبل ہم انگریزی قانون کی ایک غلط توجیہہ کا جو بظاہر دلچسپ اور سہل معلوم ہوتی ہے ذکر کردینا مناسب خیال کرتے ہیں بعض اساتذہ کے خیال کے موافق رہن ایسی کفالت ہے جس کے ذریعے سے مدیون کی جائداد داین کو منتقل کیجاتی ہے اس کے برعکس لی آن ایک ایسا بار یا مواخذہ ہے جو مدیون کی جائداد پر تو عائد کیا جاتا ہے لیکن اس کی ملکیت مدیون میں ہی رہتی ہے یعنے جائداد مکفولہ کا مالک داین نہیں بلکہ مدیون ہی سمجھا جاتا ہے مرتہن جائداد مرہونہ کا مالک ہے لیکن گرو اور لی آن رکھنے والا اس شئے کا جو گرو یا لی آن رکھی جاتی ہے محض مواخذہ یا کفالت دار ہے اگرچہ اکثر صورتوں میں اس بیان یا توجیہہ کی صحت پائی جاتی ہے لیکن رہن اور لی آن میں امتیاز قائم کرنے کی غرض سے جو اس طرح فرق کیا جاتا ہے اس کا ہر ایک شکل پر نہ تو اطلاق ہوسکتا ہے اور نہ اصل مضمون کی یہ بالکل صحیح توجیہہ ہے جس طرح انتقال جائداد[2] کے ذریعے سے رہن کا وجود ہوسکتا ہے اس طرح جائداد پر بار یا مواخذہ ڈالنے کے ذریعے سے رہن قائم کیا جاسکتا ہے اور اس بناء پر مرتہن کا جائداد مرہونہ کا مالک قرار پانا ضرور نہیں ہے

[1] انگریزی قانون میں لفظ لی آن کی کوئی خاص اصطلاحی شان نہیں ہے اس کا کوئی مخصوص مفہوم نہیں ہے اور یہ لفظ محل و بے محل استعمال کیا جاتا ہے اس لئے ہم مجاز ہیں کہ اس لفظ کو ان ہی معنوں میں استعمال کریں جن کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے یعنے رہن کے سوائے جس قدر کفالتیں ہیں وہ لفظ لی آن میں داخل ہیں۔

[2] باب ہذا کا تھوڑا اور حصہ پڑھنے کے بعد ناظرین اس امر سے واقف ہوجائیں گے کہ جس رہن کا وجود انتقال (جائداد) کے ذریعہ سے ہوتا ہے وہ بھی ایک قسم کا بار یا مواخذہ ہے یعنے یہ بار جائداد کی ملکیت استغاثی پر ڈالا جاتا ہے جو راہن کو حاصل رہتی ہے۔

چنانچہ لوگ عموماً اپنے پٹے کو رہن کیا کرتے ہیں اور اس کے رہن کرنے کا طریقہ انتقال نہیں بلکہ ذیلی پٹہ ہے مدیون اپنے پٹے کو داین کے حق میں منتقل نہیں کرتا بلکہ اس کو اس پٹے کا ذیلی پٹہ عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے مرتہن (داین) پٹے کا مالک نہیں بلکہ مواخذہ یا کفالت دار قرار پاتا ہے ایسا ہی فری ہولڈ[1] زمین طویل مدت کے لئے پٹے پر لئے جانے سے رہن کی جا سکتی ہے۔

اگر رہن کی خصوصیتوں میں یہ امر داخل نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے جائداد مرہونہ مرتہن کو منتقل ہوتی ہے تو آخر اس کی کیا خاصیت ہے اور کس صفت کے زیر تحت اس کی شناخت کی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ یہ نہایت دقیق سوال ہے پھر بھی اس کا صحیح جواب یا حل بظاہر یہ ہے کہ لی آن ایک ایسا حق ہے جو اپنی خاص نوعیت کے لحاظ سے کفالت قرضہ ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی دوسری شان نہیں ہے بایع یا کسی اور شخص کا جائداد منقولہ کو اس وقت تک روک رکھنے کا حق جب تک مشتری سے اس کا کامل قیمت ادا نہ ہو زر لگان (یا مال گذاری) وصول کرنے کی غرض سے مالک زمین کا آسامی کی پیداوار قرق کرنے کا حق یا کسی سرمائے میں سے رقم پانے کا حق لی آن کی مثالیں ہیں اس کے برخلاف رہن سے مراد ایک ایسا حق ہے جو بذات خود قائم اور کسی دوسرے حق پر منحصر نہیں ہوتا ہے یہی اس کی مخصوص نوعیت ہے اگرچہ رہن ایسا حق نہیں ہے جو کسی دوسرے حق کے لئے کفالت چاہے لیکن اس پر بھی اس کی وسعت اور اہمیت کی مصنوعی طور پر قطع و برید کر کے اس کو ایک محدود اور ادنیٰ قسم کا حق قرار دیا جاتا ہے اور اس لئے مخصوص صورتوں میں جیسا کہ زمین کا فی سمپل پٹہ مدتی اور کسی جائداد منقولہ (چٹیل) کی ملکیت ہیں رہن کفالت ہی کفالت نظر آنے لگتا ہے لی آن رکھنے والے کو جو لی آن کا حق حاصل ہوتا ہے وہ اس کے لئے نہ صرف حق کفالت ہے بلکہ حق مطلق ہے کیونکہ لی آن کی کفالت سے زیادہ شان نہیں ہوتی ہے برعکس اس کے مرتہن کو جو حق ارتھان حاصل ہوتا ہے وہ مشروط ہے اور محض بحیثیت کفالت اس کو ملتا ہے رہن کی شان کفالت سے کہیں زیادہ ہے اس دین کی بے باقی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ دستور انگلستان برائے انٹرمیڈیٹ تشریحات صفحہ ۱۷۔

(یعنی معدومیت) کے بعد لی آن قائم نہیں رہ سکتی جس کی کفالت لی آن کے ذریعے سے کی جاتی ہے ایسے مکفول دین کے اختتام پر قانوناً اس کا لی آن بھی زائل ہو جاتا ہے لی آن گویا دین کا سایہ یا عکس ہے جو مدیون کی جائداد پر پڑتا ہے لیکن حق ارتھان کی ایک جداگانہ شان ہے اور وہ قائم بالذات ہے اس کا وجود کسی دوسرے حق کے وجود کا محتاج نہیں ہے اختتام یا معدومیت دین کے بعد بھی حق ارتھان کا موجود اور قائم رہنا ممکن ہے جن صورتوں میں حق ارتھان اختتام دین کے بعد باقی رہجاتا ہے اس کا منجانب مرتہن دوبارہ راہن کو منتقل یا حوالے کیا جانا لازم ہے راہن کو مرتہن سے اپنا حق یا جائداد مرہونہ واپس پانے کا حق جو اس طرح حاصل ہے وہ حق انفکاک کہلاتا ہے اس حق کی رو سے رہن کی آزمایش کی جاتی ہے اگر فریقین کے معاملے میں اس قسم کا حق نہ پایا جائے تو اسکو رہن نہیں بلکہ لی آن سمجھنا چاہیئے چونکہ معاملہ لی آن میں لی آن رکھنے والے کو دین کے اختتام یا سقوط پر اسپنے حق مقابضت کو مالک جائداد کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے لی آن کی صورت میں مالک جائداد کو حق انفکاک نہیں حاصل ہوتا ہے دین کے اختتام کے ساتھ لی آن رکھنے والے کا حق کفالت قدرتی طور پر ختم ہو جاتا ہے[1]۔

رہن کرنے کے دو طریقے ہیں مدیون اپنے حق کو داین کو منتقل کرتا ہے یا وہ اپنے حق کو بحق داین زیر بار کرتا ہے ان دونوں میں سے پہلا طریقہ زیادہ اہم ہے اور لوگ اس پر بالعموم عمل کرتے ہیں اس کے علاوہ یہ طریقہ رہن کے لئے مخصوص ہو گیا ہے اور

---

[1] رہن کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ اس حق کے زائل ہونے کے بعد جس کا کفالت کے ذریعہ سے اطمینان کر لیا جاتا ہے مرتہن کا حق فی الواقع باقی رہے اور وہ اس قابل ہو کہ راہن اس کا انفکاک کرا سکے حق مرتہن کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس قابل ہونا کافی ہے اور اس لئے اس حق کے ساتھ مصنوعی طور پر یہ شرط ڈالدی گئی ہے کہ اس حق کو دوبارہ راہن کے سپرد یا حوالے کرنا مرتہن کا فرض ہے یہ انتقال یا حوالگی ثانیہ دو طرح سے واقع ہوتی ہے اندروئے قانون اور بذریعہ فعل مرتہن زمین کا فی سمپل (اعلیٰ حق مقابضت یا ملکیت) جو بطور کفالت منتقل کیا جاتا ہے اس کا رہن میں نہ کہ لی آن میں شمار کیا جانا ایک امر لازمی ہے خواہ ادائی دین کے ساتھ ہی راہن کو قانوناً وہی فی سمپل مسترد ہو یا مرتہن اس فی سمپل کو بذریعہ دستاویز انتقال بعد تکمیل راہن کو واپس کرے۔

لی آن کا قیام اکثر مواخذہ یا زیر باری کے ذریعے سے قائم کیا جاتا ہے لہذا جب کبھی مدیون اپنے حق کو بطور کفالت داین کو منتقل کرتا ہے اس کا لازمی نتیجہ رہن ہے کیونکہ جس دین کے ادا کرنے کی نسبت اس طرح سے اطمینان کر لیا جاتا ہے اس کی مدت ہیں اور حق جو اس طریقے سے منتقل ہوتا ہے اس کے دوران میں کسی قسم کا قدرتی تعلق نہیں ہوتا ہے یعنے ان دونوں حقوق کی مدتیں ایک دوسرے کی محتاج نہیں ہیں چونکہ رہن کی شکل میں حق منتقل شدہ ادائے دین کے بعد بھی مرتہن کے باقی رہجاتا ہے اس لئے اس کے انفکاک کا حق راہن کو حاصل رہتا ہے اور اس حق انفکاک کے ذریعے سے معاملہ رہن کی آزمایش کی جاتی ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہوسکتی اس کے برخلاف جب مدیون اپنے حق پر بحق داین بار یا مواخذہ ڈالتا ہے تو جو کفالت اس طریقے سے قائم ہوتی ہے اس کا رہن یا لی ان ہونا دونوں امور ممکن ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک معاملے کے حالات کے لحاظ سے اس کا شمار رہن یا لی آن میں جیسی کی صورت ہو کیا جاتا ہے اگر کفالت کو اس قرضہ کی مدت سے جس کے لئے کفالت لی جاتی ہے کوئی تعلق نہ ہو یا اس کا مدت دین پر انحصار نہ ہو تو اس معاملے کو رہن سمجھنا چاہیے جیسا کہ کسی دائمی سروی ٹیوڈ یا پٹہ مدتی کی شکل میں ہوا کرتا ہے اگر کفالت کی مدت اس دین کی مدت پر منحصر ہو جس کے لئے کفالت لی جاتی ہے تو معاملہ کو لی آن خیال کرنا چاہیے اور گرو بایع کا لی آن زمیندار کا حق قرقی یا کسی سرمایہ پر نصفتی کفالت (چارج (Charge)) قائم کرنیکا حق اس کی مثالیں ہیں۔

ہر ایک قابل انتقال اور قیمتی حق خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو رہن کا موضوع بن سکتا ہے یعنے ایسا ہر ایک حق جس کو ایک شخص دوسرے کو منتقل کر سکے یا جس کی کچھ قیمت قرار پا سکتی ہو رہن کیا جا سکتا ہے جو کچھ منتقل کیا جا سکتا ہے اس کا رہن کرنا بھی ممکن ہے اور جو کچھ مکفول کیا جا سکتا ہے اس کا بطور رہن کیا جانا ممکن ہے مثلاً ایسے تمام حقوق اور اشیاء جو ملک کے مصداق ہیں رہن کئے جا سکتے ہیں چنانچہ میں اپنی زمین مال (یا جائداد منقولہ) ویون حصص حقوق ایجاد حقوق تصنیف پٹہ جات مختلف سروی ٹیوڈ حقوق جو مجھے سرمایہ جات امانتی میں حاصل ہیں اور کسی معاہدہ کے نفع کو رہن کر سکتا ہوں اور جس معاملہ کے ذریعے سے میں اپنے ان حقوق

اور اشیا پر رہن قائم کرتا ہوں وہ جائز ہے حتیٰ کہ مرتہن اپنے حق ارتہان کو دوسرے مرتہن کو منتقل کر کے رہن قائم کر سکتا ہے جب ایک رہن کے ذریعے سے دوسرا رہن قائم کیا جاتا ہے تو اس کو رہن ذیلی کہتے ہیں۔

ہر چند اس رہن میں جو انتقال "کے ذریعے سے" کی اس قدر کثرت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ وجود پذیر ہوتا ہے مدیون اپنی جائداد داین کو منتقل کرتا ہے تاہم جائداد مرہونہ کا انتفاعی یا نصفتی مالک مدیون ہی سمجھا جاتا ہے اگرچہ راہن کو مرتہن کے مقابلے میں فک رہن کا حق حاصل رہتا ہے اور وہ اس کی بنا پر مرتہن کو مجبور کر کے جائداد مرہونہ اپنے کو واپس کرا سکتا ہے۔ اس پر بھی اس کا مالک انتفاعی مدیون ہی سمجھا جاتا ہے جائداد مرہونہ کا اس طرح کی دھری ملکیت امانت کی ایک خاص شکل ہے رہن اصل میں ایک قسم کی امانت ہے مرتہن جائداد مرہونہ کا امین سمجھا جاتا ہے اس کا اس جائداد میں کوئی انتفاعی حق نہیں ہوتا بجز اس حد تک جہاں تک کہ اس طرح کی کفالت کو موثر بنانے کی ضرورت ہوتی ہے دین کے ادا یا ساقط ہونے کے بعد مرتہن جائداد مرہونہ کا امین قرار پاتا ہے اور اگرچہ اس جائداد کی قانونی ملکیت اسی کو حاصل رہتی ہے لیکن وہ اس کا نصفتی یا انتفاعی مالک نہیں ہے یعنے اس جائداد سے وہ کسی قسم کا نفع نہیں حاصل کر سکتا لہذا ہر ایک رہن کی دو شکلیں یا دو ماہیتیں ہیں اگر جائداد مرہونہ کی خالص ملکیت کے لحاظ سے جو مرتہن کو حاصل ہوتی ہے دیکھا جائے تو رہن ایک قسم کا انتقال جائداد معلوم ہوتا ہے اور جب اس کا انتفاعی ملکیت کے لحاظ سے اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کفالت کی ایک قسم ہے پہلی شکل میں رہن سے مراد انتقال جائداد اور دوسری شکل میں اس سے مراد کفالت ہے۔

انگریزی قانون کی رو سے اقسام کفالت میں رہن مہتم بالشان ہے اس نظام قانون میں رہن کی جو اس قدر اہمیت ہے اس کو اس قانون کی ایک خصوصیت سمجھنا چاہیئے انگریزی قانون میں جو منزلت اور افضلیت رہن کو حاصل ہے وہی اہمیت اور شان قانون روما اور اقلیم یورپ کے ان دیگر نظم قانونی میں جو اس قانون پر مبنی ہیں ہی پاتی (hypotheca) اور اس کے اقسام کو دی گئی ہے قانون روما میں جو رہن فڈوسا (fiducia) کے نام سے مشہور تھا وہ جسٹی نی ان کے عہد سے پہلے ترک العمل

ہو گیا تھا اس رہن کے عوض رومانیوں نے ہائی پاٹیکا (hypotheca) پر جس کے معنی گرو یا کفالت کے عمل کرنا شروع کر دیا تھا فڈوسا سے زیادہ ہائی پاٹیکا آسانی اور سہولت ہے اور اس میں اس قدر پیچیدگی نہیں بلکہ سادگی ہے اس لئے ہائی پاٹیکا (گرو یا کفالت) فڈوسا (رہن) سے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے چنانچہ اسی بنا پر زمانہ موجودہ کے اقلیم یورپ کے دیگر وسائر قانونی میں قانون روما کی تقلید میں زیادہ تر لی ان پر عمل کیا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ اگر انگلستان میں بھی رہن کے عوض لی ان پر عمل ہونے لگے تو قانون انگلستان میں بہت کچھ سادگی پیدا ہو کر اس قانون کی ترقی ہوگی انگریزی قانون کفالت میں جو اس قدر پیچیدگی اور دشواری پائی جاتی ہے اس کا خاص سبب انگلستان کا طریقہ رہن ہے اور اسی لئے فرانس اور جرمنی کے قانون داں انگریزوں کے طریقۂ رہن اور اس کی قانونی بھول بھلیاں کو نظر استعجاب سے دیکھتے ہیں جس طرح ادائی دین کے متعلق رہن کے ذریعے سے (داین اپنا) اطمینان کر لیتا ہے اسی طرح وصول دین کے بابت لی ان کے ذریعے سے اس کا اطمینان کیا جا سکتا ہے اور کفالت کے لحاظ سے جو حالت رہن کی ہے وہی حالت لی ان کی بھی ہے لہذا اگر قانون میں رہن کے بجائے لی ان اختیار کر لیا جائے تو فریقین (راہن اور مرتہن) کے درمیان تعلقات قانونی کے لحاظ سے جو غیر معمولی دشواریاں اور پیچیدگیاں رہن کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں وہ بخوبی اور بآسانی رفع ہو جائیں گی اصول کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ قسم کی کفالت اس کفالت کو سمجھنا چاہیے جس کے ذریعے سے داین کے حق کی بہترین حفاظت اور حمایت ہو سکتی ہو اور اسکے ساتھ ہی اس کفالت کے ذریعے سے مدیون کے حقوق کو بھی کسی قسم کا گزند نہ پہنچتا ہو اور نہ اسکی وجہ سے مدیون کے حقوق میں کسی قسم کی مداخلت ہوتی ہو اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو اس قسم کی خوبیاں اور صفات رہن میں نہیں بلکہ لی ان میں پائی جاتی ہیں اس لئے کفالت کی سب سے بہتر اور صحیح قسم لی ان ہے جس کے ذریعے سے جائداد مکفولہ کی قانونی اور نصفتی دونوں قسم کی ملکیت مدیون ہی کو حاصل رہتی ہے اور اسکے ساتھ ہی داین کو اس کے مفید حقوق اور اختیارات (جیسا کہ بصورت نادہندگی جائداد مکفولہ کو بیع کرنے یا اس پر قابض ہونے یا اس طرح کے دوسرے جو اختیارات ہیں) مل جاتے ہیں

بہر حال لی اٰن کے ذریعے سے جائداد مکفولہ کی نوعیت کے لحاظ سے فریقین کو انکے حسب ضرورت اور مفید مطلب حقوق و اختیارات حاصل رہتے ہیں داین کے حق کی کافی طور پر حمایت کی جاتی ہے اور ادائی دین کے ساتھ ہی جائداد مکفولہ از روئے قانون خود بخود مدیون کو واپس ہو جاتی ہے[1]

لی اٰن کے چند اقسام ہیں اور اس کی ہر ایک قسم نہایت سادہ اور سہل العمل ہے جس کی وجہ سے ان پر خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کے بیان کو صراحت درکار ہے۔

۱۔ لی اٰن متعلق قبضہ (کفالت القبضہ) مبنی ہے اس حق پر جسکے ذریعے سے داین مدیون کی کوئی شئے یا کسی دوسری جائداد منقولہ کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اس حق قبضہ کے ساتھ داین کے اختیار بیع کا شامل کیا جانا یا نہ کیا جانا دونوں باتیں ممکن ہیں مال یا جائداد منقولہ کا گرو کیا جانا مالکان سرا (in keepers) یا نعان مال و اسباب اور سولی سٹرون کے لی اٰن حقوق کفالت) جو انھیں اپنے منزل گزینوں خریداروں اور موکلین کے مال و اسباب پر حاصل رہتے ہیں کفالت القبضہ کی مثالیں ہیں۔

۲۔ حقوق قرقی وضبطی ان حقوق کی بناء داین کا وہ حق ہے جسکے ذریعے سے مدیون کی جائداد پر قبضہ پا سکتا ہے داین کو جائداد منضبط کی نسبت بیع کرنے یا نہ کرنے کے اختیار کا حاصل رہنا ممکن ہے زمیندار کا زر لگان یا مالگزاری وصول کرنے کی غرض سے آسامی کی جائداد کو قرق کرنے کا حق اور قابض زمین کا غیر کے مویشی کو جو اس کی زمین پر اس کی بلا اجازت چرنے کی غرض سے آجائیں روک رکھنے کا حق اس قسم کے حقوق کے تمثیلات ہیں۔

۳۔ اختیارات نیلام کفالت کی یہ ایک ایسی قسم ہے جو بہت ہی کم

---

[1] آسٹریلیا کی نوآبادیات میں جائداد غیر منقولہ کا جو قانون نافذ ہے اس میں ٹارینز کی اسکیم کے ذریعہ سے اصلاحات کی گئی ہیں جملہ ان اصلاحات کے یہ بھی ایک اصلاح ہے اس اسکیم میں جس معاملہ قانونی کا نام رہن زمین رکھا گیا ہے وہ درحقیقت رہن نہیں بلکہ لی اٰن ہے۔

بذات خود یا منفرداً موجود نہیں ہوتی ہیں کیونکہ عموماً تو قبضہ کے ساتھ جو دائن کو لی ان کی پہلی دو شکلوں میں حاصل ہوتا ہے کفالت کی یہ تیسری قسم شامل رہتی ہے اور اسی حق قبضہ کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے بہر حال اگر اختیار نیلام لی ان (کفالت) کی تیسری شکل قرار دیدیا جائے تو از روئے نظریہ کوئی قباحت یا دشواری نہیں ہے بلکہ یہ بجائے خود ایک موثر قسم کی کفالت ہو سکتا ہے۔

۴۔ اختیارات منسوخی۔ ان میں سے کسی ایک اختیار سے مراد ایسا اختیار ہے جس کی بناء پر دائن اپنے فائدے کی غرض سے مدیون کے کسی حق مخالفانہ کو زائل کر سکتا ہے چنانچہ زمیندار (یا پٹہ دہندہ) کا (بصورت خلاف ورزی معاہدہ) اپنی اراضی پر جو پٹہ دار یا آسامی کے قبضے میں ہوتی ہے دوبارہ دخل پانے کا حق اور بائع کا مشتری کی اس رقم کو ضبط کر لینے کا حق جو بطور امانت یا بیعانہ خریداری مال کے لئے مشتری اس کے یہاں رکھتا ہے۔

۵۔ چارج۔ اس سے مراد دائن کا ایسا حق ہے جس کی رو سے وہ (مدیون) کے کسی مخصوص سرمائے سے اپنا دین وصول پا سکتا ہے یا کسی مخصوص جائداد مدیون کے زر نقد کی شکل میں مبدل ہونے کے بعد دائن اپنی رقم بایں گرفت اس سرمائے سے وصول کر سکتا ہے۔ اس طرح کے دین ادا کرنے کے لئے مدیون کی کوئی مخصوص جائداد یا سرمایہ مکفول سمجھا جاتا ہے اور اس کے ادا کرنے کا بار یا چارج (Charge) مدیون کی جائداد یا سرمایہ مکفولہ پر رہتا ہے۔

فصل ۱۶۲۔ حصول جائداد کے طریقے (قبضہ)

حقوق ملکیت در اشیاء (یا حقوق متعلق جائداد غیر منقولہ) کے مختلف اقسام کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم ان طریقوں کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں جن کے ذریعے سے اس قسم کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان حقوق کی ایک فہرست اس مقام پر مرتب کریں تو وہ چنداں مفید نہیں ہو سکتی اس لئے ہم ان میں سے ان ہی چند مخصوص اقسام کا ذکر کریں گے جو سب سے زیادہ اہم ہیں یعنے اس باب کے باقی حصہ میں ہمارا

بحث قبضہ حق قدامت اقرار اور وراثت پر مشتمل ہوگا۔
کسی مادی شئے کے قبضے سے مراد اس کی ملکیت کا ادعا ہے شخص اور شئے میں جو واقعی تعلق ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان میں قانونی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شئے یا قطعۂ زمین کی بابت ادعا کرے کہ وہ اس کی ملک ہے اور اپنے دعوے کو فی الواقع بطور قبضہ ثابت کر دے تو قانون میں بھی بطور ملکیت اس شخص کا دعویٰ ثابت قرار پاتا ہے۔ یعنے قبضے کا تعلق واقعی اور حقیقت یا حالت ظاہری ہے اور ملکیت کا تعلق قانون اور حالت باطنی سے ہے۔ واقعات اور حالت ظاہری کے لحاظ سے جس قطعۂ زمین یا شئے کا جس شخص کو قبضہ حاصل ہوتا ہے اسی شخص کو از روئے قانون اور بلحاظ حالت باطنی اس کی ملکیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں ایک نہایت اہم فرق ہے کیونکہ قابض کے قبضے میں آنے سے پہلے شئے مقبوضہ کا کسی دوسرے شخص کی ملک ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتیں ممکن ہے۔ اگر کسی شئے کا پہلے سے کوئی مالک نہ ہو اور قابض اس پر قبضہ کر لے تو چونکہ بوقت قبضہ اس کا مالک سابق کوئی شخص نہیں ہوتا ہے یا باصطلاح قانون روما وہ ملک بلا مالک سمجھی جاتی ہے اس لئے قابض حالیہ اس کا مالک بن جاتا ہے اور وہ اس شئے کے متعلق تمام دنیا کے مقابلے میں ادعائے ملکیت کر سکتا ہے چنانچہ اسی اصول کی بنا پر سمندر کی مچھلیاں اور فضا میں جو طیور اڑتے ہوئے پائے جاتے ہیں وہ اس شخص کی ملک ہیں جو سب سے پہلے ان پر قبضہ کر لیتا ہے یہ اس کا حق مطلق ہے اور وہ اس حق کی بنا پر شئے مقبوضہ کا مالک بن جاتا ہے۔ قانون روما میں اس طریقے حصول جائداد کو اکوپیشیو (Occupatio) یعنی قبضہ کہتے ہیں۔
دوسری شکل میں جبکہ شئے ایک شخص کی ملک ہو اور دوسرا شخص اس پر قبضہ کر لے تو اشخاص ثالث کے مقابلہ میں قابض کا عذر قبضہ قابل قبول ہے لیکن اصلی مالک کے مقابلے میں اس کا ایسا عذر نہیں جائز ہو سکتا۔ ایسے قبضے کی بنا پر اصلی مالک کے سوا ہر ایک دوسرے شخص کے مقابلے میں قابض کا عذر کہ شئے مقبوضہ اس کی ملک ہے مان لیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ناجائز قبضے کی بنا پر قابض ان تمام اشخاص کے مقابلے میں جو اپنے حق قبضہ کو قابض کے حق سے بہتر نہیں ثابت کر سکتے ہیں

کامیاب ہوسکتا ہے اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ قابض کا قبضہ دوسرے اشخاص کے قبضے پر مقدم ہے یعنے تقدم قبضہ کی بنا پر اس کے قبضے کو اشخاص ثالث کے حقوق قبضہ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً جو گھڑی میری جیب میں ہے اس کا جائز یا ناجائز طریقے سے میرے قبضے میں آنا ممکن ہے۔ ممکن ہے کہ میں نے ایک نیک نیت خریدار کی حیثیت سے اس کو خریدا ہو یا میں نے اس کو کہیں پڑا پاکر اٹھا لیا ہو یا کسی شخص کی جیب میں سے میں نے اس کو نکال لیا ہو۔ بہر حال ہر ایک شکل میں قبضے کی وجہ سے مجھکو جو حق ملکیت اس گھڑی پر حاصل ہے اس میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور اصلی مالک کے حقوق کے سوا دوسرے کسی شخص کے حقوق قبضہ وغیرہ کو میرے حقوق کے مقابلے میں فروغ نہیں ہوسکتا اور اگر یہ گھڑی میرے یہاں سے چوری جائے تو اس کو اس کو حاصل کرنے میں قانون مالک دوسرے اشخاص کا نہیں بلکہ میری مدد کرتا ہے۔ میں اس گھڑی کو موثر طور پر بیع کرسکتا ہوں اس کو عاریتاً دے سکتا ہوں اس کو مفت کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہوں یا وصیت کے ذریعے سے ہبہ کرسکتا ہوں اور اگر میں بلا وصیت مر جاؤں تو یہ گھڑی وراثتاً اس شخص کو ملے گی جو میرا وارث قرار پائے گا۔ بہر حال میرے ذریعے سے جو شخص اس گھڑی کو حاصل کرتا ہے اس کو وہی محدود اور ناکمل حق ملتا ہے جو مجھکو حاصل ہے اور جس طرح میرا قبضہ اس گھڑی پر اس کے اصلی مالک کے اعلیٰ حق ملکیت کا تابع ہے اس طرح منتقل الیہ کا قبضہ بھی گھڑی کے اصلی مالک کے اعلیٰ حقوق (قبضہ و ملکیت) کے تابع ہے۔

لہذا ایسی شئے کے جو ایک شخص کی ملک اور دوسرے شخص کے قبضۂ مخالفانہ میں ہو فی الحقیقت دو مالک ہوا کرتے ہیں۔ ایک شخص کی ملکیت مطلق اور کامل ہوتی ہے اور دوسرے شخص کی پہلے شخص کے مقابلے میں ملکیت ناکمل ہوتی ہے اور چونکہ اس ملکیت کا وجود قبضے کے ذریعے سے ہوتا ہے اس لئے اس کو ملکیت مبنی بر قبضہ یا ملکیت قابض کہتے ہیں۔

اگر مالک قابض ناجائز طور پر شئے مقبوضہ سے بے دخل کیا جائے تو اصلی مالک یعنے مالک غیر قابض کے سوا ہر ایک شخص کے مقابلے میں دعویٰ کرکے اس پر دخل پاسکتا ہے کیونکہ مدعی علیہ کا حق قبضہ مدعی کے قبضہ کے مقابلے میں موخر ہے

اور اس سئے وہ اپنی جوابدہی اس حق کے عذر پر نہیں مبنی کر سکتا اور نہ وہ مدعی کے مقابلے میں یہ عذر کر سکتا ہے کہ شئے مدعوہ کا مدعی نہیں بلکہ ایک تیسرا شخص اصلی مالک ہے ظاہر ہے کہ اس کو عذر ملکیت شخص ثالث کہتے ہیں اور اس قسم کا عذر مدعی علیہ جس کا قبضہ موخر اور مدعی کا قبضہ مقدم سمجھا جاتا ہے ازروئے قانون نہیں پیش کر سکتا۔ پلیڈنگ[1] میں مدعی علیہ کا شئے متنازعہ کو اپنی یا مدعی کی ملک نہ بتلانا بلکہ اس کا مالک شخص ثالث کو قرار دینا ایک غیر متعلق عذر خیال کیا جاتا ہے۔ جس ضرورت سے ملکیت مبنی بر قبضے کے مسئلہ کو قانون میں جائز قرار دیا گیا ہے وہ ظاہر ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو فریقین جو تسے[2] متنازعہ کے قبضے کی بنا پر اس کا دخل چاہتے ہوں اور ان کے حقوق اس طرح قوی اور بے غل وغش نہ ہوں جس طرح اس کے اصلی مالک کے حقوق ہیں جبر و فریب سے کام لینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور نزاعات کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا۔[2]

فصل ۱۶۲ حق قدامت

حق قدامت کو مرور زمانہ سے تعلق ہے اس لئے اس کی تعریف[3] یہ ہے کہ حقوق کا وجود و عدم مرور زمانہ کے جس اثر سے ہوتا ہے اس کو حق قدامت کہتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ہذا فصل ۱۰۷ صفحہ (۸۰)

[2] ملکیت قابض کے قاعدہ پر جن فیصلہ جات میں عمل ہوا ہے اس کے متعلق ملاحظہ ہو آرمیری بنام ڈلامیری۔ رپورٹ مرتبہ اسٹرینج جلد ۱ صفحہ ۵۰۴ لاکیسنر مرتبہ اسمتھ جلد ۱ صفحہ ۳۴۳۔ الیشر بنام وٹ لاک۔ لاریورٹ کوئنز بینچ جلد ۱ صفحہ ۱ ۔ پیری بنام کلس سولڈ (۱۹۰۷ء) اپیل کیسنر صفحہ ۷۳۔

[3] اصطلاح پری اسکرپشن (prescription) یعنی حق قدامت قانون روما کی اصطلاح (prescriptio) سے مشتق ہے لیکن ابتدا میں رومانوی اصطلاح کا مفہوم کچھ اور تھا اور پلیڈنگ کے جس کا تعلق کسی عدالتی نزاع یا مقدمہ سے ہوتا ہے ایک مخصوص حصہ کا نام تھا مدعی علیہ جو تحریری جواب بطور عذر منجملہ اور امور کے سب سے پہلے پیش کرتا تھا اس کو اس قانون میں پری اسکرپٹم (praescriptum) کہتے تھے۔ ایسا ہی (praescritio fore) سے

حق قدامت سے مراد زمانہ کا کچھ مدت کے لئے اس طرح سے گذر جانا ہے جو کسی حق کے پیدا یا زائل ہونے کے لئے ایک واقعہ اور ماخذ سمجھا جائے۔ حق قدامت کی دو قسمیں ہیں یعنے (۱) مثبت یا پیدا کرنے والا حق قدامت اور (۲) منفی یا مزیل حق قدامت پہلی قسم کے مرور زمانہ سے حقوق پیدا اور دوسری قسم کے مرور زمانہ سے حقوق فنا ہوتے ہیں۔ پہلے قسم کے حق قدامت کی مثال ایسا حق راہ کا پیدا ہونا ہے جو بیس سال کے واقعی تصرف اور استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے قسم کے حق قدامت کی تمثیل حق دائن کا زائل ہو جانا ہے جبکہ دائن دین کے واجب الادا ہونے کی تاریخ سے اس کا بمقابلۂ مدیون چھ سال تک دعویٰ نہ کرے۔

لہٰذا مرور زمانہ کے دو متضاد اثرات ہیں۔ مثبت حق قدامت حقوق کا ماخذ لیکن منفی حق قدامت حقوق کا مزیل سمجھا جاتا ہے۔ اور زمانہ کے اثر کو مثبت یا منفی قرار دینے کے لئے قبضہ کی معیت اور عدم معیت امر لازمی ہے۔ مثبت حق قدامت سے مراد ایسا مرور زمانہ ہے جس سے کسی شخص کو کسی شئے پر حق پیدا ہو اور اس شئے کا قبضہ بھی اس مدت میں اس شخص کے پاس ہو لیکن اسکے برعکس منفی حق قدامت سے مراد ایسا مرور زمانہ ہے جس میں شئے اپنے مالک کے قبضے میں نہ رہے اور اس مدت میں جو کسی حق کے زائل کرنے کے لئے معین ہے اس شئے کا مالک بے دخل رہے بالفاظ دیگر ایسا مرور زمانہ جس میں ایک شخص کی شئے پر دوسرا قابض رہتا ہے اس کے حق میں مثبت حق قدامت اور اس شئے کے مالک کے خلاف جبکہ اس مدت میں وہ اپنی شئے سے بے دخل رہتا ہے منفی حق قدامت کہلاتا ہے۔ اسی بناء پر قبضۂ دیرینہ کے ذریعے سے حقوق پیدا ہوتے اور بے دخلی دیرینہ کے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:- وہ ابتداءً عذر مقصود تھا جو مدعی علیہ عدالت کے اختیار سماعت کے خلاف کرتا تھا علیٰ ہذا لقیاس (praescriptio longitemporis) کے الفاظ عذر میعاد کی بابت پیش کئے جاتے تھے یعنے مدعی علیہ کی جوابدہی ہوتی تھی کہ دعوی مدعی خارج المیعاد ہے لہٰذا از راہ اختصار و تلویح پری اسکرپشن کی دیگر اشکال بتدریج لوگوں کے ذہن میں سے مفقود ہو گئی ہیں اور انگریزی زبان میں یہ لفظ محض حق قدامت کے معنوں میں باقی رہ گیا ہے ۱۲ -

ذریعے سے حقوق زائل ہوتے ہیں چنانچہ اگر کسی حق آسائش پر بیس برس تک میرا قبضہ رہے تو اس مدت کے اختتام پر نہ صرف قابض بلکہ مالک بھی قرار پا سکتا ہوں یعنے جو شئے میری مقبوضہ ہے وہ میری ملک ہو جاتی ہے۔ اس کی ضد یہ شکل ہے اگر میں اپنی ملکی زمین پر بارہ سال تک قابض نہ رہوں تو اس مدت کے ختم ہوتے ہی وہ میری ملک یا قبضے سے خارج ہو جائے گی۔ حق قدامت کے ان دونوں اقسام میں واقعہ اور حق قبضہ اور ملکیت ایک دوسرے سے مطابق اور ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ واقعہ سے حق پیدا ہوتا ہے حق کا مبدا واقعہ ہے اگر واقعہ کی جڑ کاٹ دیجائے یا اس کی جڑ میں کیڑا لگ جائے تو حق جو اس کی فرع ہے مرور زمانہ کے ساتھ کملا کر خشک ہو جائے گی اگر واقعہ موجود ہے اور اس کی اصل مضبوط ہے تو اس کی کمزور فرع (یعنے حق) مرور زمانہ کے ساتھ بالیدہ اور برومند ہوگا۔

اکثر صورتوں میں حق قدامت کی یہ دونوں قسمیں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں جس جائداد کو ایک شخص بے دخلی دیرینہ کی وجہ سے کھو بیٹھتا ہے وہی جائداد قبضۂ دیرینہ کی بنا پر دوسرے شخص کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اس پر بھی ہر ایک حالت میں اور بالعموم اس نتیجے کا واقع ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے بلکہ اکثر صورتوں میں اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ قانون میں قبضہ دیرینہ یا بیدخلی دیرینہ سے کس حالت کا زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے پہلی حالت کے موثر ہونے کی صورت میں حق قدامت مثبت اور دوسری حالت کو با اثر ماننے کی صورت میں حق قدامت منفی متصور ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مسلسل بارہ سال تک میں اپنی زمین سے بے دخل رہوں اور اس مدت میں اس پر ایک غیر شخص نہیں بلکہ مسلسل چند اشخاص تصرف میرے مقابلے میں بلکہ ایک دوسرے کے مقابلے میں یکے بعد دیگرے قابض رہیں تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قانوناً کس قسم کے حق قدامت کا اس شکل پر اطلاق کرنا چاہیے اگر اس شکل میں ازروئے قانون مثبت حق قدامت مستند سمجھا جائے تو اس کا اثر میری بے دخلی پر نہیں پڑ سکتا اور میری یہ شئے میری ہی ملک سمجھی جائے گی لیکن اگر قانوناً منفی حق قدامت مستند سمجھا جائے (جیسا کہ انگریزی قانون میں بھی حق قدامت تسلیم کیا جاتا ہے) تو میری ملک میں بے دخلی کی وجہ سے میرا حق ملکیت

زائل ہوجاتا ہے۔ ایسے حالات میں جیسا کہ اس مثال میں فرض کئے گئے ہیں میرے حق ملکیت زائل ہونے کے بعد ان قابضین میں سے کون قابض میری جائداد کا مالک ہو سکتا ہے اور اس کے حق ملکیت کی بناء یا آخذ کیا شئے ہے اس مسئلہ کا حل حق قدامت نہیں ہے بلکہ ایسے قواعد ہیں جن کے ذریعے سے انسان ان اشیا کو حاصل کر سکتا ہے جو کسی کی ملک نہیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک قانونی مقولہ ہے کہ اس شخص کو جس نے شئے متنازعہ پر سب سے پہلے قبضہ حاصل کیا ہو اصل مالک کے سوا دوسرے تمام مدعیان قبضہ کے مقابلے میں بہتر حق (یعنے ملکیت) حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا ان دونوں اصول کے لحاظ سے میری شئے کے قابضین مخالف میں سے سب سے پہلے جس شخص نے اس شئے پر قبضہ حاصل کیا ہے اس کو اس کی ملکیت بھی ملے گی لیکن حق ملکیت کا شمار اسی وقت سے کیا جائے گا جس وقت سے مجھ اصلی مالک کا حق ملکیت اُس شئے سے زائل ہوتا ہے۔

قبضے اور ملکیت واقعہ اور حق کی مطابقت و مجانست کی نسبت جو قیاس ہے اس قیاس پر حق قدامت مبنی ہے اور اس کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ عموماً مالک شئے اس کا قابض ہوتا ہے اور جو شخص جس چیز کا مالک ہوتا ہے وہی اس کا قابض بھی ہوتا ہے۔ چونکہ اس شکل میں واقعہ اور حق بالعموم ایک دوسرے کے مطابق اور موافق ہوتے ہیں اس لئے پہلی حالت دوسری حالت کی شہادت سمجھی جاتی ہے جب کسی شخص کو حقیقت اور واقع میں کسی شئے پر قبضہ حاصل نہ ہو تو اس امر کی شہادت یا دلیل ہے کہ قانون میں بھی وہ شئے اسی شخص کی ملک ہے۔ ایسا ہی اگر ایک شئے ایک شخص کی مقبوضہ نہ ہو تو قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی مملوکہ ہی نہیں ہے۔ بے دخلی دلیل ہے اس امر کی کہ وہ شئے جس سے کوئی شخص بے دخل ہو اس کی ملک نہیں ہے اس لئے دخل یا بے دخلی کی جس قدر طویل مدت ہو اسی قدر ان دونوں واقعات یا حالات کی بحیثیت شہادت زیادہ وقعت و منزلت ہے۔ چنانچہ اگر میں ایک روز کے لئے کسی قطعۂ زمین پر قابض ہو جاؤں تو میری ملکیت کے متعلق ایک نہایت خفیف سا قیاس پیدا ہوتا ہے لیکن اگر میں اس پر مسلسل بیس سال تک قابض رہوں تو میرے اس زمین کے مالک ہونے کی نسبت نہایت مستحکم اور قوی قیاس قائم ہو سکتا ہے۔ علی ہذا القیاس اگر میں

اپنے کسی وصول طلب دین کے متعلق تاریخ ادائی سے چھ مہینے تک طلب و تقاضا نہ کروں تو لوگ میرے ادعا کو اس قدر بے اصل یا اس دین کے ایصال کی نسبت اس قدر قوی قیاس نہ کریں گے جیسا کہ دس سال گذر جائیں اور اس کی ادائی کے متعلق میری جانب سے طلب اور تقاضا نہ کیا جائے۔

لہذا اگر میں کسی چیز پر قابض ہونے کے بعد اس کی ملک کا ادعا کروں تو حصول ملکیت کے لئے میرا قبضہ بطور شہادت پیش کیا جا سکتا ہے اور جس قدر میرا قبضہ دیرینہ ہوگا اسی قدر ملکیت کے ثبوت میں میری شہادت قوی اور معتبر سمجھی جائیگی۔ اس میں شک نہیں کہ قبضے کی شہادت محض واقعے کی شہادت ہے لیکن اس طرح جو واقعے کی شہادت پیش کی جاتی ہے اس کو ہر ایک قسم کی دوسری قوی شہادت پر ترجیح اور فضیلت حاصل ہے کیونکہ مرور زمانہ کی وجہ سے ملکیت ثابت کرنے کے جو دوسرے ذرائع شہادت تحریری اور لسانی کی شکل میں موجود ہیں مفقود ہو جاتے ہیں چنانچہ مدت دراز کے بعد اکثر دستاویزات حقیت کا گم جانا گواہوں کے حافظ کا قصور کرنا گواہوں کا فوت ہونا ممکنات سے ہے لہذا جس صورت میں دستاویزی یا لسانی شہادت ملکیت کے متعلق نہ پیش ہو سکے تو قبضۂ دیرینہ کے ذریعے سے کسی شئے کی ملکیت کا ثابت کرنا نہایت احسن طریقۂ شہادت ہے۔ اسی طرح سے بے دخلئ دیرینہ کی صورت میں مالک کا حق ملکیت اس کی شئے کے متعلق کمزور ہو جاتا ہے اور جس شخص کا اس شئے پر قبضہ رہتا ہے اسی کے حق ملکیت کے متعلق قیاس قانونی مستحکم ہوتا جاتا ہے۔

بہر حال قبضے اور بے دخلی پر خصوصاً حق قدامت کے قانون کی بنا رہے جس طرح اور اشکال میں قانون ملک نے بعض امور کو ثبوت قطعی قرار دیا ہے اس طرح اس شکل میں مرور زمانہ کو قانون نے قطعی اور کامل ثبوت مان لیا ہے۔ قانون میں قبضۂ دیرینہ کی صحت اور جواز کی نسبت قیاس قطعی ہے اور ملکیت کے ایسے دعاوی کو ناجائز سمجھنے کے متعلق قطعی قیاس ہے جو بے دخلی دیرینہ کے بعد رجوع کئے جاتے ہیں۔ قانون میں مرور زمانہ نہ صرف حقوق کے اثبات و نفی کی شہادت خیال کیا جاتا ہے بلکہ حقوق کے پیدا اور زائل ہونے کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے گو ظاہر میں حق قدامت کی اس درجہ قدر و منزلت نہ معلوم ہوتی ہو لیکن قانون میں اس کی شان اعلیٰ اور ارفع ہے

اور اس کا مرتبہ قانون شہادت سے زیادہ ہے حتی کہ اس کا شمار قانون اصلی میں کیا جاتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ جس طرح دوسرے قطعی قیاسات قانونی کی کامل صحت اور جواز کا پتا چلانا مشکل ہے اسی طرح اس قیاس قطعی کا کامل صحت وجواز پر مبنی ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس کے جواز کے متعلق جن دلائل اور براہین کا فقرات بالا میں حوالہ دیا گیا ہے اگر ان کا صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو حق قدامت انصاف کا بہترین آلہ یا ذریعہ قرار پا سکتا ہے۔ چنانچہ بلحاظ واقعات یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ ایسا دین جس کے وصول پانے کا داین نے چھ سال تک ادعا نہ کیا ہو بے بنیاد ہے لیکن قانون میں اس قسم کے دین کو بے اصل اور غلط قیاس کرنے کا جو اصول قرار دیا گیا ہے وہ ضرورت اور مصلحت پر مبنی ہے دائنین کے حق میں قانون کی یہ سختی تازیانہ کا کام کرتی ہے۔ اس قیاس کی وجہ سے دائن کو ہمیشہ یہ خیال لگا رہتا ہے کہ دین کے مدیون سے طلب کرنے میں اس قدر زمانہ گذر نہ جائے جس کی وجہ سے عدالت میں اس کا دعویٰ اشتباہ کی نظر سے دیکھا جائے۔ چونکہ ایسے مالک کو ثبوت ملکیت کے پیش کرنے کے متعلق جو زمانۂ دراز تک بیدخل رہا ہو دشواری ہوتی ہے اور جو شہادت وہ پیش کرتا ہے مرور زمانہ کی وجہ سے اکثر غلط ثابت ہوتی ہے اس لئے اس دشواری اور غلطی کو رفع کرنے کی غرض سے قانون میں واقعہ (قبضہ) اور حق (ملکیت) کی مطابقت اور مجانست کی نسبت جو مدت معینہ کے بعد ان میں پیدا ہوتی ہے ازروئے قانون جو قطعی قیاس ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لہذا جس شخص کو اپنا حق ملکیت ثابت کرنا ہو اس کا فرض ہے کہ وہ قانون کی مقرر کردہ مدت کے اندر اپنا دعویٰ رجوع کرے ورنہ اس کا حق اس کی غفلت کی سزا میں ضبط کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قانون کا مقولہ ہے کہ قانون غافل کی نہیں بلکہ ہوشیار کی مدد کرتا ہے۔

حق قدامت کا دائرۂ عمل اور اثر جائداد غیر منقولہ کے حقوق تک محدود نہیں ہے۔ اس کا اثر نہ صرف جائداد پر پڑتا ہے بلکہ ذمام اور واجبات (obligations) اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ مثبت حق قدامت کا تعلق محض ان حقوق سے ہے جن پر شخص کا قبضہ ہو سکتا ہے یعنے ایسے تمام حقوق جن پر شخص تصرف کر سکتا یا جن سے وہ

متمتع ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قبضہ کرنے کے قابل جو حقوق ہیں ان میں سے اکثر ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق جائداد غیر منقولہ سے ہوتا ہے۔ لیکن جن حقوق کا تعلق جائداد منقولہ سے ہوتا ہے یا جو حقوق خلاف شخص کہلاتے ہیں وہ عموماً تصرف اور تمتع کے ذریعے سے زائل اور فنا ہو جاتے ہیں اس لئے شخص نہ تو ان پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ وہ حق قدامت کے ذریعے سے کسی کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر بھی حقوق خلاف شخص کی صنف میں بہت ہی ایسے حقوق ہیں جن پر شخص قبضہ کر سکتا ہے اور اس لئے از روئے نظریہ شخص کا ان کو بثبت حق قدامت کے ذریعے سے حاصل کرنا ممکن ہی ہے مگر زمانۂ موجودہ کے قانون نے کسی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے حق قدامت کے ذریعے سے ان کے حاصل کئے جانے کو نامنظور کیا ہے لہٰذا اس قسم کے حق قدامت کا تعلق قانون جائداد سے مخصوص سمجھنا چاہئے۔ اس کے برعکس منفی حق قدامت کا تعلق قانون جائداد اور قانون واجبات دونوں سے مشترک ہے۔ چنانچہ مرور زمانہ کی وجہ سے اکثر واجبات فنا ہو جاتے ہیں چونکہ ان واجبات کی ملکیت کے ساتھ قبضے کی موجودگی نہیں ہوتی ہے اس لئے ان کے وصول پانے کے متعلق دائنین کے ادعا نہ کرنے کی وجہ سے جو مدت گذرتی ہے اس کے مٹانے والے اثر سے انھیں کوئی شئے محفوظ نہیں کر سکتی۔[1]

منفی حق قدامت کی دو قسمیں کامل اور ناقص ہیں اور اس دوسری قسم کو میعاد سماعت بھی کہتے ہیں۔ دوسری قسم کے منفی حق قدامت کے مقابلہ میں اس کی پہلی قسم کا ایک مخصوص اور تنگ مفہوم ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے کامل حق قدامت سے مراد اصلی حق کا ازالہ ہے اور ناقص حق قدامت کا مقصد حق نالش کا جو اصلی حق کا معین اور ممد ہے سقوط ہے حالانکہ اصلی حق موجود رہتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر پہلی شکل میں مدعی کا اصلی حق زائل اور فنا ہو جاتا ہے لیکن دوسری شکل میں اس کا اصلی حق

[1] بہرحال یہ بات بالکل صاف ہے کہ جب تک کوئی دین یا واجب حقیقت میں قابل ادائی اور قابل ارجاع نالش نہ ہو مرور زمانہ کی وجہ سے اس کی صحت اور جواز کے خلاف کوئی قیاس نہیں پیدا ہو سکتا لہٰذا دائن کے خلاف اور مدیون کی تائید میں میعاد اس روز سے نہیں شروع ہوتی ہے جس روز سے اس دین کا نفاذ ہوا بلکہ میعاد کا شمار اس روز سے کیا جاتا ہے جس تاریخ سے دین وصول طلب اور قابل ارجاع نالش ہوتا ہے۔

جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ دعویٰ کرنا چاہتا ہے باقی رہتا ہے لیکن حق نالش یعنے دعویٰ کرنے کا حق مرور زمانہ کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔ دوسری شکل میں مدعی کا اصلی حق جو کامل اور قابل نفاذ تھا وہ اپنی شان سے گھٹ کر ناقص اور ناقابل نفاذ قرار پاتا ہے۔

بارہ سال کی بے دخلی سے ملکیت زمین کا زائل ہونا کامل حق قدامت کی مثال ہے ایسی زمین کے مالک کا اس کی دوازدہ سالہ بے دخلی کی وجہ سے نہ صرف حق ملکیت زائل ہوتا ہے بلکہ اس کا دعویٰ دخل رجوع کرنے کا حق بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ کسی مال یا جائداد منقولہ کے مالک کا چھ سال تک اپنی جائداد سے بے دخل رہنا ناقص حق قدامت کی تمثیل ہے۔ اگرچہ اس جائداد کے مالک کا حق نالش جس کے ذریعہ سے وہ اپنے مال یا شئے کو پاسکتا ہے زائل ہوجاتا ہے اس پر بھی اس جائداد یا شئے کا وہی مالک سمجھا جاتا ہے اس کی ملکیت حق کامل سے گھٹ کر حق ناقص ہوجاتی ہے لیکن باقی رہتی ہے۔ ایسا ہی اگر داین وصول دین کے متعلق تاریخ مناط نالش سے چھ سال کے اندر دعویٰ پیش نہ کرے تو اس کا نالش کا حق ساقط ہوجاتا ہے لیکن دین مستاصل نہیں ہوتا بلکہ جاری اور واجب الادا رہتا ہے۔

فصل ۱۶۳ اقرار

ہم نے اس کتاب کے کسی حصے میں اس سے پہلے نہایت تفصیل سے اس عام نظریئے کے متعلق بحث کی ہے جو اقرار کی بناء ہے اور اس بحث و تحقیق میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اقرار حقوق کا ماخذ ہے۔ ناظرین کتاب کو یہ بات بھی یاد رہی ہوگی کہ اصطلاح اقرار میں نہ صرف معاہدات داخل ہیں بلکہ جس قدر ذوجہتین افعال و معاملات قانونی ہیں ان سب پر یہ لفظ حاوی ہے۔ ذوجہتین افعال سے ہماری مراد دو یا دو سے زیادہ اشخاص کا اپنی مرضی اور رضامندی کا بحیثیت فریقین معاملہ اظہار کرنا ہے اور اس کے ذریعے سے اپنے تعلقات قانونی میں تبدیل پیدا کرنی ہے۔ اس وسیع مفہوم کے لحاظ سے قانون جائداد میں جس قدر اقرار کی اہمیت ہے اسی قدر وہ قانون واجبات میں ضروری اور مفید ہے۔

اقرار جو جائداد غیر منقولہ کے حقوق کا ماخذ ہے اس کی دو قسمیں ہیں یعنے انتقال اور عطا۔ انتقال کے ذریعے سے موجودہ حقوق ایک مالک سے دوسرے مالک کو منتقل ہوتے ہیں اور عطا کے ذریعے سے معطی کے موجودہ حقوق پر جدید حقوق پیدا کر کے ایک قسم کا بار عائد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پٹے کا عطا کرنا ایسا اقرار ہے جس کے ذریعے سے معطی اپنی زمین کا پٹہ (حق مقابضت) معطی لہ کو عطا کرتا ہے اور اس پٹے کی وجہ سے معطی کے نری ہولڈ حق پر جو اس کو حاصل ہے بار عائد کیا جاتا ہے۔ اسکے برعکس انتقال پٹہ کی کیفیت ہے۔ انتقال کے ذریعے سے پٹہ دار اپنی زمین کا ذیلی پٹہ منتقل الیہ (یعنے ذیلی پٹہ دار) کو منتقل کرتا ہے۔ اقرار کے لئے کسی مقررہ شکل یا ضابطے کے مطابق کیا جانا اور نہ کیا جانا دونوں باتیں ممکن ہیں، اقرار باضابطہ ہی ہو سکتا ہے اور بے ضابطہ بھی اگرچہ ہم نے سابق میں باضابطہ اقراروں کی نوعیت اور تفصیل بیان کر دی ہے لیکن ان میں سے ایک قسم کے اقرار کا قانون جائداد سے خاص تعلق ہے لہذا اس فصل میں اس کا بالاجمال اعادہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس سے ہماری مراد حوالگی قبضہ ہے اسی کو قانون روما میں ٹراڈیشیو (traditio) کہتے ہیں[1] مالک جائداد کا کسی شئے کو اپنی رضا و رغبت سے انتقال کرنے کی صورت میں اس کے قبضے کا منتقل الیہ کو حوالہ کر دینا قانون روما کا ایک زبردست بنیادی اصول تھا جو حوالگی قبضہ یا حق قدامت کی وجہ سے (شخص کو) کسی شئے میں ملکیت حاصل ہوتی ہے محض اقرار کے ذریعہ سے ملکیت منتقل نہیں ہو سکتی[2]۔ ایسا ہی انگریزی قانون میں ۱۸۴۵ء تک قیاس یا از روئے نظریہ حوالگی قبضہ کے سوائے زمین کا کسی دوسرے طریقہ سے منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ اگر زمین کا قبضہ منتقل نہ کیا جاتا تو دستاویز انتقال جو کسی قطعۂ زمین کے متعلق مرتب و مکمل کیا جاتا بے اثر ثابت ہوتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ صدیوں سے عمل اس نظریہ کے خلاف کیا جاتا تھا انگلستان کے قدیم قانون امانت (the st. of uses) کے ذریعہ سے قبضہ کے حوالہ کرنے کا ایک مصنوعی یا فرضی طریقہ نکل آیا تھا

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ دستور انگلستان برائے انٹرمیڈیٹ تشریحات صفحہ ۱۴۔

[2] سسمر و ۲ - ۳ - ۲۰ -

اور لوگ انتقال زمین کو اس فرضی حوالگی قبضہ کے ذریعے سے جائز اور مستند قرار دلواتے تھے جس کی بناء پر زمین کے ساتھ منتقل الیہ کو اس کی ملکیت بھی پہنچتی تھی۔ لیکن ایک دوسرا قانون[ل] جس کے ذریعے سے نظریۂ قانون میں بھی قبضے کے بغیر زمین کی ملکیت منتقل ہوسکتی ہے حال ہی میں نافذ ہوا ہے۔ اس کے برعکس انگلستان کے قانون غیر موضوعہ نے سیکڑوں برس قبل جائداد منقولہ کے متعلق طے کردیا تھا کہ قبضے کے بغیر اس کی ملکیت کا منتقل کرنا ممکن ہے اور اس طرح اس قدیم اصول کی جو وہاں کے قانون غیر موضوعہ سے بھی زیادہ پرانا تھا قطع و برید کردی تھی۔ چنانچہ منتقل الیہ کے حوالے کئے جانے کے بغیر جائداد منقولہ یا مال کو بذریعہ دستاویز منتقل کرنا ممکن ہے ایسا ہی مشتری کو حوالے کئے جانے کے بغیر مال واسباب بذریعۂ بیع بحق مشتری منتقل ہوسکتا ہے لیکن آج کے دن بھی مال یا جائداد منقولہ کی ہبہ کو مکمل اور جائز کرنے کے لئے اس کے قبضہ کو منتقل کرنے یعنے اس شئے کا منجانب واہب موہوب لہ کے حوالے کیا جانا لازمی[ع] ہے۔

ہبہ اشیاء کے متعلق حوالگی قبضہ کی جو ضرورت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون ملک میں ابھی تک قدیم خیال کا اثر باقی رہگیا ہے۔ اس کو ان ایام قدیمہ کی یادگار سمجھنا چاہیئے جبکہ قانون میں قبضہ زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کی خاص اہمیت تھی جو اب اس قدر باقی نہیں رہی ہے۔ اس زمانہ میں ملکیت معین قبضہ سمجھی جاتی تھی قبضہ حق اصلی اور ملکیت حق ذیلی خیال کی جاتی تھی اسی بناء پر اگر مالک کا قبضہ اس کی شئے پر نہ ہوتا تو وہ اس کی ملک نہیں سمجھی جاتی تھی کیونکہ مالک اپنے ایک نہایت اہم حق یعنے قبضے سے محروم ہوکر کیونکر اس شئے غیر مقبوضہ کا مالک بن سکتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس جس شخص کو قبضہ پانے کے دعوے میں کامیابی نہ ہوتی وہ شئے مدعوہ کا مالک نہیں متصور ہوسکتا تھا حالانکہ دخل پانے کی نسبت اس کا دعویٰ کتنا ہی سچ کیوں نہ ہوتا۔ انتقال شئے سے مراد انتقال قبضہ لی جاتی تھی اور جب تک قبضہ کسی شئے کا منتقل نہ کیا جائے اس شئے کا منتقل کرنا ناممکن تھا۔

[ل] قانون (موضوعہ) وکٹوریہ ۶۹ء جلوس وکٹوریہ باب ۱۰۶ فصل ۲۔

[ع] کاک رین بنام مورگو نتز نیچ ڈویژن جلد ۲۵ صفحہ ۵۷۔

مگر اس زمانے کے مقننین کی عقلیں انتقال حقوق کے متعلق ساکت تھیں۔ چونکہ اشیاء (جن سے مراد وہ لوگ مادی اشیاء لیا کرتے تھے) کا تعلق جسد و جسمانیات سے ہے اور وہ نظر آتی نہیں اس لئے ان ہی کے قبضے اور انتقال کی بابت لوگوں نے عقلیں لڑائی ہیں انتقالات حقوق کا مبحث آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔

بعض صورتوں میں قبضے کا حوالہ کیا جانا از روئے قانون ضروری ہے اور حوالگی قبضہ کے بغیر جیسا کہ جائداد منقولہ کی شکل میں جائداد کا انتقال جائز نہیں خیال کیا جاتا اس کو یک گونہ اقرار انتقال کے متعلق پابندی ضابطہ (یا ادائے رسم) سمجھنا چاہیئے اور جو غرض دیگر ضوابط کی ہے وہی اس ضابطے اور رسم کی ہے۔ اس ضابطہ کی پابندی سے اس اقرار کے متعلق شہادت فراہم ہوسکتی ہے جو فریقین کے درمیان انتقال مال یا اسباب کی بابت کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے فریقین کو معاملے سے دست بردار ہونے اور اقرار کی پابندی سے گریز کرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ ان پر ایسے وعدوں کی ذمہ داری عائد ہوگی جنکے متعلق انھیں زیادہ غور و فکر کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔

یہ ایک مشہور اور زبردست قانونی اصول ہے کہ کسی معطی لہٗ یا منتقل الیہ کا حق اپنے معطی یا منتقل کنندہ کے حق سے بہتر نہیں ہوسکتا معطی اور منتقل کنندہ اسی حیثیت اور نوعیت کا حق معطی لہٗ اور منتقل الیہ کو عطا اور منتقل کرتا ہے جس حیثیت اور نوعیت کا حق اسے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ قانون روما میں اس اصول کے متعلق یہ قول ہے کہ کوئی شخص اس حق سے بہتر حق جو اس کے پاس ہو دوسرے کو نہیں منتقل کرسکتا ہے[1]۔

لیکن یہ قاعدہ بھی متعدد اور اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ یہ قاعدہ قدیم ہے اور اس کے مستثنیات جدید ہیں بلکہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر قانون کی ترقی انھیں اصول اور امور پر آئندہ بھی جاری رہے

[1] ڈائیجسٹ ۵۰ - ۱۷ - ۵۴ -

جن اصول پر موجودہ زمانے میں قانون نے ترقی کی ہے تو ان مستثنیات میں اور بھی اضافہ ہوگا اور اس قدیم اصول اور قاعدے کے اصلی مفہوم میں اور بھی کمی واقع ہوگی۔ یہ قدیم قاعدہ اور اس کے جدید مستثنیات دو متضاد اغراض پر مبنی تھے۔ اس قدیم اصول کا مقصد حقوق محصلہ یا قائم کردہ حقوق کی صیانت اور طمانیت ہے۔ جس شخص کو اس قاعدے کے زیر اثر کسی حق کامل کے حاصل کرنے میں کامیابی ہو اس کے لئے یہ قاعدہ سپر کا کام دیتا ہے اور وہ اس کے زیر حمایت اپنے حق کو بچانے کے لئے ہر ایک شخص سے مقابلہ کر سکتا ہے حتی کہ تمام دنیا اس کے مقابلے پر کھڑی ہو جائے اس سے ان سب کا حملہ رد کرنا ممکن ہے۔ اس کے برعکس اس کے مستثنیات کی غرض ہے۔ مستثنیات سے صرف ایسے اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو کسی جائداد کا حاصل کرنا منظور ہو اور قاعدے سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو جائداد کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہوں یعنے جنھیں اس محصلہ جائداد کی حفاظت وصیانت منظور ہو۔ انسان کے لئے ایسے حق کا حاصل کرنا جس کے دیگر اشخاص مدعی نہ ہوں یا جس کی نسبت کسی جھگڑے یا فساد کے برپا ہونے کی نوبت نہ آئے زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس امر کے کہ اس کے حاصل ہونے کے بعد وہ اس کے پاس محفوظ ومصئون نہ رہے۔ اس قسم کے دو متضاد اغراض میں مصالحت اور اتحاد پیدا کرنا قانون ملک کا فریضہ ہے۔ چونکہ اس زمانے میں ضرورت ہے کہ لوگوں کو جائداد کے حاصل اور منتقل کرنے میں آسانی ہو اور ان معاملات میں جس قدر سرعت سے کام لیا جائے اسی قدر مناسب ہے لہٰذا زمانہ موجودہ کے قانون کا رجحان قدیم قاعدے کے اثر کو جس کے ذریعے سے حق مقابضت (یا حقیت) کی صیانت کی جاتی ہے کم کرکے اس کے مستثنیات کو جن کے ذریعے سے جائداد یا حقوق کا زیادہ آسانی اور کسی تعویق کے بغیر حاصل اور منتقل کرنا ممکن ہے فروغ دینا اور ان میں اضافہ کرنا ہے۔

ان مستثنیات کی دو قسمیں ہیں (۱) ایسے مستثنیات جن کا تعلق اس فرق سے ہے جو قانونی اور نفعتی ملکیت میں پایا جاتا ہے اور (۲) ایسے مستثنیات جن کی بناء ملکیت اور قبضے کا امتیاز ہے۔ اس سے پہلے ہم نے بیان کیا ہے اور ناظرین کتاب بھی اس امر سے بخوبی واقف ہونگے کہ ایک ہی جائداد کی قانونی ملکیت ایک شخص کو

اور نصفتی ملکیت دوسرے شخص کو حاصل ہوتی ہے نیز وہ شخص جو اس جائداد کا از روئے قانون
مالک سمجھا جاتا ہے امین ہے اس شخص کے لئے جو از روئے نصفت اس کا مالک ہے۔
پہلا شخص دوسرے شخص کی جانب سے اور اس کو اس جائداد سے فائدہ پہنچانے کی غرض سے
اس پر قابض رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس امانت کے فریضے سے پہلے شخص کی جائداد
زیر بار یا مکفول ہو جاتی ہے اس پر بھی امین اس بار کفالت کے بغیر یہ جائداد شخص ثالث
کو دے سکتا ہے بشرطیکہ شخص ثالث نے اس کی قیمت ادا کی ہو اور بوقت خریداری
اس کو موجودگی امانت کا علم نہ ہوا ہو۔ اس قاعدے کو مسئلۂ نصفت شرا مع ثمن و
بلا اطلاع کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص لاعلمی اور نیک نیتی سے کسی ناقص قانونی حق
(یا حقیت) کو خریدے تو اس کے حق کو کسی دوسرے شخص کے نصفتی اور مخالفانہ
حق کے ذریعے سے نقصان نہ پہنچنا چاہیئے۔ بہر حال امانت کی حد تک مالک قانونی
اپنی حقیت سے زیادہ بہتر حقیت اس مقولے کے باوجود کہ جس کے پاس جو
چیز نہ ہو وہ اس چیز کو کسی دوسرے شخص کو نہیں دے سکتا منتقل الیہ کو دے سکتا ہے۔
دوسری قسم کے مستثنیات ان اشکال پر مبنی ہیں جن میں جائداد کی ملکیت
ایک شخص کو اور قبضہ دوسرے شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ انگلستان کے قانون غیر موضوعہ
اور موجودہ قوانین موضوعہ کے ذریعے سے بعض صورتوں میں قابض جائداد اپنے حق
(قبضہ) سے بہتر حق (ملکیت) منتقل الیہ کو عطا کرنے کا مجاز قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ
منتقل الیہ نیک نیتی سے قابض کو جائداد کا صحیح اور جائز مالک باور کرتا ہو۔ اس قسم کے
اشکال کی بناء یہ قیاس قانونی ہے کہ جو شخص قابض شئے ہے وہی مالک شئے ہے۔ چنانچہ
قانون نے ان لوگوں کو جو نیک نیتی سے اس قیاس پر عمل کرتے ہیں حصول حقیت
کا مجاز قرار دیا ہے اور جو حق ان شرائط کے ساتھ جس شخص کو حاصل ہوتا ہے خواہ وہ
دراصل ناجائز ہی کیوں نہ ہو ہر ایک صورت میں قانوناً صحیح اور جائز تصور کیا جاتا
ہے۔ ان مستثنیات میں سب سے زیادہ مشہور مثال دستاویزات قابل بیع و شرا
کی ہے۔ مثلاً کرنسی نوٹوں پر غور کیجئے۔ کسی کے قبضے سے کسی بنک نوٹ کے
برآمد ہونے سے وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا کیونکہ اس کے متعلق اس قسم کے
احتمالات ہو سکتے ہیں کہ قابض نے اس نوٹ کو کہیں پڑا ہوا پا لیا ہو یا کسی دوسرے

شخص کے یہاں سے چرا لیا ہو اس پر بھی یہ نوٹ اس شخص کی ملک ہو سکتے ہیں جس نے کسی سارق وغیرہ سے نیک نیتی سے قابض ناجائز کو اس کا مالک باور کر کے اور اس کی قیمت ادا کر کے اسے خرید اہو۔ ایسا ہی تاجروں کے مختار اور گماشتے جن کے قبضے میں ان کے مالکوں کا مال تجارت رہتا ہے ایسے تجارتی مال کی ملکیت شئے[1] موثر طور پر منتقل کر سکتے ہیں حالانکہ ان کے مالکوں نے انھیں انتقال ملکیت کا اختیار دیا ہو یا نہ دیا ہو[2]۔

فصل ۱۶۴ وراثت

چوتھا اور آخری طریقہ حصول جائداد کا جس کی ہم تحقیق کرنا چاہتے ہیں وراثت ہے

---

[1] قانون گماشتگاں و مختار بابت ۱۸۸۹ء۔

[2] انگریزی قانون سے زیادہ یورپ کے دوسرے ملکوں میں اس مسئلہ کا کہ قابض شئے (یعنے مال یا جائداد منقولہ) اپنے حق سے زیادہ بہتر حق (یعنے ملکیت شئے) منتقل الیہ کو دے سکتا ہے اثر ہے اور برطانوی سلطنت سے زیادہ ان ممالک میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ فرانسیسی مجموعہ قانون دیوانی نقرۂ ۲۲۷۹ میں یہ عام اصول درج ہے کہ ملکیت شئے سے اس کے مالک کے لئے یہ حق مستخرج نہیں ہو سکتا کہ جو شخص ثالث نیک نیتی سے اس شئے کو حاصل کرے اس کا تعاقب اس کا مالک کرے یعنے اشخاص ثالث کا نیک نیتی سے کسی شئے پر قبضہ ہو جانے کے بعد اس شئے کا مالک ان سے اپنی شئے واپس نہیں لے سکتا۔ یہ قاعدہ بھی اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے کیونکہ مال مسروقہ اور گم شدہ مال پر اس کا اطلاق نہیں کیا جاتا ہے لہذا اس قاعدہ کو ایسے اشکال کے لئے ایک کلیہ سمجھنا چاہیئے جن میں مالک شئے اپنی رضا و رغبت سے اس شئے کا قبضہ کسی دوسرے شخص کے تفویض کرتا ہے۔ اسکی تمثیلات ایسی صورتیں ہیں جن میں گروی رکھنے والا مستعار لینے والا تحویلدار یا ایجنٹ یعنے مختار مالک کی رضامندی سے اس کی شئے پر قابض تو ہو جاتے ہیں لیکن ناجائز طور سے وہ شئے شخص ثالث کو منتقل کر دیتے یعنے فروخت کرتے ہیں۔ باڈری لکن تی نیرڈی لا پری اسکرپشن باب ۲۰ اس کے علاوہ ملاحظہ ہوں جرمن مجموعہ قانون دیوانی دفعات ۹۳۲ تا ۹۳۵ اور اطالوی مجموعہ قانون دیوانی دفعات ۷۰۷ تا ۷۰۸۔ ان دونوں مجموعوں میں بھی اس قسم کا قانون درج ہے ۱۲۔

مالکان حقوق کی فوتی کے لحاظ سے حقوق کی دو قسمیں قابل توریث اور ناقابل توریث قرار دی گئی ہیں۔ اگر مالک حق کی وفات کے بعد اس کا حق باقی رہجائے تو قابل توریث حق ہے اور اگر مالک کی وفات کے بعد باقی نہ رہے بلکہ اس کے مرنے سے وہ زائل ہو جائے تو اس کو ناقابل توریث حق کہتے ہیں۔ اگرچہ حقوق کی اس تقسیم میں اور اُس تقسیم میں جو حقوق متعلق جائداد اور حقوق شخصی میں قرار دی گئی ہے بہت کچھ مشابہت اور مطابقت ہے لیکن دونوں تقسیمیں ایک نہیں ہیں بلکہ ان میں کسی قدر فرق ہے۔

شخصی حقوق کا انحصار ان ہی اشخاص پر ہے جن کو وہ حاصل ہوتے ہیں ان حقوق کا تعلق صاحبان حقوق کی ذات سے ہوتا ہے اور اس لئے جب صاحب حق فوت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا حق بھی فنا ہو جاتا ہے بہرحال شخصی حق کو شخص کی ذات یا اس کی شخصیت سے تعلق ہے اور اس قسم کا حق ذات شخص سے علیحدہ ہو کر ہستی جداگانہ کی حیثیت سے قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ لہٰذا شخص کی وفات سے اس کا شخصی حق نہ صرف ساقط ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے تمام حقوق کی کیفیت ہے بلکہ وہ بالکل زائل اور فنا ہو جاتا ہے اس پر بھی بعض صورتوں میں شخصی حقوق زائل نہیں ہوتے بلکہ یہ قائم مقامان متوفی کو وراثتاً پہنچتے ہیں جیسا کہ امارت موروثی اور اسکے ضمن میں سیاسی اور دیگر امتیازات کی حیثیت ہوتی ہے۔

اس کے برعکس حقوق جائدادی (ایسے حقوق جن کا تعلق جائداد سے ہوتا ہے) عموماً قابل توریث ہیں۔ صاحب حق کی موت سے حق جائدادی مٹ نہیں جاتا بلکہ ساقط ہوتا ہے یعنے بظاہر حق نظروں سے غائب ہو جاتا ہے لیکن اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ اس قاعدے کے بھی متعدد مستثنیات ہیں۔ مثلاً پٹہ حین حیاتی پٹہ دار کی وفات کے ساتھ ختم اور معدوم ہو جاتا ہے حالانکہ پٹہ کا شمار حقوق جائدادی یا حقوق ملکیت میں کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حین حیاتی پٹے کے سوا پٹے کے دیگر اقسام میں کسی نہ کسی مدت کا تعین کیا جاتا ہے اس لئے ان پر ان پٹہ دار کی موت کا اثر نہیں پہنچ سکتا۔ ملکیت مشترکہ کی بھی یہی خاصیت ہے کہ ایک شریک کی موت سے اس کا حق یعنے ملکیت زائل ہو کر باقی شرکائے موجود پر حق پسماندگی کے قاعدے سے منقسم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ٹارٹ کے متعلق جس قدر حقوق نالشات ہیں وہ

ضرر رسیدہ اشخاص کے فوت ہونے پر ان کے ساتھ ختم اور معدوم ہو جاتے ہیں بجز ان صورتوں کے جن میں انگلستان کے قانون ٹارٹ میں جس کا تعلق وہاں کے قانون غیر موضوعہ کے قواعد سے ہے قوانین موضوعہ کے ذریعے سے اس قسم کے حقوق نالشات کے متعلق ترمیم کی گئی ہے۔ بہرحال اکثر صورتوں میں انسان کی موت اس کی ملکیت کو جو اسے اس کے حقوق جائدادی پر حاصل ہے نیست و نابود کر دیتی ہے لیکن اس کا حق جائدادی باقی رہتا ہے۔

انسان کے مرنے کے بعد اس طرح اس کے جو حقوق باقی رہجاتے ہیں وہ اس کے قائم مقام کو حاصل ہوتے ہیں۔ قائم مقام سے مراد وہ شخص ہے جس کو متوفی نے بطور خود اپنی یا قانون ملک نے متوفی کی اس دنیا میں قائم مقامی کرنے کے لئے مقرر کیا ہو۔ چونکہ قائم مقام متوفی کی ذات کا حامل ہوتا ہے یا یوں کہیئے کہ قائم مقام متوفی کی ردائے شخصیت کو اوڑھے ہوئے ہوتا ہے اس لئے جس قدر میت کے حقوق اور ذمہ داریاں قابل توریث ہیں وہ تمام اس کی ذات میں ارثاً جمع ہو جاتی ہیں۔ وراثت گویا میت کی ایک قانونی اور فرضی شخصیت ہے جو اس کی وفات کے بعد اس دنیا میں ضرورتاً ایک زمانے تک جاری اور قائم رہتی ہے کیونکہ قانون کی رو سے قائم مقام متوفی کے بجائے شمار کیا جاتا ہے یعنے جن امور اور معاملات کا متوفی کی ذات سے تعلق ہو وہی امور اور معاملات اس کے قائم مقام سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ جن حقوق پر متوفی اپنی ذات سے متصرف نہیں ہو سکتا یا جن فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل یا ادائی وہ اپنی ذات سے نہ کر سکتا ہو اس کا قائم مقام ان حقوق سے متمتع اور ان فرائض کی تکمیل کرتا ہے یعنے میت کے امور کو ایک زندہ شخص انجام دیتا ہے۔ چنانچہ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ کہنا جائز ہے کہ ہرچند میت کی قدرتی شخصیت اس کی موت سے فنا ہو جاتی ہے لیکن اس دنیا میں اس کی قانونی شخصیت اس وقت تک باقی رہتی جب تک کہ اس کو اس کے فرائض اور ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل نہ ہو اور اس کی جائداد کی اس کے دائنین اور ورثا میں حسب ضرورت تقسیم نہ ہو جائے۔ اور زندہ انسانوں میں اس کی نیابت اور قائم مقامی کی ضرورت باقی نہ رہے[1]۔

---

[1] شخص متوفی کو اس کی وراثت اس دنیا میں زندہ رکھتی ہے (مطلب یہ کہ قائم مقام کے ذریعہ سے

اگرچہ متوفی کی جائداد (یا متروکہ) اس کے قائم مقام کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہر حالت میں قائم مقام کا ہی اس جائداد کا مالک انتفاعی ہونا لازم نہیں ہے۔ دو قسم کے اشخاص کو متوفی کی جائداد سے فائدہ پہنچانے کے لئے قائم مقام کا تقرر کیا جاتا ہے اور جائداد اس کے قبضے میں دی جاتی ہے۔ بعض صورتوں میں قائم مقام کا جائداد سے مستفید ہونے والے اشخاص میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں وہ ان اشخاص میں داخل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ان اشخاص کے ایک گروہ کو دائنین متروکہ اور دوسرے گروہ کو ماموں لہم یعنے استفادہ حاصل کرنے والے اشخاص کہتے ہیں۔ جس طرح انسان کے اکثر حقوق اس کے مرنے کے بعد اس دنیا میں باقی رہجاتے ہیں اسی طرح وہ اپنی متعدد ذمہ داریاں اور فرائض اپنے بعد یہاں چھوڑ جاتا ہے اور یہ ذمہ داریاں بھی مثل حقوق کے متوفی کے ورثہ میں آتی ہیں۔ ان فرائض اور ذمہ داریوں یعنے متوفی کے قرضوں کے ادا کرنے کا بار متوفی کی جائداد تک محدود ہے اگرچہ اس دنیا میں میت کے امور اور معاملات کا اس کے قائم مقام کے ذریعے سے انصرام کیا جاتا ہے لیکن میت کے دیون کی ادائی کی نسبت قائم مقام اپنی ذات سے ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس قسم کے فرائض کی تکمیل اس کو میت کے متروکہ سے جسقدر حاصل ہوتا ہے کرنی پڑتی ہے لہذا قائم مقام کی دو شخصیتیں یا قابلیتیں ہیں۔ دائنین میت میں سے جس شخص کو قائم مقام کے مقابلے میں بحیثیت وصی دین وصول طلب ہو وہ شخص اس قرضے کو قائم مقام کا ذاتی قرضہ نہیں قرار دے سکتا اور نہ قائم مقام کی ذات یا جائداد سے اس کو وصول کر سکتا ہے۔

دیون متوفی کی ادائی کے بعد متروکہ سے جو بچ رہتا ہے وہ ماموں لہم یعنے ان ورثہ اور قرابت داران متوفی میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جو اس کے پانے کے مستحق ہیں۔ ماموں لہم کی دو قسمیں (۱) ایسے اشخاص جن کے نام متوفی نے اپنی وصیت میں بتلا کر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ میت کے حقوق و فرائض کا انصرام کیا جاتا ہے اس لئے زمانۂ انصرام میں متوفی اپنے قائم مقام کے ذریعہ سے اس دنیا میں گویا زندہ رہتا ہے) ڈائیجسٹ ۱۴ - ۱-۳۴ ملاحظہ ہو ہومز کامن لا (برطانیہ کا قانون غیر موضوعہ) صفحات ۳۴۱ تا ۳۴۵ میں انشنٹ لا (قانون قدیم) صفحات ۱۸۱ تا ۱۸۲۔

ان کے حصص مقرر کردئے ہوں اور (۲) ایسے اشخاص جن کو متوفی نے بذریعۂ وصیت نامزد نہ کیا ہو بلکہ قانون ملک کی رو سے ما بقی جائداد متوفی میں حصہ پا سکتے ہوں۔ پہلی قسم کے اشخاص کی توریث وراثت بذریعۂ وصیت اور دوسرے گروہ کی توریث وراثت بلا وصیت کہلاتی ہے۔ گروہ ثانی کے متعلق ہم کو اس مقام پر زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کی بنسبت صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ ان کے حصص وغیرہ کا تصفیہ قانون سے حسب خواہشات متوفی کیا جاتا ہے اور متوفی کی جائداد ان لوگوں کو سلسلۂ قرابت کے لحاظ سے ملتی ہے۔ متوفی کے وصیت نہ کرنے اور اس کے قرابت داروں کی عدم موجودگی میں سلطنت اس کی دعویدار قرار پاتی ہے اور سلطنت برطانیہ میں متوفی کی جائداد مال لاوارث کی حیثیت سے تاج برطانیہ کو پہنچتی ہے۔

اس کے برعکس وراثت بذریعۂ وصیت کے متعلق چند امور کا ذکر کیا جانا ضرور ہے۔ اگرچہ کسی شخص کو مرنے کے بعد اپنی پسماندہ جائداد کے انتقال اور تقسیم کی بنسبت کسی قسم کا اختیار نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو صرف اس کی زندگی میں اس کی جائداد منتقل اور تقسیم کرنے کا اس دنیا میں اختیار دیا گیا ہے لیکن انسان وصیت کے ذریعے سے بعد وفات جائداد کو جس کو وہ اس دنیا میں چھوڑ جاتا ہے دیگر زندہ اشخاص کو دے سکتا ہے قانون میں وصیت کی خاص حرمت اور منزلت ہے اور اس کی خلاف ورزی قطعًا ناجائز سمجھی جاتی ہے۔ انسان اپنی آخری خواہشوں کا اظہار جس دستاویز کے ذریعے سے کرتا ہے اس کو بھی (انگریزی زبان میں) وصیت کہتے ہیں لیکن دوسری زبانوں میں وہ وصیت نامہ کہلاتی ہے بہرحال وصیت نامے کے ذریعے سے زندہ اشخاص کے حقوق اور ذمہ داریوں کا نصف صدی یا اس سے زیادہ مدت کے لئے تعین کیا جاتا ہے اور یہ ایسی دستاویز ہے کہ اس کے کاتب کے اس دنیا اور اس کے معاملات سے قطع تعلق اور کنج مرقد آباد کرنے کے بعد یہ اس دنیا میں نفاذ پاتی ہے۔ وصیت کا اثر قانون میں اس قدر تسلیم کیا گیا ہے کہ اسکا اختیار دست میت (Mortnamanus سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو اصول و قواعد نفاذ وصیت کے متعلق قانون میں ہیں لوگ ان سے اس قدر مانوس ہوگئے ہیں کہ انھیں ایک

معمولی بات خیال کرتے ہیں بلکہ وصیت کے سبب سے قانون میں جو عجیب و غریب کیفیت پیدا ہوئی ہے وہ مشکل سے کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

اس پر بھی مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے قانون نے میت کے اس اختیار کی نسبت جو اس کو زندہ اشخاص پر حاصل ہے چند قیود اور شرائط عائد کئے ہیں۔ اور ان قیود کے تین مخصوص اقسام ہیں۔

(۱) قیود نسبت مدت۔ انسان اپنے مرنے کے بعد ایک محدود مدت کے لئے اپنی خواہشات کے موافق اپنی جائداد کو منتقل کرسکتا ہے اور اسی محدود مدت کے لئے اس قسم کا انتقال جائداد از روے قانون صحیح اور جائز سمجھا جاتا ہے۔ موصی کا یہ قانونی فرض ہے کہ وہ اپنی جائداد کو اپنی وفات کے بعد ایک محدود مدت کے لئے اپنی خواہشات کے مطابق اس طرح منتقل کرے کہ ایک معین زمانے تک موہوب یا موہوبہم یا ان کے سلسلے میں حسب شرائط وصیت نامہ محدود رہے اور جائداد وصیتی سے منتقل الیہم مستفید ہوتے رہیں لیکن اختتام مدت پر اس کی کامل جائداد کسی ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص کی ملک مطلق قرار پائے اور وصیت کے ذریعے سے جو شرائط و قیود اس کے انتقال کے متعلق موصی نے عائد کئے ہوں وہ بطور خود کالعدم ہو جائیں۔ میت کی ایسی جائداد جس کے انتقال کے متعلق بذریعۂ وصیت مدت معینہ کے لئے قیود اور شرائط قائم کئے جائیں جائداد بدست میت کہلاتی ہے۔ اگر کوئی شخص قانون کی مقرر کردہ مدت سے زیادہ مدت کے لئے جائداد کو بدست میت رکھنا چاہے اور اس نیت سے بذریعۂ وصیت اپنی جائداد منتقل کرے تو اس کی وصیت کالعدم قرار پاتی ہے۔ انگریزی قانون میں اس مدت کے معین کرنے کی نسبت ایسے قواعد کا ایک مجموعہ ہے جو نہایت غور و فکر اور محنت و مشقت سے بنایا گیا ہے اور اس مقام پر ان کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۲) قیود نسبت مقدار جائداد۔ یہ دوسری قید ہے جو موصی کے اختیار پر عائد کی گئی ہے اگرچہ انگریزی قانون میں مقدار جائداد کی نسبت موصی کا اختیار محدود نہیں کیا گیا ہے لیکن دوسرے دساتیر قانونی میں موصی اپنی جائداد کی مخصوص مقدار کی بابت وصیت کرسکتا ہے اور وصیت کے اثر سے جو جائداد بچ رہتی ہے وہ

ازروئے قانون ان لوگوں میں تقسیم کردی جاتی ہے جن کی امداد اور پرورش کا موصی کفیل سمجھا جاتا ہے یعنے موصی کی زوجہ اور اطفال وغیرہ کو مابقی جائداد ملتی ہے۔

(۳) قیود نسبت مقصد وصیت۔ انسان کو اپنی جائداد بذریعہ وصیت منتقل کرنے کا اختیار اس لئے قانون میں دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مرنے کے بعد اپنے پسماندوں کو اس سے فائدہ پہنچائے لہذا وہ اپنے اس اختیار کو صرف اس حد اور اس غرض تک استعمال کرنے کا مجاز ہے۔ اگر انسان اس غرض سے تجاوز کر جائے تو اس کا انتقال جائداد کا اختیار بذریعہ وصیت قانون میں ناجائز متصور ہوتا ہے اس بناء پر کسی میت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی جائداد سے زندہ اشخاص کو محروم کرسکے مثلاً کوئی شخص اس طرح کی وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ اس کی زمینیں اس کے بعد افتادہ یا غیر مزروعہ رکھی جائیں اور نہ کوئی شخص یہ وصیت کرسکتا ہے کہ اس کا روپیہ اس کے ساتھ دفن کردیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد سمندر میں پھینکدیا جائے۔[1]

---

[1] بورن بنام برڈٹ چانسری ڈویژن جلد ۲ صفحہ ۶۶۷۔

خلاصہ

اصلی قانون دیوانی کے اقسام:-

۱- قانون جائداد- حقوق ملکیت (حقوق جائدادی) جن کا تعلق اشیا سے ہے۔
۲- قانون ذمام- حقوق ملکیت (حقوق جائدادی) خلاف اشخاص۔
۳- قانون حیثیت- حقوق شخصی۔

مفاہیم اصطلاح جائداد

۱- تمام قانونی حقوق۔
۲- تمام ملکیتی یا جائدادی حقوق۔
۳- تمام حقوق جائدادی متعلق شئے۔
۴- تمام حقوق ملکیت متعلق اشیائے مادی۔

اقسام قانون جائداد۔

۱- ملکیت اشیائے مادی- جائداد مادی۔
۲- حقوق در جائداد خود متعلق اشیائے غیر مادی مثلاً حقوق ایجاد و نشانات تجارت۔
۳- حقوق در جائداد غیر متعلق اشیائے مادی و غیر مادی مثلاً پٹہ جات امانتیں اور کفالتیں۔

ملکیت اشیائے مادی۔

اس کے صفات ضروری۔

۱- عمومیت۔
۲- استقلال۔
۳- وراثت۔

انگریزی قانون کی ملکیت زمین

منقولہ اور غیر منقولہ جائداد- زمین اور مال (جائداد منقولہ)

منقولہ اور غیر منقولہ حقوق۔

محل ومقام حقوق۔

ری ال اور پرسنل جائداد۔

اصطلاح چیٹل (مال یا جائداد منقولہ) کے مختلف معنے اور مفہوم۔

حقوق در جائداد خود متعلق اشیائے غیر مادی۔

۱۔ حقوق ایجاد۔

۲۔ ادبی حق تصنیف۔

۳۔ مصورانہ حق تصنیف۔

۴۔ موسیقی اور ناٹک کا حق تصنیف۔

۵۔ تجارتی شہرت نشانات تجارت اور تجارتی نام۔

اقسام بار جو جائداد پر ڈالا جا سکتا ہے۔

۱۔ پٹہ جات۔

ان کی نوعیت۔

ان کا موضوع۔

ان کی مدت۔

۲۔ اقسام سروی ٹیوڈ (جائداد غیر سے استفادہ کرنے کا حق)۔

ان کی ماہیت۔

ان کی اقسام۔

۱۔ عام اور خاص۔

۲۔ ملحقہ اور غیر ملحقہ۔

۳۔ اقسام کفالت۔

ان کی ماہیت

رہن اور لی ان۔

رہن کی مخصوص نوعیت۔

حق انفکاک

رہن { بہ طریقۂ انتقال
بہ طریقہ بار

جائداد مرہونہ کی ملکیت المفاعف۔

رہن کالی ان کی شکل اختیار کرنا۔

اقسام لی ان۔

حصول جائداد کے طریقے۔

اوّل۔ قبضہ۔

۱۔ شے بلا مالک کے متعلق حق مطلق کا حاصل ہونا۔ ملکیت مطلق۔

۲۔ شے غیر کے متعلق حق نسبتی کا پیدا ہونا۔ ملکیت مبنی بر قبضہ یا ملکیت قابض۔

دوم۔ حق قدامت۔

۱۔ مثبت یا حصولی۔

۲۔ منفی یا مزیل۔

حق قدامت کی بنیاد عقل پر مبنی ہے۔

قیام نسبت مطابقت ومجانست قبضہ وملکیت۔

اقسام حقوق جو حق قدامت کے تابع ہیں۔

حق قدامت { کامل / ناقص۔ میعاد سماعت نسبت ارجاع نالشات

سوم۔ اقرار

{ ۱۔ انتقال
{ ۲۔ عطا۔

{ ۱۔ باضابطہ (مطابق دستور یا رسم)
{ ۲۔ بے ضابطہ (خلاف دستور یا رسم)

اثر اقرار۔

جس شخص کے یہاں جو شے نہ ہو وہ کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔

مستثنیات

۱۔ فرق مابین ملکیت قانون وملکیت نصفت۔

۲۔ فرق مابین ملکیت وقبضہ۔

چہارم ۔ وراثت ۔

حقوق { قابل توریث / ناقابل توریث ،

قائم مقامان اشخاص متوفی ۔

دائنین اشخاص متوفی

مامون الیہم اشخاص متوفی

۱ ۔ بلا وصیت

۲ ۔ بالوصیت

قیود بنسبت اختیار وصیت ۔

اکیسواں باب

قانون ذمام وجوب

فصل ۱۶۵ ماہیت ذمام

محاورہٗ زبان انگریزی یا عام معنوں کے لحاظ سے لفظ ابلی گیشن (Obligation) بمعنی ذمہ لفظ "فرض" کا مرادف ہے لیکن اس لفظ کا قانونی مفہوم قانون روما سے لیا گیا ہے جو اس کے عام مفہوم سے چند وجوہ کی بناء پر جداگانہ ہے۔ اولاً یہ کہ ذمام سے مراد اس قسم کے فرائض ہیں جو حقوق خلاف اشخاص کی ضد ہیں۔ ذمہ ایک قسم کا قانونی بندھن یا ضرورت قانون کی زنجیر ہے جس کے ذریعے سے دو یا دو سے زیادہ معین اشخاص گویا آپس میں جکڑ دیئے جاتے ہیں[1]۔ لفظ ذمہ میں قرض ادا کرنے کا فرض معاہدے کی تکمیل کرنا اور ٹارٹ کے ارتکاب میں ہرجہ کا ادا کرنا داخل ہیں لیکن اس لفظ کا اطلاق ایسے فرض پر نہیں کیا جاتا جس کے لحاظ سے ایک شخص کو دوسرے کی ذات جائداد اور شہرت کو گزند پہنچانے سے احتراز کرنا پڑتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ قانون میں اصطلاح ذمہ

[1] ذمہ ایک قسم کی گرہ قانونی ہے جس کے ذریعہ سے اس طرح جکڑ کر مجبور کئے جاتے ہیں۔ کہ انھیں لامحالہ قوانین سلطنت کی پابندی میں بعض امور کو انجام دینا پڑتا ہے۔ جسٹی نی ان انسٹیٹیوٹس جلد ۳ فصل ۱۳ تمہید۔

نہ صرف کسی فرض کے لئے استعمال کیجاتی ہے بلکہ اس فرض سے جو حق لینے اس کی ضد
جو حق ہو اس کو بھی ذمہ کہتے ہیں۔ لفظ ذمہ اس گرہ قانونی یا تعلق قانونی حد کمال پر
دلالت کرتا ہے جس کے ذریعے سے فریقین ایک دوسرے کے ساتھ گویا باندھ دیے
جاتے ہیں۔ اس لفظ میں ایک فریق کا حق اور دوسرے فریق کی ذمہ داری دونوں شامل
ہیں۔ اگر صاحب حق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو لفظ ذمہ سے مراد اس کا حق ہے
اور دوسرے نقطۂ نظر یعنے شخص ذمہ دار کے لحاظ سے غور کیجئے تو ذمہ سے مراد اس
شخص کا فرض ہے۔ ذمہ کا لفظ دونوں طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا
صحیح ہے کہ دائن اپنے ذمہ کو حاصل کر سکتا اس کا مالک بن سکتا اور اس کو منتقل
کر سکتا ہے یا مدیون نے اپنے پر کسی ذمہ کو عائد کیا ہے یا کسی ذمہ سے بری ہوا ہے۔
ثالثاً یہ کہ تمام ذمام کا تعلق حقوق ملکیت یا جائدادی حقوق سے ہے۔ مالک کی
جائداد کا ایک حصہ اس کا ذمام سمجھے جاتے ہیں۔ ذمام کا اطلاق ان حقوق پر نہیں کیا جاتا
جن کا تعلق حیثیت سے ہے مثلاً جو حقوق کد خدائی کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں ان پر ذمام کا
اطلاق نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ذمہ کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے مراد ایک
جائدادی حق خلاف شخص یا ایک ایسا فرض ہے جس کی ضد کوئی حق ہو سکتا ہو۔

ذمہ سے استفادہ کرنے کا جو شخص مستحق ہو اس کو قانون روما میں دائن Creditor
اور جس شخص پر ذمہ عائد کیا جاتا ہے اس کو اس قانون میں مدیون (Delitor) کہتے
تھے اگر ہم بھی انگریزی زبان کی انھیں دو اصطلاحات دائن اور مدیون Creditor
& delitor ing) کو قانون روما کی تقلید میں ان کے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال
کریں تو چنداں مضائقہ نہیں ہے اس بنا پر ذمہ سے ہماری مراد خواہ وہ کسی قسم کا
کیوں نہ ہو وہ ذمہ ہے جو ایک دائن کو حاصل یا جس کا ایک دائن سے تعلق ہے
اور دائن اس ذمہ سے مدیون کے مقابلہ میں فائدہ اٹھا سکتا ہے یعنے مدیون
کو مجبور کر کے اس ذمہ کی تکمیل یا بجا آوری کرا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دائن
اور مدیون کی اصطلاحات کا ایک دوسرا تنگ مفہوم بھی ہے اور اس مفہوم ثانیہ
کے لحاظ سے ان کا اطلاق صرف ان ذمام پر کیا جاتا ہے جن پر قرضہ جات کی بنا ہے
یعنی ایسے ذمام (یا ذمہ داریاں) جنکی رو سے کسی معین اور مقررہ رقم کی ادائی لازم قرار دیجاتی ہے۔

اصطلاح ذمہ کا دوسرا مترادف لفظ (انگریزی زبان میں) چوز ان ایکشن یا تھنگ ان ایکشن یعنے شئے مدعوہ Choese in action or thing in action شئے دردعویٰ ہے اور اس سے مراد حق وصول قرضہ بذریعۂ نالش ہے۔ انگریزی قانون میں اس زمانے کے لحاظ سے شئے در دعویٰ سے مراد ایک حق ملکیت خلاف شخص ہے۔ قرضہ حصہ دار کمپنی سرمایۂ مشترکہ کسی شخص کی رقم جو سرکاری سرمایہ جات میں لگائی گئی ہو اور ٹارٹ کے متعلق ہرجہ پانے کی نالش اس کی مثالیں ہیں۔ جس طرح قانون روما میں غیر جائیدادی حق خلاف شخص کا ذمہ میں شمار نہیں کیا جاتا تھا اسی طرح انگریزی قانون میں بھی اس قسم کے حقوق شئے در دعویٰ یعنے شئے مدعوہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ چونکہ غیر جائیدادی حقوق خلاف شخص شخصی حقوق ہیں اس لئے ان پر لفظ ذمہ بدرجۂ اتم صادق نہیں آسکتا چنانچہ شادی کرنے کے وعدے یا معاہدۂ کدخدائی سے جو حق یا حقوق پیدا ہوتے ہیں وہ شخصی ہیں اور ان ہی اشخاص کی ذات تک وہ محدود سمجھے جاتے ہیں جو اس معاہدے کے فریقین ہیں اور اس قسم کے حقوق پر شئے مدعوہ کا اطلاق کرنا ظاہر ہے کہ مہمل اور بے معنی ہوگا۔

اشیاء دردعویٰ کی ضد اشیاء در قبضہ ہیں حالانکہ یہ دوسری اصطلاح بالکل متروک ہوگئی ہے۔ اس فرق کی صحیح ماہیت کے متعلق مصنفین نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں لیکن موجودہ زمانے میں اس امتیاز پر بہت ہی کم عمل کیا جاتا ہے اور اگر از روئے منطق اس کو صحیح و جائز ماننا ہو تو اس کو اس فرق کے مماثل اور مساوی سمجھنا چاہئے جو ریل اور پرسنل حقوق میں پایا جاتا ہے یعنے یہ فرق اس فرق کے مساوی ہے جو قانون روما کی رو سے حق ملکیت (Dominium) اور ذمہ (Obligatio) میں قائم کیا گیا ہے۔ شئے در دعویٰ یا شئے مدعوہ سے مراد حق ملکیت خلاف شخص ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر دوسرے حقوق ملکیت (یا حقوق جائیدادی) ہیں بشمول ان حقوق کے جو اپنے موضوعات کی بجائے سمجھے جاتے ہیں وہ تمام اشیا در قبضہ (اشیائے مقبوضہ)

ہیں۔ اگر ہم اس امتیاز کی تاریخ کے ذریعے سے اس کی تحقیق کریں تو اس امر کا بخوبی پتا چل سکتا ہے کہ اس فرق کا ابتدا میں وہ مفہوم اور مطلب نہ تھا جو اب لیا جاتا ہے ابتدائً شئے در قبضہ سے مراد کوئی ایسی شئے یا حق سمجھا جاتا تھا جس کا قبضہ اس کے ساتھ ہو اور شئے در دعویٰ کا مفہوم کوئی ایسی شئے یا حق تھا جس کے مدعی کو اس کا قبضہ حاصل نہ ہو اور بصورت ضرورت عدالت میں دعویٰ رجوع کر کے قبضے کا حاصل کرنا اس کا فرض تھا۔ چنانچہ جو روپیہ انسان کے کیسہ میں ہوتا وہ اس کے قبضے میں یعنے اس کا مقبوضہ خیال کیا جاتا تھا اور جو روپیہ اس کو اس کے مدیون سے وصول طلب ہوتا وہ شئے در دعویٰ یعنے شئے مدعوہ متصور ہوتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ امتیاز بہت زیادہ اس فرق کے مشابہ اور مساوی تھا جو ریئل اور پرسنل حقوق میں (جائداد غیر منقولہ اور منقولہ کے حقوق کے درمیان) قائم کیا گیا ہے کیونکہ جائداد غیر منقولہ کے حقوق کا عموماً قبضہ اور ملکیت دونوں باتیں ممکن ہیں۔ اس قسم کے حق پر انسان اپنا قبضہ بھی رکھ سکتا ہے اور وہ اسکی ملک بھی ہو سکتی ہے اس کے برعکس جائداد منقولہ کے حقوق انسان کی عموماً ملک ہو سکتے ہیں لیکن وہ اس کے قبضے میں نہیں رہتے اس پر بھی ان دونوں امتیازات میں مساوات اور مشابہت مکمل نہ تھی مثلاً اگر کوئی شئے (مال یا جائداد منقولہ) اس کے مالک کے یہاں سے چوری جاتی تو مالک کے لحاظ سے وہ شئے در دعویٰ سمجھی جاتی تھی لیکن اس بناء پر اس کا حق ملکیت ذمے میں مبدل نہیں ہوتا تھا[1]۔

اشیاء یا حقوق کے قبضے کے متعلق جو اس قدر زور دیا جاتا تھا اس کا سبب قدیم زمانہ کا انگریزی قانون ہے اور اس کو اس زمانے کے

---

[1] لاڈکشنری (لغات قانون) مرتبہ جیکب جس کا اقتباس مسٹر سوئیٹ نے لا کوارٹرلی ریویو نمبر ۱۰ صفحہ ۳۰۸ کے فٹ نوٹ میں دیا ہے ۱۲۔

قانون کی ایک خصوصیت سمجھنا چاہیے۔ مرور زمانہ کے ساتھ جیسی جیسی قبضے کی اہمیت اور منزلت کم ہوتی گئی اتنی ہی شئے مدعوہ اور شئے مقبوضہ کے امتیاز اور اس کے مفہوم میں کمی ہوئی یہاں تک کہ لوگوں کے ذہنوں سے ان اصطلاحات کا ابتدائی فرق اور مفہوم بالکل خارج ہوکر ان کا جدید مفہوم قائم ہوگیا۔ چنانچہ ابتدا میں حصص اور رقوم یا زر سالانہ کا اشیاء درقبضہ (اشیائے مقبوضہ) میں شمار کیا جاتا تھا لیکن اس زمانے میں یہ چیزیں اشیاء در دعویٰ (اشیائے مدعوہ) سمجھی جاتی ہیں۔ ایسا ہی زمانۂ موجودہ میں اراضیات اور اموال (جائداد منقولہ) بلالحاظ اس امر کے کہ ان پر ان کے مالک کا قبضہ ہو کہ نہ ہو اشیائے مقبوضہ سمجھی جاتی ہیں۔ قدیم زمانے میں بھی اشیاء درقبضہ کی صنف میں ذمام کے دوسری سب اشیاء سے زیادہ اہمیت تھی اور اس زمانے میں بھی ذمام کا ہی شمار اشیائے مدعوہ میں کیا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض مصنفین کا مشورہ ہے کہ جائداد غیر مادی کو جیسا کہ حقوق ایجاد حقوق تصنیف اور نشانات تجارت ہیں اشیائے مقبوضہ (یا اشیاء درقبضہ) میں داخل کر لینا چاہیے لیکن اسکی طرف نہ تو قدیم قانون کو توجہ ہوئی اور نہ جدید قانون نے اس مشورے کا کچھ لحاظ کیا ہے بلکہ ان حقوق کا اشیائے مدعوہ میں شمار کیا جاتا ہے[1]۔

---

[1] اشیائے مدعوہ کی ماہیت کے متعلق ملاحظہ ہو بلیک اسٹن جلد ۲ صفحہ ۳۹۶ کلونیل بنک بنام وہنی چانسری ڈویژن جلد ۳۰ صفحہ ۲۶۱ اور اپیل کیسز جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۶ نیز وہ سلسلۂ مضامین جو مختلف ماہرین فن کے زور قلم کا نتیجہ ہے اور لا کوارٹرلی ریویو میں شائع ہوا ہے چنانچہ ذیل میں اس ریویو کے پرچوں اور مصنفین مضامین کا حوالہ دیا جاتا ہے جلد ۹ صفحہ ۳۱۱ مضمون سرباورڈ ایلفنسٹن جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۳ مضمون ٹی۔ سی ولیمز جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۳ مضمون سی۔ سویٹ جلد ۱۱ صفحہ ۶۴ مضمون ایس۔ براڈ ہرسٹ جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۳ مضمون ٹی۔ سی ولیمز جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۸ مضمون سی۔ سویٹ۔

فصل ۱۶۶ ذمام

معمولی یا عام شکل یا طرز کے ذمہ میں صرف ایک دائن اور ایک مدیون ہوا کرتے ہیں لیکن اکثر ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں جن میں دو یا دو سے زیادہ دائنین ایک ہی حق کے حقدار اور دو یا دو سے زیادہ مدیون پر اس حق کی ادائی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ چونکہ دائنین کے دو یا دو سے زیادہ ہونے کی صورت میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آتی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق اس مقام پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور ایک سے زیادہ دائنین کی مالکان مشترک کی سی کیفیت ہے۔ جس طرح شئے مشترک کی ملکیت اور قبضہ اس کے مالکوں کو بالاشتراک حاصل رہتا ہے اس طرح ذمہ مشترکہ کے دائنین کی ملکیت اس ذمہ کے متعلق بالاشتراک ہے اور وہ اس میں برابر کے حصہ دار سمجھے جاتے ہیں لیکن ایسے اشکال جن میں دو یا دو سے زیادہ مدیون ہوتے ہیں نظری اور قیاسی دلچسپی پر مبنی ہے اس لئے ان کی جانب خاص توجہ کرنی چاہیئے۔

چنانچہ اس کی تمثیلات ایسے قرضہ جات ہیں جن کی ادائی کسی کوٹھی شراکتی (جماعت شرکائے تجارتی) کے ذمہ ہو یا ایسے قرضہ جات جن کا مدیون ایک شخص ہو اور ان کی ادائی کی نسبت ایک یا ایک سے زیادہ ضامنوں نے ضمانت دی ہو۔ ایسا ہی دو یا دو سے زیادہ اشخاص کی ذمہ داری اس کی مثال ہے جو بالاشتراک کسی ٹارٹ کا ارتکاب کرتے ہیں ان اشکال میں مدیونان مشترک سے ہر ایک مدیون پر تمام ادر کامل رقم ادا کرنے کی ذمہ داری ہے اور دائن اپنی رقم وصول طلب کو اس قدر حصص میں تقسیم کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے جس قدر مدیون کے ذمہ اس کی ادائی ہے دائن کو اختیار ہے کہ اپنی پوری رقم کسی ایک مدیون سے وصول کرے اور ممکن ہو تو اس کو اجازت دے کہ وہ اپنے مدیونان شریک سے بحصہ رسدی اس ادا شدہ رقم کو حاصل کرے۔ فرض کیجئے کہ دو شرکاء الف اور ب کے ذمہ ۱۰۰ پونڈ کا قرضہ ہے اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ۱۰۰ پونڈ کی ادائی الف اور ب میں تقسیم ہوگئی ہے اور ان میں کا ہر ایک شخص بحساب ۵۰ پونڈ فی کس ادا کرنے کا

ذمہ دار ہے بلکہ ۱۰۰ پونڈ منفرد قرضہ ہے اور الف و ب میں سے ہر ایک شریک مدیون کامل ۱۰۰ پونڈ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے لیکن جب ان دونوں میں سے کوئی ایک شریک اسی کامل رقم کو ادا کر دے تو اس کے بار ادائی سے دونوں شرکاء بری الذمہ ہو جاتے ہیں[1]۔

اس قسم کے ذمام کو ذمام متمم یا کامل کہتے ہیں اور لفظ متمم انگریزی زبان میں قانون روما کی اصطلاح ان سولی ڈیم (in Solidium) یعنی متمم یا کامل سے لیا گیا ہے کیونکہ شریک کے حصۂ شراکت کی مناسبت سے اس پر ادائی دین کی ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی بلکہ ہر ایک شریک مدیون کامل اور تمام رقم قرضہ کی ادائی کا ذمہ دار رہتا ہے۔ لہذا ذمہ متمم کی اس طرح تعریف ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ایسا ذمہ ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ مدیون ایک ہی شئے کے متعلق اور ایک ہی دائن کے پاس ذمہ دار ہیں۔ انگریزی قانون میں ان ذمام کے تین جداگانہ اقسام ہیں (۱) ذمہ داری منفردہ (۲) ذمہ داری مشترکہ اور (۳) ذمہ داری مشترکہ و منفردہ۔

۱۔ ذمہ داری منفردہ اُسی شکل میں پیدا ہوتی ہے جبکہ دین ایک ہی شئے ہو لیکن بلحاظ تعداد مدیونان و ذمہ داریوں اور التزامات کی بناؤں کی تعداد قرار پائے۔ ایسی صورت میں ہر ایک مدیون اسی ایک دائن سے ایک خاص اور جداگانہ قانونی بندھن کے ذریعے سے ایک ہی دین کی ادائی یا ایک ہی امر کی بجا آوری کے لئے ذمہ دار قرار پاتا ہے اس پر بھی مدیونان میں بلحاظ ذمہ داری ایک قسم کا اتفاق یا اشتراک سمجھا جاتا ہے کیونکہ ایک مدیون کی جانب سے ذمہ داری کی تعمیل و تکمیل ہونے پر دیگر تمام مدیون اس سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ذمام متمم ان صورتوں میں ذمہ داری مشترک سمجھے جاتے ہیں جن میں

---

[1] آئندہ اس امر کا ذکر آئے گا کہ دائن ہر ایک صورت میں مدیونان مشترک میں سے صرف ایک مدیون کے مقابلہ میں دعویٰ کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اسے جملہ مدیونان کو فریق مقدمہ بنانے کی ضرورت ہے لیکن جب ان تمام کے مقابلہ میں اسے ڈگری ملتی ہے تو وہ اس کی تعمیل کسی ایک مدیون پر کر کے اپنی تمام و کامل رقم اسی ایک مدیون سے حاصل کر سکتا ہے۔

اگرچہ دو یا دو سے زیادہ مدیون ہوتے ہیں لیکن دین یا کوئی دوسرا بنائے دعوی اور شئے جس کی ادائی لازم ہے ایک ہوتے ہیں۔ اگرچہ قانونی بندھن ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس کے ذریعے سے متعدد مدیون ایک ہی معاملے کی نسبت دائن سے جکڑ دئے جاتے ہیں۔ اس ذمہ داری کے واحد اور منفرد ہونے کا خاص اثر یہ ہے کہ جس چیز کے ذریعہ سے ایک مدیون کو سبکدوشی ہوتی ہے اسی کے ذریعے سے باقی تمام مدیون بری الذمہ قرار پاتے ہیں۔ جب ایک مدیون اور دائن کے درمیان کی گرہ قانونی ٹوٹ جاتی ہے تو اس معاملے کے دیگر تمام مدیونان جو اس بندھن کے ذریعے سے دائن کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوتے ہیں خود بخود اس قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ذمہ داری منفردہ میں اگرچہ ایک مدیون کی جانب سے دین کی ادائی ہونے پر دیگر تمام مدیونان کی گلوخلاصی ہوتی ہے لیکن قانونی بندھن سے وہ اس آسانی کے ساتھ نہیں رہائی پا سکتے بلکہ اس قسم کے معاملے میں دیگر امور پر لحاظ کرتے ہوئے ہر ایک مدیون اور دائن کے درمیان جو گرہ قانونی لگائی جاتی ہے وہ ٹوٹنے نہیں پاتی۔

۳۔ ذمام متمم کی تیسری قسم وہ ہے جس کی وجہ سے ایک ہی معاملہ کے مدیونان کی ذمہ داری مشترکہ اور منفردہ ہوتی ہے۔ اس قسم کی ذمہ داری کے نام سے خود ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری قسم کی ذمہ داریوں کا یہ درمیانی جزو ہے اور وہ دونوں انتہائی درجے کی ذمہ داریاں ہیں۔ اس ذمہ داری کو پہلی دو ذمہ داریوں کا جن میں دو متضاد اصول بیان کئے گئے ہیں مجموعہ یا مخلوط سمجھنا چاہئیے۔ مختلف ضرورتوں سے قانون میں کبھی یہ تیسری قسم کی ذمہ داری مشترکہ اور کبھی منفردہ سمجھی جاتی ہے۔ بعض وقت کسی مخصوص ضرورت سے قانون کی نظروں میں منفردہ ذمہ داری اور ایک ہی بنائے دعوی قرار پاتا ہے اور بعض وقت معاملہ میں جس قدر مدیون ہوں اتنی ہی جداگانہ ذمہ داریاں اور بناہائے دعوی منجانب قانون قرار دی جاتی ہیں

بہرحال ان متضاد حالات پر نظر کرتے ہوئے اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ قانون میں کن اصول کی بنا پر ذمام متمم کی قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ اس

سوال کا ایک عام جواب حسب ذیل ہے۔ ان ذمہ داریوں کو منفردہ سمجھنا چاہئے جن میں ذمہ داریوں کا موضوع ایک ہی شئے ہوتی ہے لیکن ان کے مآخذ یا مبداء بلحاظ نوعیت مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی ذمہ داریاں جن کا نہ صرف موضوع ایک ہی شئے ہو بلکہ ان کا مآخذ اور مبداء بھی ایک ہی ہو وہ مشترکہ ذمہ داریاں ہیں۔ تیسری قسم ان ذمہ داریوں کی ذمہ داری مشترکہ و منفردہ ہے۔ اصل میں اس تیسری قسم کی ذمہ داریاں بالعموم مشترکہ ہیں لیکن قانون ملک نے بعض مخصوص وجوہ سے ان کو اس طرح قرار دے رکھا ہے گویا وہ منفردہ ذمہ داریاں ہیں۔ دوسری قسم کے ذمہ داریوں کی مانند اس تیسری قسم کی ذمہ داریوں میں ذمہ داری کا مآخذ اور موضوع ایک ہی شئے یا واقعہ ہوتا ہے لیکن قانون میں وہ گرہ قانونی جو دائن کو معاملے کے متعدد مدیونان سے جکڑ دیتی ہے ایک نہیں سمجھی جاتی۔

ذیل میں ایسے ذمام متمم کی مثالیں دی جاتی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفردہ ہیں۔

(۱) کسی (اصلی) مدیون اور اس کے ضامن کی ذمہ داری بشرطیکہ معاہدۂ ضمانت قرضہ سے موخر ہو یا جس دین کے متعلق ضمانت دیجاتی ہے اس کے وجود کا باعث وہ معاہدۂ ضمانت نہ ہو۔ لیکن اگر مدیون اصلی اور اس کا ضامن کسی مشترکہ دستاویز دین پر دستخط کردیں تو ان دونوں دیون کا ایک ہی مبداء اور مآخذ ہوتا ہے اس لئے یہ شکل ذمہ داری مشترکہ قرار پاتی ہے۔

(۲) ایسے دو یا زیادہ سے زیادہ شریک ضامنوں کی ذمہ داری جو ایک ہی قرضے کے متعلق علیحدہ علیحدہ ضمانت دیتے ہیں[۱]۔ اسکے برعکس اگر دو یا دو سے زیادہ ضامن ایک ہی معاہدۂ ضمانت میں شریک ہوجائیں تو وہ مدیونان مشترکہ یا مدیونان مشترکہ و منفردہ قرار پاسکتے ہیں۔

---

[۱] وارڈ بنام دی نیشنل بنک اپیل کیسز جلد ۸ صفحہ ۷۵۵۔

(۳) دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے مقابلے میں جو ایک ہی دین کی ادائی کے لئے ذمہ دار ہوں جداگانہ نالشات میں جداگانہ فیصلوں کا صادر کیا جانا۔ مثلاً ایسے دو اشخاص کے مقابلے میں جو ایک ہی معاہدے کی تعمیل کے لئے مشترکاً اور منفرداً ذمہ دار ہوں علحدہ علحدہ دعوی رجوع کر کے دو جداگانہ فیصلے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مدیونان یا مدعی علیہما مشترکہ ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ ان دونوں میں کا ہر ایک شخص محض اس مقدار رقم کی ادائی کے لئے ذمہ دار ہے جس کی ادائی کے لئے فیصلہ میں حکم دیا گیا ہو پھر بھی یہ دونوں ذمام کامل یا متمم ہیں کیونکہ ایک مدیون ڈگری کے اپنے ذمے کی رقم ادا کر دینے سے دوسرا مدیون بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

(۴) ایسے تمام مرتکبین کی ذمہ داری جن کے جداگانہ افعال ناجائز کے ذریعے سے (کسی شخص کی ذات یا جائداد کو) ایک ہی نقصان یا ضرر پہنچے۔ اگرچہ اس قسم کا واقعہ شاذ و نادر ہی پیش آتا ہے لیکن اس کا واقع ہونا بہت ممکن ہے۔ اگر دو شخصوں کے ناجائز متعدد افعال سے ایک ہی نقصان یا ضرر واقع ہو تو ان کے مرتکبین مشترک نہیں ہوسکتے۔ مشترک مرتکبین قرار پانے کے لئے ضرور ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوتا ہے وہ بھی مشترک ہو یعنے ان لوگوں نے اپنی غرض مشترکہ کے عنوان میں اپنے فعل کا مشترکاً ارتکاب کیا ہو۔ لہذا اگر مرتکبین کے فعل اور نیت میں اشتراک نہ ہو تو اس مشترکہ نقصان کی بابت جو ان کے جداگانہ افعال سے پیدا ہوتا ہے کامل رقم ہر چند منفرداً ادا کرنیکا ذمہ دار ہے ان کی ذمہ داری مشترک نہیں ہے اور نہ فعل ناجائز کے یہ لوگ مشترک مرتکبین ہیں۔ بمقدمہ ٹامس بنام دی لندن کونٹی کونسل[1] مدعی کے مکان کو اس کی بنیادوں کے دب جانے سے نقصان پہنچا۔

[1] (سنہ ۱۸۹۶ء) ادر کوئینز بینچ جلد ۱ صفحہ ۸۴۔

مکان مدعی سے متصلہ زمین کے مالک الف نے اپنی زمین کی مدفون چیزوں کو نکالنے کی غرض سے اس کو کھدوایا اور زمین کے کھودنے میں اس طرح غفلت کی گئی جس سے مدعی کے مکان کی بنیاد کو صدمہ پہنچا اور اس کے ساتھ ہی ب کی غفلت سے جو آبرسانی کی ایک کمپنی تھی پانی کا ایک بڑا نل جو سڑک کے نیچے سے گزرتا تھا پوری طور سے بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں یہ طے فرمایا گیا کہ چونکہ الف اور ب کے افعال ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں، اور دونوں کے افعال میں کسی قسم کا ربط وعلاقہ نہیں ہے اس لئے یہ دونوں فعل ناجائز کے مشترک مرتکب نہیں قرار پاسکتے اور نہ ایک ہی نالش کا ان دونوں کے مقابلے میں دائر کیا جانا جائز ہے (اور نہ ایک ہی دعوے میں ان دونوں کا بحیثیت مدعی علیہ شریک کیا جانا صحیح ہے) چنانچہ لارڈ جسٹس کالنیز[1] نے تحریر فرمایا ہے کہ "ضرر جو مدعی کو پہنچا وہ ایک ہے لیکن اس ضرر کی بنا پر اس کو دو شخصوں کے مقابلے میں جداگانہ نالشیں کرنے کا حق پیدا ہوا کیونکہ نقصان کا ارتکاب دو جداگانہ شخصوں نے کیا ہے۔" ظاہر ہے کہ اس مقدمے میں مدعی علیہما کی ذمہ داری کامل نقصان کی بابت تھی اور اس لئے عدالت نے بھی اس کو ذمہ داری مشترکہ نہیں قرار دیا[2]۔ ایسا ہی اگر دو یا دو سے زیادہ اشخاص غیر کی چیز کو یکے بعد دیگرے ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لائیں تو وہ فعل ناجائز کے مشترکہ مرتکب نہیں سمجھے جاتے اور نہ ان کی ذمہ داری مشترکہ ہے چنانچہ ٹرور[3] کی نالش میں اس مثال کا ہر ایک مدعی علیہ چیز کی پوری قیمت جس کے پانے کے لئے اس نالش کے ذریعہ سے مدعی رجوع کرتا ہے مدعی کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ مدعی علیہم کی ذمہ داری مشترکہ نہیں بلکہ منفرداً ہے مالک شئے ہر ایک مدعی علیہ کے مقابلے میں شئے یا اس کی قیمت کے ولاپانے کا دعویٰ کرسکتا ہے اور

[1] (۱۸۹۹ء) کوینز بینچ جلد اصفحہ ۸۴۵۔

[2] ایک دوسری تمثیل ملاحظہ ہو سڈلر بنام گریٹ ویسٹرن ریلوے کمپنی (۱۸۹۶ء) اپیل کیسز صفحہ ۴۵۰۔

[3] مارس بنام رابن سن بارن وال اینڈ کریس ویل جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ — ریوائزڈ رپورٹس جلد ۲۷ صفحہ ۳۲۲۔

اس طرح سے متعدد مدعی علیہم کے مقابلے میں متعدد دعوے رجوع کر سکتا ہے حالانکہ ان میں سے کسی ایک کی جانب سے شئے مدعوہ کی قیمت ادا ہو جانے سے باقی تمام مدعی علیہم بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔

ذمہ داری مشترکہ کی مثالیں شرکاء کے قرضے اور ایسے تمام دوسرے مستم ذمام ہیں جو معاہدے کے ذریعے سے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ فریقین نے اپنے اقرار کے ذریعے سے صراحتاً ان کو مشترکہ اور منفردہ نہ قرار دیا ہو۔

ذمام مشترکہ اور منفردہ کی تمثیلات ان لوگوں کی ذمہ داریاں ہیں جو کسی ٹارٹ کا بالاشتراک ارتکاب کریں یا کسی امانت کی ان سے بالاشتراک خلاف ورزی سرزد ہو۔ ان کے علاوہ اس قسم کی ذمہ داری کی مثالیں ایسے تمام ذمام ہیں جو معاہدے کے ذریعے پیدا ہوں اور جن کو فریقین نے صراحتاً بذریعہ اقرار مشترکاً اور منفرداً قرار دیا ہو۔

فصل ۱۶۷ ماخذ ذمہ

ماخذ یا مبداء کے لحاظ سے انگریزی قانون میں جن ذمام کو تسلیم کیا گیا ہے ان کی چار قسمیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ذمام عہدی۔ ذمام ماخوذ از معاہدہ۔ Obligations ex Contracta

(۲) ذمام ماخوذ از ٹارٹ۔ Obligationsex delicts

(۳) ذمام ماخوذ از امور مشابہ معاہدہ Obligations quasiex Contracta

(۴) ذمام بے نام۔

فصل ۱۶۸ ذمام مستخرج از معاہدات

ذمام میں سب سے مقدم اور اہم صنف ان ذمام کی ہے جو بروئے معاہدہ پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے اس سے پہلے کسی باب میں بکمال شرح و بسط سے ماہیت معاہدہ کو بیان کیا ہے[1]۔ اور اس میں اس امر کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ معاہدہ اقرار کی

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ہذا فصل ۱۲۳۔

ایسی قسم ہے جس کی رو سے فریقین میں حقوق خلاف اشخاص کا وجود ہوتا ہے۔ حقوق خلاف اشخاص میں بہ لحاظ تعداد اہمیت ذمام کو تفوق حاصل ہے اور اس جنس کے جو ذمام ایسے حقوق نہیں ہیں وہ تعداد میں بہت کم ہیں اور شاذ و نادر ہی ان کا ماخذ فریقین کا اقرار ہوتا ہے لہذا تمام قانون معاہدہ کو قانون ذمام میں داخل سمجھنا چاہئے عملی ضرورتوں کے لحاظ سے قانون ملک کی چند اصناف میں جو تقسیم کی گئی ہے اس میں پہلے قانون کا دوسرے قانون کے صنف میں شمار کیا جانا بالکل صحیح ہے۔ اس پر بھی منطق کی رو سے ان دونوں قوانین کی مشابہت اور یکسانی مکمل نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں معاہدات کا تعلق قانون ذمام سے نہیں بلکہ قانون حیثیت سے سمجھا جاتا ہے چنانچہ وعدۂ کدخدائی پہلے قانون سے نہیں بلکہ دوسرے قانون سے متعلق ہے۔ بہر حال معاہدات شخصی کی تعداد نہایت قلیل ہے اور اگر ان کا لحاظ نہ کیا جائے تو معاہدے کا عام نظریہ ان عام نظریات کا مرکب قرار پاتا ہے جو اقرار اور ذمہ (ذمہ داری) کے متعلق قائم کئے گئے ہیں اور اس لئے اس مقام پر نظریۂ مذکور کی نسبت مزید تحقیق کی ضرورت نہیں پائی جاتی ہے۔[1]

فصل ۱۶۹۔ ذمام مستخرج از ٹارٹ

دوسری قسم کے ذمام (یا ذمہ داریاں) کا تعلق ان ذمہ داریوں سے ہے جن کو اصطلاح میں مبنی بر افعال ناجائز کہتے ہیں ان کے لئے قانون روما میں بھی اسی قسم کی اصطلاح ہے یعنے ذمام مستخرج از افعال ناجائز (Obligations ex delicts) اس ذمہ سے مراد اس فعل ناجائز کے مرتکب کا زرتاوان ادا کرنے کا فرض ہے جس کو انگریزی قانون میں ٹارٹ کہتے ہیں۔ ٹارٹ فرانسیسی زبان کا لغت ہے اور لاطینی ٹارٹم (Tortum) سے مشتق ہے جس کا مفہوم مڑوڑے ہوئے اور خمیدہ یا انگریزی لفظ رانگ (Wrong) بمعنی فعل ناجائز ہے۔ اس کی ضد لفظ رائٹ (Right) جو ریکٹم (Rectum)

[1] اس مقام پر اس امر کی طرف توجہ دلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تعمیل معاہدہ کی ابتدائی ذمہ داری معاہدہ سے ماخوذ ہے اسی طرح بصورت خلاف ورزی معاہدہ ہرجہ ادا کرنے کی ذمہ داری معاہدہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

بمعنی درست و استوار سے مشتق ہے اور جس طرح انگریزی قانون اصطلاح میں رائٹ سے مراد حق ہے اسی طرح اس قانون کی اصطلاح میں ٹارٹ کے معنی فعل ناجائز کے ہیں اور اس کا اطلاق دیوانی طرز کے افعال ناجائز کی ایک مخصوص صنف پر کیا جاتا ہے۔

ٹارٹ کی تعریف میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹارٹ سے مراد دیوانی طرز کا ایسا فعل ناجائز ہے جس کا چارہ کار ہرجہ کا دعویٰ یا نالش ہے اور جس کا تعلق کسی معاہدے یا امانت کی خلاف ورزی سے نہ ہو یا جس کو محض تضمنی ذمہ داری خیال کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ اس تعریف کے چار مخصوص اجزا یا عناصر ہیں اور ان کے ذریعے سے ٹارٹ کے دائرہ سے چار قسم کے افعال ناجائز کا اخراج کیا جاتا ہے۔

(۱) ٹارٹ دیوانی طرز کا فعل ایک ناجائز ہے دیوانی کے قانون کے ذریعے سے افعال کی تلافی کی جاتی ہے یا جن کے لئے چارہ کار مقرر کیا گیا ہے ان کو ٹارٹ کہتے ہیں۔ اگرچہ جرائم بھی افعال ناجائز ہیں لیکن ان کا شمار ٹارٹ میں نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جرم کے متعلق مستغیث یا ضرر رسیدہ فوجداری کے قانون کے ذریعے سے اپنا چارۂ کار حاصل کرتا ہے۔ لہذا فعل ناجائز کا جرم اور ٹارٹ میں شمار کیا جانا ممکن ہے لیکن بہ لحاظ چارۂ کار اس کے دو مختلف نام قرار دیے گئے ہیں۔

(۲) دیوانی طرز کا ہر ایک ناجائز فعل بذات خود ٹارٹ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا چارہ کار ہرجہ کی نالش نہ ہو۔ ہرجہ کے علاوہ دیوانی طرز کے اور بھی چارہ کار ہیں چنانچہ احکام امتناعی استرداد جائداد مختص اور تاوان یا کسی دوسری نہج سے معینہ اور مقررہ رقوم کے ادا کرنے کا دیوانی کے قانون کی دادرسیوں میں شمار کیا جاتا ہے اس لئے ایسا نقصان یا ضرر جس کے واسطے مدعی کو دیوانی کے قانون سے دادرسی ہرجہ کے سوائے کسی دوسرے قسم کا چارۂ کار مل سکتا ہو ٹارٹ میں داخل نہیں ہے مثلاً اگر کسی سڑک یا شاہ راہ عام پر کسی شخص یا جماعت کی جانب سے کوئی ایسی بات پیدا کی جائے جس کی وجہ سے عوام کی آمدورفت مسدود ہو جائے یا اس میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو تو ظاہر ہے کہ اس فعل یا حالت کا تعلق دیوانی طرز کے نقصان یا ضرر سے ہے اور اس کا چارہ کار حکم امتناعی کا عدالت دیوانی سے حاصل کرنا ہے جس کے لئے عوام کی جانب سے اٹرنی جنرل (صدر وکیل سرکار) عدالت سے رجوع کر کے حکم امتناعی حاصل کرنے کی کارروائی کرتا ہے۔ اگرچہ

شاہ راہ کا روک دیا جانا دیوانی طرز کا نقصان ہے لیکن ٹارٹ نہیں ہے بجز ان مخصوص صورتوں کے جن میں کسی مخصوص شخص کو کوئی مخصوص ضرر یا نقصان پہنچے اور اس کے متعلق وہ شخص ہرجہ دلایا نے کی نالش دائر کرے۔

(۳) اگر کسی دیوانی طرز کے نقصان کا خالصتاً کسی معاہدے کی خلاف ورزی سے تعلق ہو تو وہ ٹارٹ نہیں ہے۔ چونکہ قانون معاہدہ انگریزی نظام قانون کا ایک جداگانہ طبقہ ہے اور اس کو قانون ٹارٹ کے مقابلے میں درجۂ امتیاز حاصل ہے اس لئے خلاف ورزی معاہدہ اور ٹارٹ کے ارتکاب سے جو ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں ان کو دو جداگانہ طبقات اصول کے تابع قرار دیا گیا ہے۔ اس پر بھی بعض صورتوں میں ایک ہی فعل کا ٹارٹ اور خلاف ورزی معاہدہ میں شمار کیا جانا ممکن ہے حالات کے لحاظ سے دو قسم کے مقدمات میں اس طرح کی صورت پیش آتی ہے۔

(الف) ان دونوں میں کی پہلی قسم زیادہ سلیس اور معمولی ہے اور یہ صورت ایسے موقع پر پیش آتی ہے جبکہ ایک شخص معاہدے کے ذریعے سے اپنے پر کسی ایسے فرض کو اختیار کر لیتا ہے جس کا اس معاہدے سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اس کے پہلے سے وہ اس شخص پر عائد کیا گیا ہو۔ مثلاً جو شخص ایک شئے کو اس کے مالک سے مستعار لینے کے بعد اس کی واپسی سے انکار کرے تو اس سے نہ صرف معاہدے کی خلاف ورزی سرزد ہوتی ہے بلکہ وہ اس ٹارٹ کا بھی مرتکب ہوتا ہے جس کو تصرف بیجا کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مثال میں عاریت لینے والے سے دو افعال سرزد ہوتے ہیں۔ ایک خلاف ورزی معاہدہ کیونکہ لفظ عاریت خود اس امر کی دلیل ہے کہ معاہد شئے مستعار کو معاہد کو مسترد کرنے کا وعدہ کرتا ہے خواہ اس کا وعدہ صراحتاً ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو اور دوسرے وہ فعل جو نہ صرف معاہدے کی خلاف ورزی ہے بلکہ ایک قسم کا ٹارٹ بھی ہے۔ فعل کو ٹارٹ قرار دینے کا سبب ظاہر ہے کیونکہ معاہدہ عاریت لینے والا شخص غیر کی چیز کو روک رکھنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اس شئے کے مسترد کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہے۔

(ب) لیکن ان مقدمات کی دوسری قسم دشواری سے خالی نہیں ہے اور ملک کا قانون جس کے ذریعے سے اس دوسرے مسئلے کا تصفیہ کیا جاتا ہے نہ تو صاف ہے اور نہ اس کی پوری ترقی ہوئی ہے۔ بعض صورتوں میں ایک شخص جس نے کسی معاہدے کی

خلاف ورزی سرزد ہوتی ہے شخص ثالث کے مقابلے میں جو اس معاہدہ کا فریق نہیں ہے ذمہ دار قرار پاتا ہے حالانکہ قانون کا یہ ایک بنیادی اور مستحکم اصول ہے کہ جو شخص کسی معاہدے کا فریق نہ ہو اس پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں عائد کیجا سکتی جو اس معاہدے کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہے۔ محض فریقین معاہدہ یا ان کے قائم مقاموں پر بلحاظ نوعیت حقوق جو معاہدے کے ذریعے سے پیدا ہوتے ہوں اس کی ذمہ داری عائد کیجا سکتی ہے اس پر بھی بعض صورتوں میں معاہدے کا ایسا فریق جس سے اس کی خلاف ورزی سرزد ہو شخص ثالث کے مقابلے میں جس کو معاہدے کی خلاف ورزی سے ناجائز نقصان پہنچتا ہے بر بنائے ٹارٹ ذمہ دار قرار پاتا ہے یعنے ایک شخص (الف) سے معاہدہ کر کے اپنے پر ایک ایسا فرض عائد کر لیتا ہے جس کا پہلے سے وجود نہیں ہے یا جو صرف معاہدے کی وجہ سے قائم کیا جاتا ہے جب اس طرح کا فرض ایک مرتبہ قائم ہو جاتا ہے تو شخص ثالث (ب) کو نقصان پہنچانے کے بغیر اس کا توڑنا ممکن نہیں ہے بشرطیکہ قانون میں اس طرح کا نقصان قابل نالش قرار دیا گیا ہو۔ فرض کیجیے (ہ) اپنا گھوڑا (و) کو مستعار دیتا ہے اور (و) اس گھوڑے کو (ز) کے یہاں رکھاتا ہے۔ (و) اور (ز) میں قرار پاتا ہے کہ (ز) اس گھوڑے کی کافی پرداخت کرے گا لیکن ناکافی خوراک ملنے کی وجہ سے گھوڑے کو نقصان پہنچتا ہے یا وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ (ز) کی ذمہ داری کے متعلق دو قیاسات ہیں۔ گھوڑے کے ضرر یا ہلاکت کے متعلق از روئے معاہدہ (ز) نہ صرف (و) کے مقابلے میں ذمہ دار ہے بلکہ اس ٹارٹ کا لحاظ کرتے ہوئے جو اس سے مالک اسپ کے مقابلے میں سرزد ہوا وہ مالک کے یہاں بھی ذمہ دار ہے حالانکہ معاہدے کے بغیر (ز) پر اس جانور کو دانا اور چارہ دینے کی ذمہ داری نہ تھی اور اس کا جو فعل اس معاہدے کی خلاف ورزی سمجھا جاتا ہے وہ ایسا ترک فعل ہے جس کی نسبت وہ پابند نہیں کیا گیا تھا۔ پھر بھی جب وہ ایک مرتبہ معاہدے کی رو سے اپنے پر اس فرض کو عائد کر لیتا ہے تو اس فرض کی بجا آوری کے لئے وہ پابند ہو جاتا ہے اور وہ مالک اسپ کو ایسا نقصان پہنچانے کے بغیر جس کو قانون ملک نے ناجائز قرار دیا ہے اس فرض کو نہیں توڑ سکتا۔ اس میں شک نہیں گھوڑے کے خوراک دینے میں (ز) سے جو

ترک فعل کیا جاتا ہے وہ اس معاہدے کی خلاف ورزی ہے جو (ز) اور (و) میں طے پاتا ہے لیکن یہ ترک فعل محض اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہے بلکہ قانون میں بھی ترک فعل بمقابلہ مالک اسپ فعل ناجائز قرار دیا گیا ہے اور اس لئے ترک فعل سے (ز) مالک اسپ کے مقابلے میں ٹارٹ کا ارتکاب کرتا ہے حالانکہ مالک اسپ اس معاہدے کا جو (ھ) اور (و) کے درمیان طے ہوجاتا ہے کوئی فریق نہیں ہے۔ خلاف ورزی معاہدہ کے باعث جو نقصان شخص ثالث کو پہنچتا ہے اور کن کن صورتوں میں اور کس حد تک اس کو نالش کا حق حاصل ہے ان سب امور کا تعلق ملک کے عین قانون یا خارجی قانون کے مبسوط اور مصرح قواعد سے ہے۔ جن کا اس مقام پر ذکر کرنا مناسب نہیں ہے[1]۔

اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں دیوانی کے دعوؤں کے اقسام و اشکال کی تنسیخ کے پہلے معاہدے اور ٹارٹ کے درمیان بہت کچھ پیچیدگیاں تھیں اور جو تعلق و نسبت کہ ان میں ہونا چاہئے اس پر چند فرضی ٹارٹوں کی موجودگی سے تاریکی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ہم اس قسم کے ٹارٹ کو اس لئے فرضی کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ ٹارٹ نہیں بلکہ معاہدے کی خلاف ورزیاں تھیں لیکن ضابطے کی رو سے انکی نسبت ان نالشوں کے ذریعے سے مدعی عدالت میں رجوع ہوتا تھا جو نالشات اور ان کے اشکال ٹارٹ کے مقدموں کے واسطے قرار دئے گئے تھے اگرچہ اس زمانے میں دعوے کی شکلوں کے دو طبقات یا اصناف مقرر تھے۔

[1] اس قسم کا تعلق معاہدے کی خلاف ورزیوں اور جرائم میں پایا جاتا ہے۔ جس طرح ٹارٹ بہ نفسہٖ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے اسی طرح جرم بھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں سمجھا جا سکتا اس پر بھی انسان بذریعۂ معاہدہ کسی فرض کو اپنے پر اختیار کر لینے سے اس طرح مجبور ہو جاتا ہے کہ شخص یا اشخاص ثالث کو نقصان پہنچانے کے بغیر اس معاہدہ کی خلاف ورزی سگنل مین (شخص جسکے ذمہ ریل کی جھنڈیوں کا ملانا ہوتا ہے) سے جب ریل گاڑیوں کو سگنل دینے کے متعلق معاہدہ کی خلاف ورزی سرزد ہوتی ہے تو وہ قتل انسان مستلزم سزا کے برابر سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ اس خلاف ورزی کی وجہ سے کسی ریل گاڑی کے متعلق کوئی مہلک حادثہ واقع ہو ۱۲۔

ایک قسم کے دعوے نالشات متعلق معاہدہ اور دوسری قسم کے مقدمات نالشات متعلق ٹارٹ کہلاتے تھے لیکن بعض صورتوں میں جہاں کسی حقیقی معاہدے کا وجود تک نہ ہوتا تھا بلکہ ان معاملات میں جو معاہدات کے مشابہ ہوتے معاہدے کی نالشات کے ذریعے سے اور خلاف ورزی معاہدہ کی صورتوں میں ٹارٹ کے دعوؤں کے ذریعے سے مدعی کو عدالت میں رجوع ہونے کی اجازت تھی۔ لیکن اس زمانے میں ٹارٹ اس قسم کو جو مشابہ ٹارٹ کہلاتی ہے تسلیم کرنے کی از روئے قانون کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے کیونکہ اقسام و اشکال نالشات کی تاریخ سے ثابت ہے کہ قدیم زمانے میں امور مشابہ ٹارٹ کی وجوہ کو تسلیم کرنے کی ضرورت تھی اور اب جبکہ وہ تاریخی حادثہ زائل ہوگیا ہے تو قانون ملک میں امور مشابہ ٹارٹ کو قائم رکھنے کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ امور مشابہ ٹارٹ کو ان ایام کی یادگار سمجھنا چاہیئے جبکہ ایسے چارہ کار یا دادرسیاں جو معاہدات کی تعمیل وغیرہ کے متعلق مدعیوں کو دی جاتی تھیں نامکمل اور غیر ترقی یافتہ حالت میں تھیں اس لئے ان چارہ کار میں ٹارٹ کی دادرسیوں کا اضافہ کرکے خلاف ورزی معاہدے کی صورتوں میں دعوے ٹارٹ کے ذریعے سے مدعی عدالت میں رجوع کرتا تھا۔ چنانچہ معاہدے کا دعویٰ اسمپسٹ (assumpsit) بمعنی اس نے اپنے ذمہ لیا ہے) ابتداء میں دعوے ٹارٹ کی جس کو کیس (Case) کہتے تھے ایک بدلی ہوئی شکل تھا۔ بہرحال یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ دیوانی طرز کے دعوؤں کے اشکال و اقسام کی تنسیخ کے قبل انگریزی قانون کو ٹارٹ اور معاہدے کی خلاف ورزیوں کے درمیان صحیح امتیاز قائم کرنے میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔[1]

(۴) افعال ناجائز کا چوتھا اور آخری طبقہ جو ٹارٹ پر مبنی نہیں ہے وہ ہے

---

[1] ملاحظہ ہو قانون ٹارٹ مصنفہ سامنڈ فصل (۱)۔

جس کا تعلق محض امانتوں کی خلاف ورزیوں یا دوسری نصفتی ذمہ داریوں سے ہے۔ ابتدا نصفتی ذمام اور امانتوں کو ٹارٹ سے خارج کر کے ان کی ایک علیحدہ صنف قرار دینے کا سبب ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اس قسم کی ذمہ داریوں اور امانتوں کی عدالت چانسری سے ابتدا ہوئی اور اسی چشمے سے ان کے پودوں نے نشو و نما حاصل کی اس کے برعکس برطانیہ کی ان عدالتوں میں جن میں قانون کے دیگر طبقات یا اصناف پر عمل کیا جاتا تھا لوگوں کے کان تک ان پہلے دو قسم کے قوانین سے آشنا نہ تھے۔ اگرچہ اس زمانے میں وہ فرق جو قانون اور نصفت منسوخ ہو گیا ہے لیکن اس وقت ہی امانتوں کی خلاف ورزیوں کو ٹارٹ میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کو ایک دوسرے قسم کے افعال سمجھنا چاہیئے اور ان کا تعلق اسی طرح قانون امانت سے ہے جس طرح کہ معاہدے کی خلاف ورزیوں کا تعلق قانون معاہدہ سے ہے۔ چونکہ ٹارٹ معاہدات اور امانتوں کے قوانین میں جداگانہ طور پر ترقی ہوئی اس لیئے جو ذمہ داریاں ٹارٹ وغیرہ کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہیں وہ مختلف ہیں اور ان کے اصول بھی مختلف ہیں۔ ٹارٹ معاہدات اور امانتوں کو قانون ملک کے مختلف طبقات تصور کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض مصنفین نے ٹارٹ کی تعریف کی ہے کہ ٹارٹ سے مراد کسی حق متعلق شئے (حق متعلق جائداد غیر منقولہ) کی پامالی ہے جس کی وجہ سے ہرجہ ادا کرنے کی ذمہ داری کا وجود ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تعریف نہایت سادگی اور صفائی پر مبنی ہے اور اس کی رو سے حقوق متعلق شئے اور حقوق خلاف شخص میں نہایت آسانی سے امتیاز کیا جا سکتا ہے لیکن انگریزی قانون کی رو سے جو فعل ٹارٹ قرار دیا گیا ہے اور جس قدر قانون ٹارٹ اس مقام میں ہے اس پر اس تعریف کا صادق آنا خالی از شبہہ نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر و بیشتر ٹارٹ سے مراد حقوق متعلق شئے کی خلاف ورزیاں اور پامالیاں ہیں کیونکہ اکثر حقوق خلاف شخص معاہدے کے توسط سے پیدا ہوتے ہیں

لیکن بعض حقوق خلاف شخص ایسے بھی ہیں جو معاہدات سے نہیں مستخرج ہوتے ہیں اور اس قسم کے حقوق کی خلاف ورزی یا پامالی کی صورت میں مدعی کو ہرجہ دلا پانے کی نالش رجوع کرنے کا حق پیدا ہوتا ہے لہذا ان حقوق کا ٹارٹ میں شمار کیا جانا لازم ہے۔ مثلاً کسی بھٹیارے (in keeper) کا کسی مسافر یا مہمان کو اپنے یہاں ٹھہرانے سے انکار کرنا یا اپنی سرا میں آرام کرنے سے روک دینا ٹارٹ ہے کیونکہ ایسے حق کی پامالی یا خلاف ورزی ہے جو معاہدے کے ذریعے سے نہیں پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی کسی سرکاری ملازم یا عہدہ دار کا اپنے اُن فرائض کی بجا آوری سے انکار کرنا یا اُن کی بجا آوری میں غفلت کرنا جو مدعی کے فائدے کی غرض سے اُس عہدہ دار پر لازم قرار دی گئی ہیں۔

فصل ۳۔ ذمام مستخرج از امور مشابہ معاہدات

قانون روما نیز انگریزی قانون میں بعض ایسے ذمام ہیں جو حقیقت میں معاہدات سے نہیں پیدا ہوتے ہیں بلکہ قانون ملک نے ان کو معاہدات کے مانند اور مشابہ قرار دے رکھا ہے۔ واقعات کی رو سے نہیں بلکہ قانون کی رو سے اس قسم کے امور معاہدات خیال کئے جاتے ہیں اور فرضی طور پر ان ذمہ داریوں کو جو حقیقت میں معاہدات سے نہیں پیدا ہوتی ہیں قانون معاہدات میں داخل کر لیا گیا ہے۔ رومیوں نے انکے لئے ذمام ماخوذ از معاہدات کی اصطلاح تجویز کی تھی۔ انگریزی قانون داں ان کو امور مشابہ معاہدات یا معاہدات بالکنایہ (یا معاہدات معنوی) اور اکثر اوقات کسی صفت کے بغیر صرف معاہدات کہتے ہیں چنانچہ انگریزی قانون کے مصنفین نے فیصلے کو ایک معاہدہ[1] اور دین ڈگری شدہ کو ذمہ داری ماخوذ از معاہدہ کہا ہے۔ بلکہ اسٹن[2] لکھتا ہے کہ

---

[1] گرانٹ بنام اسٹن کوئینز بینچ ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۲۔

[2] کمنٹریز جلد ۲ صفحہ ۴۴۳۔

«معنوی (معاہدات) سے مراد ایسے معاہدے ہیں جن کو عقل اور انصاف نے معاہدات قرار دیا ہے اور اس لئے قانون ملک میں قیاس کیا ہے کہ ہر ایک شخص نے اُنکی تعمیل کی نسبت عہد کیا ہے۔» چنانچہ اسی بناء پر ہر ایک شخص کے متعلق قیاس کر لیا گیا ہے کہ فی الحقیقت ان مخصوص رقوم کو ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے جنکے ادا کرنے کی ذمہ داری اُس پر قانون ملک کی تجویز سے عائد کی جاتی ہے یا بذریعۂ تاویل قانون مذکور اُن کی ادائی مشخص کی گئی ہو۔[لہ] ایسا ہی یہ عدالتوں کا منصف «اس عام رجحان اور طرز عمل کی نسبت بیان کرتا ہے جس سے اس امر کا استنباط کرنا ممکن ہے کہ عدالتوں کی نظروں میں ہر ایک شخص نے اس امر کی بجا آوری کا وعدہ کیا ہے جو اس کے فرض یا انصاف کا مقتضا ہو۔»[لہ] اس میں شک نہیں کہ منصف موصوف نے اس رجحان اور طرز عمل کے نہایت وسیع معنے لئے ہیں۔

معاہدات معنوی (یا ضمنی) ازروئے قانون اور معاہدات معنوی ازروئے حقیقت میں نہایت لطیف اور باریک فرق ہے جس سے واقف ہونا ایک ضروری امر ہے۔ دوسری قسم کا معاہدہ فی الحقیقت ایک صحیح معاہدہ ہے حالانکہ اس کا وجود فریقین معاہدہ کی روش یا طرز عمل سے استنباط کیا جاتا ہے یعنے معاہدہ معنوی ازروئے حقیقت کی بناء فریقین کے الفاظ صریح نہیں بلکہ ان کی روش اور طرز عمل ہے۔ مثلاً اگر میں کسی آمنی بس (ایک قسم کی کرایہ کی موٹر یا گھوڑوں کی گاڑی جو بڑے شہروں کی سڑکوں پر مسافروں کی حمل ونقل کی غرض سے چلائی جاتی ہے) میں داخل ہو جاؤں اور اس طرح کہ میرے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ میں کہیں جانا چاہتا ہوں ہر چند میں نے صریح الفاظ میں کسی قسم کا عہد نہ کیا ہو لیکن یہ استنباط کیا جائے گا کہ میں نے آمنی بس کے مالک سے اس معمولی کرائے کے ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے جو دوسرے مسافروں سے لیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس معاہدہ معنوی ازروئے قانون

لہ کمنٹریز جلد ۳ صفحہ ۱۵۹۔
لہ کمنٹریز جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۔

محض ایک فرضی معاہدہ ہے کیونکہ اس میں فریقین معاہدہ کی نسبت اپنی رضامندی کا صراحتاً یا کنایتاً کسی طرح سے بھی اظہار نہیں کرتے ہیں۔

کن مخصوص صورتوں میں قانون میں امور مشابہ معاہدات یا فرضی معاہدات کو تسلیم کیا گیا ہے؟ وہ کون ذمہ داریاں ہیں جن کی حیثیت قانون میں معاہدات کی سی ہے حالانکہ ازروئے حقیقت ان کی وہ شان نہیں ہے؟ اس مقام پر ان سوالات کا مکمل جواب دینا ممکن نہیں ہے اس پر بھی ہم اس قسم کی ذمہ داریوں کی مکمل فہرست پیش کرنے کے عوض مقدمات کے ایسے دو طبقات کا انتخاب کرتے ہیں جن میں اکثر وہ ذمہ داریاں شامل ہیں جو امور مشابہ معاہدات سے پیدا ہوتی ہیں اور جو انگریزی قانون میں تسلیم کی گئی ہیں۔

سب سے پہلے ایک قاعدۂ کلیہ کا بیان کر دینا مناسب ہے۔ انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کے نظریے کی رو سے ہر ایک قسم کے دین کا ماخذ ایک نہ ایک معاہدہ خیال کیا جاتا ہے۔ قرضہ جات کی بناء اور مبداء معاہدات ہیں۔ قرض یا دین سے مراد ایک معینہ یا مشخصہ رقم کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہے اور اس کی ضد غیر معینہ یا غیر مشخصہ رقم کی ادائی کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے ایسا ہی قرضے کا عکس تمام غیر رقمی ذمہ داریاں ہیں۔ دیون کی زیادہ تر تعداد ایسی ذمہ داریوں پر مبنی ہے جو حقیقت میں معاہدے سے پیدا ہوتی ہیں لیکن اکثر ایسے دیون کی ہستی ہی قانون میں تسلیم کیجاتی ہے جن کا ماخذ معاہدہ نہیں بلکہ کوئی دوسری شئے ہے چنانچہ فیصلۂ عدالت کے ذریعہ سے ایسا دین وجود پذیر ہوتا ہے جس کو معاہدے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے ایسا ہی اس وصول رقم کا ماخذ معاہدہ نہیں ہے جو غلطی سے ادا یا فریب سے حاصل کی جائے پھر بھی انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کے نزدیک اس قسم کے تمام امور اور معاملات معاہدہ ہیں اور ان کا معاہدے کے دائرے میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس امر کے متعلق کہ جس کسی نے قرضہ لیا ہے اس نے اس کے ادا کرنیکی نسبت ہی وعدہ کیا ہے وہاں کے قانون میں ایک قطعی قیاس ہے چنانچہ بلیک اسٹون کا مقولہ

لہ منٹریز جلد ۳ صفحہ ۱۶۰۔ "معاہدہ کی بناء پر دعویٰ کرنے کا حق نہ صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے

ہے کہ "قوانین ملک (ملکی عدالتوں) کی جانب سے جس شخص کو ادائی کا حکم دیا جائے اس کے حق میں وہ حکم ایسا دین قرار پاجاتا ہے گویا اس کے ادا کرنے کا اس شخص نے حکم عدالت کے جاری ہونے سے پہلے ہی وعدہ کر لیا تھا"

چنانچہ نظریۂ قانون کی رو سے مدیون ڈگری زرِ ڈگری کی ادائی کی نسبت بربنائے معاہدہ ذمہ دار سمجھا جاتا ہے گویا اس نے ایسی رقم کی ادائی اپنے ذمہ لی ہے جو کسی معاہدے کی بنا پر حاصل کی گئی ہو۔ لارڈ ایشر[1] نے تحریر فرمایا ہے کہ "مدعی علیہ کی ذمہ داری اس معاہدۂ معنوی پر مبنی ہے جس کو اس نے زرِ ڈگری کی ادائی کے متعلق کیا ہے" ایسا ہی استرداد رقم کی جس قدر ذمہ داریاں ہیں وہ از روئے نظریہ مبنی بر معاہدہ ہیں اور ان کی مثالیں ایسی رقوم ہیں جو غلطی سے فریب اور تخویف سے حاصل یا ادا کی جاتی ہیں ایسا ہی ایک مقدمے کے فیصلے میں لارڈ منسفیلڈ[2] ارقام فرماتے ہیں کہ "اگر مدعی علیہ پر مدعی کی رقم واپس کرنے کی ذمہ داری کا ماخذ انصاف قدرتی کی وہ گرہیں یا بندشیں ہیں جن سے وہ مدعی کے ساتھ جکڑ دیا جاتا ہے تو دعوے قرضہ میں بصورت کامیابی مدعی قانون ملک میں زرِ ڈگری بربنائے نصفت ضمناً یا معنوی طور پر ایسا دین قرار پاتا ہے جس کی بنا کوئی معاہدہ ہو (اور جس کو قانون روما میں ذمہ داری ماخوذ از امر مشابہ معاہدہ کہتے ہیں)" یہی کیفیت ان ذمہ داریوں کی ہے جن کی بنا پر مدعی علیہ کو معاوضۂ نقصان میں روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے مثلاً اگر مالک زمین یا زمیندار زرِ لگان کی عدم ادائی کی صورت میں اپنے آسامی کے مال کے عوض کسی غیر شخص کا مال ضبط کرے تو قانون میں اس کا آسامی مالک مال کو اس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: جیسا کہ آولر کے ایک فیصلے نے جس پر قانوناً اسکی تعمیل لازم ہو اس اقرار کی خلاف ورزی کی ہو بلکہ ان صورتوں میں بھی بربنائے معاہدہ نالش کرنے کا حق پیدا ہوتا ہے جن میں مابین فریقین کوئی باہمی پیدا ہو اسطرح سے کہ ایک فریق کچھ رقم دوسرے فریق کو ادا کرنے کے لئے از روئے قانون ذمہ دار قرار پائے یہ ایک معاہدہ معنوی کی شکل ہے اور قانون ملک نے فریقین کے تعلق باہمی کو معنیً ایک معاہدہ قرار دیا ہے" کلارک اینڈ لنڈسیل قانون ہارٹ صفحہ ۱

[1] گرانٹ بنام ایڈن کونسر نیچ ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۳۔

[2] موزیس بنام میک فرلین لا رپورٹ مرتبہ برو صفحہ ۱۰۰۵ لیکن یہ اقتباس اس رپورٹ کے صفحہ ۱۰۰۹ سے لیا گیا ہے۔

مال کی قیمت ادا کرنے کا معنوی طور پر وعدہ کرتا ہے[5]۔ ایسا ہی ان تمام ذمہ داریوں کی بناء حق کا تعلق رقوم کی ادائی سے ہو قانون میں ایک فرضی وعدہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر دو شخص میں کسی دین کے متعلق ایک دوسرے سے علیحدہ اور بلا واسطہ ضمانت دی ہو اور بعد ازاں صرف ایک ضامن کا ل دین کی ادائی کے لئے مجبور کیا جائے اور اگر وہ اس دین کی کامل رقم ادا کردے تو وہ دوسرے ضامن سے معاہدۂ معنوی یا تعبیری کی بناء پر ادا شدہ رقم میں کی نصف رقم وصول کر سکتا ہے۔ حالانکہ ازروئے واقعہ یا حقیقت ان دونوں میں اس کے متعلق کوئی معاہدہ نہیں طے پایا ہے۔

۲۔ امور مشابہ معاہدات کی دوسری قسم ان صورتوں پر مبنی ہے جن میں جس شخص کو ٹارٹ کے ہاتھوں ضرر پہونچا ہو وہ باجازت قانون ٹارٹ کی نسبت دعوے کرنے کے حق سے دست بردار ہو کر مدعی علیہ کے مقابلے میں معاہدے کی نالش کرتا ہے بالفاظ دیگر بعض ایسی ذمہ داریاں ہیں جو اصل میں ٹارٹ کی وساطت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن قانون میں ان کا ماخذ معاہدہ قرار دیا گیا ہے اور اس بناء پر مدعی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کے متعلق خلاف ورزی معاہدہ کی نالش کرے۔ مثلاً اگر کوئی شخص میرا مال ناجائز طور پر لے جا کر فروخت کردے تو وہ اس ٹارٹ کا مرتکب ہوتا ہے جس کو تصرف بیجا کہتے ہیں اور اس لئے مجھ کو ہرجہ ادا کرنے کی ذمہ داری جو اس پر عائد ہوتی ہے اس کا سبب فی الحقیقت یہی ٹارٹ ہے پھر بھی اگر مجھے ٹارٹ کی نالش کرنے کے حق سے دست بردار ہونے میں فائدہ معلوم ہو تو میں ایک فرضی معاہدے کی بناء پر اس سے مال کی قیمت جس کو اس نے حاصل کیا ہے طلب کر سکتا ہوں گویا اس کو میں نے بطور جائز اپنا مختار یا کارندہ مقرر کیا تھا اور اس نے جائز طور سے اس مال کو میری جانب سے فروخت کرکے ان روپیوں کو حاصل کیا جو اس مال کی قیمت میں اس کو خریدار نے ادا کیا ہے ازروئے قانون اسطرح کے مدعی علیہ کو معاہدے کی نالش میں اپنے فعل ناجائز کو بطور عذر پیش کرنے کا موقع نہیں حاصل ہے[6]۔ علی ہذا القیاس

---

[5] اگرزال بنام بارٹ برج ٹرم رپورٹس جلد ۸ صفحہ ۳۰۸ ۔ ریوائزڈ رپورٹس جلد ۴ صفحہ ۶۵۶

[6] اسمت بنام بنکر لارپورٹس مرتبہ گیا زنگ ٹن اینڈ ڈسن جلد ۸ صفحہ ۳۵۰ اس کے علاوہ ٹارٹ سے دست بردا

اگر کوئی شخص مجھے فریب دیکر یا مجھ سے غلط بیانی کر کے روپیہ لے جائے تو میں بصیغہ ٹارٹ اس کے خلاف ہرجے کی نالش کر سکتا ہوں نیز ایک فرضی معاہدہ کی بناء پر اسی رقم کے واپس پانے کے لئے اسی شخص کے مقابلے میں دعوے کر سکتا ہوں۔

امور مشابہ معاہدات سے جو ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں ان کو قانون ملک میں تسلیم کرنے کے چند وجوہ ہیں اور ان میں سے تین اسباب سب سے زیادہ اہم ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) درایت جس کی رو سے دعاوی خلاف اشخاص کے مختلف شکلوں کی تقسیم معاہدے اور ٹارٹ پر مبنی کی گئی تھی اس تقسیم کو مکمل اور جامع بنانے کی غرض سے ایسی تمام رقمی ذمہ داریاں جو معین اور مشخص ہوں اور ان کی صحیح باہیت اور بداہت کا لحاظ نکرتے ہوے وہ معاہدات کی صنف میں شریک کر لی گئی تقسیم چنانچہ اس زمانے[۱] میں بھی برطانیہ کی مجلس وضع قوانین اس نظریے کو جس کی رو سے انگریزی قانون غیر موضوعہ کے تمام دعوؤں کی تقسیم معاہدے اور ٹارٹ میں کی گئی ہے تسلیم کرتی ہے اور اس طرح ماننے کا ضروری نتیجہ امر مشابہ معاہدہ کا مسئلہ ہے۔

(۲) عدالتوں کی خواہش کہ ان کے ایسے فیصلے جن کی وجہ سے فرائض کے جدید اقسام اور اشکال پیدا ہوتے ہیں کسی ایک نظریے پر مبنی ہوں اس میں شک نہیں کہ مفروضات قانونی سے جس طرح قانون ملک کے دوسرے طبقات کی ترقی میں مدد ملتی ہے اسی طرح قانون کی اس صنف کی ترقی میں ان سے بہت کچھ کام لیا جاتا ہے عدالتوں کے لئے اس امر کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:— ہونے کے متعلق ملاحظہ ہو لایٹ لی بنام کلوسٹن روائزڈ رپورٹس جلد ۹ صفحہ ۱۳۷، ٹیٹمن جلد ۱ صفحہ ۱۱۲۔ فلیس بنام ہمفرے جانسری ڈیویژن جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ ہم۔ سامنڈ قانون ٹارٹ فصل ۴ ہم

[۱] کونٹی کورٹس ایکٹ (قانون بابت عدالتہائے ضلاع) ۱۸۸۸ء دفعہ ۱۱۶۔ پروفیسر مٹ لینڈ نے قانون ٹارٹ مصنفہ سر فریڈرک پالک کے ایک ضمیمہ میں دعوؤں کی اس تقسیم کے متعلق بحث کی ہے۔

ظاہر کرنا کہ ایک شخص (مدعیٰ علیہ) کے متعلق ادائی رقم کا وعدہ فرض کر کے اس پر ادائی رقم کی ذمہ داری عائد کرنی بہ نسبت اس امر کے زیادہ آسان ہے کہ وہ پہلے اس اصول کو طے کر دیں کہ مدعی علیہ خواہ اس نے وعدہ کیا ہو کہ نہیں ادائی رقم کا ذمہ دار ہے۔

(۳) معاہدے کے متعلق قانون میں جس قدر چارۂ کار بتلائے گئے ہیں وہ ان دادرسیوں سے زیادہ موثر اور سریع الحصول ہیں جو ٹارٹ وغیرہ کے متعلق قائم کی گئی ہیں اس لئے مدعی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی موثر اور بہتر عدالتی کارروائی کو اختیار کرے جیسا کہ معاہدے کی نالشیں ہیں۔ قدیم زمانے میں جبکہ لوگ ظاہر پرست تھے اور ہر ایک دعوے بعض مخصوص الفاظ اور ایک طریقے کے ساتھ رجوع کیا جاتا تھا دعوے کے لئے معاہدے کے سوا کسی دوسرے امر کو بنیاد قرار دینا مدعی کے حق میں چنداں سودمند نہ تھا اس لئے مدعی کوشش کرتا تھا کہ کسی طرح سے اس کا دعویٰ معاہدے کے دعوے کی شکل میں دائر ہو سکے۔ چنانچہ اسمسٹ (دعوے معاہدہ) دعوے قرضہ سے بہتر سمجھا جاتا تھا اور اس کو بہتر ماننے کا سبب یہ تھا کہ اس میں مدعیٰ علیہ کو اس طریقہ سے دعوے کی تردید کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا جس کو دیجر آف لاء[1] (wager of law) یعنی بازی قانون یعنے تصدیق حلفی کہتے تھے۔ اس چارۂ کار کی خوبی کا ایک اور بھی سبب تھا تصرف بیجا اور دوسری قسم کے ٹارٹ کے دعوؤں کے مانند اسمسٹ کا دعویٰ یا چارۂ کار اس شخص کے فوت ہونے سے جس نے کسی فعل ناجائز یعنے ٹارٹ کا ارتکاب کیا ہو زائل نہیں ہوتا تھا بلکہ متوفی کے ورثا کے مقابلے میں مدعی اپنا دعویٰ رجوع کر سکتا تھا۔ لہذا اس زمانے میں لوگوں کو فرضی معاہدات کی بنا پر نالشیں رجوع کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور مدعی اس بنا پر اسمسٹ کے ذریعے سے اپنا دعویٰ رجوع کرتا تھا حالانکہ اس کا

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ دستور انگلستان برائے بی۔ اے صفحہ ۳۰۷۔

صحیح جارئہ کار دعویٰ قرضہ یا ٹارٹ کی کوئی دوسری نالش تھی۔

بہرحال یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر ایک ایسے نظام قانون سے جو عقل و فہم پر مبنی ہو امر مشابہ معاہدہ کی ذمہ داری کا تصور خارج کیا جاسکتا ہے قانون ملک میں اس قسم کی ذمہ داری کے تسلیم کئے جانے سے زمانۂ موجودہ کی ضرورتوں پر نظر کرتے ہوئے کسی خاص غرض کی تکمیل نہیں ہوسکتی اس پر بھی ذمہ داری ماخوذ از امر مشابہ معاہدہ قانون انگلستان کا ایک جزو ہے اس لئے اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہے اور اسی وجہ سے ہم نے اس فصل میں اس کے متعلق بالاجمال بحث کی ہے۔

فصل ۱۷۱۔ ذمام بے نام (بے نام ذمہ داریاں)

سابق میں ذمام کی جو تقسیم بتلائی گئی ہے اور اس کی رو سے ذمام کے چند ماخذ معاہدہ ٹارٹ یا امور مشابہ معاہدہ قرار دئے گئے ہیں وہ متمم اور مکمل نہیں ہے اور نہ کسی منطقی اصول پر مبنی ہے اس لئے اس تقسیم میں ایک آخری اور چوتھے جزو کے داخل کرنے کی ضرورت ہے اور چونکہ اس ماباقی طبقے کے لئے کوئی جامع اور ممتاز اصطلاح نہیں ہے اس لئے اس صنف کو صنف بے نام سے متصف کیا گیا ہے[1]۔ ذمام بے نام میں ایسی ذمہ داریاں داخل ہیں جو امنا پر ان کے امون لہم کے مقابلے میں عائد کی جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ذمام کی یہ صنف باقی۔ تین اصناف کے مانند بنفسہٖ ایک صنف یا طبقہ قرار پاسکتی تھی بشرطیکہ ان ذمہ داریوں کا ماخذ امانت نہ ہوتی جس کا تعلق قانون جائداد سے ہے اس لئے اس چوتھی قسم کے ذمام کا کوئی مخصوص اصطلاحی نام نہیں ہے اور بناءً علیہ اس صنف کو ذمہ داری ہائے بے نام کہتے ہیں۔

---

[1] ان معاہدات کے لئے جن کا کوئی مخصوص نام نہیں ہے ماہرین قانون روما نے معاہدات بے نام کی اصطلاح تجویز کی ہے ۱۲۔

خلاصہ

تعریف ذمہ (ذمہ داری)۔
اشیاء در دعویٰ (اشیائے مدعوہ)
ذمام متمم:۔
اُن کی ماہیت ۔
اُن کے اقسام
(۱) منفردہ
(۲) مشترکہ
(۳) مشترکہ اور منفردہ ۔
ذمہ داریاں جو معاہدے سے پیدا ہوتی ہیں۔
ذمہ داریاں جو ٹارٹ سے پیدا ہوتی ہیں۔
ماہیت ٹارٹ
(۱) دیوانی طرز کا فعل ناجائز
(۲) قابل ادعاع نالش ہرجہ
(۳) اس سے مراد محض خلاف ورزی معاہدہ نہیں ہے۔
(۴) اس سے مراد محض خلاف ورزی امانت یا کوئی دوسری نصفتی ذمہ داری نہیں ہے ۔
ذمہ داریاں جو امور مشابہ معاہدات سے پیدا ہوتی ہیں ۔
امر مشابہ معاہدہ کی نوعیت۔
تمثیلات امور مشابہ معاہدات
امور مشابہ معاہدات کو تسلیم کرنے کے وجوہ
ذمام بے نام (بے نام ذمہ داریاں)

بائیسواں باب

قانون ضابطہ

فصل ۱۷۲۔ قانون اصلی اور قانون ضابطہ

قانون اصلی اور قانون ضابطہ کے فرق کی صحیح نوعیت اور ماہیت کا دکھانا کوئی آسان کام نہیں ہے اس پر بھی ہم اس کے متعلق پہلے اس غلط توجیہ کا ذکر کر کے اس پر غور کرنا چاہتے ہیں جس کو قدیم مصنفین نے اس فرق و امتیاز کی نسبت تحریر کیا ہے عدالتی کارروائیاں جس خاص طرز اور مخصوص طریقے سے کی جاتی ہیں اس کے لحاظ سے عدل گستری منجانب سلطنت کا مفہوم اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ سلطنت ان لوگوں کو مختلف قسم کے چارۂ کار عطا کرتی ہے جن کے حقوق کی پامالی اور خلاف ورزی ہوتی ہے لہذا اس طرز عمل کی وجہ سے یہ خیال لوگوں کے قلوب میں قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ قانون اصلی سے مراد وہ قانون ہے جس کے ذریعے سے حقوق کی تعریف کی جاتی ہے اور ضابطے کا قانون ایسا قانون ہے جس کے ذریعے سے چارۂ کار یا دادرسیاں معین کی جاتی ہیں۔ بہرحال قانون (gus) اور چارۂ کار (remedium) میں جو اسطرح فرق کیا جاتا ہے وہ ناقابل قبول ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ اگر ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق قانون ضابطہ سے ہے مثلاً حق مرافعہ (مرافعہ کرنے کا حق) فریق مقدمہ کا خود اپنے کو اپنے معاملے میں بطور گواہ کے پیش کرنے کا حق۔ اس قسم کے حقوق ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اکثر ایسے قواعد جن کے ذریعے سے چارۂ کار یا دادرسیوں کی تعریف کر کے ان کا تعین کیا جاتا ہے قانون اصلی میں داخل ہیں۔ قانون اصلی کے ذریعے سے کسی حق کا اور قانون ضابطہ کے ذریعے سے اس حق کے حاصل کرنے کے چارۂ کار کا تعین کیا جاتا ہے۔

مثلاً اگر سزائے موت یا کوئی دوسری سنگین سزا منسوخ کردی جائے تو اس سے ضابطۂ فوجداری کے قانون میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی کیونکہ قانون فوجداری کے قانون اصلی میں نہ صرف جرائم داخل ہیں بلکہ اس میں اُن کی سزاؤں یعنی تعزیرات کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی دیوانی کے قانون میں ایسے قواعد جن سے مقدار ہرجہ کا تعین کیا جاتا ہے اسی طرح قانون اصلی میں داخل ہیں جس طرح وہ قواعد جن سے اس امر کا تعین کیا جاتا ہے کہ کس قسم کا ہرجہ یا نقصان قابل نالش ہے۔ علیٰ ہذالقیاس قانون اصلی میں ان دونوں اصناف کے قواعد داخل ہیں جن کا تعلق اقرارات بتعمیل مختص اور عام اقرارات سے ہے۔ اگر ضابطے کی تعریف میں یہ کہا جائے کہ اس کا تعلق حقوق سے نہیں بلکہ چارۂ کار سے ہے تو چارۂ کار کو اس طریقے اور کارروائی سے خلط ملط کردینا ہے جس کی رو سے وہ حاصل کیا جاتا ہے۔

اگر توجیہ متذکرۂ صدر صحیح نہیں ہے تو بالآخر اس فرق کی صحیح نوعیت کیا ہے؟ قانون ضابطہ کی تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ ضابطہ قانون ملک کی ایک فرع ہے اور نزاع عدالت کا طریقہ اُس کے تابع ہے۔ ضابطے سے مراد ارجاع نالشات کا قانون ہے بشرطیکہ اس اصطلاح کو اس کے وسیع مفہوم میں استعمال کیا جائے جس کی وجہ سے اس میں دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کی عدالتی کارروائیاں یعنی دونوں قسم کے دعوے شامل ہوسکیں۔ جب اس طرح قانون ملک سے قانون ضابطہ علیحدہ ہونے کے بعد جو قانون باقی رہتا ہے وہ قانون اصلی ہے قانون اصلی کا تعلق عدالتی نزاع کے طریقے اور کارروائی سے نہیں ہے بلکہ وہ قانون عدالتی نزاعات کے اغراض اور موضوعات سے متعلق ہے۔ عدل گستری کے ذریعے سے سلطنت جن مقاصد و اغراض کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اُن سے قانون اصلی کا تعلق ہے اسکے برعکس ضابطے کا قانون اُن ذرائع اور آلات پر شامل ہے جن سے اغراض متذکرہ حاصل کئے جاتے ہیں۔ موخرالذکر قانون کے زیراثر نزاع عدالت کے متعلق عدالتوں اور اہل مقدمات کے تعلقات وطرز عمل کی تنظیم کی جاتی ہے اور اول الذکر قانون سے شئے متنازعہ کے متعلق اُن کے تعلقات وطرز عمل کی تنظیم کی جاتی ہے۔ قانون ضابطہ کا تعلق عدالت کی اندرونی کارروائیوں سے ہے اور قانون اصلی اُن امور یا کارروائیوں سے متعلق ہے جو بیرون عدالت واقع ہوتی ہیں۔

انگریزی قانون ضابطہ کی ورق گردانی یا اس پر سرسری نظر ڈالنے سے ناظرین کتاب پر

اس امر کا بخوبی انکشاف ہوسکتا ہے کہ ہم نے فقرۂ بالا میں جس توجیہ کو پیش کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ مثلاً اگر مجھ کو کسی جائداد کے پانے یا حاصل کرنے کا حق ہو اور میں اس کو حاصل کرنا چاہتا ہوں تو میرے حق کا تعلق قانون اصلی سے ہوگا کیونکہ سلطنت کی عدل گستری کا منشاء اس قسم کے حقوق کا تعین اور حمایت کرنا ہے لیکن مجھ کو کن عدالتوں میں رجوع ہونا چاہیئے اور کس مدت میں اپنا دعویٰ داخل کرسکتا ہوں۔ ان استفسارات کا تعلق قانون ضابطہ سے ہے کیونکہ اس قسم کے امور ان طریقوں اور کارروائیوں سے متعلق ہیں جن کی رو سے عدالتیں اپنے فرائض کو انجام دیتی ہیں۔ ان واقعات کا تعین کرنا جن پر کوئی فعل ناجائز مبنی ہو قانون اصلی کا کام ہے اور ان واقعات کا تعین کرنا جن پر کسی فعل ناجائز کے ثبوت کی بنا ہو قانون ضابطہ کا کام ہے کیونکہ پہلے قانون کا تعلق نزاع عدالت کے موضوع یعنی شئے یا حق متنازعہ سے ہے اور دوسرا قانون اس طریقۂ کارروائی سے متعلق ہے جس کے ذریعے سے مدعی چارۂ کار طلب کرتا ہے۔ سزائے جرم کا تعلق خواہ وہ جرمانے کی شکل میں مقرر کی جائے یا قید کی صورت میں۔ بہرحال قانون اصلی سے ہے کیونکہ فوجداری طرز کی ذمہ داری کا وجود اور مقدار ان امور میں داخل ہیں جو سلطنت کی عدل گستری کے مقاصد و اغراض سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اس سوال کا تعلق کہ فلاں جرم کی سرسری طور پر تحقیقات ہونی چاہیئے یا بذریعۂ انڈایٹمنٹ[۵۱] (الزام تحریری مصدقۂ گرانڈ جوری) وہ کامل تحقیقات کے قابل ہے ضابطے سے ہے۔ سب سے آخر میں یہ امر قابل غور ہے کہ اگر سزائے سنگین منسوخ کردی جائے تو قانون اصلی میں تبدیلی واقع ہوگی لیکن قرض کے مقدمات میں مدیون ڈگری کو قید کرنے کے طریقے کی موقوفی سے قانون ضابطہ میں تغیر ہوا اس کی وجہ ظاہر ہے سلطنت کی عدل گستری کے مقاصد میں سے ایک مقصد جرائم کی سزا دہی ہے اور قرض کے نہ ادا کرنے کی صورت میں مدیون ڈگری کو جو قید کیا جاتا تھا اسکی غرض محض مدیون کو ادائی کے لئے مجبور کرنا تھی۔

جس حد تک عدل گستری کا تعلق اُن چارۂ کار یا داد رسیوں کے عطا کرنے سے ہے جن کے ذریعے سے پامال شدہ حقوق حاصل کئے جاتے ہیں یہ کہنا بجا ہے کہ قانون اصلی کا کام اس چارۂ کار اور اُس حق کی تعریف کرنا ہے جس کے ذریعے سے

---

[۵۱] ملاحظہ ہو تاریخ دستور انگلستان برائے انٹرمیڈیٹ تشریحات صفحۂ ۱۷۱ و ۲۲۳۔

وہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس قانون ضابطہ کے ذریعے سے وہ طریقے اور شرائط طے کئے جاتے ہیں جن کے زیر اثر حصول حق کے واسطے عدالتیں کوئی چارۂ کار صاحب حق کو عطا کرتی ہیں۔

اگرچہ قانون اصلی اور ضابطے میں از روئے نظریہ ایک بیّن فرق پایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ ضابطے کے اکثر ایسے قواعد ہیں جو اصلاً نہیں تو عملاً قانون اصلی کے قواعد کے مساوی نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی صورتوں میں قانون ملک کی ان دو شاخوں میں جو کچھ بھی فرق ہے وہ اصلی نہیں بلکہ ظاہری ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صورتوں میں ایک ہی قاعدہ جس کا بظاہر قانون ملک کی ان دو شاخوں میں سے ایک فرع سے تعلق پایا جاتا ہے اصل میں وہ دوسری فرع سے متعلق ہے لیکن تبدیل شکل کی وجہ سے اس کا شمار پہلی فرع میں کیا جانے لگا ہے۔ قانون کی تاریخ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرع کے قواعد دوسری فرع میں تشکیل کی بنا پر داخل کر لئے گئے ہیں۔ مسئلۂ تشکیل نہ صرف تاریخ قانونی کی رو سے دلچسپ ہے بلکہ نظریۂ قانونی میں بھی اس کی دلچسپی اور اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔

قانون اصلی اور ضابطے کے جن اصول یا قواعد میں یک رنگی اور مساوات پائی جاتی ہے اُن کے تین اصناف ایسی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان کا اس مقام پر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ جب کسی حق کے ثابت کرنے کے لئے قانون میں بلا شرکت غیرے ایک ہی واقعہ اُس کی شہادت قرار دیا جائے تو از روئے عمل اس حق کے ماخذ کے اجزائے ترکیبی سے ایک جزو وہی واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ شہادت کے متعلق ضابطے کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ بعض معاہدات کو صرف بذریعۂ تحریر ثابت کرنا چاہیئے اور یہ قاعدہ قانون اصلی کے اس قاعدے کے مساوی اور مشابہ ہے جس کی رو سے قرار دیا گیا ہے کہ معاہدہ جو منضبط تحریر میں نہ لایا جائے کالعدم ہے۔ پہلی صورت میں ماخذ حق کے ثبوت کے لئے تحریر ایک قسم کی مخصوص اور منفرد شہادت ہے اسکے بجز دوسری قسم کی شہادت کا پیش کرنا قانوناً جائز نہیں ہے لیکن دوسری شکل میں تحریر ماخذ کا ایک عنصر یا جزو ہے۔ پہلی شکل میں حق تو موجود ہے لیکن اُس کا وجود

ناکمل ہے کیونکہ بعض ثبوت کی وجہ سے صاحب حق کو اُس کا چارہ کار نہیں مل سکتا اور دوسری شکل میں حق زیر بحث معرض وجود میں آ ہی نہیں سکتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں قواعد میں اس قسم کا فرق ہے لیکن از روئے عمل اکثر صورتوں میں یہ اصلی نہیں بلکہ ظاہری فرق پایا جاتا ہے۔

۲۔ ضابطے میں جو واقعہ جس امر کا ثبوت قطعی قرار دیا گیا ہے وہ مساوی ہے اُس واقعے کے جو اُس کے ذریعے سے ثابت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قانون میں جس قدر قیاسات قطعی ہیں بظاہر اُن کا تعلق ضابطے سے معلوم ہوتا ہے یعنی ظاہر میں وہ ضابطے کے قواعد نظر آتے ہیں لیکن اصل میں اور اثر کے لحاظ سے اُن کا تعلق قانون اصلی سے ہے۔ شہادت کا یہ ایک قاعدہ ہے کہ جس بچے کی عمر ۷ سال سے کم ہو اُس کی نیت مجرمانہ نہیں ہو سکتی لیکن اُس میں اور قانون اصلی کے اس قاعدے میں کہ اُس عمر کے کسی بچے کو کسی قسم کے جرم کے ارتکاب کے لئے سزا نہیں دی جا سکتی تبدیل شکل کا فرق ہے اصل میں دونوں قواعد ایک ہیں لیکن اُن کی ظاہری شکل میں اختلاف ہے۔ ایسا ہی مالک کے کاروبار کی انجام دہی میں جو افعال ملازم سے سرزد ہوتے ہیں اُن کے متعلق یہ ایک قانونی قیاس ہے کہ ملازم یا کارندہ اپنے مالک کی اجازت سے اُن کا ارتکاب کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قطعی قیاس کا تعلق ضابطے سے ہے لیکن اُس کو موجودہ زمانے کی ذمہ داری آجر کے قانون اصلی کا پیش خیمہ اور اُس کے مساوی سمجھنا چاہیئے۔ ابتدا میں تمسک (اقبال مقروض نسبت قرض اور جس پر مقروض کی مہر ثبت ہوتی تھی) اس قرض کی بابت جو اس طرح اُس کے ذریعے سے تسلیم کیا جاتا ثبوت قطعی خیال کیا جاتا تھا لیکن اب اُس کی وہ شان نہیں ہے بلکہ تمسک قرض کا ماخذ خیال کیا جاتا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ تمسک کو ضابطے سے خارج کر کے قانون اصلی میں داخل کر لیا گیا ہے۔

۳۔ میعاد سماعت کا تعلق ضابطے سے ہے اور اُس کا مساوی قدامت جو حقوق یا حق قدامت ہے جو قانون اصلی سے متعلق ہے۔ پہلی شکل میں مرور زمانہ کی وجہ سے وہ بندھن جو حق اور اُس کے چارۂ کار میں واقع ہوتا ہے ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری شکل میں مرور زمانہ حق زیر بحث کو زائل کر دیتا ہے۔ پہلی حالت میں ایک ناقص یا غیر مکمل حق

باقی رہ جاتا ہے اور دوسری حالت میں کوئی حق باقی رہنے نہیں پاتا۔ بہرحال اس امتیاز کے سوائے ان دونوں کا عملی اثر ایک ہے حالانکہ اُن کا ظاہر جداگانہ ہے یا انکی شکلیں مختلف ہیں۔ بالعموم عدالتی کارروائی یا ضابطۂ عدالت کے پانچ عناصر یا اجزائے ترکیبی ہیں یعنی طلب نامہ (سمنز) پلیڈنگ (فریقین کا دعویٰ اور جواب) ثبوت، فیصلہ اور تعمیل ضابطے کے پہلے جزو کا منشا بخوبی ظاہر ہے۔ طلب نامے کے جاری کرنے سے عدالتوں کا مقصد اُن تمام اشخاص کو جن کو مقدمے سے تعلق ہو پیروی کرنے کا موقع دینا ہے۔ دعوے سے جن اشخاص کے اغراض وابستہ ہوتے ہیں اُنکو اپنی طرف سے عدالت میں جوابدہی کا موقع ملتا ہے۔ پلیڈنگ کے ذریعے سے مقدمے کے ایسے تمام امور واقعاتی اور قانونی ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں جو مابہ النزاع ہیں یعنی جن کے متعلق تنقیحات قائم کی جاتی ہیں اور جن پر عدالت اور فریقین کے عمل کرنے سے انفصال میں سہولت ہوتی ہے۔ ثبوت سے مراد ایسا طریقۂ کارروائی ہے جس کے ذریعے سے فریقین عدالت میں ایسے واقعات اور حالات پیش کرتے ہیں جن کی عدالت کو امور نزاعی کے فیصل کرنے میں ضرورت ہوتی ہے۔ فیصلے سے مراد مقدمے کا انفصال پانا ہے۔ عدالتی کارروائی کا سب سے آخری درجہ تعمیل ہے عدالت اپنے فیصلے کو بشرطیکہ مدیون ڈگری بطیب خاطر اُس کی تعمیل نہ کرے گویا اپنی جسمانی قوت یا زورِ طبعی سے منواتی ہے۔ ضابطۂ عدالت کے اُن پانچ عناصر میں سے ثبوت صرف ایسا عنصر ہے جس کی نسبت اس مقام پر بحث و غور کرنے سے ایک دقیق اور نظری مضمون جیسا کہ اصول قانون ہے پُرلطف اور دلچسپ بن سکتا ہے۔ لہذا اس باب کے باقی حصے کو ہم قانون شہادت کی اصلی ماہیت کی تحلیل کے لئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔

فصل ۱۷۳ شہادت

اگر ایک واقعے کے ذریعے سے دوسرے واقعے کا وجود قرین قیاس ہو تو پہلا واقعہ دوسرے واقعے کی شہادت سمجھا جاتا ہے۔ ایک واقعے کی اُس صنعت کو جس کی وجہ سے اُس میں کسی دوسرے واقعے کو ثابت کرنے کی تاثیر ہوتی ہے قوت اثباتی

کہتے ہیں۔ لہٰذا شہادت کی اس طرح تعریف کی جا سکتی ہے کہ شہادت سے مراد ایسا واقعہ ہے جس میں قوت اثباتی موجود ہے۔ اثر کے لحاظ سے قوت اثباتی کے مختلف مدارج ہیں۔ اگر پیش کردہ شہادت کی قوت اثباتی اس درجہ بڑھی ہوئی نہ ہو جس سے عقل انسانی مشہود بہ کے وجود حقیقی کو مستنبط کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے تو اس شہادت کو ثبوت کہتے ہیں۔

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایک واقعہ دوسرے واقعے کی شہادت ہوا کرتا ہے لہٰذا ہم کو اُس فرق سے واقف ہونا چاہیئے جو ان دونوں میں ہے۔ واقعہ جس کے متعلق شہادت پیش کی جاتی ہے اُس کو اصطلاح میں واقعۂ اصلی یا مشہود بہ کہتے ہیں اور وہ واقعہ جو دوسرے واقعے کی شہادت ہو واقعۂ مثبت یا مرہن کہلاتا ہے۔ چنانچہ اکثر صورتوں میں شہادت واقعات کے سلسلے پر مبنی ہوتی ہے۔ مثلاً واقعۂ **الف** واقعۂ ب کی شہادت اور واقعۂ ب واقعۂ ج کی شہادت اور ج د کی شہادت اور اسی طرح ایک واقعہ دوسرے واقعے کی شہادت ہوا کرتا ہے۔ ان میں کا ہر ایک درمیانی واقعہ اُس واقعے کا مثبت سمجھا جاتا ہے جو اُس کے بعد آتا ہے اور اُس واقعے کا مشہود بہ یا واقعۂ اصلی قرار پاتا ہے جو اس سلسلے میں اُس کے پہلے واقع ہوتا ہے یعنی اس مثال میں مثلاً واقعۂ ج مثبت ہے واقعہ د کا اور مشہود بہ یا واقعۂ اصلی ہے واقعۂ ب کا۔

ا۔ شہادت کے مختلف اقسام ہیں۔ اس کی پہلی قسم شہادت عدالتی اور شہادت غیر عدالتی ہے۔ شہادت عدالتی سے مراد ایسی شہادت ہے جو عدالت میں پیش کی جاتی ہے۔ اسمیں ہر ایک ایسی شہادت داخل ہے جس کے پیش کرنے سے فریق کا مدعا اپنے مقدمے کی نسبت عدالت کے علم اور مشاہدے میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ شہادت غیر عدالتی سے مراد ایسی شہادت ہے جو عدالت میں نہ تو براہ راست پیش کی جاتی ہے اور نہ عدالت کو راست طور پر اس کا علم ہوتا ہے بلکہ یہ ایک درمیانی جوڑ یا کڑی ہے جس کے ذریعے سے شہادت عدالتی اور واقعۂ ثبوت طلب میں ایک قسم کا ربط اور تسلسل رہتا ہے۔ عدالتی شہادت مشتمل ہے ان تمام بیانات پر جو گواہ عدالت میں لکھواتے ہیں ایسی تمام دستاویزات پر جو عدالت میں پیش کی جاتی ہیں اور جن کو عدالتیں ملاحظہ کرتی ہیں۔ نیز

اس میں ایسی تمام چیزیں داخل ہیں جن کے ثابت کرنے کے لئے عدالت میں گواہوں کے اظہارات قلمبند کرائے جاتے ہیں۔ غیر عدالتی شہادت میں ایسے تمام واقعات مثبت داخل ہیں جن کا علم عدالت کو راست طور پر حاصل نہیں ہوتا بلکہ عدالتی شہادت کی کسی دوسری شکل یا قسم سے بطور نتیجہ ان کے متعلق عدالت علم حاصل کرتی ہے مثلاً اگر واقعۂ مشہود بہ کے وجود کا علم عدالت کو کسی گواہ کی سماعی شہادت سے کر دیا جائے تو وہ غیر عدالتی شہادت ہے۔ ایسا ہی ملزم کا عدالت میں اقبال جرم کرنا عدالتی شہادت ہے لیکن اگر اقبال دوسرے شخص کے سامنے یا کسی اور مقام میں کیا جائے اور کسی عدالتی شہادت کے ذریعے سے ملزم کے مقابلے میں ثابت کیا جائے تو وہ شہادت غیر عدالتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اصل دستاویز کا پیش کرنا شہادت عدالتی ہے لیکن اُس کی نقل داخل کرنا یا اُس کو کسی ایسے گواہ کی زبانی ثابت کرنا جس نے اُس کو پڑھا ہو غیر عدالتی شہادت ہے۔ اسی طرح عدالت کا اُس مقام یا موقع کو اپنی ذات سے معائنہ کرنا جہاں کسی کام کا کیا جانا بیان کیا جائے یا اُس شے مادی کو بچشم خود دیکھنا جو کسی مقدمے کا موضوع یعنی مدعا بہا ہو شہادت عدالتی ہے لیکن انھیں چیزوں کو گواہوں کے ذریعے سے ثابت کرانا شہادت غیر عدالتی ہے۔

اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ثبوت کے ہر ایک طریقے کا شہادت عدالتی کے کسی نہ کسی جزو پر مبنی ہونا لازم ہے لیکن غیر عدالتی شہادت کو اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں غیر عدالتی شہادت کے ذریعے سے واقعے کا ثابت کیا جانا جائز قرار دیا گیا ہے اور بعض صورتوں میں ناجائز۔ بہر حال جن صورتوں میں غیر عدالتی شہادت کے ذریعے سے واقعے کا ثابت کرنا ممکن ہے اُنھیں اس قسم کی شہادت گویا زنجیر یا سلسلۂ ثبوت کی درمیانی کڑیاں سمجھی جاتی ہے جنکے ذریعے سے واقعۂ اصلی جو زنجیر کے ایک سرے پر ہوتا ہے اور شہادت عدالتی میں جو اُسکے دوسرے سرے پر ہوتی ہے، ربط پیدا کیا جاتا ہے۔ شہادت عدالتی کے لئے صرف تقدیم کی ضرورت ہے اور شہادت غیر عدالتی کو ثابت کرنے کی حاجت ہے۔ فریق مقدمہ کا فرض ہے کہ شہادت عدالتی کو وہ عدالت میں پیش کر دے اُسے اس کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برعکس جو شخص غیر عدالتی شہادت کی تقدیم

کرتا ہے اُس کو عدالت میں ثابت کرنا اُس کا کام ہے۔

۲۔ شہادت کی دوسری قسم شہادت شخصی اور شہادت مادّی ہے۔ شہادت شخصی کے لئے ایک دوسری اصطلاح گواہی ہے۔ شہادت شخصی یا گواہی سے مراد گواہوں کے ایسے بیانات ہیں جن میں واقعات بینہ (واقعات بیان کردہ فریق) کو ثابت کرنے کی تاثیر ہو۔ شہادت کے اقسام میں سب سے زیادہ اہم یہی قسم ہے۔ ثبوت پیش کرنے کے طریقوں میں شاید ہی کوئی ایسا طریقہ ہوگا جس میں اس قسم کی شہادت سے کام نہ لیا جاتا ہو۔ شاذونادر ہی ایسے واقعات ہوں گے جن کو اُن اشخاص کی گواہی سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے جن اشخاص کو اُن کی بابت علم ہو۔ گواہی (بمعنی شہادت) کی دو قسمیں لسانی اور تحریری یا عدالتی اور غیر عدالتی ہیں۔ اگرچہ قانون کے نظریے یا قیاس کا رجحان اس اصطلاح کو عدالتی شہادت کے اقسام تک محدود کرنے کا ہے لیکن اُس کو اس طرح محدود کرنے کے لئے عقل اجازت نہیں دیتی ہے۔ گواہی یا شہادت شخصی میں ایسے تمام بیانات کو داخل سمجھنا مناسب ہے جو لسانی یا تحریری اور عدالتی یا غیر عدالتی ہیں اور جن میں قوت اثباتی موجود ہو۔ بہرحال بیان چاہے کسی قسم کا لسانی یا تحریری وغیرہ کیوں نہ ہو اُس وقت تک عدالت کے نزدیک تسلیم کرنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا جب تک اُس میں قوت اثباتی موجود نہ ہو۔ اس کے برعکس شہادت مادی سے مراد وہ واقعات ہیں جو شہادت سے واقعات مثبت کے منہا ہونے کے بعد باقی رہجاتے ہیں۔ واقعات کے باور کئے جانے کے دو طریقے یا وجوہ ہیں۔ بیان کرنے والے کا صدق مقال اور کسی مادّی شئے کے دیکھنے سے مشاہد کو اُس شئے کے متعلق کسی واقعے کی نسبت اطمینان ہونا۔ لہذا کسی چیز کی نسبت کسی شخص کے بیان کو لینے کے بغیر عدالت کو اطمینان ہونا اور عدالت کا اُس چیز یا واقعے کے وجود کو شہادت لسانی یا تحریری لینے کے بغیر باور کرنا شہادت مادّی ہے۔ شہادت مادّی کی بھی دو قسمیں عدالتی اور غیر عدالتی ہیں اور نظریۂ قانونی کا رجحان اس قسم کو بھی شہادت عدالتی تک محدود کرنے کا ہے۔

۳۔ شہادت کی تیسری قسم اصلی اور منقولی ہے۔ شہادت کے متعلق یہ ایک عام دستور ہے کہ جس قدر سلسلۂ شہادت طویل ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے اثباتی اثر میں

کمی ہوتی ہے کیونکہ اس سلسلے کے واقعات میں سے مسلسل ہر ایک واقعۂ موخر کو
واقعۂ مقدم کا نتیجہ قرار دینے میں شہادت کے غلط ہونے کا احتمال بڑھتا جاتا ہے
لہذا شہادت کو صحیح اور قوی قرار دینے کے لئے سلسلۂ شہادت کا حتی المقدور کوتاہ
کیا جانا ضرور ہے۔ بعض صورتوں میں اس امر کی ضرورت پیش آتی ہے کہ فریق مقدمہ
جہاں تک اُس سے ممکن ہو اپنی شہادت کی درمیانی کڑیوں (یعنی درمیانی واقعات)
کو جن کا تعلق غیر عدالتی شہادت سے ہے کم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو پہلا موقع اُسے
شہادت کو شہادت عدالتی قرار دینے کا ملتا ہے وہ اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔
اس لئے شہادت کی دو قسمیں اصلی اور منقولی قرار دی گئی ہیں اور ان میں جو فرق ہے
اُس کی اہمیت بھی اسی پر مبنی ہے۔ ایک واقعہ دوسرے کے مقابلے میں اصلی یا
منقولی شہادت ہوا کرتا ہے۔ شہادت اصلی سے مراد ایسی شہادت ہے جس کا ثبوت
کے کسی ممکن الحصول اور کم بلا واسطہ ذریعے سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ شہادت منقولی
اُس شہادت کو کہتے ہیں جس کو ثبوت کے کسی ممکن الحصول اور زیادہ بلا واسطہ طریقے
یا ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی دستاویز کے مضمون کو ثابت کرنے کے لئے
عدالت میں اُس دستاویز کا پیش کیا جانا اُس کی اصلی شہادت ہے لیکن عدالت میں
نقل دستاویز کا داخل کرنا یا اصل دستاویز کے مضمون کو لسانی شہادت سے ثابت کرنا
اُس دستاویز کی شہادت منقولی ہے۔ اگر الف ب پر حملہ کرے اور اُس کے متعلق
شہادت اصلی پیش کرنا منظور ہو تو ج کا عدالت میں یہ بیان کرنا کہ اُس نے اس حملے
کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے شہادت اصلی ہے اور اگر اس کے متعلق دیہ بیان
کرے کہ حملے کا واقعہ اُس نے ج سے سنا ہے تو وہ شہادت منقولی ہے۔ اس
اُصول کو کہ جس صورت میں شہادت اصلی میسر ہوتی ہو اُس صورت میں شہادت منقولی
کے پیش کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے محض مشورۂ عقل سمجھنا چاہیئے اور یہ مشورہ
عام ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں خصوصاً اُن اشکال میں جن کو ہم نے ابھی
بطور امثیلات پیش کیا ہے اس مشورے پر اس سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے کہ
اُس کی ایک قانونی قاعدے کی شکل ہوگئی ہے اور اس وجہ سے اُس پر عمل کرنا لوگوں کا
فرض ہے لہذا چند مستثنیٰ صورتوں کے سوائے کسی دستاویز کے ثابت کرنے کے لئے

بجز اُس دستاویز کو عدالت میں داخل کر دینے کے کسی اور قسم کی شہادت سماعی کا پیش کرنا جائز نہیں ہے ۔

۴ ۔ شہادت کی چوتھی قسم بلا واسطہ اور بالواسطہ (یا واقعاتی) ہے ۔ اس کو شہادت بدیہی اور شہادت قرائنی بھی کہتے ہیں ۔ اگرچہ نظریۂ قانون شہادت کے اس فرق کی چنداں اہمیت نہیں ہے لیکن لوگوں کے ذہنوں میں اُس کی ایک ممتاز حیثیت ہے ۔ شہادت بلا واسطہ سے مراد ایسی شہادت ہے جس کا تعلق واقعۂ اصلی سے ہوتا ہے اور اس کے علاوہ جس قدر شہادت ہے اُس کو شہادت بالواسطہ کہتے ہیں ۔ پہلی شکل میں پیش کردہ شہادت سے صرف ایک نتیجہ اس کے صدق و کذب کے متعلق اخذ کیا جا سکتا ہے یعنی جو شہادت پیش کی جاتی ہے وہ عدالت کی رائے میں صحیح قرار پاتی ہے یا غلط ۔ لیکن دوسری شکل میں نتیجے کی نوعیت جس کو عدالت شہادت سے استنباط کرتی ہے بدل جاتی ہے اور عموماً ایک ہی صغریٰ کبریٰ سے اس طرح کا نتیجہ نہیں اخذ کیا جاتا بلکہ اُس کے استخراج کرنے میں یکے بعد دیگرے چند صغریٰ اور کبریٰ سے کام لینا پڑتا ہے مثلاً (الف) کا اس امر کی شہادت دینا کہ اُس نے (ب) کو اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا جس کا (ب) پر الزام عائد کیا گیا ہے یا (ب) کا اپنے جرم کی نسبت اقبال کرنا شہادت بلا واسطہ ہے ۔ اگر ہم (الف) کی شہادت یا (ب) کے اقبال کو صحیح باور کر لیں تو ہمیں الزام منسوبہ کی نسبت رائے قائم کرنے کے لئے کسی اور قسم کے ثبوت لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور نہ پیش کردہ شہادت سے کوئی دوسرا نتیجہ مستخرج ہو سکتا ہے ۔ اس کے برعکس اگر (الف) اس امر کی شہادت ادا کرے کہ اُس نے (ب) کو اس مقام سے گزرتے ہوئے دیکھا جہاں (ب) نے الزام منسوبہ کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے ہاتھ میں وہ ہتھیار یا حربہ تھا جس سے (ب) کا مرتکب جرم ہونا بیان کیا جاتا ہے تو ایسی شہادت محض شہادت بلا واسطہ ہے ۔ اگر ہم اس شہادت کو صحیح مان بھی لیں تو ہمارا اس نتیجے پر پہنچنا کہ (ب) نے فی الحقیقت الزام منسوبہ کا ارتکاب کیا ہے ممکن اور صحیح نہیں ہے کیونکہ سلسلۂ شہادت میں مزید چند ایسے واقعات سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے جن سے اس قسم کی شہادت میں تسلسل اور قوت پیدا ہو اور ایک واقعہ دوسرے سے منتج اور مستنبط ہوتا جائے لہذا جسقدر شہادت بالواسطہ

کا سلسلہ طویل ہو اس قدر اس مثال میں (ب) کو ملزم قرار دینے کے لئے شبہہ قوی ہوتا جاتا ہے۔ ہرچند کہ قوت اثباتی کے لحاظ سے عموماً شہادت بلاواسطہ کو شہادت بالواسطہ پر تفوق حاصل ہے۔ تاہم ہر ایک صورت میں پہلی قسم کی شہادت کو دوسری قسم کی شہادت پر فضیلت دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ شہادت بلاواسطہ کے ادا کرنے والے اکثر گواہ ہوتے ہیں اور گواہوں کی دروغ بیانی مشہور ہے۔ مگر واقعات کے ذریعے سے کذب کا اظہار کرنا ممکن نہیں ہے۔ شہادت بالواسطہ یا اتفاقی کی بنا واقعات سمجھے جاتے ہیں اس لئے بعض صورتوں میں اگر ملزم کی بے گناہی شہادت بالواسطہ یا اتفاقی سے ثابت ہو جائے تو اس کو اس شہادت بلاواسطہ پر ترجیح دینا جائز ہے جس کے ذریعے سے الزام ثابت کیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں ایسی شہادت بالواسطہ جس کے ذریعے سے الزام ثابت کیا جاتا ہے اس شہادت بلاواسطہ سے بدرجہا وقیع اور معتبر ہوتی ہے جس کے ذریعے سے ملزم اپنی بیگناہی ثابت کرنا چاہتا ہے۔

فصل ۱۴۷۔ موازنۂ شہادت

قانون شہادت دو اجزا پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا جزو ان قواعد پر مبنی ہے جنکے ذریعے سے شہادت کے اثر یا قوت اثباتی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ان قواعد سے شہادت کی قوت اثباتی کا تعین اور اس کا معیار مقرر کیا جاتا ہے۔ یا اس کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ قانون مذکور کے دوسرے جزو میں ایسے تمام قواعد داخل ہیں جن سے تقدیم شہادت کے طریقوں اور شرائط کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس قانون کے پہلے حصے کا کام شہادت پیش کردہ کے اثر کو بیان کرنا ہے اور اس کے دوسرے حصے میں وہ طریقہ تبلایا گیا ہے جس کے مطابق ذیلی مقدمات کو شہادت کا پیش کرنا لازم ہے پہلے حصے کا تعلق شہادت کے تمام اقسام سے ہے اور اس میں اس کی ہر ایک قسم جیسا کہ عدالتی وغیرہ ہیں داخل ہے لیکن قانون مذکور کا دوسرا حصہ محض شہادت عدالتی سے متعلق ہے۔ بر نہیم اس قانون کے یہ دونوں طبقات میں ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں اور بظاہر ان دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔ تقدیم شہادت کے متعلق اس طرح قواعد مرتب کرنا جن میں شہادت پیش کردہ کے اثر کا حوالہ یا ذکر تک نہ آئے

تقریبًا ناممکن ہے ۔ اس پر بھی ان قواعد کے دو طبقات یا قانون شہادت کے دو اجزا
میں از روئے نظریہ وعمل بیّن فرق و امتیاز ہے جن کو ہم ذیل میں ترتیب وار بیان کرنا
چاہتے ہیں ۔

جس طرح دنیا کے دوسرے امور میں شہادت کے ذریعے سے واقعات
کے صدق وکذب کا پتا چلتا ہے اسی طرح عدالتی کارروائیوں میں بھی شہادت کے
ذریعے سے واقعات کی جانچ کی جاتی ہے اور شہادت ہی ایسی چیز ہے جو صحت اور
سچائی کے دریافت کرنے کا ذریعہ قرار پاسکتی ہے ۔ عدالتی امور یا ان معاملات کے
سوائے جن کا تعلق سلطنت کی عدل گستری سے ہے دیگر تمام امور میں انسان اپنی
عقل سلیم اور قوت امتیاز سے شہادت کا موازنہ کیا کرتا ہے اور موازنۂ شہادت کے متعلق
جس قدر قواعد اصول اور قانونی اقوال ہیں اُن کو وہ اپنے لئے شمع ہدایت تصور کرتا ہے
لیکن شہادت کی جانچ کرنے کی نسبت ان قانونی اصول اور اقوال کا ایک دوسرا اثر ہے
جس طرح ضابطۂ عدالت کے دوسرے اصناف کے قانون میں تعمیم کی گئی ہے اسی طرح
اُس کی اس صنف یعنی ثبوت وشہادت کے متعلق جس قدر قانون ہے اُس کو عام بنایا گیا
ہے تاکہ اس کا اطلاق ہر ایک حالت اور صورت پر کیا جا سکے ۔ اس لئے جہاں تک
قانون کا تعلق ان قواعد و اصول سے ہے وہاں تک قانون نے اُن کو سخت اور
غیر لچک دار یعنی ناقابل ترمیم بنا رکھا ہے جس کی وجہ سے عدالتیں شہادت کا موازنہ کرنے
میں ان مقرر کردہ اصول و قواعد کے خلاف اپنی تمیز اور عقل سلیم پر عمل کرنے کی مجاز نہیں
ہیں ۔ قانون شہادت کا پہلا اور سب سے زیادہ مخصوص حصہ انھیں قواعد پر مبنی ہے ۔
بنظر سہولت ان قواعد کی پانچ طبقات میں تقسیم کی جا سکتی ہے اور ہر ایک طبقے کے
لحاظ سے شہادت وثبوت کے بھی حسب ذیل پانچ اقسام قرار دئے گئے ہیں ۔

۱ ۔ ثبوت قطعی ۔ اس سے مراد ایسے شہادتی واقعات ہیں جن سے عدالت کو
قیاس قطعی قائم کرنا پڑتا ہے ۔

۲ ۔ ثبوت قیاسی ۔ اس سے مراد ایسی شہادت ہے جس کی نسبت عدالت کو
قیاس مشروط یا قابل تردید قیاس قائم کرنے کی ضرورت ہے ۔

۳ ۔ شہادت غیر مکتفی ۔ اس سے مراد ایسی شہادت ہے جو ثبوت کی حد تک نہ

نہ پہنچ سکتی ہو اور اس وجہ سے عدالت کو اُس کی نسبت کسی قیاس کے خواہ وہ قطعی ہو کہ مشروط قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ شہادت مخصوص و منفردہ۔ اس سے مراد ایک ایسا مخصوص منفردہ واقعہ ہے کہ اُس کے سوا کسی دوسرے واقعے سے امر نزاعی کا ثابت کرنا ممکن نہ ہو اور اسی ایک مخصوص واقعے میں جو شہادت کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے اس امر نزاعی کے ثابت کرنے کی تاثیر اور قوت ہو۔

۵۔ ثبوت (شہادت) غیر مثبتہ۔ اس سے مراد ایسی شہادت ہے جو اثر یا قوت اثباتی سے معرّا ہو۔

(۱)۔ قیاسات قطعی۔ قیاس قطعی سے مراد ثبوت قطعی ہے اور ثبوت قطعی ایسے واقعے کو کہتے ہیں جس کی تاثیر یا قوت اثباتی اس درجہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے جس کو کسی دوسرے واقعے کے ذریعے سے موثر طور پر ادا کرنا ممکن نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورت اور مصلحت سے قانون میں بعض قسم کے واقعات اور ثبوت کو قطعی قرار دیا گیا ہے۔ ایسی صورتوں میں اس امر کا لحاظ نہیں کیا جاتا کہ جس ثبوت یا جس واقعے کو قانون نے قطعی قرار دیدیا ہے اُس کے خلاف ایسا ثبوت یا واقعہ بھی ہے کہ جس سے اُس کی تردید ممکن ہے۔ بہرحال قیاس قطعی سے مطلب ایک ایسا واقعہ ہے جس کو جو قانون ملک بطور ثبوت قطعی تسلیم کرے۔

اس کے برعکس قیاس یا مشروط ثبوت سے ایسا واقعہ مراد ہے جس کی جب تک تردید نہ کی جائے وہ صحیح سمجھا جاتا ہے اور جب تک تردیدی ثبوت کے ذریعے سے اس قسم کا کوئی ثبوت باطل نہ کیا جائے اُس کا اثر اثباتی زایل نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ قیاس مشروط یا قیاس قابل تردید سے مراد ایسا واقعہ ہے جس کو قانون ملک بطور ثبوت مشروط تسلیم کرتا ہے[۱]

---

[۱] قیاس قطعی کو بعض وقت قیاس قانون من القانون (Presumptio juris et de jure) کہتے ہیں اور قیاس قابل تردید کا نام اُس کے مقابل میں قیاس قانون (Presumptio facte) رکھا گیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ان دونوں اصطلاحات کی تمہید کیا بنا ہے۔ قیاسات کی تیسری قسم کا نام

قانون قدیم کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ اگلے زمانے میں ضابطۂ عدالت کو قیاسات قطعی کا تابع کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ قدیم زمانے کے قانون شہادت کا مخصوص حصہ ایسے قوانین پر مبنی ہے جس کے ذریعے سے مختلف قسم کے دعووں میں مختلف قسم کے ثبوت کا تعین کیا جاتا تھا جس طریقے کا ثبوت جس قسم کے مقدمے کے لئے مقرر تھا اُسی قسم کے ثبوت سے اُس کا ثابت کیا جانا لازم تھا اور معینہ ثبوت سے جس فریق پر اس کا بار ڈالا جاتا اُس کو اپنی جانب کی معین شہادت کا پیش کرنا لازم تھا اور دوسرا فریق اس طرز ثبوت سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ جو شخص جس امر کا ادعا کرتا اُس کو اپنے دعوے کا ثابت کرنا لازم تھا۔ چنانچہ ثبوت دعویٰ میں اپنے فریق مقابل سے دوبدو عدالتی جنگ (Judicial combat) کرنی پڑتی تھی اور اگر وہ اپنے مقابل پر غالب آتا تو اُسکی کامیابی اُس کے دعوے کا ثبوت سمجھی جاتی تھی فتح و نصرت کی وجہ سے گویا غیب کی جانب سے اُس کے حق میں فیصلۂ الٰہی (Judicium dei) صادر ہوتا تھا۔ دوسری قسم کے ثبوت کا نام آزمائش غیبی (Ordeal) تھا اگر آزمائش غیبی میں مدعی کو یا اس فریق کو جس پر مقدمے کا بار ثبوت عاید کیا جاتا تھا کسی قسم کا گزند نہ پہنچتا تو وہ حق پر اور بے گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اس آزمائش میں شخص ممتحن کے جسم کو کسی قسم کا زیان نہ پہنچنا اس کے صدق بیان کی دلیل خیال کیا جاتا تھا۔ ثبوت کی تیسری قسم کی رو سے مدعی کو ایسے بارہ اشخاص کا مہیا کرنا لازم تھا جو عدالت میں اس امر کا مجموعی حلف کرتے تھے کہ مدعی نے جو شہادت لسانی پیش کی ہے یعنی مدعی کے گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح ہے۔ چوتھی قسم کا ثبوت اس امر پر مبنی تھا کہ فریق بذات خود اپنے دعوے یا بیان کے اثبات میں حلف کرتا تھا۔ اگر ثبوت پیش کرنے والا فریق اُن شرائط اور قیود کی بخوبی تکمیل کرتا جو اُس کے ثبوت کے متعلق عائد کئے جاتے تھے تو اُس کے حق میں فیصلہ کیا جاتا تھا اور اگر اُن قیود کی بجا آوری میں اُسے ناکامی ہوتی یا ان شرائط و رسوم کے ادا کرنے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ قیاس واقعاتی (Presumptio juris) قرار دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ قانونی قیاس نہیں ہے بلکہ عدالتیں اپنے غیر محدود اختیار تمیزی کی بنا پر پیش کردہ شہادت سے اس قسم کا قیاس قائم کر لیتی ہیں۔

اس سے کسی قسم کی حتی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ لغزش ہو جاتی تو عدالت کا فیصلہ اس کے خلاف صادر ہوتا تھا۔ اس زمانے میں ثبوت سے مراد فریق کا ان ضرورتوں کو تکمیل کرنا یعنی ایسی قیود و شرائط کی پابندی اور تعمیل کرنا تھا جن کو قانون ملک نے طریقۂ ثبوت کے متعلق قائم کیا تھا۔ ثبوت کے پیش کرنے سے اُس زمانے میں یہ منشا نہیں تھا کہ عدالت پر اُس فریق کے ادعا یا بیان کی صداقت ظاہر ہو جو اُس کو پیش کرتا ہے بلکہ ثبوت پیش کرنے کا مفہوم ان ضرورتوں اور لوازمات کی تکمیل کرنا تھا جن کو قانون ملک نے معین کیا تھا۔ موجودہ زمانے میں ہر ایک امر نزاعی کا فیصلہ عدالت کی رائے پر مبنی ہوتا ہے لیکن قدیم زمانے میں عدالتوں کو امور نزاعی کے متعلق رائے قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اُس زمانے کے ضابطۂ عدالت نے عدالتوں کو اُن کی اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا تھا جس کی بنا پر وہ اُس زمانے میں ثبوت کے ذریعے سے امور تصفیہ طلب کے متعلق صدق و کذب کو دریافت کرتی ہیں۔ اس کے برعکس اگلے زمانے میں مقدمات کی اصلیت و بے اصلیت کا دریافت کرنا انسان کی تقدیر اور فلک کج رفتار کے ذمے کیا گیا تھا۔ بالآخر بتدریج اور بادل ناخواستہ انگریزی قانون اس نتیجے پر پہنچا کہ عدل گستری کے متعلق کوئی معین شاہراہ قرار نہیں دی جاسکتی (یعنی عدالتی امور کے انفصال کے واسطے کسی ایک آئین کا مقرر کرنا جس پر کمزور اور قوی امیر اور غریب عمل کر سکیں نامناسب اور مضر ہے) اثبات دعویٰ کی نسبت فریق کا عالم غیب کی طرف رجوع کرنا بیسود ہے کیونکہ غیب سے فریق کے حق یا ناحق پر ہونے کے متعلق بظاہر فیصلے کا صادر کیا جانا ناممکن ہے۔ عدالتی جنگ میں فریق قوی اور تنومند مظفر و منصور ہوتا ہے حلف کو صدق و کذب کا معیار قرار دینا ایک مہمل بات ہے حلف کی بذات خود کوئی اصلیت نہیں ہے یا فریقین اور اُن کے گواہوں کے بیانات سے مقدمات کی سچائی کی نسبت تفتیش کی جاتی ہے وہ بیشک ایک قسم کی گنجلک اور تکلیف دہ طریقہ ہے لیکن اس کے عوض کسی دوسرے طریقے کا مقرر کرنا غیر ممکن ہے۔

اگرچہ اُس زمانے کو گزرے ہوئے سیکڑوں برس ہو گئے جبکہ انگریزی قانون میں قطعی قیاسات کا دور دورہ تھا اور ضابطۂ عدالت بالکل ان قیاسات کے محکوم ہو گیا تھا لیکن اس زمانے میں اُن کی اہمیت بالکل زائل نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کا اثر اب تک

باقی ہے۔ اور یہ کہنا درست ہے کہ ان قیاسات کو ایک حد تک بےبنیاد سمجھنا چاہئیے کیونکہ ضابطۂ عدالت میں کہیں ایسا عام اصول نہیں بتلایا گیا ہے کہ ایک واقعہ دوسرے واقعے کے وجوب کا قطعی ثبوت قرار دیا جا سکتا ہے پھر بھی اس قسم کے اصول یعنی ان قیاسات کا انصاف پر مبنی ہونا اور شہادت میں اُن کا مفید پایا جانا ممکن ہے حالانکہ اُن کی پوری صحت میں دنیا کو کلام ہی کیوں نہ ہو چنانچہ ہم نے بھی اس کے قبل اُن قیاسات کو قانون اصلی کے بعض ایسے قواعد کے مساوی ثابت کر دکھایا ہے جو بذات خود صحیح اور جائز مانے جاتے ہیں اور جو اپنی صحت وجواز کے واسطے دوسرے قانونی قواعد کے محتاج نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان قیاسات کے ذریعے سے قدیم زمانے میں مفروضات قانونی کا کام لیا گیا ہے اور اس طریقے سے برطانیہ کے قدیم قانون کے تنگ اور پیچیدہ اصول میں جو نہایت سخت اور ناقابل تغیر تھے بہت کچھ ترمیم اور ترقی ہوئی۔ موجودہ زمانے کے قانون میں بھی ان قیاسات پر عمل کیا جاتا ہے اور ہم قیاس مندرجۂ ذیل کو بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔ امر فیصل شدہ صحیح سمجھا جاتا ہے (اور فریقین فیصلۂ مذکور کے پابند رہتے ہیں جب تک اُس کو عدالت بالادست منسوخ نہ کرے) فریقین کی حد تک فیصلۂ عدالت قطعی سمجھا جاتا ہے بعض وقت فریقین کے درمیان اُس کی شہادت قطعی کی سی حیثیت ہوتی ہے اور بعض وقت وہی فیصلہ تمام دنیا کے مقابلے میں ان امور کے متعلق جو اس فیصلے کے ذریعے سے طے کئے جاتے ہیں تمام دنیا کے مقابلے میں ثبوت قطعی کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اس میں شک نہیں ہے کہ عدالتوں سے فیصلہ کرنے میں غلطی کا سرزد ہونا ممکن ہے اور نہ ہر ایک عدالتی فیصلہ غلطی سے مبرا ہو سکتا ہے تاہم جب فیصلہ قطعی ہو جاتا ہے تو لوگوں کو اُسے لامحالہ صحیح ماننا پڑتا ہے اور اگر فیصلے کی غلطی کا عذر کیا جائے تو اس عذر کی شنوائی ناممکن ہے کیونکہ فیصلے کے قطعی ہو جانے کے بعد اگر عدالتیں عذر غلطی کی سماعت کریں تو وہی مقدمہ جو ایک مرتبہ انھیں فریقین کے درمیان ختم ہو گیا تھا دوبارہ تازہ ہو جاتا ہے اور نزاعات کا سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا حالانکہ عدالتوں کا فرض نزاعات کا مٹانا اور مقدمہ بازی کا سدباب کرنا ہے اسلئے ضابطے کی رو سے قرار دیا گیا ہے کہ فیصلہ جات عدالتی قطعی تصور کئے جائیں اور کسی کو اُن کی صحت کے متعلق شبہہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

(۲) قیاسات مشروط۔ قوت اثباتی کے تعین کرنے کی نسبت جو قواعد ہیں اُن کا دوسرا طبقہ ایسے قواعد پر مشتمل ہے جن کو قیاسات قابل تردید کہتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کے ایسے عزیز اور احباب جن کا اُس سے واقف ہونا ضرور ہے یا جن سے اُس کا مراسلت کرنا لازمی ہو بیان کریں کہ انھوں نے اس شخص کو سات سال سے نہیں دیکھا ہے اور نہ اس کی انھیں کوئی خبر ملی ہے تو ایسے مفقود الخبر شخص کے متعلق قیاس کیا جائیگا کہ وہ مرگیا ہے ایسا ہی ہر ایک دستاویز قابل بیع وشریٰ کے متعلق قیاس کرنا لازمی ہے کہ اُس کے دینے والے نے قیمت کے عوض اس دستاویز کو دیا ہے اور ہر ایک ملزم کی نسبت اُس کی بے گناہی کا قیاس کیا جاتا ہے تاوقتیکہ اُس کی تردید نہ کی جائے۔

اس دوسری قسم کے قیاسات کی بنا فی الواقع کوئی احتمال یا قرینہ نہیں ہے۔ بلکہ قانون میں مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے اُن کا قیام ہوا ہے اور اُن کے ذریعے سے بار ثبوت اس فریق پر ڈالا جاتا ہے جو ثبوت کے پیش کرنے کے لئے از روئے قانون دوسرے فریق سے زیادہ اہل سمجھا جائے یا جس فریق پر بار ثبوت کے عائد کرنے میں انصاف کا مقتضا ہو۔ اگرچہ ہر ایک ملزم کے متعلق یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اُس نے جرم منسوبہ کا ارتکاب کیا ہے لیکن چند مخصوص صورتوں میں یا ملزمین کے سوائے ہر ایک قسم کے الزام میں اور عموماً ہر ایک ملزم کے متعلق عدالت کو اُس کی بیگناہی کا قیاس کرنا لازم ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح ہے کہ جس طرح قیاس بے گناہی کسی احتمال پر مبنی نہیں ہے اسی طرح تمام قیاسات مشروط احتمالات اور قراین پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ضرورت اور مصلحت نے اُن کو قانون میں قائم کیا ہے۔

(۳) شہادت غیر مکتفی۔ اس تیسری قسم کے قواعد کے ذریعے سے قانون میں طے کیا گیا ہے کہ فلاں قسم کی شہادت ناکافی اور غیر مکتفی ہے یا ثبوت کے لئے جو قوت اثباتی درکار ہے وہ فلاں قسم کی شہادت میں نہیں پایا جاتا ہے اور اس لئے عدالتوں کو اس طرح کی غیر کافی شہادت پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ مثلاً بغاوت کی بعض اقسام کے ثابت کرنے میں منفرد گواہ کی شہادت ناکافی متصور ہوتی ہے۔ اصل میں یہ کوئی مخصوص قاعدہ نہیں ہے لیکن اس سے ایک امر کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ کہ انگریزی قانون میں اس عام اصول کو تسلیم کرلیا گیا ہے کہ عموماً دو گواہوں کے بیانات سے

واقعات کا ثابت کیا جانا ضرور ہے۔

(۴) شہادت مخصوص و منفردہ۔ قواعد شہادت کے اس چوتھے طبقے میں ایسے قواعد داخل ہیں جن کی رو سے بعض قسم کی شہادت مخصوص اور منفردہ قرار دی گئی ہے یعنی بعض مخصوص صورتوں میں کسی امر کے ثابت کرنے کے لئے قانون میں جس قسم اور جس طریقے کی شہادت مخصوص کی گئی ہے اُسی شہادت کو اُس فریق کو پیش کرنا لازم ہے جس پر بار ثبوت عائد کیا جاتا ہے فریق مذکور اس معینہ اور مقررہ شہادت کے سوا کسی دوسری شہادت کے پیش کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ مثلاً کسی ایسی دستاویز کی تکمیل کے ثابت کرنے کے لئے جس پر گواہوں کی تصدیق کا ثبت کیا جانا لازم ہے ضرور ہے کہ وہ اُس کے گواہان حاشیہ کی شہادت کے ذریعے سے ثابت کیجائے بشرطیکہ گواہان مذکور کی موت یا کسی دوسری وجہ سے ثبوت پیش کرنے والا فریق اُن کو حاضر نہ کر سکے۔ ایسا ہی کسی تحریری معاہدے کے ثابت کرنے کے لئے اس معاہدۂ تحریری کا بذات خود پیش کیا جانا لازم ہے بشرطیکہ وہ تحریر جس کے ذریعے سے معاہدہ کیا گیا ہے ہمدست ہو سکتی ہو۔ بعض قسم کے معاہدات کو جیسا کہ بیع اراضی وغیرہ کے معاہدے ہیں بذریعۂ تحریر ثابت کرنا لازم ہے ان کے متعلق لسانی شہادت ناکافی اور غیر مقبول سمجھی جاتی ہے۔

ہر چند بعض خاص قسم کے معاہدات کو شہادت تحریری کے ذریعے سے ثابت کرنا قانون میں قرار دیا گیا ہے لیکن یہ امر واضعان قانون کی دانشمندی پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے دوسری اقسام کے معاہدات خصوصاً تجارتی اقرارات کے ثبوت کے متعلق اس طرح کی دشواریاں نہیں پیدا کی ہیں۔ اگر معاہدات تجارت کے متعلق اس طرح کا دشوار اور تکلیف دہ ثبوت قرار دیا جاتا تو تجارت ملک کو کبھی فروغ نہ ہو سکتا بہر حال اس امر کو اہل ملک کی خوش بختی سمجھنا چاہیئے کہ قانون ملک میں ایک شخص کا قول یا اقرار ایسا ہی مستند اور معتبر سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اُس کے دستخطی تمسک کی وقعت اور توقیر کی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس مشہور اور قدیم قانون انسداد فریب (The statute of Frauds) کے ذریعے سے عموماً اس قسم کے قواعد کی ترتیب عمل میں لائی گئی جس کے وضع ہونے سے فریب دہی کا انسداد تو نہیں ہوا بلکہ فریب دینے کا

ایک نیا ذریعہ دنیا کے ہاتھ آگیا۔ معلوم نہیں کہ کتنی مدت تک اور اس قانون موضوعہ کی وجہ سے قانون انگریزی گم کردہ راہ بنا رہیگا اور کب تک اُس کے طفیل لوگ ایکدوسرے کو فریب اور دھوکا دیتے رہیں گے۔ اگر یہ قانون منسوخ کردیا جائے تو قلم کی ایک کشش سے وہ تمام مہمل اور بے معنی اصطلاحات اور ثبوت کے پیچیدہ طریقے جو اس بُرے اور مضر قانون کے نفاذ کی وجہ سے جس کو سیکڑوں برس گزر گئے ہیں خود بخود ناپید ہوجائیں گے۔

(۵) واقعات خارج از شہادت۔ سب سے آخر اور اس پانچویں قسم کے قواعد میں ایسے قواعد داخل ہیں جن کی رو سے بعض واقعات کا شہادت میں نہیں شمار کیا جاتا ہے یعنی ان واقعات میں تاثیر ثبوت یا قوت اثباتی معدوم سمجھی جاتی ہے۔ اس قسم کے واقعات بطور شہادت عدالت میں نہیں پیش کئے جاسکتے اور اگر پیش بھی کئے جائیں تو عدالت انھیں ناقابل توجہ تصور کرتی ہے۔ ان کی ایک مثال شہادت سماعی ہے یعنی سنائی ہوئی بات کا شہادت میں پیش کرنا بے سود ہے کیونکہ اصلی واقعہ اور اس کی شہادت میں جس کو گواہ دوسروں سے سُن کر بیان کرتا ہے ایسا کمزور ربط اور تعلق پیدا ہوتا ہے جس کو قانون میں غیر معتبر خیال کیا گیا ہے اور انصاف کا بھی یہی متقضا ہے کہ اس قسم کی شہادت کو نظر وقعت سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ان قواعد کی ایک دوسری مثال ملزم کی عام بدچلنی ہے ملزم کی عام بد اطواری ثابت کرنے سے الزام منسوبہ کا ثبوت نہیں مل سکتا البتہ ملزم کی نیک چلنی اُس کی بیگناہی کا ثبوت تصور ہوتی ہے۔

موجودہ زمانے میں قواعد مذکورہ کی بنا پر شہادت یا تو خارج کی جاتی ہے یا غیر متعلق قرار پاتی ہے لیکن زمانۂ قدیم میں ان قواعد کا جو اثر تھا اُس کی رو سے اب ان قواعد کی شکل بدل گئی ہے۔ ان قواعد کے ذریعے سے قانون ملک کی ترقی کا سراغ ملتا ہے۔ اس زمانے میں ان قواعد کا تعلق محض اخراج شہادت سے ہے اور اگلے زمانے میں اُن کے ذریعے سے گواہ مردود الشہادت قرار پاتا تھا۔ اس زمانے میں بعض اقسام کے گواہ شہادت ادا کرنے کے پہلے سے از روئے قانون غیر معتبر خیال کئے جاتے تھے مثلاً فریق مقدمہ یا ایسا شخص جس کو مقدمے میں کوئی مالی غرض ہوتی تھی اُس مقدمے میں گواہی دینے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا ایسا ہی مجرم جسکے مقابلے میں

کوئی سنگین جرم ثابت کیا گیا ہو یا جس کی ارتکاب جرائم میں شہرت ہو مقبول الشہادت نہیں خیال کیا جاتا تھا چونکہ اس قسم کے شہود کے بیانات کی نیت غرض پر مبنی ہونیکا احتمال ہوسکتا تھا اور مجرم یا بدچلن گواہ کی شہادت کا مشتبہ ہونا ایک قدرتی امر تھا اسلئے قدیم زمانے میں اس طرز کی شہادت قانون کے ذریعے سے مسدود کی گئی تھی لیکن اب زمانے کے ساتھ قانون بھی بدل گیا ہے - قانون میں اس امر کی تحقیق ہوگئی ہے کہ صدق کے دریافت کرنے کا وہ طریقہ نہیں ہے جن طریقوں سے اگلے زمانے میں سچائی کی جانچ کی جاتی تھی - اس زمانے میں شخص منفرد کی رائے اور فیصلہ جس کو وہ کسی امر کے متعلق اپنی قوت امتیاز سے کرتا ہے ان عام قواعد سے زیادہ جن کا ان فقرات میں ذکر کیا گیا ہے قانون میں نظر وقعت سے دیکھے جاتے ہیں چنانچہ اس بنا پر موجودہ زمانے میں کسی گواہ کی نسبت اس کا بیان لینے سے پہلے غیر اعتمادی کا اظہار نہیں کیا جاتا ہے گواہ کے بیان کا عدالتیں موازنہ کرتی ہیں اور اس موازنے کے مطابق گواہ معتبر یا غیر معتبر قرار پاتا ہے اور شہادت لینے کے بغیر گواہ کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکا تصفیہ نہیں کیا جاتا ہے اور نہ محض اس شبہہ پر کہ جو شہادت گواہ دیگا وہ اس کے یا کسی فریق کے حق میں طرفدارانہ ہوگی یا مجرم اور بدچلن ہونے کی وجہ سے اس کا بیان پایۂ اعتبار سے ہٹا رہیگا گواہ کی شہادت خارج کی جاتی ہے پھر بھی ان قواعد کا اثر زائل نہیں ہوا بلکہ ایک دوسری شکل میں بدل گیا ہے یعنی جو شہادت ان قواعد کے خلاف پیش کی جاتی ہے وہ خارج نہیں ہوتی بلکہ مشتبہ سمجھی جاتی ہے - اس کے بعد کی فصل میں ہم اس امر پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ جو اعتراضات قواعد متعلق اخراج شہود پر وارد ہوتے ہیں کیا انھیں کا اطلاق ان قواعد پر بھی کیا جاسکتا ہے جن کی رو سے گواہوں کے بیانات مشتبہ قرار پاتے ہیں -

فصل ۱۷۵ تقدیم شہادت

قانون شہادت کے جزو ثانی میں ایسے قواعد داخل ہیں جن کا تعلق شہادت کی پیش سازی سے ہے - قانون مذکور کے اس حصے میں اس طریقے کو بیان کیا گیا ہے جسکے ذریعے سے عدالت میں شہادت پیش کی جاتی ہے اور اس جزو کا ان قواعد سے تعلق نہیں ہے جن کے ذریعے سے پیش کردہ شہادت کے اثر کو جانچا جاتا ہے - اس جزو میں ہر ایک

ایسا قاعدہ داخل ہے جس کا تعلق اثر ثبوت یا شہادت کی قوت اثباتی کے تعین کرنے سے نہیں ہے۔ مثلاً قانون شہادت کے اُس جزو میں گواہوں پر سوالات ابتدائی اور سوالات جرحی کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے لیکن اُن کی شہادت کے موازنہ کرنے کا بیان اُس کے دوسرے حصے میں درج کیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ قانون مذکور کا یہ حصہ ایسے چند اہم اور مفید قواعد پر مشتمل ہے جن کی رو سے بعض قسم کی شہادت بلالحاظ اعتماد و غیر اعتماد خارج قرار دی جاتی ہے۔ شہادت کو خارج یا غیر متعلق قرار دینے کے متعدد وجوہ ہیں اور منجملہ اُن کے صرفۂ فریقین اور تاخیر جو فراہمی شہادت کی وجہ سے انفصال مقدمہ میں ہوتی ہے یعنی دوران مقدمہ کا بڑھنا پریشانی اور تکالیف فریقین اور اغراض سرکاری کے لحاظ سے اکثر ایسی شہادت کا پیش کیا جانا از روئے قانون خارج اور غیر متعلق قرار دیا گیا ہے جو بنفسہٖ نہایت قوی اور موثر ہے۔ بعض صورتوں میں ایسے گواہوں کو فریق نہیں پیش کر سکتا یا قانون کے ذریعے سے شہادت ادا کرنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا جو مقدمے کے امور نزاعی سے بخوبی واقف ہیں اور بہت کچھ صحیح اور متعلق حالات بیان کر سکتے ہیں اور جن کا بیان موثر اور باوقعت ثبوت کی حد تک پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً کوئی سرکاری ملازم بحیثیت گواہ امور سرکاری کو بیان کرنے کے لئے قانوناً مجبور نہیں کیا جا سکتا ایسا ہی کوئی مشیر قانونی بحیثیت گواہ اُس مراسلت یا گفتگو کو جو اُس کے اور اُس کے موکل کے درمیان واقع ہوئی ہو ظاہر کرنے کے لئے از روئے قانون مجبور کیا جا سکتا ہے اور نہ اُن امور کے متعلق اس پر سوال کرنے کی اجازت ہے۔

اُن قواعد میں جن کی رو سے بعض قسم کی شہادت خارج قرار دی گئی ہے سب سے زیادہ تعجب خیز اور عجیب یہ مقولہ ہے کہ کوئی شخص ایسی بات کے کہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس سے وہ ملزم قرار پائے۔ کوئی شخص یعنی ملزم تک کسی ایسے سوال کے جواب دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس سے اُس پر کسی جرم کا الزام عائد ہو سکے۔ اس مقولے کی رو سے انسان اپنے خلاف مرضی کسی امر کے ظاہر کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے۔ ہاں یہ ایک دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے اپنے الزام منسوبہ کا اقبال کرے اور جب ملزم اپنی رضامندی سے اقبال جرم کرتا ہے تو اُس کا اقبال اُس کے خلاف شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس اقبال میں کسی جسمانی یا اخلاقی جبر کا شائبہ تک

پایا جائے تو از روئے قانون ویسا اقبال نا قابل ادخال شہادت سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی قانون میں اس مقولے کا جو اس قدر لحاظ کیا جاتا ہے اُس کا سبب انگریزی قوم کا اُس وحشیانہ اور ظالمانہ طریقۂ دریافت و تحقیقات جرائم کو سیکڑوں برس پہلے نظر عادت سے دیکھنا ہے جو قدیم زمانے میں سال ہا سال تک اقلیم یورپ کے دوسرے ملکوں اور اقوام کے یہاں رائج رہا ہے اور جس کے ذریعے سے ملزمین کو خواہ وہ ناکردہ گناہ ہوں کہ گناہگار طرح طرح کی جسمانی اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ انگریزی قانون میں بہت ہی جلد اس قسم کا طریقۂ دریافت اور تحقیقات ناجائز قرار پاگیا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی انگلستان اور دوسرے یورپی ملکوں کے ضابطۂ عدالت میں فرق ہے یعنی عدالتی تحقیقات ملزم کا طریقہ جداگانہ ہے۔ انگریزی ضابطے کی رو سے ملزم سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا جا سکتا جس کے جواب دینے میں وہ اپنے خلاف مرضی اپنے کو ملزم قرار دلوائے اور نہ ملزم پر جرح کرنے کی اجازت ہے لیکن اس کے برخلاف یورپ کے دوسرے ملکوں میں ملزم کا باقاعدہ اظہار لیا جاتا ہے اور انگریز اس طریقے کو ملزم کے حق میں کمال درجے کی سختی اور دشمنی خیال کرتے ہیں اگرچہ انگریزی قانون کا مقولۂ زیر بحث بظاہر ملزم کی طرفداری پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور اس سے ملزم کے حق میں نرمی اور رعایت پائی جاتی ہے لیکن یہ قاعدہ چند فوائد اور خوبیوں سے خالی نہیں ہے۔ اس قاعدے کی وجہ سے تحقیقات جرائم کی شان بڑھ گئی ہے فوجداری عدالتوں کی عظمت میں اضافہ ہوا ہے اور اس پر عمل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدالتیں مستغیث اور مستغاث علیہ کی طرفدار نہیں ہیں بلکہ اپنے ترحم اور انصاف کی بنا پر الزام ملزم کی تحقیقات کرتی ہیں لیکن یہ اوصاف اُن عدالتوں میں کہاں نظر آتے ہیں جن میں یورپ کے دوسرے ملکوں کے ضابطۂ عدالت پر عمل کیا جاتا ہے۔ پھر بھی قاعدۂ زیر بحث پر بینتھم نے جو اعتراض کیا ہے وہ بے اصل نہیں ہے۔ اس مصنف کی رائے میں یہ قاعدہ عقل و فہم پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس ضابطۂ فوجداری کو عقل و تجربہ پر مشتمل سمجھنا چاہیئے جس میں ملزم کا جبراً اظہار لیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس قاعدے کے مؤیدین کا بھی خیال ہے کہ اس مقولے کی بدولت ملزم کے حق میں حد درجے کی رعایت کی جاتی ہے ہماری رائے میں قاعدۂ مذکور کے مؤیدین کا یہ خیال اُس کو مذموم اور ناقص ٹھہرانے کے لئے کافی ہے کیونکہ اس مقولے کی غرض ملزم کو بری قرار دینا

نہیں بلکہ مجرم ثابت کرتا ہے۔ اُس کے معترضین کی حجت ہے کہ ملزم کا بجبر اظہار لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس طریقے سے اظہار لینے میں ناکردہ گناہ کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچ سکتا بلکہ اُس کا اس میں سراسر فائدہ ہے البتہ اظہار جبری سے اُس شخص کو خوف کرنا چاہیئے جس نے حقیقت میں کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور جس پر کوئی صحیح الزام قائم کیا گیا ہے اظہار جبری سے حقیقی ملزم کو کسی طرح کا نفع نہیں پہنچ سکتا در اصل اس قسم کے اظہار دینے میں اُس کا نقصان ہی نقصان ہے۔ کسی الزام کی عدالتی تحقیقات کو بالکل ایک ایسی جنگ نہ سمجھنی چاہیئے جس کو ملزم اور الزام قائم کرنے والا آپس میں لڑ کر الزام منسوبہ کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور نہ اس قسم کی عدالتی تحقیقات میں ان اقوال قانونی پر عمل کرنا لازم ہے جن کے وضع اور قائم کرنے کی غرض عدالتوں کا متخاصمین (فریقین مقدمۂ فوجداری) کے ساتھ یہ رفق و مدارات پیش آتی تھی۔ اگر صرف ایک امر کا لحاظ رکھا جائے تو طریقۂ اظہار جبری سے فائدے کے سوا ملزم کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ ضابطے میں اگر اسکو مشروط کر دینا چاہیئے کہ جب تک مدعی اور ستغیث شہادت تائید الزام کے ذریعے سے بادی النظر میں الزام منسوبہ کو ثابت نہ کرے اُس وقت تک ملزم اظہار دینے کے لئے مجبور نہ کیا جائے اور بادی النظری ثبوت پہنچنے کے بعد عدالت کو لازم ہے کہ وہ مجرم کو الزام منسوبہ کی اپنی زبان سے آپ تردید کرنے کے لئے مجبور کرے[1]

اس سلسلے میں ہم اپنے ناظرین کو قانون شہادت کے ایک اور جزو کی طرف

---

[1] ملاحظہ ہو تصنیفات بنتھم جلد ۷۔ از صفحہ ۴۵۴ تا صفحہ ۴۶۳۔ اور رڈیومانٹ کی کتاب عدالتی شہادت کے متعلق جلد ۷۔ باب ۱۱ "اگر دنیا کے تمام مجرمین یا ہر ایک طبقے کے مجرمین اکٹھے ہو کر اپنی متحدہ آرا کے ذریعے سے اور اپنے حسب خواہش الزام منسوبہ کی جواب دہی کا کوئی طریقہ تجویز کریں یا اس کی نسبت کوئی ضابطہ مرتب کریں تو عجب نہیں کہ اس ضابطے میں اس قاعدۂ زیر بحث کو اپنے بچاؤ کے لئے سب سے پہلے مرقوم کریں گے .... اس میں شک نہیں کہ اس مقولے پر غور کرنے سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ اس قسم کے خیالات انگریزی ضابطۂ عدالت میں ان قوانین نام ونسنگ سے لئے گئے ہیں اور جن کے ذریعے سے خانگی دو بدو لڑائیوں کی (Prinate combats) تقسیم عمل میں آتی ہے"۔

متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی حلف لینے کی رسم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ منجملہ ان دشواریوں کے جو ثبوت کے جانچنے میں مشکل آتی ہیں ایک بڑی دشواری سچی اور جھوٹی شہادت میں تمیز کرنا ہے۔ جھوٹے گواہ کی آزمائش کے لئے کیا شئے معیار قرار دی جاسکتی ہے اور کس طرح جھوٹی گواہی کا انسداد کیا جاسکتا ہے متقدمین انگلستان کی فہم و فراست نے اس آزمائش کے متعلق تین طریقے وضع کئے تھے جن کے نام عدالتی جنگ (Judicial cobat) آزمائش غیبی اور حلف ہیں۔ اگرچہ انمیں کے پہلے دو طریقے متروک ہو گئے ہیں اور ان کو منسوخ ہو کر سیکڑوں برس گزر گئے لیکن ان میں کا تیسرا طریقہ ابھی تک رائج ہے بلکہ اس کا ضابطہ عدالت کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ترقی زمانہ کے ساتھ اس امر کی قوی امید ہے کہ عنقریب یہ تیسرا طریقہ بھی اسی طرح سے بے اثر اور متروک ہو جائیگا جس طرح پہلے دو طریقوں کی تنسیخ ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ حلف کے طریقے کو منسوخ کرنے سے صدق اور انصاف کے حق میں کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا ہے۔

تحقیقات بذریعۂ جنگ کی بابت کسی نظریئے کے قائم کئے جانے کی وجہ تھی کہ اس کا شمار آزمائش غیبی میں کیا جانے لگا اور لوگ اس کو آزمائش غیبی کی ایک قسم خیال کرنے لگے۔ آزمائش غیبی اور تحقیقات بذریعۂ جنگ دونوں کے لئے ایک مشترک اصطلاح فیصلۂ الہی وضع ہوئی گویا ان دونوں کارروائیوں کے ذریعے سے فریقین اپنے حق پر ہونے کے متعلق جنگ وجدل کے دیوتا سے رجوع کرتے تھے اور جو فریق اس جنگ یا آزمائش غیبی میں دوسرے فریق پر غالب آتا وہ حق پر سمجھا جاتا تھا اور اسکی پیش کردہ شہادت منجانب غیب ثابت قرار پاتی تھی یعنی قوی اور تنومند فریق کی کامیابی جنگ اس کے حق پر ہونے کی آسمانی دلیل خیال کی جاتی تھی۔ اسی طرح سے آزمائش غیبی میں وہ فریق یا گواہ جس کی شہادت غیر معتبر سمجھی جاتی اپنے کو آگ وغیرہ میں ڈال کر صحیح وسالم نکال لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر آگ وغیرہ سے اس کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچتا اور وہ اپنے کو اس میں سے جان بچا کر نکال لے جاتا تو گویا خدا کی جانب سے اس کی شہادت کے سچ ہونے کی تصدیق کی جاتی تھی۔ حلف لینے کے متعلق بھی یہی قیاس ہے اور شہادت کے ان تینوں طریقوں کا یہی عام نظریہ ہے چنانچہ ہابز لکھتا ہے کہ حلف ایک ایسی

صنعت زبان ہے جس کو مقر اپنے اقرار میں شامل کرتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مقر اپنے وعدے کا ایفا نہ کرے یعنی سچ کہنے کے عوض جس کا وہ وعدہ کرتا ہے جھوٹ کہے تو وہ لایق ہے کہ خدا کی رحمت اُس سے سلب کر لی جائے اور وہ خدا کو اس امر کا گواہ قرار دیتا ہے کہ بصورت خلاف ورزی معاہدہ خدا اس سے اُس کے جھوٹ کہنے کا انتقام لے۔ مشرکین کے حلف لینے کا بھی ایسا ہی طریقہ تھا کہ اگر مقر جھوٹ کہتا ہے تو اسکو ستارہ مشتری اسی طرح ہلاک کرے جس طرح وہ اُس حیوان کو ہلاک کرتا ہے (جو حلف کی غرض سے مشتری کے نام پر قربانی چڑھایا جاتا تھا)۔ انگریزوں کا حلف بھی اسی کے مماثل ہے میں فلاں فلاں کام کرنا یا بات کہنا چاہتا ہوں لہذا خدا میری مدد کرے[1]۔ ہماری رائے میں آبر نے حلف کی جو تعریف کی ہے وہ صحیح تو ہے لیکن جامع نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق اُن اقسام حلف سے ہے جو وعدے کے بطور کئے جاتے ہیں لیکن اس میں ایسے حلف داخل نہیں ہیں جو کسی امر یا واقعے کے سچ ہونے کے متعلق لئے جاتے ہیں۔ حلف کی دو قسمیں ہیں ایک کا تعلق حلف کرنے والے کے صدق مقال سے ہے اور دوسری کا تعلق کسی بیان یا واقعے کی صحت و سچائی سے ہے جس کی نسبت گواہ حلف لیتا ہے۔ انسان اس امر کی بابت قسم کھا سکتا ہے کہ جو کچھ میں بیان کروں گا صحیح کہوں گا۔ اور وہ اس امر کے متعلق بھی عہد کر سکتا ہے کہ امر یا واقعۂ زیر بحث صحیح اور سچا ہے۔ یا دوسروں نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ پہلے طرز کی قسم کو عہد یا حلف معہود اور دوسری قسم کو حلف استقراری کہتے ہیں۔

بہر حال طریقۂ حلف پر عمل کرنے کے متعلق جو خیال ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص بصورت دروغ بیانی اپنے کو لعنت خدا کا مستوجب قرار دیتا ہے اُس کی گواہی صحت پر مبنی سمجھی جاتی ہے۔ پھر بھی عدالتوں کے نزدیک اُن کے دیرینہ تجربے سے اس امر کی بخوبی تحقیق ہو گئی ہے کہ گواہ کثرت سے جھوٹ کہتے ہیں اور جھوٹی قسم کھانے کا خوف اُنھیں اس سے باز نہیں رکھ سکتا بلکہ غلط بیانی میں نہ تو انھیں مذہب کا پاس ہوتا ہے اور نہ داب عدالت اُنھیں اس امر سے روک سکتا ہے۔ لہذا جھوٹی شہادت کے انسداد کا

---

[1] ای وسٹ اصتیان باب ۱۴ ۔ انگریزی تصنیفات جلد ۳ صفحہ ۱۲۹۔

سب سے بہتر طریقہ وہ قانون ہے جس کے ذریعے سے جھوٹی قسم کا کھانا جرم قرار دیا گیا ہے اور جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے اُسے سزا دی جاتی ہے لیکن موجودہ قانون دروغ حلفی کا ضابطہ کچھ ایسا پیچیدہ اور ناموزوں ہے کہ مرتکب کو آسانی سے دروغ حلفی کا موقع مل سکتا ہے اور اُس کے خلاف الزام قائم کرنے میں مستغیث کو دشواری سے کامیابی حاصل ہوتی ہے اس لئے اگر قانون دروغ حلفی کی اصلاح ہوجائے تو گواہوں کی دروغ بیانی کے دفع کا اس سے بہتر کوئی دوسرا علاج نہیں ہوسکتا۔ حلف کی حقیقت ظاہر ہے۔ گواہ خواہ دنیا بھر کی قسمیں کیوں نہ کھائے لیکن قانون مذکور کے اثر کے سوائے دروغ بیانی سے اُس کو دنیا میں کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی[1]

فصل ۱۶۷ تنقید قانون شہادت

ہم نے اس سے پہلے کسی باب میں ان معینہ اور مقررہ اصول کے فوائد اور نقصانات کو بیان کیا ہے جن کو انفصال مقدمات میں عدالتیں ملحوظ رکھتی ہیں اور جنکے مقابلے میں اپنی قوت امتیاز پر عمل کرنے کی مجاز نہیں ہیں۔ اور اسی طرز عمل پر عدل گستری سلطنت کی خصوصیت اور شان منحصر ہے۔ انگریزی قانون یا انگلستان کے نظام قانونی کے کسی جزو میں اس مسئلے کی اس قدر اہمیت نہیں ہے جس قدر اُس کی اہمیت اور خصوصیت قانون شہادت میں پائی جاتی ہے۔ لہذا قانون شہادت میں ہی دوسرے کسی قانون کی بہ نسبت زیادہ قانونی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عام قواعد جن کے ذریعے سے شہادت کا اثر ثبوت جانچا جاتا ہے اور جو قواعد شہادت کے داخل ہونے کے پہلے سے معین و مقرر ہیں کم و بیش غلط اور مہمل ہیں۔ شہادت کے

---

[1] اقسام حلف کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو ضعیف الاعتقادی اور قوت۔ مصنفہ لی (Leas superstition & force) حصہ اول از باب دوم تا باب ہشتم انسائیکلوپیڈیا بری ٹینانیکا متعلق لفظ حلف۔ قانون حلف مصنفہ ہورزل طبع سنہ ۱۹۰۲ء (Herzel Der Eid) قواعد حلف کے متعلق ملاحظہ ہو تصنیفات بینتھم جلد ۶۔ از صفحہ ۳۰۸ تا ۳۲۵۔

لینے کے پہلے ہی صحیح طور پر یہ کہنا کہ فلاں قسم کی شہادت ثبوت کے لئے کافی اور فلاں قسم کی ناکافی ہے غیر ممکن ہے۔ شہادت سماعی کو بالکل معرا از اثر ثبوت خیال کر لینا غلط اور لغو ہے۔ ایسا ہی یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بیع زمین کا معاہدہ شہادت لسانی کے ذریعے سے اطمینان بخش طریقے پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ علی ہذا القیاس یہ اصول کہ مضمون دستاویز کے ثبوت کے واسطے اُس کی نقل کا پیش کرنا غیر مکتفی ہے صحیح نہیں ہے۔ قانون میں اس قسم کے قواعد کی مخصوص شان عدالتوں کے لئے ان کو شمع ہدایت قرار دیا گیا ہے عدالتیں اُن کو اسی طرح مانتی ہیں جس طرح قواعد یا احکام تعبدی کی پابندی اُن پر لازم ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک ان قواعد کی اس قدر منزلت اور اہمیت قرار دینے میں واضعان قانون کو دھوکہ ہوا اور اُن سے غلطی سرزد ہوئی ہے جس طرح تمام عام اصول طریقۂ استخراج کے ذریعے سے واقعات سے اُن کے مخصوص عناصر کے استخراج اور تفریق کے بعد اخذ کئے جاتے ہیں اسی طرح اصول زیر بحث بھی مستنبط کئے گئے ہیں۔ اور اس طریقے کی خرابی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک واقعے اور حالات کے چند اجزائے ترکیبی ایسے ہوتے ہیں جنکی اس واقعے میں درجۂ اول کی اہمیت ہوتی ہے اور انکے بغیر اس واقعے کی شان اور اہمیت باقی نہیں رہ سکتی لہذا ایسے اصول کا جو مخصوص واقعات سے بطریق تعمیم اخذ کئے گئے ہوں مخصوص واقعات پر اطلاق کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے مجرد اور ذہنی اصول کا حالات خاص کے بلالحاظ عین اور خارجی واقعات (یعنی مقدمات) پر اطلاق کرنا اسی طرح صحیح ہو سکتا ہے جسطرح کسی شخص کا رگڑ اور رکاوٹ کے اثر کا لحاظ نہ کر کے کسی حرکت کرنے والی شئے کی رفتار پر قوانین حرکت کا اطلاق کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔

اُن نقادان فن کے سوا جو تقلید کورانہ کے عادی ہیں دوسرے کسی منصف مزاج ماہر قانون کو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ضابطۂ عدالت میں ضرورت سے بہت زیادہ اہمیت قانون شہادت کے جزئیات کو دی گئی ہے اور اس پر بے انتہا اعتماد کیا جاتا ہے۔ قانون ملک کی ظاہر پرستی اور ظاہر داری کا ثبوت ان قواعد سے بڑھ کر دوسرے قواعد سے نہیں مل سکتا ہے۔ انگریزی نظام قانون میں قانون شہادت کے اس جزو کے سوائے جو قواعد زیر بحث پر مشتمل ہے کسی دوسرے قانون میں ضابطے اور رسوم دستور کی

اس قدر پابندی نہیں کی جاتی ہے۔ قانون ملک کی خود اعتمادی حکام عدالت کی عقل وفہم کی جانب سے اُس کی بے اعتمادی کا ان قواعد سے زیادہ کسی دوسری شے سے اظہار نہیں ہوتا ہے۔ بہرحال قواعد زیر بحث کی وجہ سے ضابطۂ عدالت میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ لاعلاج نہیں ہیں اور اُن کا علاج اُن تمام قواعد کو منسوخ کرنا ہے جن کے ذریعے سے شہادت کا موازنہ اور قوت اثباتی کا تعین کیا جاتا ہے بلکہ اُن قواعد کی شان اور اُنکے اثر کو کم کرنے سے اُن کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ موجودہ حالت کے لحاظ سے یہ قواعد نہایت سخت اور تعبدی ہیں لہذا اگر ان کو قابل تعبیر اور مشروط قرار دیا جائے تو اُن کی موجودہ خرابیاں رفع ہوسکتی ہیں[۱]۔ چونکہ ان میں کے اکثر قواعد عقل سلیم اور عملی تجربے پر مبنی ہیں اس لئے جب ان میں عدالتوں کو تاویل اور ترمیم کرنیکا موقع ملیگا تو ان سے عدالتیں اپنی شخصی رائے اور قوت امتیاز کے متعلق کچھ ہدایت پاسکتی ہیں اور جب تک عدالتیں اپنے اختیار تمیزی کے بجائے ان اصول پر عمل کرتی رہینگی ضابطہ عدالت کی بیان کردہ خرابیوں کا رفع کرنا ناممکن ہے۔ اسکے ساتھ ہی ہم کو اس امر کا بھی اعتراف کرنا لازم ہے کہ شاذ ونادر ایسی شکلیں ہیں جن میں قواعد زیر بحث پر بلاکم وکاست عمل کرنے کی ضرورت ہے اور اس لئے ان کی وہی شان وحیثیت ہونی چاہیئے جو قدیم سے چلی آرہی ہے۔ عام قاعدہ اس امر کا مقتضی ہے کہ عدالت کو اس امر میں کامل آزادی حاصل ہونا چاہیئے جس شہادت کو وہ اپنی دانست میں غیر متعلق غیر ضروری اور تکلیف دہ سمجھتی ہے اسکو خارج کرے اور جس شہادت کے متعلق جس قسم کا اثر ثبوت قرار دینا چاہیں اُسکا اپنی خواہش کے موافق تعین کرے اور جسطرح سے چاہے اُسکا موازنہ کرسکے۔ ایسا ہی عدالت کی رائے میں جس قسم کی شہادت کا لیا جانا مناسب معلوم ہو اُس کے ادخال کی نسبت حکم دینا عدالت کے اختیار میں ہونا چاہیئے۔ انگریزی قوم کو اس عادت کا ترک کرنا لازم ہے جسکی وجہ سے وہ قانون ملک کو عدالتوں کی بہ نسبت جنکا کام اُس کو نافذ اور اسکا اطلاق کرنا ہے زیادہ عاقل ودانشمند خیال کرتی ہے اور اس قوم کی نظروں میں جو عزت وتوقیر قانون ملک کی ہے وہ عدالتوں کی نہیں ہے اور نہ حکام عدالت پر اس کو اسقدر اعتماد ہے جسقدر اپنے قانون پر اُسکو بھروسا ہے۔ بہرحال ہمکو اس امر کا وثوق کامل ہے کہ وہ استیاز حق اور انصاف میں ترقی دینے کے خیال سے قانون ملک کے اس جزو میں آئندہ ضرور کچھ نہ کچھ تبدیل کی جائیگی۔

۱؎ ملاحظہ ہو کتاب ہذا فصل ۱۰۔

خلاصہ

قانون { (۱) اصلی) متعلق بہ شئے متنازعہ فیہ
(اضافی (ضابطہ) متعلق بہ طریقۂ نزاع عدالت۔

بعض صورتوں میں قانون اصلی اور قانون ضابطہ کے قواعد کا ایک دوسرے کے مساوی ہونا۔ ضابطہ (عدالت)۔ اس کے عناصر یا اجزائے ترکیبی، سمنز (طلبنامہ) پلیڈنگ (عرضی دعوی) وغیرہ۔
ثبوت فیصلہ اور تعمیل۔

قانون شہادت۔

شہادت اور ثبوت کی تعریف

اقسام شہادت {
عدالتی اور غیر عدالتی۔
شخصی اور مادّی۔
اصلی اور منقولی۔
بلا واسطہ اور بالواسطہ

قانون شہادت کے اقسام

۱۔ قواعد جن کا تعلق قوت اثباتی یا اثر ثبوت سے ہے۔

(۱) ثبوت قطعی۔

(۲) ثبوت مشروط۔

(۳) شہادت غیر مکتفی۔

(۴) شہادت مخصوصہ و منفردہ۔

(۵) شہادت غیر مثبتہ۔

۲۔ قواعد جن کا تعلق تقدیم شہادت سے ہے۔

کوئی شخص ایسی بات کے کہنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا جس سے وہ ملزم قرار پائے۔

اقسام حلف۔

تنقید قانون شہادت

تمّت

دوسرا ضمیمہ

نظریۂ فرمانروائی

نظریۂ سلطنت کی بحث میں ہم فرماں روا اور ماتحت ارباب اختیار[1] کے فرق و امتیاز پر نظر ڈال چکے ہیں۔ اول الذکر وہ ہے جو اپنے حلقۂ اثر کے اندر آزاد و مطلق اور بلا کسی قسم کی قید کے ہے۔ ثانی الذکر وہ ہے جو اپنے سے کسی بالاتر و خارجی طاقت کے زیر اثر ہے۔ اس امتیاز کے سلسلے میں ہمیں اب ایک مشہور و ممتاز اصول مسلمہ پر غور کرنا ہے جسے ہم ہابس کا نظریۂ فرماں روائی کہہ سکتے ہیں۔ درحقیقت یہ انگریز فلسفی اس اصول کا بانی اوّل نہیں ہے بلکہ اُس کی ایجاد کا سہرا ممتاز فرانسیسی اہل قلم باڈن کے سر ہے کیونکہ سب سے پہلے اُسی کی وجہ سے یہ اصول مسلمات سیاسیہ کے مرکزی عنصر کی حیثیت سے مشتبہ طور پر تسلیم کیا گیا لیکن ہابس کی تحریرات سے اُسے زیادہ نمود حاصل ہوئی اور زیادہ پر زور و واضح طور پر اُس کا اظہار ہوا۔ انگلستان میں اس اصول کو جو قبولیت نصیب ہوئی وہ زیادہ تر ہابس اور اُس کے زمانہ جدید کے متبعین کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

اس نظریۂ زیر بحث کو تین بنیادی مسائل میں منقسم و منحصر کر سکتے ہیں:-

۱- قوت فرماں روا کا ہر سلطنت میں موجود ہونا لازمی و لابدی ہے۔

۲- قوت فرماں روا ناقابل تقسیم ہے۔

۳- قوت فرماں روا غیر محدود اور ناقابل تحصیر ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ہذا حصۂ اسبق فصل ۴۱۔

درس ضمیمہ

ان مسائل میں سے اول الذکر کو صحیح تسلیم کر لینا ضرور ہے لیکن دوسرے اور تیسرے مسئلے کے لئے کوئی مستحکم بنیاد نہیں ہے۔ یہ معاملہ بے انتہا مبہم اور پیچیدہ ہے اور نہایت توجہ سے اُس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ فرماں روائی کا لازمی و لابدی ہونا۔ یہ بات صاف ہے کہ ہر ایک اجتماع سیاسی (پولیٹیکل سوسائٹی) میں فرماں روائی (اقتدار اعلیٰ) کی موجودگی مضمر ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو تمام اقتدارات زیر دست ہو جائیں گے اور اُس کے فرض کرنے سے بالادستوں اور زیر دستوں کے ایک نا متناہی سلسلے کا تسلیم کرنا لازم آئیگا جو فی نفسہ محال ہے۔ لیکن باوجود اس کے اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ فرماں روائی جو اس طرح لازمی و لابدی سمجھی گئی ہے جزءاً یا کلاً سلطنت سے خارج میں واقع ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جن سلطنتوں کو آزادی اور کامل فرماں روائی حاصل ہے انھیں میں ایسا ہوتا ہے کہ فرماں روائی بالکلیہ اُن کے اندر ہی واقع ہو اور جس کا کوئی جزو خارجاً کسی دوسری قوت کے قبضہ و عمل میں نہو۔ لیکن جب کوئی سلطنت ایک کسی بڑی جماعت سیاسیہ کا ایک جداگانہ منظم حصہ ہوتی ہے تو اُس صورت میں فرماں روا قوت کلاً یا جزءاً اُس وسیع تر اتحاد میں بطور امر کز واقع ہوتی ہے اور تابع سلطنت کے اندر نہیں ہوتی علیٰ ہٰذا اُس سلطنت کے اختیار خود انتظامی میں جو آزاد تو ہے لیکن جس کی فرماں روائی مکمل نہیں ہے اس لئے خلل واقع ہوتا ہے کہ اُسکی فرماں روائی کا ایک جزو اُس کی بالادست سلطنت کے قبضہ و تصرف میں رہتا ہے۔ پس ان تمام صورتوں میں فرماں روا قوت ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ تمام صورتوں میں وہ خود سلطنت کے حدود کے اندر ہی کلیتہً پائی جاتی ہو۔

۲۔ نا قابل تقسیم فرماں روائی۔ یہ کہا گیا ہے کہ ہر سلطنت کے لئے لازم ہے کہ اُس میں نہ صرف فرماں روائی موجود رہے بلکہ کسی فرماں روا کا موجود ہونا بھی ضرور ہے یعنی اُس میں ایک شخص یا چند اشخاص کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو جملہ فرماں روائی کی مرکز ہو سکتی ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قسم کا اختیار دو یا زائد اشخاص کے درمیان منقسم نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ یہ واحد جماعت اعلیٰ مرکب ہو جیسا کہ انگریزی پارلیمنٹ ہے۔ لیکن دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ جب کبھی چند اشخاص کی دو یا زائد جماعتیں

دوسرا ضمیمہ

اس طرح قائم ہوتی ہیں کہ فرماں روایانہ اختیار اُن میں مرکوز ہوتا ہے تو یہ لازمی ہے کہ یہ اختیار کلیتہً اُن میں مشترک ہو اور وہ اس طرح اُس پر قابض نہیں ہو سکتیں کہ مختلف جماعتوں کو مختلف اختیارات تفویض ہوں۔ مثلاً جملہ اختیار اعلیٰ پر الف کا منفرداً یا ب کا منفرداً یا الف اور ب کا مشترکاً قابض ہونا ممکن ہے لیکن اس اقتدار اعلیٰ کے ایک جزو کا الف کے قبضے میں اور دوسرے جزو کا ب کے قبضے میں ہونا غیر ممکن ہے۔

ہم برطانوی دستور پر اس اصول مسلمہ کا اطلاق کر کے اُس کی جانچ کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے ہم کو معلوم ہوگا کہ اس دستور سے ہابس کے اصول کی کلیتہً مطابقت نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے برعکس یہ دستور منقسمہ فرماں روائی کی ایک صاف اور صریح مثال ہے۔ فرماں روائی متعلق وضع قانون بادشاہ اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہے مگر عاملانہ فرماں روائی بذات خاص بادشاہ کے ہاتھ میں ہے اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں کا اُس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں ہم کلیتہً برطانوی دستور کے قانون یا اُس دستور کے قانونی نظریئے سے بحث کر رہے ہیں عمل درآمد بلاشبہہ اس سے مختلف ہے کیونکہ عمل درآمد کے لحاظ سے دار العوام نے حکومتِ عاملانہ پر کامل اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ عمل کے لحاظ سے وزرا مجلس وضع قانون کے خادم اور اُسی کے پاس ذمہ دار ہیں مگر قانون کی رو سے وہ بادشاہ کے خادم ہیں اور بادشاہ اُن کے ذریعے سے اپنی اُسی عاملانہ فرماں روائی کو عمل میں لاتا ہے جو بلا شرکت پارلیمنٹ اُس کو از روئے قانون حاصل ہے۔

پس از روئے قانون سرتاج انگلستان کا عاملانہ اختیار سلطنت برطانیہ کا فرماں روا ہے کیونکہ وہ اپنے حد اختیار کے اندر آزاد مطلق اور بے قید ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ حد اختیار خود غیر محدود نہیں ہے۔ بہت سے امور ایسے ہیں جنھیں بادشاہ عمل میں نہیں لا سکتا مثلاً وہ اپنی ذات سے نہ تو قوانین کی منظوری دے سکتا ہے اور نہ رعایا پر محصول عائد کر سکتا ہے مگر جو کچھ وہ کر سکتا ہے اُسے وہ فرماں روایانہ اختیار سے کر سکتا ہے۔ سلطنت کے اندر کوئی دوسرا شخص ایسا ذی اختیار نہیں ہے جو اُس کے اختیارات پر قید لگا سکے، نہ اُس کے اختیارات کا نفاذ کسی طرح سے روکا جا سکتا ہے اور نہ اُن کے عملدرآمد کو منسوخ کرنا ممکن ہے۔ نظریۂ زیر بحث کے موئیدین کی طرف سے

دوسرا ضمیمہ

یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ مجلس انتظامی اور حکام عاملانہ مجلس وضع قوانین کے زیر نگرانی ہیں اور اس لئے کل فرماں روایانہ اختیارات کا مجموعہ موخر الذکر مجلس ہیں بطور مرکز واقع ہے اور اس مجلس اور حکام عاملانہ میں منقسم نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ مجلس وضع قوانین کا محض ایک جزو نہیں ہے بلکہ وہ ایسا جزو ہے جس کی منظوری کے بغیر مجلس وضع قوانین خود اپنے اختیار کا کوئی شمہ عمل میں نہیں لا سکتی۔ کوئی قانون جو پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں سے منظور ہوا ہو اُس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جبتک بادشاہ اُس کی منظوری نہ دیدے۔ پس مجلس وضع قوانین کیونکر حکام عاملانہ پر نگرانی رکھ سکتی ہے کیا کوئی شخص خود اپنا ماتحت ہو سکتا ہے؟ کسی شخص پر کوئی ایسا اختیار جو اُس شخص کی منظوری کے بغیر عمل میں نہ لایا جا سکے کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔ کوئی شخص کسی جماعت کا جس کا وہ خود ایک رکن ہے تابع اُسی وقت ہوگا جب اُس جماعت کو یہ اختیار ہو کہ اُس شخص کے اختلاف رائے یا نارضامندی کے باوجود وہ جماعت اپنی رائے پر عمل کر سکتی ہے مثلاً ایک مجلس کے چند ارکان کی ایک قلیل جماعت، اُس کے ماتحت سمجھی جاتی ہے جس صورت میں کہ اُس قلیل جماعت کو اپنی مجلس کے اکثر ارکان کی رائے سے کسی امر میں اختلاف ہو لیکن بادشاہ برطانیہ کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ پس انگریزی دستور جس طرح ایک فرماں روا مجلس وضع قوانین کو تسلیم کرتا ہے اسی طرح وہ ایک فرماں روا جماعتِ عاملانہ کو مانتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے حلقۂ اثر میں اعلیٰ و برتر ہے اور ان دونوں ذی اختیار جماعتوں میں تصادم اس طرح رکا رہتا ہے کہ جماعت عاملانہ مرکب مجلس وضع قوانین کی ایک رکن ہے۔ وضع قوانین کا اعلیٰ اختیار مشترکاً بادشاہ اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں کے قبضے میں ہے مگر عاملانہ اختیار کا بادشاہ انگلستان منفرداً قابض ہے۔ مثلاً جب پارلیمنٹ موجود نہیں ہوتی یعنی ایک پارلیمنٹ کی برخواست اور دوسری پارلیمنٹ کے انتخاب کے زمانے میں جو وقفہ گزرتا ہے اُس مدت میں وضع قوانین کا اعلیٰ اختیار ناپدید اور ناپید ہو جاتا ہے مگر اعلیٰ عاملانہ اختیار بلا کسی نقص کے سرتاج انگلستان کی ذات سے قائم رہتا ہے[1]۔

---

[1] برطانوی دستور میں عاملانہ اور وضع قانون کی فرماں روائی کے متعلق انیسن کی تصنیف "انگریزی دستور کا قانون ورواج" حصۂ اول صفحۂ ۳۹ تا ۴۱ طبع سوم دیکھنا چاہیئے۔

دوسرا ضمیمہ

لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ۱۹۱۱ء کے پارلیمنٹ ایکٹ (قانون جسکے ذریعے سے برطانیہ کی شہنشاہی پارلیمنٹ کی از سرِ نو تنظیم کی گئی ہے) کے منظور ہونے کے وقت تک برطانوی دستور حکومت میں اعلیٰ مجلس وضع قوانین اور اعلےٰ مجلس انتظامی کے ساتھ ایک اعلیٰ مجلس عدالت یا محکمۂ عدالت بھی تسلیم کیا جاتا تھا اور یہ تینوں مجلسیں اپنے اپنے صیغے کے لحاظ سے فرماں روا سمجھی جاتی تھیں۔ دارالامرا اپنی عدالتی حیثیت میں آخری عدالت مرافعہ کے طور پر فرماں روا تھا۔ اُس کے فیصلوں کا نہ تو مزید مرافعہ کیا جا سکتا تھا اور نہ اُس کی کارروائیوں پر کسی دوسرے محکمے یا قوت کی نگرانی تھی۔ قانون کے متعلق جو کچھ وہ اپنے فیصلوں کے ذریعے سے طے کر دیتا تھا اُس کو برطانوی دستور حکومت میں کوئی دوسرا ذی اختیار شخص ایسا نہیں تھا کہ رد کر سکتا تھا۔ خود اُس کی رضامندی کے بغیر اُسکے عدالتی اختیارات میں نہ کسی قسم کی کمی ہو سکتی تھی نہ اُس پر کسی کی نگرانی کا قائم کرنا ممکن تھا۔ وضع قوانین کے لئے اس فرماں روا عدالت کی منظوری اُس سے کم لازمی اور ضروری نہ تھی جتنی کہ فرماں روا جماعت عاملانہ (مجلس انتظامی) کی منظوری ضروری تھی۔ پس دارالامرا جداگانہ طور پر اعلیٰ عدالتی اختیار پر فائز تھا اور اُس کے ساتھ ہی وہ وضع قوانین کے اعلیٰ اختیار میں بھی بادشاہ اور دارالعوام کا شریک تھا۔[1]

---

[1] فرماں روا قوت کے قابل تقسیم ہونے کے متعلق ذیل کی کتاب دیکھنی چاہیئے Bryce's studies in history & Jurisprudence, II. p. 70 : صفحۂ مذکور میں لکھا ہے کہ "قانونی فرماں روائی جو قانون کی رو سے قائم ہوئی ہو قابل تقسیم ہے۔ یعنی اس قسم کی فرماں روائی کے مختلف اجزا ایک وقت میں مختلف اشخاص یا مختلف جماعتوں کے تفویض کئے جا سکتے ہیں، ان اشخاص یا جماعتوں کا مساوی الحیثیت ہونا اور نہ ہونا دونوں ممکن ہے حالانکہ ان کے عمل کے دائرے اور حد ود جداگانہ ہی کیوں نہ ہوں" دوسروں نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ

دوسرا ضمیمہ

۴ - ناقابل تحصیر فرماں روائی - نظریۂ زیر بحث کی رو سے فرماں روایانہ قوت کے لئے نہ صرف لابدی و ناقابل تقسیم ہونے کا اظہار کیا جاتا ہے بلکہ اُسے ناقابل تحصیر بھی قرار دیا گیا ہے - یہ فرماں روائی نہ صرف اپنی حد میں بغیر کسی نگرانی اور قید کے ہے بلکہ خود اُس کی حد یا دائرۂ عمل غیر متناہی ہے - ہابس[له] کہتا ہے کہ "عقل و انجیل دونوں کے لحاظ سے میری سمجھ میں تو صاف یہ آتا ہے کہ فرماں روایانہ قوت خواہ ایک شخص کے ہاتھ میں ہو جیسا کہ بادشاہی میں ہوتا ہے یا ایک جماعت کے ہاتھ میں ہو جیسا کہ جمہوری و اعیانی دولت ہائے عامہ میں ہوتا ہے، دونوں حالتوں میں اُس کی وسعت اُتنی ہی ہے جتنی کہ انسان کے تصور میں آنا ممکن ہے اور جو شخص فرماں روایانہ قوت کو حد سے بڑھی ہوئی سمجھ کر کم کرنے کی کوشش کرے گا اُسے لازم ہے کہ وہ اپنے کو اُس قوت کے تابع کرے جو اس فرماں روایانہ قوت کو محدود کر سکتی ہے یعنی اُس سے بھی کسی بڑی قوت کا مطیع بنے" اسی طرح آسٹن[۵ له] نے بھی یہ لکھا ہے کہ مثبت قانون کے حقیقی فرق اور فرماں روا و خود مختار سیاسی نظم معاشرت کی نوعیت سے یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ صحیح معنوں میں بادشاہ یا مجموعی فرماں روایانہ حیثیت میں متعدد فرماں رواؤں کا اختیار قانوناً تحصیر و تحدید کے ناقابل ہے .... اعلیٰ اختیار کا کسی مثبت قانون کے ذریعے سے محدود ہونا گویا الفاظ میں صریحی تضاد پیدا کر دینا ہے -

یہ حجت اختیار کے محدود کرنے اور اختیار کے ماتحت کرنے میں خلط مبحث پیدا کر دیتی ہے - یہ کہ فرماں روائی خود اپنی حد کے اندر کسی نگرانی کے تابع نہیں ہو سکتی فی نفسہ ایک بدیہی امر ہے اس اختیار کی تعریف سے بطور خود یہ نتیجہ نکل آتا ہے مگر یہ کہ یہ حد بالضرور ہمہ گیر ہے یہ ایک بالکل ہی دوسری بحث ہے اور اُس کی تائید نہیں ہو سکتی - اگر کوئی شخص اپنے سے کسی قوی تر شخص کے دباؤ یا حکم سے آزاد ہو تو اس سے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ اس کے متعلق کتاب مندرجۂ ذیل دیکھنی چاہئے Brown's austinian theory of law. p. 174.

له Leviathan, ch. 20, Eng. works, III. 194

۵ له 1. 263

دوسرا ضمیمہ

یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اُس کی جسمانی طاقت کی کوئی حد و غایت نہیں ہے۔

اس مسئلے پر غور کرتے وقت ہمیں اختیار واقعی اور اختیار قانونی میں فرق کرنا چاہیئے کیونکہ اور جگہوں کی طرح یہاں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جو امر از روئے قانون صحیح ہو وہ از روئے واقعہ صحیح نہ ہو، یا اُس کے برعکس ہو۔ فرماں روایانہ اختیار کے واقعۃً محدود ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قانوناً بھی محدود ہو اور اُس کے برعکس برطانوی دستور کا قانونی نظریہ ایسی قیود اور حصرات کو تسلیم کر سکتا ہے جو فی الواقع موجود نہ ہوں[1]۔

یہ امر کافی طور پر واضح ہے کہ فرماں روایانہ قوت واقعۃً محدود ہو سکتی ہے اور در اصل ضرورتاً وہ محدود ہے۔ جدید و متمدن سلطنت کی حکومت کی طاقت اگرچہ بہت بڑھی ہوئی ہے مگر پھر بھی بہت سے امور ایسے ہیں جنھیں نہ صرف کرنا نہ چاہیئے بلکہ وہ کر نہیں سکتی ہے، فرماں روا کی قدرت اور قابلیت کے اصلی مفہوم کے لحاظ سے یہ امور اُس کے دائرۂ اقتدار سے خارج ہیں، وجہ یہ ہے کہ ہر ایک فرماں روا کا اختیار دو امور پر منحصر ہوتا ہے اور اُن سے اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اوّلاً وہ مادّی قوت ہے جو اُس کے قبضہ و قدرت میں ہے اور جو اسکی حکومت کا لازمی آلۂ کار ہے اور ثانیاً یہ کہ اُس فرماں روا کے ماتحت جو جماعت سیاسیہ ہے اُس کے افراد اُس قوت مادّی کی اطاعت کرنے کے عادی ہیں جو اُن کے خلاف عمل میں لائی جاتی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی شئے بھی اپنی وسعت میں غیر محدود نہیں ہے، اس لئے واقعی فرماں روائی جس کی بنا انھیں دونوں امور پر ہے غیر محدود نہیں ہے بنتھم نے اِسے صاف طور پر تسلیم کیا ہے[2]۔ وہ کہتا ہے کہ "اس طریقۂ تحصیر میں مجھے کوئی شئے ایسی نہیں نظر آتی جس سے ہمیں حیرت و استعجاب کی

[1] فرماں روائی کے قانونی اور واقعی فرق یا فرماں روائی از روئے قانون اور فرماں روائی از روئے عمل کو برائس نے اپنی ممتاز تصنیف مطالعات تاریخ و اصول قانون جلد ۲ صفحات از ۴۹ تا ۳۰۷ میں نہایت کمال وخوبی سے ظاہر کیا ہے۔

[2] Fragment on government, ch. 4, sects, 35, 36.

دوسرا ضمیمہ

ضرورت ہو۔ وہ کونسی شئے ہے جس کے ذریعے سے کسی درجے کا اختیار (یعنی سیاسی اختیار) قائم ہوتا ہے؟ جواب، یہ شئے بس اطاعت کی عادت اور میلان ہے، اور کچھ نہیں ہے۔ اگر میں سخت غلطی میں نہیں ہوں تو (یہ کہہ سکتا ہوں کہ) اس میلان کی نسبت یہ خیال کرنا بہت آسان ہے کہ جس طرح یہ ایک قسم کے افعال کے متعلق موجود ہے ویسا ہی یہ دوسری قسم کے افعال کی نسبت مفقود ہے پس کسی ایسی جماعت کی نسبت جو ہر اعتبار سے اعلیٰ و فائق ہو یہ خیال کرنا کہ ایک خاص قسم کے افعال کی جانب اُس کے اختیارات محدود ہیں گویا ان مخصوص افعال کو دوسرے افعال سے ممتاز سمجھنا ہے...... بہرحال زیر بحث اعلیٰ جماعت نے اپنے اختیار کے متعلق اس طرح حدود قائم کر لئے ہیں۔ پس اس قسم کی حد بندی کا کیا اثر ہے؟۔ جواب، یا تو کوئی اثر نہیں ہے یا ہے تو یہ ہے کہ اطاعت کا میلان انھیں حدود کے اندر محدود رہتا ہے اور ان حدود سے یہ میلان متجاوز نہیں ہو سکتا۔ رعایا اپنی سلطنت کی اس سے زیادہ اطاعت نہیں کر سکتی اس حد کے بعد رعایا حکمران جماعت کے حکم کی اُسی طرح خلاف ورزی کرتی ہے جس طرح وہ حکومت غیر کے احکام کو بے وقعتی سے دیکھتی ہے۔ میرے خیال میں سلطنت کے سب سے اعلیٰ اقتدار کو محدود ماننے اور نہ ماننے سے کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔ انسان اپنے ذہن میں اقتدار اعلےٰ کے محدود اور غیر محدود ہونے کی دونوں تصویریں کھینچ سکتا ہے اور اس طرح کے تصور کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن یہ ایک دوسرا سوال ہے کہ آیا اس قسم کی دو سلطنتوں میں رعایا کے حق میں کونسی سلطنت زیادہ نفع بخش ہو سکتی ہے اور رعایا کی خوشحالی کے لئے ان میں سے کونسی سلطنت بہتر ہے اور کون زیادہ خوبی سے کارفرما ہو سکتی ہے۔"

پیروان ہابس کو فرماں روایانہ اقتدار کی واقعی تحدید کے تسلیم کرنے میں کوئی انکار نہیں ہو سکتا لیکن اُس کی قانونی تحدید کے ماننے میں اُنھیں عذر کرنے کا موقع ہے۔ وہ یہ حجت پیش کر سکتے ہیں کہ گو واقعتہً بہت سے امور ایسے ہیں جن کے کرنے کا فرماں روا کو اختیار نہ ہو لیکن قانوناً کسی کام کے کرنے کی اُس کو ممانعت نہیں ہے کیونکہ جس فرماں روایانہ اختیار سے قانون بنتا ہے اُس پر کسی قسم کی قید لگانے کو قانون نہیں

دوسرا ضمیمہ

تسلیم کر سکتا۔

اس کے جواب میں یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ قانون ملک اشیا کا محض وہ نظریہ ہے جو عدالت کے اندر مقبول و نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ یہ قانون بیرونی دُنیا کا وہی عکس و نقشہ ہے جسے سلطنت کی عدالتیں دیکھتی اور مستند قرار دیتی ہیں پس جب ایسا ہے تو جو کچھ واقعے میں ممکن ہے وہ قانون میں بھی ممکن ہے اور اس سے کچھ زیادہ بھی ہو سکتا ہے فرمانروایانہ اقتدار کی جو کچھ تحصیر واقعے میں موجود ہے وہ قانون کے ذریعے سے بھی خیال میں آ سکتی اور تسلیم کی جا سکتی ہے۔ یہ روا رکھنا کہ از روئے واقعہ تحصیرات کا امکان ہے، اس روا رکھنے کے مرادف ہے کہ از روئے قانون بھی اُس قسم کی تحصیرات کا امکان ہے۔ اگر عدالتیں عادتاً اس اصول پر عمل کرتی ہیں کہ برطانوی دستور حکومت کے موافق عملدرآمد کے بعض فرائض و اشکال سلطنت یا جماعت سیاسیہ (body politic) کے کسی عضو یا عنصر خاص سے موافقت نہیں رکھتے اور اس لیئے فرماں روایانہ اقتدار کی اُس حد سے خارج نہیں جسے دستور مذکور تسلیم کرتا ہے تو پھر یہ اصول اپنے عدالتی نفاذ کی وجہ سے قانون کا ایک صحیح اصول ہے اور اس طرح فرماں روایانہ اختیار از روئے قانون اُس سے کم محدود نہیں ہوتا جتنا کہ از روئے واقعہ محدود ہوتا ہے۔

مخالف رائے کی بنا نوعیت قانون کی اُس بیجا تنگ نظری پر ہے جو قانون کو اُس حکم کے مرادف قرار دیتا ہے جسے فرماں روا اپنی رعایا کے نام شائع کرتا ہے۔ اس نظر سے قانون اور قانونی ذمہ داری دونوں ہم وسعت ہیں اور اس صورت میں اعلیٰ اختیار کی قانونی تحصیر و تحدید کے معنی بظاہر یہ ہوں گے کہ اس اختیار کا قابض اُس کے عمل درآمد کے متعلق قانون کی ذمہ داریوں کے تابع ہے۔ یہ خیال لامحالہ فرماں روایانہ اقتدار کی تعریف کے مخالف پڑ جاتا ہے اور وہ صریحاً ناممکن ہے۔[۱]

[۱] یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ سلطنت کے ذمے اپنی رعایا کے کچھ قانونی فرائض ہوتے ہیں اور اس طرح کے فرائض کا موجود ہونا ممکن ہے لیکن ان فرائض کا نامکمل اور بزور ناقابل اجرا ہونا لازم ہے۔ کتاب ہذا حصہ سابق فصل ۷۹۔

دوسرا ضمیمہ

یہ کہ فرماں روایانہ اختیار خود اپنی حد کے اندر قانوناً زیر نگرانی رکھا جا سکتا ہے ایک جامع الاجتہاد مسئلہ ہے۔ لیکن یہ کہ اُس کے حد عمل کے لئے از روئے قانون حدود کا مقرر کرنا ایک صاف و صحیح اُصول ہے۔

ناقابل تحدید فرماں روائی کے اصول مسلمہ کا ایک مفہوم یا اطلاق ایسا ہے جس میں اتنی کافی اہمیت موجود ہے کہ وہ خاص طور سے لحاظ کرنے کے قابل ہے۔ فرماں روایانہ اختیار کے خاص فرائض میں سے ایک فرض وضع قانون ہے۔ نظریۂ زیر بحث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہر ایک سیاسی نظم معاشرت میں لازماً کوئی ایک ذی اقتدار ایسا موجود ہوتا ہے جسے وضع قانون کا غیر محدود اختیار حاصل رہتا ہے۔ درحقیقت اس قوت کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ فرماں روائی کے ناقابل خطا جانچ ہے ایسے فرماں روا کی جستجو میں جس کا ناٹس کے اصول مسلمہ کے موافق ہر ایک جماعت سیاسیہ کے اندر کہیں نہ کہیں پایا جانا ضرور ہے، ضرورت جو کچھ ہے صرف اتنی ہے کہ اُس شخص کا پتا چلایا جائے جسے بلا استثنا جملہ قوانین کے بنانے اور ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ وہی اور صرف وہی سلطنت کا فرماں روا ہوتا ہے کیونکہ اُسے لازماً سب پر اور سب معاملات کے متعلق اختیار حاصل رہتا ہے اور وہ کسی کے تابع نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق یہ ملحوظ رکھنا ہے کہ وضع قانون کے اختیار کا انحصار اس امر پر ہے اور اسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سلطنت کی عدالتیں اُسے کس حد تک تسلیم کرتی ہیں۔ اگر کسی قانون کو تسلیم کرنے اور اُس کے نافذ کرنے سے عدالتیں انکار کریں تو محض اُن کے انکار سے وہ قانون نہیں رہتا اور اُس جماعت کی قانونی اہلیت اور قابلیت باقی نہیں رہتی جس نے اُس قانون کو وضع کیا ہو۔ ایسے قانون کو ملک کی کسی مجلس بلدی نے بنایا ہو یا اعلیٰ مجلس وضع قوانین نے وضع کیا ہو دونوں برابر ہے۔ انگلستان کے قانون کی موجودہ حیثیت سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ شہنشاہی پارلیمنٹ کے وضع قوانین کے اختیارات نہایت وسیع اور غیر محدود ہیں اور اُن پر کسی قسم کی قانونی قید نہیں ہے اُس کا جاری کیا ہوا کوئی قانون کسی عدالت سے اس بنا پر نامنظور نہیں ہو سکتا کہ وہ پارلیمنٹ کے حد اختیار سے خارج ہے۔ اس مقام پر ہمیں اس امر سے بحث نہیں ہے کہ وضع قانون کی مقدرت مطلقہ

دوسرا ضمیمہ

کی نسبت جو یہ قانونی قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ مبنی بر دانش ہے کہ نہیں لیکن اس امر کا پتا چلانا مشکل ہے کہ کوئی مقنن یا عالم قانون کیونکر ثابت کر سکتا ہے کہ نظریئے کی رُو سے بھی اس قاعدے کا موجود ہونا ضرور ہے۔

اس حالت کو گزر کر زیادہ زمانہ نہیں ہوا کہ اگر پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون بناتی جو عقل اور قانون خدا کے خلاف ہوتا تو وہ کالعدم سمجھا جاتا تھا اور اُس کو کالعدم قرار دینا ہی قانون انگلستان تھا۔[1] اگرچہ برطانوی عدالتوں میں اب اس قاعدے پر عمل نہیں ہوتا ہے مگر اس قاعدے کو تسلیم کرنے سے نہ تو کوئی قیاسی خرابی پیدا ہوتی ہے اور نہ کسی ناممکن کام کے امکان کا احتمال ہے حالانکہ اس قاعدے کا تسلیم کرنا کتنا ہی غیر ضروری اور ناموزوں کیوں نہ ہوتا تاہم اس سے صاف طور پر یہ لازم آتا ہے کہ ایک قانونی قاعدے کے ذریعے سے مجلس وضع قانون کے اختیار کی تحدید ہوتی ہے، ایک دوسری مثال لیجئے، انگریزی پارلیمنٹ کے وضع قانون کی قدرت مطلقہ کی ایک نہایت ہی نمایاں تمثیل اُس کا یہ مسلمہ اختیار ہے کہ اگر دار العوام کو منظور ہو تو وہ اپنی اُس مدت میں جس کے لئے اُس کا انتخاب کیا جاتا ہے اضافہ کر سکتا ہے۔ اُنھیں نمائندوں کو جنھیں اہل ملک ایک معینہ مدت کے لئے انتخاب کرتے ہیں قانونی اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے اختیار مفوضہ کے زمانے میں اپنی معینہ مدت کی توسیع کریں۔ اگر اس قاعدے کے مغائر کوئی دوسرا قاعدہ ہو تو اُس پر از روئے نظریہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس قسم کا اعتراض مانا جا سکتا ہے۔ انگریزی عدالتوں کو اس اصول کے تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے کہ برطانیہ میں جو پارلیمنٹ جس مدت کیلئے مقرر ہوتی ہے وہ اُس مدت کے لئے فرماں روا ہے اور اُس کو اپنی مدت معینہ میں اضافہ کرنے کا اختیار نہیں ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں مجلس اعلیٰ مجلس وضع قانون کا اقتدار قانون کے ایک قاعدے کی رو سے محدود نہ ہو جائیگا؟

وضع قانون کو عمل میں لانے کا اختیار مسلمہ طور پر قانونی شرائط کے تابع ہے، اچھا تو اُسے قانونی حدود کے تابع قرار دینے میں کیا قباحت ہے؟ اگر قانون کے

---

[1] اسناد اور نظائر کے متعلق فصل ۷، ۵ دیکھنی چاہیئے۔

دوسرا ضمیمہ

ذریعے سے وضع قوانین کے اختیار پر عمل کرنے کے طریقے کی تنظیم ہوسکتی ہے تو قانون اُس کے نفس مضمون کو کیوں منضبط نہیں کرسکتا یعنی قانون کے ذریعے سے کیوں وضع قوانین کے اختیار کی تنظیم نہیں کی جاسکتی؟ موجودہ قانون انگلستان کے لحاظ سے پارلیمنٹ کسی ایک قانون کو ایک ہی سیشن میں اور اُسی طریقے سے منسوخ کرسکتی ہے جس سیشن میں اور جس طریقے سے کہ وہ منظور کیا گیا ہو۔ پس کسی ایسے قانون کا کیا اثر ہوگا جس میں یہ قرار دیا جائے کہ کسی قانون کی پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں کی قطعی کثرت رائے کے بغیر ترمیم نہیں ہوسکتی؟ کیا یہ قاعدہ ایک اچھا قانون نہ ہوگا؟ بیشک یہ ایک نہایت مفید قانون ہوگا کیونکہ اس کے ذریعے سے خود یہ قانون اور دوسرے قوانین اس معینہ طریقے کے سوائے کسی دوسری نہج سے منسوخ نہ ہوسکیں گے۔ اگر یہ مزید شرط بھی لگادی جائے تو کیا ہوگا کہ کسی قانون کی اُس کی تاریخ توضیع سے دس برس کے اندر تنسیخ نہ ہوگی؟ کیا اس قسم کی شرط جو بذریعۂ قانون قرار دی جائے، باطل اور کالعدم ہوگی؟ اور اگر یہ مشروطی قانون جائز سمجھا جائے تو کیا عدالتیں اس پر عمل نہیں کریں گی اور اگر اس قانون یا دوسرے قوانین جنھیں نافذ ہوکر دس برس نہ گزرے ہوں توڑنے کی کوشش کی جائے تو عدالتیں اس عذر کی بنا پر کہ پارلیمنٹ اپنے حد اختیار سے متجاوز ہوگئی ہے اُس کی کارروائی کو منسوخ نہیں کریں گی؟ بیشک ایسی صورت میں عدالتیں پارلیمنٹ کی تجویز تنسیخ قوانین کا لحاظ نہیں کریں گی اور اُس کی کارروائی کو کالعدم قرار دیں گی۔ اگر کسی قانون (موضوعہ) کو دس سال کے لیے ناقابل تنسیخ قرار دینا ممکن ہے تو اُسی قانون کو ازروئے قانون ہمیشہ کے لیے ناقابل تنسیخ قرار دینا کیوں ناممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ اس قسم کا قاعدہ دانشمندی پر مبنی نہیں ہوسکتا تاہم اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کہ اس قاعدے میں کوئی محال منطقی لاحق ہوتا ہے کسی دلیل کا پیش کرنا ممکن نہیں۔

قدرت اور اختیار وضع قوانین کے نظر کرتے زمانۂ جدید میں انگریزی پارلیمنٹ اپنی آپ نظیر ہے۔ زمانۂ جدید کے اکثر دستورات حکومت کے ذریعے سے مجلس وضع قوانین کے اختیارات پر کچھ نہ کچھ قیود عائد کیے جاتے ہیں۔ ممالک متحدۂ امریکہ میں نہ تو کانگریس اور نہ اُس کی کسی ریاست کی مجلس وضع قوانین کو غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔

دوسرا ضمیمہ

جن دستورات حکومت کے ذریعے سے ریاستیں قائم ہوئی ہیں اُن کو وہ بدل نہیں سکتیں اور یہی دستورات بعض معاملات کو صریح طور پر اُن کے حد اختیار سے خارج کرتے ہیں تو پھر فرماں روائی کا مرکز کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان دستوروں میں ایسی دفعات موجود ہیں جن کے بموجب معمولی مجلس وضع قوانین کی بجائے ایک دوسری قوت کے ذریعے سے ان دستوروں میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔ اور اس لئے وضع قوانین کا یہ مفقود اختیار اُس جماعت کو حاصل ہے جسے دستور میں تغیر کرنے کا اختیار تفویض کیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ممالک متحدۂ امریکہ میں فرماں روائی کا مرکز کانگریس نہیں ہے بلکہ وہ فرماں روائی ریاستوں کی مجالس وضع قوانین کی تین چوتھائی کی کثرت میں مرکوز ہے۔ اس مخلوط جماعت کو دستور میں تغیر کرنے کا قطعی اختیار حاصل ہے اور اس لئے وہ اس دستور کی کسی دفعہ کی رو سے مقید نہیں ہے اور اس طرح اسے وضع قوانین کا غیر محدود اختیار حاصل ہے۔

پس جبکہ اس طرح پر دستور کی ترمیم کے اختیارات مطلق معمولی مجلس وضع قوانین کے علاوہ کسی اور صاحب اقتدار کو تفویض کردئے جائیں تو یہ ایک بالکل ہی صحیح جواب ہے لیکن ہم اس دستور کے متعلق کیا کہہ سکتے ہیں جو معمولی مجلس وضع قوانین کو (دستور حکومت میں) تغیر کرنے سے ممنوع قرار دیتا ہے اور ان تغیرات کے عمل میں لانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں بتلاتا۔ ایسے دستور میں کوئی منطقی محال نہیں ہے تاہم از روئے قانون اسی قسم کا دستور (جیسا کہ برطانوی دستور حکومت ہے) صرف تحا ناقابل تغیر ہوسکتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ قانون کی خلاف ورزی اور عدول حکمی کرنے سے اس طرح کے دستور میں تغیرات کئے جاسکتے ہیں کیونکہ جس دستور میں خمیدہ ہونے کا مادہ نہ ہو (مطلب یہ کہ جو دستور حکومت ناقابل تغیر و ترمیم قرار دیا جائے) وہ جلد یا بدیر ٹوٹ کر رہیگا، لیکن جن امور کا اصول (ملکی) اور اقتدار اعلیٰ سے تعلق ہے اُن کا وجود پذیر ہونا اُسی وقت ممکن ہے جب وہ دستور حکومت کے حدود کے اندر نہ کہ اُن سے باہر واقع ہوتے ہیں اگر کسی دستور حکومت میں ان امور کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اُس کے ذریعے سے کسی جماعت سیاسی یعنی

دوسرا ضمیمہ

سلطنت کا قائم کرنا ممکن نہیں ہے اور سیاسی حکومت کے نظریئے کا موضوع [1] باقی نہیں رہتا - ان تمام مسائل میں جن کا تعلق فرماں روائی سے ہے اس امر کو فرض کرلینا لازم ہے کہ منتظم حکومت اور اُس کی کارفرمائی کے متعلق ایک معینہ اور مقررہ اسکیم پہلے سے موجود رہتی ہے اور عمل کرنے میں اُس اسکیم یا طریقے کا لحاظ کیا جاتا ہے اور اس فرض یا مفروضے کے ساتھ ہم کو وضع قوانین کے اختیار کے مسئلے کی وسعت کے متعلق بحث کرنا چاہیئے۔

جس سلطنت کا دستور کلیتہً ناقابل ترمیم قرار دیا جاتا ہے وہ تمام کا تمام ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ اُس کے بعض اجزا از روئے قانون ناقابل تبدیل یا ترمیم ثابت ہوتے ہیں - قیام دستور کے وقت ہی اُس کے بعض اجزا مستقل اور بنیادی قرار دیدئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مقتدر جماعت بھی اُن میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں کرسکتی جس کے تفویض دستور میں ترمیم کرنے کا اختیار ہوتا ہے چنانچہ ممالک متحدۂ امریکہ کے دستور کی پانچویں دفعہ میں یہ قاعدہ بتلایا گیا ہے کہ امریکہ کی کوئی ریاست اپنی رضامندی کے بغیر سینٹ (Senate) میں اپنے مساوی حق رائے دہی سے محروم نہیں کی جائیگی - اس قاعدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس دفعہ میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ دستور کے بعض حصص ۱۸۰۸ء تک ناقابل ترمیم سمجھے جائیں گے - پس اس دوران میں فرمانروایانہ اختیار کس کو حاصل رہا [2]

---

[1] جن قانونی قیود کا فرماں روایانہ قوت یا اختیار پر قائم کرنا ممکن ہے ان کے متعلق کتب مندرجہ ذیل دیکھنا چاہیئے:-

Jellinck, das Recht des modorneu staates, I. pp 432-441;

Pollock, Jurisprudence, pp. 270-273, and. ed., sidgwick,

Elements of politics pp. 23-29, 623—638; Bryce, studies in history and Jurisprudence, II, 71.

[2] چنانچہ لارڈ برائس کا قول ہے کہ "قانونی فرماں روائی محدود ہوسکتی ہے یعنی کسی سلطنت کے قانون کا اُس سلطنت میں کسی ایک شخص کو یا کسی ایک جماعت کو یا اُس سلطنت کے جملہ باشندوں کو یا اس کی تمام جماعتوں کو جس کے یا جن کے ہاتھ میں

تیسرا ضمیمہ

مقولاتِ قانونی

مقولاتِ قانونی سے مراد ایسے ضرب الامثال ہیں جو قانون ملک میں رائج ہیں۔ جس طرح دوسری قسم کے ضرب الامثال کے محاسن اور معائب ہیں اسی طرح ان قانونی اقوال میں بھی خوبیاں اور برائیاں ہیں، یہ مقولات بھی ضرب الامثال کی مانند مختصر موثر اور پُر معنی جملے ہیں اور ان میں ایک حد تک صدق و صحت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ان اقوال کے ذریعے سے قانون کے عام اصول کا اظہار تو ہوتا ہے لیکن اختصار عبارت کی وجہ سے ان کے ذریعے سے اُن مستثنیات اور ترمیمات کا جن پر یہ مقولات مبنی ہیں ممکن نہیں ہے لہٰذا محض مقولات قانونی کے ذریعے سے قانون ملک کا تحصیل کرنا مناسب نہیں ہے محض ان اقوال کی واقفیت سے کوئی شخص صحیح طور پر قانون مجرد کا اکتساب نہیں کرسکتا۔ پھر بھی ان مقولات کے فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ گو بظاہر پڑھنے والے کو ان کی عبارت سے دھوکا ہوتا ہے اور اگر اُن کے لفظی معنی لئے جائیں تو اُن کی صحت میں ضرور شبہہ ہوتا ہے لیکن یہ ایسے فقرات اور جملے ہیں جن کے ذریعے سے اُن مسائل قانونی کا اظہار کیا جاتا ہے جنکے تابع قانون مجرد یا قانونِ ملک ہے اور لطف یہ کہ مقولات مذکور مختصر و مفید اور عام فہم ہیں

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ وضع قانون یا حکومت عاملانہ کا اعلیٰ اقتدار ہو ہر ایک امر کے متعلق قانون بنانے یا مخصوص احکام اجرا کرنے کا حق نہ عطا کرنا ممکن ہے۔" Brown, Austinian Theory of Law pp. 158-164.

وکلا یا قانون پیشہ لوگوں کے لئے ان کو گویا شارٹ ہینڈ یعنی اختصار نویسی سمجھنا چاہئیے لیکن جو لوگ قانون سے ناواقف ہیں وہ اُن سے فائدہ اٹھانے کے عوض نقصان پاتے ہیں کیونکہ اُن کے پورے مفہوم سے وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو قانون میں مہارت کامل رکھتا ہے ورنہ اس قسم کے جملوں سے جس کی عبارت مختصر اور محذوف ہے عوام کو غلط فہمی کے سوائے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

عموماً تمام مقولات قانونی زبان لاطینی میں تحریر ہوئے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں کے اکثر اقوال قانون روما سے اخذ کئے گئے ہیں یا اُس کے تتبع میں ان کو لاطینی زبان میں لکھا گیا ہے۔ بعض مقولات قانونی ایسے بھی ہیں جن کا ماخذ نہ تو قانون روما ہے اور نہ وہ اُس قانون کے مقننین کے ذہن و فکر کا نتیجہ ہیں لہذا اس دوسری قسم کے اقوال قانونی کے بانی ازمنۂ وسطیٰ کے مقننین کی قوت دماغی سمجھنا چاہئیے۔ ہم ذیل میں ایک فہرست اُن اقوال قانونی کی پیش کرتے ہیں جو سب سے زیادہ مشہور اور اہم ہیں اس کے ساتھ ہی مختصر طور پر اُن کی تشریح و تفسیر مع اسناد کتب کردی گئی ہے۔

1. ACTUS NON FACITREUM NISI MENS SIT REA.

۱۔ (محض فعل جرم نہیں ہے جب تک کہ فاعل کی نیت مجرمانہ نہ ہو)

قوانین ہنری اول جلد ۵۔ صفحہ ۲۸ (قوانین و ادارات قدیم انگلستان مرتبۂ تھارپ جلد ۱۔ صفحہ ۵۱۱) ادارۂ سوم کوک۔ فٹ نوٹ ۶۔

فعل کی وجہ سے مرتکب فعل مجرم نہیں قرار پا سکتا بشرطیکہ ارتکاب فعل کی نسبت اس کی نیت مجرمانہ نہ ہو۔ جب تک کوئی فعل نیت مجرمانہ کے ساتھ نہ کیا جائے جُرم نہیں قرار پا سکتا جرم کی ذمہ داری فعل کی واقعیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ فعل کے جُرم متصور ہونے کیلئے لازم ہے کہ وہ ایک خاص حالت یا صفت کے ساتھ کیا جائے اور جب تک مجرم کی ناجائز نیت یا غفلت مستلزم سزا کا وجود نہ پایا جائے وہ اپنے فعل کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا فصول ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۴۵۔

تیسرا ضمیمہ

2. ADVERSUS EXTRANEOS VITIOSA POSSESSSIO PRODESSE SOLET.

ڈائیجسٹ ۱۴-۲-۳-۵-

قبضۂ مقدم اُن تمام اشخاص کے مقابلے میں جو اُس سے دیرینہ قبضہ نہ بتلاسکیں ایک عمدہ حق ملکیت متصور ہوتا ہے۔ایک شئے یا جائداد کے دعویداروں میں اُس شخص کا قبضہ جو شئے متنازعہ فیہ پر دوسروں سے پہلے قابض ہوگیا ہو دوسروں کے مقابلے میں بمنزلۂ ملکیت سمجھا جاتا ہے۔لیکن قانون روما میں جس سے یہ مقولہ اخذ کیا گیا ہے قبضۂ اوّلیں یا قبضۂ مقدم کا ایک مخصوص مفہوم ہے اور اُس کا خاص طور پر اطلاق کیا جاتا ہے یعنی اس مقولے کا تعلق اُن چارۂ کار سے ہے جو حصول قبضہ یا دخل اراضی کی بابت وضع کئے گئے ہیں۔ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا فصل ۱۶۱-

3. APICES JURIS NON SUNT JURA.

۳-(قانونی موشگافیاں اور باریکیاں صحیح قوانین نہیں ہیں)

قانونی اصول اور قواعد پر بلالحاظ نصفت و عقل سلیم نہ تو عمل کرنا چاہیئے اور نہ اُنسے انتہائی درجے کے نتائج اخذ کرنا لازم ہے۔مثلاً قانون کا ایک اصول بعض قیود اور شرائط کے ساتھ جائز اور صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ان قیود کے باہر عدالت اُس کا اطلاق کرنا چاہے تو وہی اصول غلط ثابت ہوتا ہے۔لہٰذا قانون ملک میں اس امر کا لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ نرے قانون پر عمل کرنے سے جو غلطیاں پیدا ہوتی ہیں اور موجودہ قانون غلط ثابت ہوتا ہے اُس کو رفع کیا جائے۔ملاحظہ ہو فصل ۱۰-

CESSANTE, RATIONE LEGIS CESSAT LEX IPSA

۴-(اُس ضرورت کے باقی نہ رہنے سے وہ قانون بھی جو اُس کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے نافذ نہیں رہتا)

اس مقولے کا اطلاق قانون غیر موضوعہ (قانون عُرفی) اور قانون موضوعہ پر

تیسرا ضمیمہ

جداگانہ طریقے سے کیا جاتا ہے۔

(۱) قانون غیر موضوعہ۔ اس قسم کے قانون کے ہر ایک اصول یا قاعدہ کو اطلاق کرتے وقت عدالتوں کو اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ جس ضرورت یا غرض سے قاعدۂ زیر بحث بنایا گیا تھا وہ باقی ہے کہ نہیں۔ اگر غرض مذکور باقی ہے تو قانون غیر موضوعہ میں قاعدۂ زیر غور پر عمل کرنا مناسب ہے ورنہ اُس قاعدہ کو متروک العمل یا منسوخ سمجھنا چاہیئے۔ اگر غرض یا ضرورت قانون مفقود ہوگئی ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ قانون بھی باقی نہیں رہا ہے۔

(۲) قانون موضوعہ۔ چونکہ قانون غیر موضوعہ کا اثر اُس کے اُن الفاظ اور عبارت پر منحصر ہے جس کے ذریعے سے وہ وضع کیا جاتا ہے اس لئے اس مقولے کا قانون مذکور پر پوری طرح سے نہیں بلکہ کسی حد تک اطلاق کیا جاتا ہے۔ قانون موضوعہ کی تعبیر عموماً الفاظ یا عبارت قانون پر منحصر ہوتی ہے لہذا جس صورت میں اس قانون کے الفاظ سے عدالتوں کو اُس کے اطلاق کرنے میں کافی مدد نہیں ملتی ہے تو وہ غرض قانون زیر بحث کی متلاشی ہوتی ہیں۔ قانون موضوعہ کی نسبت یہ مقولہ اُسی وقت تک صحیح سمجھا جاتا ہے جب تک محدود طور پر اُس قانون کی تاویل کی جاتی ہے اور جب زیادہ وسعت سے اُس میں تاویل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک دوسرے مقولے سے جو اُس مقولے کا تمتہ ہے کام لیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے (Ubi eadem ratio ibi idem jus) (جہاں ضرورت یا غرض ایک ہی قسم کی ہے تو وہاں اُس قانون کا اطلاق کیا جاتا ہے جو اُسی قسم کی ضرورت یا غرض کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے) ملاحظہ ہو فان جیرو (Vangero) جلد ا فصل ۲۵۔

5. Cogitationis poenam nemo patitur.

۵۔ (کوئی شخص محض خیال کیلئے مستوجب سزا نہیں ہے)

ڈائیجسٹ ۴۸ - ۱۹ - ۱۸۔

انسان محض اپنے خیال یا نیت کی بنا پر لائق تعزیر نہیں قرار پا سکتا جب تک انسان سے کوئی فعل ظاہر میں سرزد نہ ہو اُس فعل کا قانون میں لحاظ نہیں کیا جاتا، قانون میں صرف ایسے افعال کی گرفت کی جاتی ہے جو انسان سے وقوع پذیر ہوتے ہیں

تیرا ضمیمہ

اس پر بھی بعض مخصوص صورتوں میں عدالتیں اس مقولے کے عکس پر عمل کرتی ہیں اور وہ مقولہ یہ ہے (Voluntas reputatur profacto) (نیت کو فعل سمجھنا چاہیئے) ملاحظہ ہو فصل ۱۳۷۔

6. Communis error facit jus.

۶۔ (عام غلطی قانون بن جاتی ہے)

ادارۂ چہارم کوک صفحۂ ۴۲ فٹ نوٹ۔ اس کا مقابلہ کیا جائے ڈائی جسٹ جسٹی نی آن ۳۳-۱۰-۳-۵ سے جس میں لکھا ہے کہ (Error jus facit) (غلطی قانون بن جاتی ہے)۔

بعض وقت ایک غلط فیصلہ یا نظیر عدالت جائز اور صحیح قانون بن جاتا ہے بشرطیکہ اغراض معدلت کی بنا پر اُس کا منسوخ کرنا نامناسب سمجھا جائے اور اُس نظیر پر ایک عرصے تک ملک کی اکثر عدالتیں وثوق سے عمل کرتی رہی ہوں۔ ملاحظہ ہو فصل ۶۵۔

7. Cuius est solum eius est usque ad coelm.

۷۔ (مالک قطعۂ زمین اپنی زمین کا آسمان تک مالک ہے)

شرح کوک بر تصنیفات لٹل ٹن جلد ۴۔ رپورٹس مرتبۂ کوک جلد ۹ صفحۂ ۵۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا فصل ۱۵۵۔

8. De minimis non curat lex.

۸۔ (قانون میں خفیف امور یا ادنیٰ باتوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا)

فیصلہ جات مقدمات جالانی عہد الزبتھ صفحۂ ۳۵۳۔ اس کا مقابلہ کیا جائے ازمنۂ وسطیٰ کے مفسّرین قانون روما کے مندرجۂ ذیل مقولے سے: "پریٹر کی توجہ خفیف امور کی طرف نہیں مبذول ہوتی ہے یا پریٹر چھوٹی چھوٹی باتوں کا لحاظ نہیں کرتا ہے۔ ڈرن برگ، پینڈیکٹس جلد ۱ فصل ۱۴۰ نوٹ نشان ۵۔

تیسرا ضمیمہ

قانون ملک میں خفیف امور کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اس مقولے کا تعلق ملک کے موجودہ اور واقعی قانون سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق قانون ذہنی سے ہے یعنی ایسے قانون سے ہے جس کا انسان تصور کر سکتا ہے اور جو بالفعل موجود نہ ہو۔ اس مانے کے مختلف نظامات قانونی کا رجحان ضابطے اور طرز عمل کی چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں پر گرفت کرنے کی جانب ہے اور اس کی وجہ سے معمولی اور سنگین غلطیوں میں مناسب اور موزوں طریقے سے فرق نہیں کیا جاتا ہے اور اس کو اُن نظامات قانونی کے نقص کی دلیل سمجھنا چاہیئے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۰۔

9. Ex nudo pacto non oritur actio.

۹۔(خالی عہد سے دعویٰ کرنے کا حق نہیں پیدا ہوتا ہے)

اس کا مقابلہ کیا جائے ڈائجسٹ ۲۔۱۴۔۷۔۴ سے :"خالی عہد سے کسی قسم کی ذمہ داری نہیں پیدا ہوتی"۔ ملاحظہ ہو سیسرو، ۴۔۶۵۔۲۷، اس میں لکھا ہے کہ خالی عہد سے .... عدالت میں نالش کرنے کا حق نہیں پیدا ہو سکتا۔

انگریزی قانون میں اس مقولے کی رو سے کوئی معاہدہ جائز اور قابل نفاذ نہیں ہو سکتا جب تک عہد کے لئے کوئی بدل قانونی نہ قرار دیا جائے (Nudum pactum) یعنی عہد خالی سے مراد عہد بلا بدل ہے اور عہد بلا بدل ایسے وعدے کو کہتے ہیں جس کے کرنے کی نسبت کوئی معاوضہ یا بدل نہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن قانون روما میں اس مقولے کا ایک دوسرا مفہوم اور اثر ہے اور اُس لحاظ سے کوئی اقرار نہ تو قابل نفاذ قرار پاتا ہے اور نہ اُس کی پابندی فریقین پر لازم آتی ہے جب تک کہ اُس کا شمار اُس قسم کے معاہدات میں نہ کیا جائے جو از روئے قانون جائز سمجھے جاتے ہیں قانون مذکور میں اس قسم کا کوئی اصول طے نہیں پایا تھا کہ وہی اقرار از روئے قانون قابل تعمیل و نفاذ قرار پا سکتا ہے جس کے لئے کسی قسم کا بدل طے پایا ہو۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۲۴۔

10. Ex turpi causa non oritur actio.

۱۰۔(خلاف تہذیب یا خلاف قانون معاہدے یا معاملے سے حق نالش نہیں پیدا ہوتا)

اس کا مقابلہ کیا جائے ڈائجسٹ ۴۷۔۲۔۱۲۔۱ سے جس میں لکھا ہے کہ

تیسرا ضمیمہ

کسی شخص کو خلاف تہذیب معاہدے یا ایسے معاملے سے جو اخلاقی بُرائی یا معصیت پر مبنی ہو حق نالش نہیں پیدا ہو سکتا - اس مقولے کا مطلب صاف ہے، فریقین سے کوئی ایک فریق بشرطیکہ اقرار خلاف قانون یا خلاف اخلاق ہو - اس اقرار کو نہ تو نافذ کرا سکتا ہے اور نہ اُس جائداد کو بذریعۂ عدالت واپس پا سکتا ہے جو اُس اقرار کے ذریعے سے اُس سے منتقل ہو کر دوسرے فریق کے قبضے میں آئی ہو - ذیل کا مقولہ اس مقولے کے ہم مضمون ہے (In pari delicto potior est conditio defendentis) جس کے معنی ہیں کہ اگر فریقین دعویٰ فعل ناجائز میں برابر کے شریک ہوں تو مدعی علیہ کی حالت بہتر ہوتی ہے - ملاحظہ ہو فصل ۱۲۴-

11. IGNORANTIA FACTI EXCUSAT, IGNORANTIA JURIS NON EXCUSAT.

۱۱- (لاعلمیٔ واقعہ کا عذر ہو سکتا ہے لیکن ناواقفیت قانون کا عذر نہیں کیا جا سکتا)

ڈائجسٹ ۲۲-۶-۹ کی تمہید میں اسی کے ہم مضمون ذیل کا مقولہ درج ہے:-
قانون کا یہ ایک اصول یا قاعدہ ہے کہ ہر ایک شخص کو ناواقفیت قانون (کے عذر) سے نقصان پہنچتا ہے لیکن ناواقفیت واقعات (کے عذر) سے کوئی مضرت نہیں پہنچ سکتی - ملاحظہ ہو فصول ۱۴۶-۱۴۷-

12. IMPOSSIBILIUM NULLA OBLIGATIO EST.

۱۲- (غیر ممکن چیزوں کے کرنے کی ذمہ داری کسی شخص پر عائد نہیں کی جا سکتی)

اسی کے ہم مضمون ایک قاعدہ ڈائجسٹ ۵۰-۱۷-۱۸۵ میں درج ہے - علیٰ ہذا القیاس:-
قانون کسی شخص کو غیر ممکن کام کی انجام دہی کیلئے مجبور نہیں کر سکتا - ہر ایک شخص جو کسی کام کے کرنے کا ذمہ دار ہو اُسکے غیر ممکن ہونیکے عذر سے اُسکی تعمیل سے اپنے کو بچا سکتا ہے لیکن اس قاعدے کا اثر او اطلاق محدود ہے

13. IN JURE NON REMOTA CAUSA SED PROXIMA SPECTATUR

۱۳- (قانون میں کسی امر یا واقعے کے سبب قریب کا نہ کہ سبب بعید کا لحاظ کیا جاتا ہے)

مقولات قانون ملک مصنفہ بیکن جلد ۱ (Bacon's maxims of the Law, 1)

نیوٹرانس ہر ایک شخص اپنے فعل کے تمام نتائج کے واسطے ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اُس فعل کے اُنھیں نتیجوں کی ذمہ داری اُس پر عائد کی جاتی ہے جو اُس کے فعل سے قدرتاً پیدا ہو سکتی ہوں یا جن کے پیدا ہونے کا احتمال اور قرینہ موجود ہو یعنی انسان اپنے افعال کے اُنھیں نتائج کا ذمہ دار ہو سکتا ہے جن کا وقوع فعل کے قبل اُس نے اندازہ کیا ہو یا جنکا اندازہ وہ کر سکتا تھا لیکن غفلت سے نہ کیا ہو۔

14. In pari causa potior est condito possidentis.

۱۴۔(جب فریقین مقدمہ کے حقوق برابر ہوں تو اُس فریق کا حق بہتر ہے جس کو شئے متنازعہ کا قبضہ حاصل ہو)

ڈائیجسٹ ۵۰-۱۷-۱۲۸ کی تمہید میں اُس کے ہم مضمون ذیل کا فقرہ درج ہے (In pari causa possessor potior haberi debet) جس کا مفہوم ہے کہ حقوق فریقین کی مساوات کی صورت میں فریق قابض کا حق زیادہ قوی سمجھا جاتا ہے۔ اسی کے ہم معنیٰ فقرات ڈائیجسٹ کے دوسرے مقامات میں بھی درج ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ڈائیجسٹ ۲۰-۱-۱۰-اور ڈائیجسٹ ۶-۲-۹-۴۔

قانون ملک یا قانون مجرد میں قبضہ اور ملکیت، واقعہ اور حق، تمتع یا تصرف اور حقیت ایک دوسرے کے مساوی اور مشابہ متصور ہوتے ہیں۔ لہذا ہر ایک شخص اُس شئے کو جو اُسے حاصل ہو گئی ہے اُس وقت اپنے پاس رکھنے کا مجاز ہے جبتک کوئی دوسرا شخص اپنے حق کو قابض کے حق سے بہتر حق نہ ثابت کرے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۰۷-

15. In pari delicto potior est conditio defentis.

۱۵۔(جب فریقین فعل ناجائز میں برابر ہیں تو مدعی علیہ کی حالت بہتر سمجھی جاتی ہے)

ڈائیجسٹ ۵۰-۱۷-۱۵۴ میں یہ فقرہ اس مقولے کے ہم مضمون مرقوم ہے جس کا ترجمہ ہے کہ اگر قصور میں دونوں فریق برابر ہیں تو قانون کی رو سے اس فریق کا لحاظ

نیز ملاحظہ ہو ضمیمہ

کیا جائیگا جو فی الواقع شئے متنازعہ پر قابض ہے۔

اس مقولے کا بھی تقریباً وہی اثر ہے جو دسویں مقولے کا ہے۔

16. INTER ARMA LEGES SILENT.

۱۶-(ہتھیاروں کی جھنکار یعنی آوازۂ جنگ میں قانون خاموش رہتا ہے)

سیسرو، پرومیلون، جلد ۴ صفحہ ۱۰ (Cicero, pro milone, IV, 10.)

اس مقولے کے دو مفہوم ہیں یا اس کا دو طرح سے اطلاق کیا جاتا ہے:-
(۱) کسی ایک سلطنت اور اُس کے بیرونی دشمنوں کے درمیان سلطنت مذکور کے قوانین بالکل ساکت وصامت رہتے ہیں۔ جنگ کے زمانے میں کسی اجنبی دشمن یعنی ایسے شخص کو جو سلطنت دشمن کی رعیت یا شہری ہو دوسری سلطنت کی عدالتوں کے ذریعے سے جس سے اُس کی سلطنت برسرِ پرخاش ہو حمایت قانون کے طلب کرنیکا حق حاصل نہیں ہے سلطنت غیر کے قانون میں اجنبی دشمن کی کوئی قانونی شان نہیں سمجھی جا سکتی ہے اور حکومت غیر اُس کے مال کے ساتھ جس طرح چاہے پیش آسکتی ہے (۲) خانہ جنگی کے زمانے میں بہ بنائے ضرورت قانون ملک ساکت اور صامت کیا جاتا ہے اور رعایا نیز شہریوں کے حقوق نظر انداز کئے جاتے ہیں (Necessitas non habet legem) (ضرورت کے لئے کوئی قانون نہیں ہے یعنی ضرورت نہ تو کسی قانون کی تابع ہے اور نہ کوئی قانون اُس سے واقف ہے) جب ملک میں بغاوت برپا یا فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہو تو تحفظ سلطنت اور امن عامہ کے قائم کرنیکی غرض سے غیر عدالتی قوت سے کام لیا جا سکتا ہے امن کے زمانے میں عدالتوں کی اُن معمولی کارروائیوں کے ذریعے سے جو قانون ملک کی مقرر کردہ ہیں رعایا کی سرکشی کا انسداد کیا جاتا ہے لیکن ناجائز اور عام شورش کے زمانے میں سلطنت قانون ملک کو ملتوی اور عدالتوں کو معطل قرار دیکر غیر عدالتی قوت یعنی بزور شمشیر اندرونی فتنہ وفساد کو فرو کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۳۶۔

17. INVITO BENEFICIUM NON DATUR.

۱۷-(بلا طلب کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا جا سکتا)

مقابلہ طلب ڈائجسٹ ۵۰-۱۷-۶۹-

تیسرا ضمیمہ

کسی شخص کو اُس کی خواہش کے بغیر منجانب قانون حقوق یا فوائد نہیں عطا کیئے جاتے۔ جو شخص اپنے حق سے بے پروائی یا دست برداری کرتا ہے یا جو اپنے حق کا ادعا نہ کرے اُس کا حق زائل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۲۲۔

18. JURIS PRAECEPTA SUNT HAEC: HONESTE VIVERE, ALTERUM NON LAEDERE, SUUM CUIQUE TRIBUERE.

۱۸۔(قانون کے اوامر یا احکام محکم حسب ذیل ہیں:- ایمانداری سے پیش آنا یعنی تقوے کا اختیار کرنا دوسرے کو اذیت و ضرر نہ پہنچانا، ہر شخص کو جو اسکا ہے دیدینا یعنی حق الناس کا لحاظ کرنا)

مقابلہ طلب ڈائیجسٹ ۱-۱-۱۰-۱، جسٹی نی آن انسٹی ٹیوٹس ۱-۱-۳-

"قانون مجرد یا قانون ملک کے یہ احکام محکم ہیں:- ایمان داری سے پیش آنا، دوسرے کو ضرر نہ پہنچانا اور ہر ایک شخص کو اُس چیز کا دینا جو اُس کی ہے"

بعض مصنفین نے ان اوامر قانونی کو اُسی منطقی تقسیم کی بنا پر جس کی رو سے قانونی نام کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں تین انواع میں منقسم کیا ہے لیکن حقیقت حال اسکے برعکس ہے۔ اگرچہ اس مقولے کے ذریعے سے تین قسم کے فرائض قانونی کا تعین کیا گیا ہے اور اُن کے جداگانہ نام رکھے گئے ہیں لیکن اصل میں یہ تین فرائض مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں البتہ اُن کا مختلف طور پر اظہار کیا گیا ہے۔ ان تینوں میں کا ہر ایک کا فرض بذات خود ایسا وسیع ہے کہ جس قدر قانونی فرائض ہیں وہ سب اس میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ قانون روما میں انصاف کی جو تعریف کی گئی ہے اُسی کو کسی قدر تبدیل کے ساتھ اس مقولے کا تیسرا فرض قرار دیا گیا ہے۔ انصاف سے مراد ایسی دائمی اور مسلسل خواہش ہے جس کی بنا پر جو شخص جس چیز کا مستحق ہے اس کو وہ دی جاتی ہے۔

مقابلہ طلب ڈائی جسٹ ۱-۱-۱۰ تمہید، انسٹی ٹیوٹس جسٹی نی ان ۱-۱-۱-

تنبیہ ضمیمہ

19. JUS PUBLICUM PRIVATORUM PACTIS MUTARI NON POTEST.

۱۹-(فریقین اپنے خانگی معاہدے کے ذریعے سے عام قانون کو نہیں بدل سکتے ہیں)

ملاحظہ طلب ڈائیجسٹ ۲-۱۴-۳۸-نیز ڈائیجسٹ ۵۰-۱۷-۴۵-۱-

جس پبلی کم (Jus publicum) سے مراد قانون ملک کا وہ جزو ہے جو عامۃ الناس کے حقوق اور فوائد سے متعلق ہوتا ہے اور اس کا اثر مطلق سمجھا جاتا ہے لہذا قانون مذکور کے اس حصے کا اس قانون معاہدہ کے ذریعے سے بدلنا یا منسوخ کرنا ممکن نہیں ہے جس کو خانگی اشخاص اپنے اقرار کے ذریعے سے بناتے ہیں۔ اس مقولے کا اہم مضمون مقولۂ ذیل ہے:-

(Modus et conventio vincunt legem)

(رسم اور اقرار کے ذریعے سے قانون باطل یا منسوخ قرار پاتا ہے) ملاحظہ ہو فصل ۱۲۴)

20. MODUS ET CONVENTIO VINCUNT LEGEM.

۲۰-(رسم اور اقرار قانون کو باطل کرتے ہیں)

رپورٹ کوک جلد ۲-صفحہ ۷۳-

خانگی معاہدے کے قانون کے ذریعے سے انگلستان کے قانون غیر موضوعہ سے اکثر و بیشتر حصے کا خارج کیا جانا ممکن ہے چنانچہ فریقین کے درمیان قانون کا مانند اُن کا اقرار سمجھا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۱-اور ۱۲۲-

21. NECESSITAS NON HABET LEGEM.

۲۱-(ضرورت کیلئے کوئی قانون نہیں ہے)

ملاحظہ طلب مقولات قانونی بیکن، ۵ (Necessitas inducit (privilegium) (ضرورت سے رعایت کی جاتی ہے) اس مقولے کے ذریعے سے قانون ضرورت (Jus necessitas) کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۳۹-

22. NEMINEM OPORTET LEGIBUS ESSE SAPIENTIOREM.

۲۲-(کسی شخص کو قانون ملک سے زیادہ عاقل و دانا ہونیکی ضرورت نہیں ہے)

بیکن، ڈی آگسمینٹس کتاب ۸ مقولہ ۵۸۔ ملاحظہ طلب صنائع و بدائع ارسطو۔ جلد ا فصل ۱۵ فقرہ ۱۲۔

قوانین ملک سے زیادہ عقلمند ہونے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ہابز نے اپنی کتاب لی وی تھین کے انیسویں باب میں لکھا ہے کہ "قانون ملک سے مراد عوام کی یا سرکاری ایمان داری سے ہے۔ اور ہر ایک شہری پر اُس ایمان داری کیساتھ وفاداری کرنا فرض ہے" ہر ایک شہری کی ایسی وفاشعاری اور وابستگی کو کوئی شئے منقسم نہیں کرسکتی اور نہ اُس ایمان داری میں لوگوں کے ذاتی خیالات اور انصاف وحریت کو دخل ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۹۔

23. NEMO PLUS JURIS AD ALIUM TRANSFERRE POTEST, QUAM IPSE HABERET.

۲۳-(کوئی شخص اپنے حق سے بہتر کسیکو دوسرے کو منتقل کرتا نہیں دیسکتا)

ملاحظہ طلب ڈائجسٹ ۵۰۔ ۱۷۔ ۵۴۔

منتقل الیہ کا حق منتقل کنندہ کے حق سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ اس مقولے کا ہم مضمون بمقولۂ ذیل ہے:۔ (Nemo dat quod non habet.) (جس شخص کے پاس جو چیز نہ ہو وہ اُس کو دوسرے کو دے نہیں سکتا) ملاحظہ ہو فصل ۱۶۳۔

24. NEMO TENETUR SE IPSUM ACCUSARE.

۲۴-(کوئی شخص اپنے پر الزام قائم کرنے کیلئے مجبور نہیں ہے)

قانون نے کسی شخص کو اپنے پر آپ الزام لگانے کے لئے مجبور نہیں کیا ہے۔ اور نہ کوئی شخص ازروئے قانون اپنے خلاف آپ شہادت دینے کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اس مقولے کا تعلق اب قانون فوجداری سے مخصوص ہوگیا ہے۔

تیسرا ضمیمہ

ملاحظہ ہو فصل ۱۷۵۔

25. NEMO DAT QUOD NON HABBT.

۲۵۔(کوئی شخص اُس حق سے بہتر حق جو اُس کو حاصل ہے نہیں دیسکتا)

ملاحظہ ہو فصل ۱۶۳۔

26. NON OMNE QUOD LICET HONESTUM EST.

۲۶۔(ہر ایک بات جو از روئے قانون جائز ہو مطابق ایمان نہیں ہے)

ملاحظہ طلب ڈائجسٹ ۵۰۔ ۱۷۔ ۱۴۴۔ تمہید۔

ایسی تمام چیزیں جن کو قانون نے جائز قرار دیا ہے۔ مطابق ایمان نہیں ہیں۔ ضابطہ اور دیگر طرز کے ناقص لیکن ضروری کارروائیوں کی بنا پر قانون ملک کیجانب سے لوگوں کو بعض ایسے حقوق اور آزادیاں حاصل ہو جاتی ہیں جن کے طلب کرنے کے لئے کسی انصاف پسند اور باایمان شخص کو جرأت نہیں ہوسکتی اور نہ اُن پر وہ عمل کرسکتا ہے۔

27. NULLUS VIDTUR DOLO FACERE, QUI SUO JURE UTITUR.

۲۷۔(جو شخص اپنے حق کو استعمال میں لاتا ہے اُس کا وہ عمل فعل ناجائز نہیں تصور ہوسکتا)

ملاحظہ طلب ڈائجسٹ ۵۰۔ ۱۷۔ ۵۵۔

کوئی ایسا فعل جو بنفسہ جائز ہو محض کسی مخاصمانہ یا ناجائز تحریک کی وجہ سے قانون میں ناجائز متصور نہیں ہوسکتا۔ بریں ہم یہ مقولہ چند اہم شرائط او رقیود سے خالی نہیں ہے ملاحظہ ہو فصل ۱۳۶۔

28. QUI FACIT PER ALIUM, FACIT PER SE.

۲۸۔(جو شخص کسی دوسرے کے ذریعے کوئی کام کراتا ہے گویا اُس کام کو وہ خود کرتا ہے)

ملاحظہ طلب شرح کوک بر تصنیفات لٹل ٹن صفحہ ۲۵۸۔ الف (Co. Litt 258 a)

تیسرا ضمیمہ

جو شخص کسی دوسرے شخص کی معرفت یا توسط سے کوئی کام کرتا ہے اُس کی نسبت تصور کیا جاتا ہے کہ اُس نے اُس کام کو اپنی ذات سے کیا ہے۔

29. QUI PRIOR EST TEMPORE POTIOR EST JURE.

۲۹-(جو شخص بلحاظ وقت پہلا ہے اُسی کا حق بہتر اور زیادہ اہم ہے)

ملاحظہ طلب مجموعۂ قوانین شہنشاہ جسٹی نی آن ۸-۱۷-۳: "اُسی شخص کا حق یا دعویٰ جو وقت کے لحاظ سے پہلا ہے دوسرے دعویداروں کے حق سے بہتر اور قوی ہے"۔ ایسی صورتوں میں جہاں دو دعویداروں کے حقوق تقریباً مساوی پائے جائیں تو اُس شخص کے حق کو ترجیح دی جاتی ہے جس نے اُسے دوسرے شخص کی بہ نسبت پہلے حاصل کیا ہے بشرطیکہ شخص مؤخر حق کو کسی اور وجہ سے مقدم سمجھنے کی ضرورت نہ ہو۔ ملاحظہ ہو فصل ۵۸۔

30. QUOD FIERI NON DEBET, FACTUM VALET.

۳۰ (اگر وہ امر جسکو نہ ہونا چاہئے تھا ہو جائے تو اُسکو قانون میں بالکل جائز سمجھا جاتا ہے)

ملاحظہ طلب رپورٹ کوک جلد ۵ صفحہ ۳۸۔

ہر ایک قسم کا خلاف قانون کام ہمیشہ کالعدم نہیں ہو سکتا مثلاً رسوم شادی کے ادا کرنے میں یا عقد نکاح میں کسی قسم کی بے ضابطگی ہو جانے سے نکاح کالعدم نہیں ہوتا بلکہ جائز سمجھا جاتا ہے حالانکہ ضابطے کی پابندی کرنا مستحسن اور مطابق قانون ہے ایسا ہی جو فیصلہ خلاف قانون صادر کیا جاتا ہے اگر قطعی ہو جائے تو جب تک وہ منسوخ نہ ہو آئندہ کے لئے نظیر قرار پاتا ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۶۶۔

31. RES JUDICATA PRO VERITATE ACCIPITUR.

۳۱-(فیصلہ جو کسی امر کی نسبت صادر ہو صحیح تصور کیا جاتا ہے)

ملاحظہ طلب ڈائجسٹ ۱-۵-۲۵۔

اُس امر کی بابت جس کا فیصلہ کسی عدالت سے کیا گیا ہو اُس عدالت کا فیصلہ

تیسرا ضمیمہ

فریقین کے درمیان شہادت قطعی ہے۔ اسی اصول کو امر تجویز یا فیصل شدہ کہتے ہیں ملاحظہ ہو فصل ۶۷۔

32. RESPONDEAT SUPERIOR.

۳۲۔ (مالک کو جوابدہی کرنی چاہئے)

ملاحظہ طلب ادارہ چہارم کوک (Cokes fourth inst.) صفحہ ۱۱۴۔

ہر ایک مالک کو اپنے ملازم کے قصور کے متعلق اسیطرح سے جوابدہی کرنا چاہیئے جس طرح اُس کو اپنے ناجائز افعال کے لئے جواب دہی کرنا لازم ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۴۹۔

33. SIC UTERE TUO UT ALIENUM NON LAEDAS.

۳۳۔ (اپنی جائداد کو اسطرح استعمال کرنا چاہئے کہ دوسرے کی جائداد کو نقصان نہ پہنچے)

ملاحظہ طلب رپورٹ کوک جلد ۹ صفحہ ۱۵۹۔

ہر ایک شخص کو اپنی جائداد اس طرح استعمال کرنا چاہیئے کہ اُس سے دوسرے شخص کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقولہ ایک دوسرے مقولے کا ضروری استثنا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو اپنی شئے کے ساتھ جس طرح چاہے پیش آنے کا اختیار ہے یعنی ہر ایک شخص اپنی جائداد کو جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۵۴۔

34. SUMMUM JUS SUMMA INJURIA.

۳۴۔ (سختی قانون شدت ضرر)

ملاحظہ طلب سیسرو تذکرۂ افعال ناجائز (Cicero, de off.1. 10. 33.)

اگر نصفت کی آمیزش سے قانون کی سختی کم نہ کی جائے اور قانون اُسی طرح غیر معتدل حالت پر چھوڑ دیا جائے تو اہل ملک کے حق میں عدل و انصاف کے بجائے منجانب حکومت ظلم و تعدی کی اشاعت ہوگی۔ ملاحظہ ہو فصول ۱۰۔ اور ۱۲۔

تملہ ضمیمہ

35. SUPERFICIES SOLO CEDITE.

۳۵۔(سطح زمین سے جو شئے ملحق ہو وہ اُس کا جزو بنجاتی ہے)

ملاحظہ طلب گائس ۲-۳-۷۳۔

جو شئے زمین سے ملحق ہو وہ اُس کا جزو ہو جاتی ہے یعنی زمین کے مثل اُس کی ملحقہ اشیا جائداد غیر منقولہ متصور ہوتی ہیں۔ ملاحظہ طلب انسٹی ٹیوشنس جسٹنی نی اَن ۲-۱-۲۹ (Omne quod inaedificatur solo cedit)(ہر ایک شئے جو کسی قطعۂ زمین پر بنائی جاتی ہے وہ اُس میں داخل ہو جاتی ہے) ملاحظہ ہو فصل ۱۵۵۔

36. UBI EADEM RATIO, IBI IDEM JUS.

۳۶۔(یکسانیت وجہ یکسانیت قانون ہے۔ جہاں وجہ یکساں ہے قانون بھی یکساں ہے)

یہ مقولہ چوتھے مقولے کا تتمہ ہے۔ انگریزی قانون غیر موضوعہ یا قانون عرفی کے کسی ایک قاعدے میں ایسے تمام متعددات کو داخل سمجھنا چاہیئے جن پر قاعدۂ مذکور کے اطلاق کرنے کی ایک ہی وجہ پائی جاتی ہو لیکن ناقص اور ناکمل قانون موضوعہ کی شکل میں وجہ یا ضرورت قانون کے لحاظ سے قانون مذکور کے تعبیر کرنے میں جس قدر وسعت دی جائے جائز ہے۔ ملاحظہ ہو فیانجرو جلد ۱۔ فصل ۲۵۔

37. UBI JUS IBI REMEDIUM.

۳۷۔(جہاں حق ہے وہاں اُس کا چارہ کار بھی ہے)

ملاحظہ طلب مقولۂ مقننین یا مفسرین قانون روما (Nec actio deese debet)

{Ubi jus non deest Puchta II. sect, 208. n.b. (پکٹا جلد ۲ فصل ۲۰۸ نوٹ (ب))}

اگر کسی حق کا وجود ہو تو اُس کے حاصل کرنے کے لئے کسی چارۂ کار یعنی عدالت میں رجوع کرنے کے طریقے کا موجود ہونا لازم ہے یعنی قانون اصلی کے

ذریعے سے قانون ضابطہ کے حدود معین کئے جاتے ہیں اور اس کا عکس یا ضد صحیح نہیں ہے۔ ضابطے میں حصول حقوق کے جو چارہ کار مقرر کئے جاتے ہیں انکی بنا قانون اصلی ہے، قانون اصلی میں جن حقوق کو تسلیم کیا جاتا ہے ان کی رو سے اُن کے حاصل کرنے کے طریقوں کا ضابطہ تعین کیا جانا چاہیئے لہذا ضابطہ اس قدر جامع ہونا چاہیئے اور اُس میں اس طرح کشادگی اور تنگی کا مادہ ہونا چاہیئے کہ جو حقوق قانون اصلی کی رو سے قائم کئے جاتے ہیں اُن تمام کے حاصل کرنے کے چارہ کار یا ذرائع اُس میں داخل سمجھے جائیں۔ لیکن قدیم زمانے کے دساتیر قانونی میں ضابطۂ عدالت کا یہ اُصول نہ تھا بلکہ اقسام دعویٰ اور چارہ کار کے ذریعے سے حقوق کا تعین کیا جاتا تھا اور زمانۂ موجودہ میں اُس کے عکس پر عمل کیا جاتا ہے یعنی حقوق کے ذریعے سے اُن کے چارہ کار یا اُن کے حاصل کرنے کے طریقے اور دعوے معین کئے جاتے ہیں بالفاظ دیگر اس زمانے میں اقسام دعویٰ یا چارہ کار کے اخذ حقوق ہیں اور قدیم زمانے میں حقوق کے اخذ اقسام دعویٰ اور چارہ کار سمجھے جاتے تھے اس لئے قدیم زمانے کے قانون کے لحاظ سے مقولۂ زیر بحث کی وہ شکل نہ تھی جو اس فقرے کے عنوان میں تحریر ہوئی ہے بلکہ وہ اس کا عکس تھا یعنی (Vbi remiedum ibi jus) جہاں چارہ کار ہے وہاں حق ہے۔

38. VIGILANTIBUS NON DORMIENTIBUS JURA SUBVENIUNT.

۳۸۔ (قوانین بیدار کی نہ کہ خفتہ کی مدد کرتے ہیں قانون غافل کی مدد نہیں کرتا)

(Jus civile vigilantibus ملاحظہ طلب ڈائجسٹ ۴۲-۸-۲۴؛ scriptum est) (شخص بیدار کے لئے قانون ملک یعنی قانون رومی قانون مکتوبی یعنی قانون موضوعہ ہے)۔

قانون ملک اُن لوگوں کے لئے بنا ہے جو بیدار ہیں نہ اُن لوگوں کیواسطے جو خواب غفلت کے متوالے ہیں۔ جو شخص اپنے حقوق سے غفلت کرے وہ اُن کو کھو بیٹھتا ہے۔ یہی اصول قانون قدامت کی بنیاد ہے۔ ملاحظہ ہو فصل ۱۶۲۔

تیسرا ضمیمہ

39. Volenti non fit injuria.

۳۹۔ (جو شخص جس امر کے متعلق اپنی رضامندی ظاہر کرے وہ اسکے حق میں ضرر نہیں سمجھا جاتا)

Nulla injuria est, quae ملاحظہ طلب ڈائجیسٹ ۴۷ ۔ ۱۰ ۔ ۱ ۔ ۵ ۔ ۶

in volentum fiat.

(جس ضرر کے متعلق انسان رضامند ہو وہ اُس کے لئے ضرر نہیں ہو سکتا)۔

جو شخص کسی کام کے کئے جانے کی نسبت رضامند ہو تو اُس کام کے ہونے کے بعد اس امر کی شکایت نہیں کر سکتا کہ اُس سے اُس کو ضرر پہنچا۔ کوئی شخص اپنے حق سے دست بردار ہونے کے بعد اُس کے پامال یا زائل ہونے کی نسبت دادخواہی نہیں کر سکتا۔

چوتھا ضمیمہ

تقسیم قانون ملک

اقسام قانون مجرّد

انگریزی قانون کی تقسیم کسی باقاعدہ اور موزوں طریقے پر نہیں کی گئی ہے جن لوگوں نے اس نظام قانون کو ترتیب دیا اور اس کی تفسیر و توضیح کی ہے اُن لوگوں نے اُس ترتیب کی بنا کسی مخصوص اور اصولی طریقۂ تقسیم کو نہیں قرار دیا بلکہ قانون مذکور کے مختلف طبقات اور اصناف کا آپس میں خلط ملط ہو گیا ہے۔ بہر حال مسئلۂ تقسیم کے متعلق مقننین کی دو جداگانہ رائیں ہیں۔ جن علمائے قانون نے اصول اور نظریات قانون کی طرف زیادہ توجہ کی ہے وہ قانون کی حالت ظاہری کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اُن کی رائے میں نفس قانون سے زیادہ صورت قانون یعنی قانون کے اقسام و اصناف اہم ہیں اور اس لئے وہ تقسیم کے ذریعے سے قانون ملک کے مختلف اقسام و طبقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی رائے میں جس طرح دیگر دنیوی امور میں خالص منطقی اصول کی بنا پر ترقی ہوئی ہے اُسی طرح قانون نے بھی انھیں اصول کی رو سے نشو و نما پائی ہے اور جب دوسرے ہر ایک علم کے منطقی اصول پر تقسیم کی گئی ہے تو قانون مجرد کی بھی انھیں اصول کے مطابق تقسیم ہونی چاہئے چنانچہ عام انسانی ادارات کے متعلق کسی فلسفی نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ ادارات انسان کے فائدے اور استعمال کی غرض سے ایجاد کئے گئے ہیں نہ اس غرض سے اُن کا وجود ہوا ہے کہ فرشتے آسمانوں میں بیٹھے ہوئے

چوتھا ضمیمہ

اُن ادارات کی کمال خوبی اور بے عیبی کا تصور کر کے لطف اُٹھاتے رہیں چونکہ قانون ملک ہی ایک انسانی ادارہ ہے اس لئے ہماری رائے میں اس مقولے کا اس پر بھی مصداق ہو سکتا ہے کسی انسانی ادارے کی خوبی اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ جس قدر مثالی خوبیاں اور محاسن ہیں اُن سب کا وہ مجموعہ بن جائے یا جہاں تک انسان کا تصور رسائی کر سکتا ہے وہاں تک۔ اُس ادارے کو کامل اور بے نقص بنایا جائے۔ بلکہ انسانی ادارے کی خوبی اور کمال کی آزمائش اس امر پر موقوف ہے کہ عملی طور پر انسانوں کو اُس ادارے سے کہاں تک فائدہ پہنچنا ممکن ہے لہٰذا علمائے قانون کا دوسرا گروہ پہلے خیال کے خلاف ہے اور اُس کی رائے میں قانون کی شکل ظاہری یعنی تقسیم قانون اُس قدر مفید اور ضروری نہیں ہے جس قدر کہ اصل یا نفس قانون اہم ہے۔ لیکن ہماری رائے میں ان دو متضاد گروہ کے انتہائی خیالات پر عمل کرنیکی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمکو ان دونوں کے بین بین تقسیم قانون کا ایک تیسرا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کے ذریعے سے قانون کی عملی ضرورتیں بھی تکمیل پا سکیں اور تقسیم قانون کے جو فوائد ہیں ہم اُنسے بھی مستفید ہو سکیں۔ اگر غیر منقسم قانون کے استعمال کرنے میں سہولت ہے تو اُس کا غیر منقسمہ حالت میں رکھا جانا مناسب ہے اور غیر منقسمہ قانون کو منقسمہ قانون پر ترجیح دینی چاہئے۔ انگریزی قانون کے مختلف اجزا کے لئے جو تسمیہ قرار پا گیا ہے یعنی اُس کے مختلف حصص کے جو نام مقرر ہو گئے ہیں اور جن سے لوگوں کے کان آشنا ہیں انہیں منطقی اصول یا منطقی تقسیم کی بنا پر رد و بدل کرنے میں لوگوں کی پریشانی کے سوائے اور کوئی فائدہ نہیں ہے انگریزی قانون کی بنیاد اور اُس کی ترقی کا ذریعہ واقعات اور حادثات تاریخ ہیں لہٰذا اُسکو ایسے قواعد میں منتقل اور مبدل نہ کرنا چاہیئے جن کی منطقی اور علمی طریقے پر تقسیم کی گئی ہو قانون مجرد کی تقسیم چند مطلحات نظر پر مبنی ہے اور اُس کے اکثر اجزا ایسے ہیں جن کا تقسیم کیا جانا جائز اور ضروری ہے تاہم قانون مذکور کے ہر ایک منقسمہ طبقے کا اُسی ایک اصول پر قائم رکھا جانا جس پر اُس کی تقسیم منحصر کی جاتی ہے مناسب ہے لیکن تقسیم کے متعلق جو چند اصول علی سبیل التبدل پیش کئے جاتے ہیں ہم کو اُن کے اختیار کرنے میں مصلحت اور مقتضائے وقت کا لحاظ کرنا چاہئے۔ لہٰذا تقسیم کے ان دو متضاد اصول میں سے ہم کو کسی ایک اصول کی پابندی کرنا لازم نہیں ہے بلکہ تقسیم کے دونوں طریقوں سے

چوتھا ضمیمہ

فائدہ اُٹھانا چاہیئے ۔ انگریزی قانون کی موجودہ تقسیم کے لحاظ سے اُس کے چند طبقات ایسے ہیں جن میں جدید اصول کی بنا پر بظاہر دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت پائی جاتی ہے کیونکہ ایک طبقے کے قواعد دوسرے طبقے کے قواعد میں داخل اور خارج ہونے کے قابل ہیں لیکن مصلحت اس امر کی مقتضی نہیں ہے کہ قانون مذکور کے ان طبقات کی از سر نو تقسیم کی جائے بلکہ موجودہ تقسیم کا بحال رکھنا مناسب ہے۔ بہرحال ہماری رائے میں انگریزی قانون کو تقسیم کرنے کا وہی ایک طریقہ اطمینان بخش ہو سکتا ہے جس کے اختیار کرنے سے موجودہ تسمیئہ قانون میں جو قوم کے زبان زد ہو گیا ہے مغائرت نہ پیدا ہو اور قانون کا ہر ایک منقسمہ حصہ اس طرح جامع اور موزوں ہو کہ اُس کے نہایت اہم خصوصیات اور تعلقات کا اُس طبقے میں بخوبی انکشاف ہو سکے نیز اُس تقسیم کے ذریعے سے قانون ملک کی مخلوط اور گنجلک حالت رفع ہو کر وہ واضح اور جامع بن جائے۔

۱۔ جزوی تمہیدی قانون مجرّد

مجموعۂ قانون مجرد کے پہلے حصے کو اُس کی تمہید یا اُس کا تمہیدی جزو سمجھنا چاہیئے۔ اس جزو میں ایسے قواعد داخل ہیں جو مبادیات قانونی کی خاصیت رکھنے یا عام طور پر اطلاق کئے جانے کے سبب سے قانون مذکور کے کسی ایک خاص طبقے میں اشامل سمجھے جاتے ہیں۔ ان تمہیدی حصے یا مقدمات قانون کے چار طبقات ہیں پہلے طبقے کا تعلق ماخذ ہائے قانون سے ہے۔ یہ طبقہ ایسے قواعد پر مشتمل ہے جن کی رو سے جدید قانون کا قیام ہوتا ہے اور قدیم قانون میں ترمیم یا منسوخی کی جاتی ہے چنانچہ جب کسی مسئلہ قانونی کے ماخذ کو دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو مقدمات قانون کے اس طبقے میں تلاش کی جاتی ہے کہ مسئلہ زیر بحث کا ماخذ نظائر عدالت میں سے کونسی نظیر ہے یا اُس کا ماخذ کوئی رسم یا قانون موضوعہ ہو سکتا ہے۔ اُس تمہیدی قانون کا دوسرا حصہ اُن قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کے ذریعے سے قانون کی تعبیر کی جاتی ہے۔ ان قواعد کے ذریعے سے جو ہدایت کی گئی ہے اُس کے مطابق قانون ملک کی عبارت کو تاویل کرنا پڑتا ہے۔ اور جن اصطلاحات

چوتھا ضمیمہ

کی تعریفات اس میں درج ہیں اُن تعریفات کے لحاظ سے اُن اصطلاحات کا مفہوم قائم کیا جاتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو اکثر الفاظ و اصطلاحات کے معنوں میں جو قانون کے مختلف طبقات میں مشترکاً استعمال کئے جاتے ہیں ابہام پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تمہید مذکور کا تیسرا جزو پرائیویٹ (خاص یا خانگی) قانون بین الاقوامی کے اصول پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان اصول سے مراد ایسے قواعد ہیں جن کی بنا پر انگریزی عدالتوں میں انگریزی قانون کے بجائے ممالک غیر کے قانون پر عمل کیا جاتا ہے اور برطانوی عدالتوں سے انگلستان کا قانون خارج ہو جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں مصلحتاً برطانوی عدالتوں کے ذریعے سے قانون اجانب نافذ کیا جاتا ہے اور اُس کو وہ عدالتیں تسلیم کرتی ہیں۔ مقدمات قانون کا سب سے آخری اور چوتھا طبقہ وہ ہے جس میں اس قسم کے قواعد داخل ہیں جو بلحاظ نوعیت متفرق قواعد سمجھے جاتے ہیں نیز اُن کا اس طرح عام طور پر اطلاق کیا جاتا ہے کہ اُنھیں انگریزی نظام قانون کے کسی ایک طبقے سے مخصوص کر دینا مناسب نہیں ہے۔

۲۔ پرائیویٹ اور پبلک قانون

(قانون متعلق رعایا اور قانون متعلق سلطنت)

قانون ملک میں تمہیدی حصے کے بعد اس قانون کی نوبت آتی ہے جس کو مجموعۂ پرائیویٹ قانون کہتے ہیں اور اس کی ضد پبلک قانون ہے۔ قانون روما کی جس پرائیوٹم (Jus privatum) اور جس پبلیکم (jus publicum) میں تقسیم کی گئی ہے اور یورپ کے تمام مقننین نے خواہ اُن کا تعلق متقدمین سے رہا ہو کہ متاخرین سے کہ اس تقسیم سے اتفاق کیا ہے انگریزی قانون کی بھی باتباع قانون روما انھیں دو حصوں میں یعنی قانون متعلق رعایا اور متعلق سلطنت میں تقسیم کی گئی ہے۔ پبلک قانون ایسے تمام قواعد پر مشتمل سمجھا جاتا ہے جن کا تعلق سلطنت کے ڈھانچے اور ساخت، اختیارات، حقوق اور کاروبار سے ہے۔ قانون ملک سے اس قسم کے تمام قواعد کو علیحدہ کر دینے کے بعد جو قانونی اصول و قواعد باقی رہ جاتے ہیں اُنکے مجموعے کا نام پرائیویٹ قانون ہے۔ پرائیویٹ قانون ان تمام قواعد پر مبنی ہے جنکے ذریعے سے رعایا اور سلطنت کے تعلقات انصرام پاتے ہیں۔ نیز اس قانون میں ایسے تمام قواعد داخل ہیں جنکا تعلق سلطنت اور رعایا

دونوں سے مشترک ہے ۔ بلحاظ تعلقات اکثر معاملات میں سلطنت کی حیثیت رعایا کی سی ہے اس لئے اکثر اس قسم کے دعوے اور نالشات ہیں جن میں سلطنت پرائیویٹ قانون کے انھیں معمولی اصول و قواعد کے تابع ہے جن کی پابندی رعایا پر لازم ہے سلطنت بھی مثل اپنی رعایا کے جائداد منقولہ اور غیر منقولہ ہوتی ہے ۔ لوگوں کے ساتھ معاہدات کرتی ہے، نائب اور ملازم کو نوکر رکھتی ہے اور تمام تجارتی امور کو انجام دیتی ہے ۔ بہر حال ان امور کے متعلق سلطنت اور اُس کی رعایا میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے اور قانون کی نظروں میں دونوں برابر ہیں لہذا پبلک قانون سے مراد وہ تمام مجموعۂ قانون نہیں ہے جس کے قواعد کا اطلاق محض سلطنت اور اُس کے اُن تعلقات پر کیا جاتا ہے جو اُس کے اور اُس کی رعایا کے درمیان ہیں بلکہ اس قانون کا مفہوم قانون ملک کے وہ حصص ہیں جو پرائیویٹ قانون سے مختلف ہیں اور جو رعایائے سلطنت کے تعلقات و نالشات باہمی سے مخصوص نہیں ہیں ۔ اسی لئے سلسلۂ بیان میں پرائیویٹ قانون کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور پبلک قانون کے بیان کرنے میں مصنفین اس امر کو فرض کر لیتے ہیں کہ ناظرین کتاب پہلی قسم کے قانون سے واقف ہوں گے ۔

پبلک قانون یا قانون متعلق سلطنت کی بھی دو اجزا میں تقسیم کی گئی ہے یعنی قانون دستوری (قانون دستور حکومت) اور قانون انتظامی ۔ ان دونوں قسم کے قوانین میں صحیح اور معقول طور پر فرق کرنا ناممکن ہے کیونکہ ان کے موضوعات بیان کے لحاظ سے ان دونوں میں درجۂ اہمیت کا فرق ہے یعنی پبلک قانون کے ان دونوں شعبوں میں کوئی خاص امتیاز نہیں ہے بلکہ ایک شعبہ دوسرے سے زیادہ اہم متصور ہونے کی وجہ سے ان کے دو جداگانہ لقب قرار دئے گئے ہیں ۔ قانون دستوری سے مراد وہ قانون ہے جس کا تعلق سلطنت کی سب سے اعلیٰ قوت کی بنیاد، اختیارات اور فرائض سے ہے اس کے علاوہ اس قانون میں ایسے تمام قواعد داخل ہیں جن کے ذریعے سے اُس اعلیٰ قوت کے ماتحت جس قدر محکمہ جات سرکاری ہیں اُن کی بنیاد، فرائض اور اختیارات کا تعین کیا جاتا ہے ۔ قانون انتظامی سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جن کے ذریعے سے ملک کے

ادنی درجے کے محکمہ جات اور ذرائع حکومت کے انتظامات قائم رکھے جاتے ہیں
بہ الفاظ دیگر انتظامات ملک سے جس قانون کا تعلق ہے اسکو قانون انتظامی کہتے ہیں۔

۳۔ قانون دیوانی اور قانون فوجداری

پرائیویٹ قانون کی چند اجزا میں تقسیم کی گئی ہے اور ان تقسیموں میں وہ تقسیم سب سے زیادہ قابل توجہ ہے جس کی رو سے اس قانون کے دو حصے دیوانی اور فوجداری قرار دئے گئے ہیں۔ دیوانی کے قانون کا حقوق سے تعلق ہے اور اس کے ذریعے سے ان کا نفاذ کرایا جاتا ہے لیکن فوجداری کا قانون جرائم اور ان کی سزاؤں سے متعلق ہے۔ بعض مصنفین کی رائے ہے کہ جرائم سے مراد وہ مخصوص افعال ناجائز ہیں جو سلطنت یا اہل ملک کے خلاف کئے جاتے ہیں جبکہ اہل ملک یا قوم کی حالت اجتماعی مقصود ہو اور ان کے برعکس دیوانی طرز کے افعال ناجائز ہیں جن کا ارتکاب خانگی اشخاص یعنی افراد ملک کے خلاف کیا جاتا ہے۔ ناظرین اس امر سے واقف ہیں کہ ہم نے اس رائے کی تنقید کی ہے اور اس کے خلاف بحث کر کے اس کو رد کیا ہے۔ ابھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ منطقی طریقے سے قانون کی صحیح اور مکمل تقسیم اسی صورت میں ممکن ہے جس صورت میں عملی ضرورتوں اور سہولتوں کا لحاظ نہ کیا جائے لہذا تقسیم کے ذریعے سے جرائم کو افعال ناجائز خلاف سلطنت کیلئے مخصوص کر دینا نامناسب اور مہمل ہے۔ ہماری رائے میں موجودہ تقسیم کی بنا پر کل جرائم کیلئے جو ایک صنف قرار دیگئی ہے خواہ ان کا ارتکاب سلطنت کے خلاف کیا جائے یا کسی رعیت کے خلاف وہ عملی ضرورتوں اور سہولت کے لحاظ سے نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ مثلاً بغاوت خلاف سرکار اور ڈکیتی دونوں کو جرم ماننے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ان کو جرم قرار دینا دانشمندی کی علامت ہے اور اگر اس کے عوض ان دونوں جرائم میں فرق کیا جائے کہ ایک جرم خلاف سلطنت اور دوسرا جرم کسی رعیت کے خلاف ہے تو اس اختلاف و تفریق میں نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ عملی نقطہ نظر سے کسی قسم کی آسانی پیدا ہوتی ہے۔

جس طرح پرائیویٹ قانون کے زیر عنوان قانون کا ذکر کرنا صحیح ہے جو سلطنت اور اسکی رعایا کے متعلق مشترک ہے اسی طرح جرائم اور دیوانی طرز کے نقصانات (ٹارٹ) کے

جوتھا ضمیمہ

قانون کا محض قانون دیوانی کے تحت میں بیان کیا جانا درست و جائز ہے۔ اس امر سے تقریباً ہر ایک شخص واقف ہے کہ قانونی اصول و قواعد کا کثیر حصہ قانون ملک کے ان دو بڑے طبقات یعنی دیوانی اور فوجداری کے قانون میں مشترک ہے چنانچہ ہر قسم کے متعلق جس قدر قانون ہے اس میں جائداد غیر منقولہ کا تمام قانون شامل ہے اور قانون بگمی (Bigamy بمعنی ازدواج مکرر بحیات شوہر یا زوجہ) میں برطانوی قانون ازدواج کا ایک معتد بہ حصہ داخل ہے بریں ہم سہولت اور عمل درآمد کے لحاظ سے قانونی کتب میں پہلے دیوانی کا قانون نہایت شرح و بسط سے بیان کیا جاتا ہے اور اس کے بعد قانون فوجداری (تعزیرات) کے زیر عنوان قانون ملک کے ان حصص کو جمع کیا جاتا ہے جو پہلے طبقے کے قانون میں داخل ہونے سے بچ رہتے ہیں۔

۴۔ قانون اصلی اور قانون ضابطہ

دیوانی اور فوجداری کے قانون سے ہر ایک کی دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے یعنی قانون دیوانی اور ضابطۂ دیوانی، قانون فوجداری (تعزیرات) اور ضابطۂ فوجداری چونکہ اس تقسیم کے متعلق اس کے پہلے نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے لہذا اس مقام پر کسی مزید تذکرے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ اقسام قانون دیوانی

اُن حقوق کی نوعیت کے لحاظ سے جن سے دیوانی کا قانون متعلق ہے یا جن پر وہ قانون مشتمل ہے اُس کے تین حصے قرار دینے میں سہولت پائی جاتی ہے اور وہ حصے حسب ذیل ہیں :۔ قانون جائداد، قانون ذمام (ذمہ داریوں کے متعلق قانون) اور قانون متعلق حیثیت۔ پہلے قانون کا تعلق حقوق متعلق شئے (ری آل حقوق) سے اور دوسرے قانون کا تعلق حقوق تملیک خلاف اشخاص (پرسنل حقوق) اور تیسرے قانون کا تعلق حقوق شخصی سے ہے جو حق شخصی حق تملیک کی ضد ہے۔

چوتھا ضمیمہ

۶ - قانون جائداد

ہر چند قانون جائداد اور قانون ذمام کا فرق بنیادی اور اصلی ہے اور ہر ایک ایسے نظام قانون میں جس کی کسی اصولی یا علمی طریقے پر تقسیم کی گئی ہو اس فرق کو ملحوظ رکھنا لازمات سے ہے تاہم انگلستان کے دیوانی کے قانون کا اکثر و بیشتر حصہ اپنے ان دونوں طبقات میں مشترک ہو گیا ہے چنانچہ وراثت یا جانشینی کا قانون تمام قسم کے ریال اور پرسنل حقوق ملکیت سے تعلق ہے یہی کیفیت اامانتوں اور کفالتوں کے قانون کی ہے۔ بہر حال ان قوانین کو بیان کرنے کا جو عام اور سہل طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ مشترک اجزائے قانون کا محض ایک دفعہ تفصیل سے قانون جائداد میں ذکر کر دیا جاتا ہے اور جو قواعد ذمام سے مخصوص ہیں اُن کا علحدہ طور پر قانون ذمام کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ دیوانی اور فوجداری کے مشترک قانون کو بیان کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور اسی لیئے ان دونوں قوانین کے مشترک حصے کا ذکر دیوانی کے قانون میں کر دیا جاتا ہے یہی کیفیت پرائیویٹ اور پبلک قانون کے مشترک حصے کی ہے اور اسی بنا پر پرائیویٹ قانون میں اُس کا ذکر آیا کرتا ہے۔

قانون جائداد کے چند مخصوص حصوں میں حسب ذیل تقسیم کی جاتی ہے (۱) قانون جائداد مادی یعنی ملکیت جائداد غیر منقولہ و منقولہ (۲) قانون جائداد غیر مادی مثلاً ایجادات (حقوق ایجاد)، نشانات تجارت اور حقوق تصنیف (۳) قانون متعلق کفالت و زیر باری یا حقوق دراشیائے غیر اور اُن کی مثالیں حقوق متقابضت، سروے ٹیوڈ (حقوق در جائداد غیر)، امانتیں اور کفالتیں ہیں (۴) قانون جانشینی (وراثت) بالوصیت و بلا وصیت۔

۷ - قانون ذمام

قانون ذمام مشتمل ہے قانون معاہدات، قانون ٹارٹ اور ایسے متفرق ذمام کے قانون پر جو کسی معاہدے یا ٹارٹ کے ذریعے سے نہ پیدا ہوئے ہوں۔

چوتھا ضمیمہ

بنظر سہولت اسی عنوان میں قانون دیوالہ کا شمار کیا جانا مناسب ہے کیونکہ دیوالہ نکالنے کی نسبت جو قانون نافذ کیا گیا ہے اُس کی خاص غرض مدیون کو اُس کے دیون اور ذمہ داریوں سے بری کرنا ہے۔ اس پر بھی اس قانون کی بابت علی سبیل البدل ایک دوسرا مشورہ دیا جاتا ہے چونکہ قانون مذکورہ کے ذریعے سے شخص کے عموماً حقوق ملکیت یا حقوق متعلق جائداد سلب کئے جاتے ہیں اور ازالۂ حقوق کا یہ ایک طریقہ ہے اس لئے اس کو قانون جائداد میں داخل سمجھنا چاہئے۔ قانون جائداد میں قانون کمپنی (یعنی وہ قانون جو کمپنیوں کے متعلق وضع اور مرتب ہوا ہے) بھی شامل ہے ازبس کہ معاہدۂ شراکت کے قانون کی ترقی سے قانون کمپنی کی ایجاد ہوئی ہے اس لئے اس کو قانون مندرجۂ عنوان کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے۔ قانون کمپنی میں کارپوریشن کی ایسی تمام اشکال داخل ہیں جو معاہدے کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہیں حالانکہ کارپوریشن کی باقی تمام اقسام کا تعلق پبلک قانون یا پرائیویٹ قانون کے مخصوص طبقات سے جیسی کہ صورت ہو ہوا کرتا ہے لیکن کارپوریشن کے متعلق جو نظریہ یا عام مسئلۂ قانونی ہے اُس کے بیان کے لئے قانون ملک کا تمہیدی جزو موزوں ہے۔

۸۔ قانون متعلق حیثیت

قانون حیثیت کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں ایک قسم متعلق ہے شوہر، زوجہ اور اطفال کی حیثیت سے اور دوسری قسم کا تعلق ذات شخص سے ہے پہلی قسم کے قانون سے مراد ایسا قانون ہے جس میں شوہر، زوجہ اور اطفال کے تعلقات قانونی کا بیان ہوا کرتا ہے۔ اس قانون میں اُن تمام شخصی حقوق، فرائض، ذمہ داریوں اور ناقابلیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس قسم کے تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں۔ قانون حیثیت کی پہلی قسم بنفسہٖ تین انواع پر منقسم ہے یعنی قانون متعلق ازدواج، ولدیت (صحت نسب) اور ولایت۔ قانون حیثیت کی دوسری قسم کا تعلق، ان تمام شخصی حقوق، فرائض، ذمہ داریوں اور ناقابلیتوں سے ہے جو قانون اہل و عیال سے خارج ہیں۔ مثلاً اس قانون میں اشخاص نابالغ کی شخصی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے یعنی والدین کے

چوتھا ضمیمہ

مقابلے میں نہیں بلکہ دوسرے اشخاص کے مقابلے میں نابالغ کے حقوق و فرائض بیان کئے جاتے ہیں ایسا ہی اس میں کتخدا عورتوں کی شخصی حیثیت کا ذکر اُن کے شوہر اور اطفال کے مقابلے میں نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذالقیاس اسی دوسری قسم میں فاتر العقل اشخاص، اجانب، سزا یافتہ اشخاص اور اُن لوگوں کی حیثیتوں کا ذکر مرقوم ہوتا ہے جن کو کسی خاص وجہ سے قانون کے کسی ایک خاص حصےؔ میں بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہرچند شخصی حقوق کی ایک صنف ایسی ہے جس کا ذکر خالص منطقی اصول کے لحاظ سے قانون حیثیت میں نہ کیا جانا چاہیئے تاہم اُن حقوق کو قانون ملک کے دوسرے طبقات میں بالعموم جگہ دی جاتی ہے۔ ان حقوق سے ہماری مراد حقوق قدرتی ہیں یعنی ایسے حقوق جن کو انسان اپنے ساتھ لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے یہ اُسکے اکتسابی نہیں بلکہ پیدائشی حقوق ہیں اور ہر ایک شخص کے یہاں ان حقوق کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے۔ حقوق حیات، آزادی، نیکنامی اور اذیت جسمانی سے محفوظ رہنے کا حق ان حقوق کی مثالیں ہیں۔ حق حیات (زندہ رہنے کا حق) ایسا ہی آزاد اور نیکنام رہنے کے حقوق وغیرہ کا کتاب کے ابتدائی حصوں میں تفصیل سے ذکر آچکا ہے لہٰذا اس مقام پر مزید صراحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال ان کو حقوق شخصی کہتے ہیں اور یہ حقوق ملکیت یا حقوق متعلق جائداد نہیں ہیں اس پر بھی شاذ و نادر ہی ان حقوق کا قانون حیثیتؔ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ قدرتی حقوق ہیں اور جب تک ان میں سے

ؔ اس میں شک نہیں کہ جائداد اور ذرائع کے قانون میں قانون حیثیت کے کثیر حصے کو داخل کردینے اور اس میں اُس کے اکثر و بیشتر جزو کو بیان کرنے سے قانون ملک کے ترتیب دینے میں بہت کچھ سہولت ہوتی ہے مثلاً اشخاص کے مختلف گروہ کے معاہدہ کرنے کی قابلیت اور ناقابلیت کے متعلق قانون معاہدہ میں بحث کرنا زیادہ مناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ اُس کا ذکر علیحدہ طور پر اشخاص کی مختلف جماعتوں کے قانون حیثیت میں کیا جائے۔

ؔ لیکن ہلینڈ آسٹن نے جس کی طبیعت میں زیادہ احتیاط ہے منطقی ترتیب اور تقسیم کے لحاظ سے قدرتی حقوق کو قانون ملک کے اُس طبقے میں داخل کیا ہے جس کو قانون حیثیت کہتے ہیں۔

چوتھا ضمیمہ

کسی ایک حق کی پامالی یا خلاف ورزی نہ ہو خود حقدار کو اُس کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے اس لئے قانونی کتب میں بھی محض ان حقوق کی پامالی اور خلاف ورزی کی نسبت غور اور بحث کی جاتی ہے اور اس لئے قانون میں ان حقوق کا ذکر دیوانی اور فوجداری طرز کے افعال ناجائز کے زیر عنوان کیا جاتا ہے اور یہ طریقہ نہایت موزوں ومناسب ہے مثلاً قانون متعلق توہین تحریری کا بیان جو قانون ٹارٹ میں داخل ہے مشتمل ہے اُس قضیے پر جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے یعنی ہر ایک شخص کو اپنی نیکنامی قائم رکھنے کا حق حاصل ہے لہذا اس نامربوط اور بے ڈھنگے قضیے یا فقرے کو قانون حیثیت میں جو بلحاظ ترتیب قانون ذوام کے بعد واقع ہوتا ہے جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

چوتھا ضمیمہ

خلاصہ

تقسیم قانون ملک

- ۱۔ تمہید
  - الف۔ ماخذہائے قانون ملک۔
  - ب۔ تاویل اور تعریفات۔
  - ج۔ پرائیویٹ قانون بین الاقوامی
  - د۔ متفرق تمہیدی اصول (متفرق مبادیات قانون)
- ۲۔ پرائیویٹ قانون
  - دیوانی کا قانون
    - قانون اصلی
      - جائداد
        - ۱۔ مادی جائداد
          - زمین (جائداد منقولہ)۔
          - اشیاء (جائداد غیر منقولہ یا مال)۔
        - ۲۔ غیر مادی جائداد۔
          - حقوق ایجاد۔
          - نشانات تجارت وغیرہ۔
        - ۳۔ کفالتیں (زر باریاں)
          - پٹہ جات
          - سود گروی (حقوق در جائداد غیر)
          - امانتیں
          - کفالتیں وغیرہ۔
        - ۴۔ وراثت (یا جانشینی)
          - بالوصیت
          - بلا وصیت
      - ذمام
        - ۱۔ معاہدات
          - عام حصہ۔
          - خاص حصہ۔
        - ۲۔ ٹارٹ
          - عام حصہ۔
          - خاص حصہ۔
        - ۳۔ متفرق ذمام۔ (ذمہ داریاں)۔
        - ۴۔ دیوالہ۔
        - ۵۔ کمپنیاں۔
      - حیثیت
        - شوہر و زوجہ اور اخلاف کی حیثیت
          - کتخدائی۔
          - ولدیت (صحت نسب)
          - ولایت۔
        - غیروں کی حیثیت
          - نابالغ۔
          - عورت کتخدا (منکوحہ)
          - فاتر العقل۔
          - اجانب۔
          - سزا یافتہ اشخاص وغیرہ۔
    - ضابطہ
      - کارروائی عدالت
      - شہادت
  - فوجداری کا قانون
    - اصلی
      - عام حصہ۔
      - خاص حصہ
    - ضابطہ
- ۳۔ پبلک قانون
  - قانون دستوری
  - قانون انتظامی

پانچواں ضمیمہ

علاقہ یا عملداری سلطنت

کتاب ہذا باب پنجم فصل ۳۸ میں علاقۂ سلطنت کے تصور کا بہت ہی مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اُس مقام پر علاقۂ سلطنت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ اُس سے مُراد روئے زمین کا وہ حصہ ہے جو کسی سلطنت کے خالص قبضہ واقتدار میں ہو۔ اگرچہ یہ تعریف اُس باب کے مقاصد کے لئے غالباً کافی ہے لیکن زمانۂ موجودہ کے دستوری انتظامات اور بین الاقوامی تعلقات کی پیچیدگیاں ایسی ہیں کہ اس بحث کے کامل تجزیئے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس مقام پر علاقۂ سلطنت کا جو بیان کیا گیا ہے اُس سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ یہاں اُس پر لحاظ کیا جائے۔ پس اس ضمیمے کا مقصد یہی ہے کہ علاقۂ سلطنت کے تصور پر بحث کرے اور اُس میں شہنشاہی برطانیہ کی دستوری ہیئت کو خاص طور پر ملحوظ رکھ کر اُس مختصر و عام بیان کی تکمیل کرے جو باب پنجم میں شامل ہے۔

اگر ہم شہنشاہی برطانیہ کی اصطلاح کا وسیع ترین مفہوم لیں اور جس مفہوم میں اُس اصطلاح کا استعمال کیا جانا جائز بھی ہے تو وہ ایسے دو حصوں پر مشتمل ہے جو اپنی دستوری اور بین الاقوامی اہمیت کے لحاظ سے فی الحقیقت ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ اس شہنشاہی کا ایک حصہ برطانی قلمرو اور دوسرا حصہ برطانی محمیات (زیرحمایت ریاستوں) پر مشتمل ہے۔

خود برطانی قلمرو بھی دو حصوں میں منقسم ہو سکتی ہے پہلے حصے پر ریاست برطانیہ یعنی ممالک متحدۂ برطانیۂ عظمیٰ و آئرلینڈ مبنی ہے اور دوسرے حصے میں برطانوی مقبوضات

پانچواں ضمیمہ

یعنی برطانوی قلمرو ماورائے بحر شامل ہیں[1]۔ اگرچہ یہ مقبوضات بادشاہ انگلستان کی قلمرو کا ایک جزو ہیں لیکن وہ اُس کی ریاست یا علاقے کا جزو نہیں ہیں بلکہ یہ اُسکی ریاست یا ممالک متحدہ برطانیۂ عظمیٰ و آئرلینڈ کے تابع ہیں اور اس لحاظ سے یہ مقبوضات شہنشاہی پارلیمنٹ کے فرماں روایانہ اقتدار کے ماتحت ہیں۔ ان مقبوضات کی وہ حیثیتیں ہیں جس طرح ریاست برطانیہ کا بادشاہ انگلستان کی قلمرو میں شمار کیا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی اُس قلمرو میں داخل سمجھے جاتے ہیں اور اس لئے ان دونوں میں مشابہت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں اور سلطنت کے دوسرے ممیات میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے اور اُس بنا پر یہ ریاست متحدہ سے ممیز اور جدا گانہ نظر آتے ہیں۔ اس امتیاز اور اختلاف کا سبب صرف یہی مشابہت و مماثلت نہیں ہے بلکہ یہ مقبوضات ریاست متحدہ کے توابع ہیں جو شہنشاہانہ فرماں روائی کے قبضہ و اقتدار میں ہے اور اسی لئے یہ ریاست مذکور کے ہم رتبہ اور مساوی نہیں ہیں۔

برطانوی مقبوضات ماورائے بحر کی جو ترتیب و تقسیم قائم ہوگئی ہے وہ کسی قانون کی رو سے نہیں قرار دی گئی ہے بلکہ اُس کو ایک قسم کا تاریخی ارتقا سمجھنا چاہئے بہرحال اُن کی تقسیم و ترتیب حسب ذیل ہے:-

ا۔ برطانیۂ عظمیٰ و آئرلینڈ کے علاوہ دوسرے برطانوی جزائر یعنی جزائر رودبار و جزیرۂ مین۔ یہ جزائر ریاست متحدہ کے جزو نہیں ہیں بلکہ اُس کے ماتحت ہیں۔ قانون کی رو سے اُن کی وہی حیثیت ہے جو دوسری برطانوی نوآبادیات کی ہے لیکن تاریخی وجوہ کی بنا پر ان کا نوآبادیات میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ جزائر نوآبادیات کی تقسیم سے خارج ہیں۔

۲۔ برطانوی ہند یعنی ہندوستان کا وہ حصہ جو برطانی قلمرو میں داخل ہے، یہ اُن بیشمار حصص سے مختلف ہے جو اب تک برطانیہ کے زیر سیادت ہندی والیان ریاست کے زیرنگیں ہیں اور اُن کے علاقے سمجھے جاتے ہیں۔

---

[1] قانون تعبیر بابت ۱۸۸۹ء، دفعہ ۱۸۔

پانچواں ضمیمہ

۳- برطانوی نوآبادیات یعنی برطانی جزائر اور برطانی ہند کے علاوہ اورائے بحر کی وہ تمام برطانوی قلمرو جس کے جداگانہ ممالک کو جداگانہ مقامی حکومت حاصل ہے[1]۔

۴- برطانی مستقرات یعنی وہ چھوٹے چھوٹے برطانوی مقبوضات جنھیں اگرچہ تاج برطانیہ نے شہنشاہی کے جزو کے طور پر ملحق کرلیا ہے لیکن ہنوز اُن کی مقامی حکومت کے کسی جداگانہ نظم کے نہ قائم ہونے کی وجہ سے اُنھوں نے نوآبادی کی حیثیت نہیں حاصل کی ہے اور تاج نے قانون برطانی مستقرات، ۱۸۸۷ء نافذ کرکے اُن کے نظام حکومت مقامی کے متعلق قاعدہ اور ضابطہ بنادیا ہے۔

برطانی قلمرو کو خارج کرنے کے بعد برطانی شہنشاہی کا باقی حصہ برطانی محمیات پر مشتمل ہے۔ اس کی مثالیں، مصر، زنجبار، روڈیشیا، بچوانالینڈ، نائجیریا، یوگنڈا، بورنیو، ٹونگا اور ہندوستان کی بیشمار دیسی ریاستیں ہیں۔

جس عنصر مشترک کی وجہ سے قلمرو اور محمیات دونوں مل کر برطانوی شہنشاہی بنتی ہے وہ عنصر خارجی فرماں روائی کا تاج برطانیہ کی طرف سے عمل میں آنا ہے۔ اس اعتبار سے فرماں روائی کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی علاقے کے لحاظ سے سلطنت کے اقتدار، طاقت یا حد اختیار کو عمل میں لایا جائے۔ خارجی فرماں روائی کا مفہوم یہ ہے کہ علاقۂ زیر بحث کے متعلق تمام دوسری بیرونی سلطنتوں کے مقابلے میں کسی خاص سلطنت کو تنہا فرماں روائی حاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی تمام دوسری سلطنتیں علاقۂ زیر بحث کے اوپر ہر قسم کے حق، دعویٰ، یا اقتدار سے محروم ہیں۔ یہ فرماں روائی "خارج عن الذات" ہے۔ اس کے برعکس اندرونی فرماں روائی وہ طاقت، حد اختیار اور اقتدار ہے جس کا اقتدار و نفاذ علاقۂ زیر بحث کے اندر ہی اس مُلک کے باشندوں کی حکومت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ پس یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی علاقے کے لحاظ سے ان دونوں قسموں کی فرماں روائیاں ایک ہی سلطنت میں مجتمع ہوں یا نہ ہوں اور اُسی کے ذریعے سے ساتھ کے ساتھ نفاذ پذیر ہوتی ہوں یا نہ ہوتی ہوں۔ تمام برطانوی قلمرو کے معاملے میں یہ فرماں روائیاں اسی طرح پر مجتمع اور ہم

---

[1] قانون تعبیر ۱۸۸۹ء دفعہ ۱۸۔

پانچواں ضمیمہ

نافذ ہیں۔ اس تمام قلمرو کے معاملے میں تاج تمام دوسری سلطنتوں کی بیرونی مداخلت کو خارج رکھنے کے اعتبار سے نہ صرف بیرونی فرماں روائی کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ خود اس علاقے اور مملکت کے اندر غیر مقید اقتدار حکمرانی کے عمل میں لانیکے اعتبار سے وہ اندرونی فرماں روائی کا بھی دعویدار ہے، مگر محمیت کے معاملے میں یہ ضروری نہیں کہ فرمانروائی کے یہ دونوں اقسام ساتھ کے ساتھ موجود ہوں۔

اس معاملے میں داخلی فرماں روائی ہو کہ نہ ہو لیکن خارجی فرماں روائی لازمی ہے اور بالفرض داخلی فرماں روائی ہو تو بھی یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اُس مقامی حکومت کو جس کے قیام کو اور جس کے لئے اندرونی فرائض کے نفاذ کو جائز رکھا گیا ہے، اندرونی فرماں روائی کے کسی حصے کے اپنے ساتھ کے ساتھ عمل میں لانے کی اجازت دے یا نہ دے۔

اس لئے اندرونی فرماں روائی کے اعتبار سے محمیات تین قسم کی ہیں:۔

ا۔ پہلی قسم میں وہ ممالک محروسہ شامل ہیں جہاں تاج صرف خارجی فرمانروائی کو عمل میں لاتا ہے۔ اندرونی فرماں روائی کلیتہً کسی ایسی مقامی حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دی جاتی ہے جس کی نسبت ہنوز یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ علاقہ یا مملکت اُس کی ملک ہے باوجود اس کے کہ تمام دوسری سلطنتوں کے مقابلے میں اُس مملکت کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ خالصتہً برطانوی حدود اختیار میں داخل ہے۔ مثلاً ہندوستان کی زیر حمایت دیسی ریاستوں میں ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے۔ خارجی حیثیت سے یہ ریاستیں برطانی شہنشاہی کے بیرونی حدود کے اندر داخل ہیں۔ دوسری سلطنتوں سے اُن کا کسی قسم کا بین الاقوامی تعلق نہیں ہے، لیکن ان ریاستوں کی اندرونی حکومت کلیتہً وہیں کے ہندوستانی والیان ملک کے ہاتھ میں ہے۔ تاج کیجانب سے اُن پر جو کچھ اختیار عمل میں آتا ہے وہ صرف بین الاقوامی اور سفارتی حیثیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے، کسی قانون دستوری کی رو سے اُس پر عمل نہیں کیا جاتا۔

۲۔ دوسری قسم میں وہ محمیات داخل ہیں جن میں تاج صرف خارجی فرماں روائی پر تمام و کمال عمل نہیں کرتا بلکہ کسی حد تک اندرونی فرماں روائی کو بھی عمل میں لاتا ہے البتہ ایسا ہوتا ہے کہ اس اندرونی فرماں روائی کو وہ اُس مقامی سلطنت کے ساتھ ساتھ عمل میں

پانچواں ضمیمہ

لاتا ہے جس کی ملک میں یہ علاقہ یا مملکت داخل ہوتی ہے۔ یہ کیفیت مصر اور زنجبار وغیرہ محمیات کی ہے۔ اس قسم کی محمیات کی اندرونی حکومت تاج برطانیہ اور کسی ایک مقامی حکمراں کے درمیان منقسم ہے جسے تاج برطانیہ کے ساتھ بین الاقوامی تعلق ہوتا ہے اور وہ کسی نوآبادی کے والی (گورنر) کی طرح محض مقامی حکومت کے لئے ایک ایسا کارکن نہیں ہوتا جسے برطانوی شہنشاہی کے قانون دستوری نے تاج کے اختیار کا کوئی حصہ تفویض کردیا ہو۔ اس قسم کی محمیات کی اندرونی حکومت کے بعض حصص خالصۃً برطانی ہیں اور باقی حصص مقامی صاحبان حکومت کے سپرد ہیں اور ہر محمیت کے لحاظ سے تاج جس طرح مناسب سمجھتا ہے ان دونوں کے حدود و اختیارات میں ایک فصل قائم کردیتا ہے۔ برطانوی محمیات میں تاج کا اس طرح پر اندرونی فرماں روائی کو عمل میں لانے کا اختیار پارلیمنٹ کے ایک نافذہ قانون کی رو سے مسلم و منضبط ہوگیا ہے۔ یہ قانون خارجی حدود اختیار کے قانون (۱۸۹۰ء) کے نام سے مشہور ہے۔ اس قانون کی رو سے احکام باجلاس کونسل نافذ ہوتے ہیں جنکے بموجب ہر ایک محمیت کے لحاظ سے اُس محمیت کے اندر شاہی اقتدار حکمرانی کی تنظیم اُس کی وسعت اور اُس کے عملدرآمد کی صورتیں معین کی جاتی ہیں۔

۳۔ تیسری قسم کی محمیت وہ ہے جس میں تاج نہ صرف خارجی فرماں روائی سے کام لیتا ہے بلکہ اندرونی فرماں روائی بھی کلیتہً اُسی کے اختیار میں ہوتی ہے یعنی اس محمیت کی کامل زمام حکومت اہل برطانیہ کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔ مقامی حکومت کا اگر کوئی نظم ہوتا بھی ہے تو وہ قسم دوم کی محمیت کی مانند اُس سلطنت سے متعلق نہیں ہوتا جس کی نسبت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ تاج کے ساتھ اُس کا تعلق گویا بین الاقوامی قسم کا ہے بلکہ یہ ایک دستوری آلۂ عمل یا شاہی اقتدار کے کارکن یعنی نائب کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ بیچوانالینڈ روڈیشیا، نائجیریا اور بعض دوسری افریقی محمیات اس نوع کی مثالیں ہیں۔ ان محمیات میں قانون خارجی حدود اختیارات بابت ۱۸۹۰ء کی رو سے شاہی اقتدار کا نفاذ احکام باجلاس کونسل کے ذریعے سے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نوع دوم کی محمیات میں ہوتا ہے[۱]

---

[۱] اس قانون کے تحت میں احکام باجلاس کونسل کی مثالیں قانونی قواعد و احکام نظرثانی شدہ (۱۹۰۴ء) کی جلد پنجم میں دیکھنا چاہیے۔

پانچواں ضمیمہ

اول و دوم نوع کی محمیات اس اعتبار سے عام طور پر "سلطنت ہائے محروسہ" کے تعلق سے ممیز ہوتی ہیں کہ اُن میں بین الاقوامی درجے کی ایک نیم خود مختار حکومت پائی جاتی ہے۔ تیسری نوع کی محمیات جن میں اس قسم کی کوئی حکومت نہیں ہوتی بنظر سہولت اس اعتبار سے "مستعمری محمیات" قرار دی جاتی ہیں کہ اُن میں اور برطانوی مقبوضات میں بہت قریب کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

میں یہ پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ برطانوی قلمرو اور برطانوی محمیات دونوں میں حقیقی عنصر مشترک یہی ہے کہ ان میں تاج برطانیہ خارجی فرماں روائی کے تمام و کمال عمل میں لانے کا دعویدار رہتا ہے۔ بادشاہ اپنی قلمرو اور اپنی محمیات دونوں کے متعلق اپنے تنہا قبضے اور بلاشرکت غیرے اپنے اقتدار کے عمل میں لانے کا دعویدار ہے پس اب یہ تحقیق کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ برطانی شہنشاہی کے ان دونوں اجزا کے درمیان حقیقی فرق کیا ہے۔ مذکورۂ بالا تبصرات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ فرق اندرونی برطانی فرماں روائی کی موجودگی یا عدم موجودگی پر مبنی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ایک نوع کی محمیات میں اُس قسم کی فرماں روائی پر عمل نہیں ہوتا اور دوسری نوع میں ہوتا ہے۔ اور نہ یہ فرق اس نیم خود مختارانہ حکومت کی موجودگی یا عدم موجودگی میں پایا جا سکتا ہے جس کی نسبت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ تاج کے ساتھ دستوری تعلق کے بجائے اُس کا تعلق بین الاقوامی ہے، کیونکہ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مستعمری محمیات کے معاملے میں اس قسم کی حکومت کا وجود نہیں پایا جاتا۔ تو پھر صحیح فرق کیا ہے؟ یہ فرق حقیقتہً یہ ہے کہ برطانی شہنشاہی کا دستوری قانون برطانی قلمرو کو برطانی علاقہ یا مملکت تسلیم کرتا ہے لیکن برطانی محمیات کو اس طرح تسلیم کرنے سے منکر ہے۔

اس فرق کو ہم ایک دوسرے طریقے سے بیان کر سکتے ہیں۔ اندرونی فرمانروائی یعنی کسی سلطنت کا اپنے علاقے اور مملکت کے اندر حکمرانہ اقتدار یا اختیار کا عمل میں لانا دو قسم کا ہے جن میں ہم مملکتی اور ورائے مملکتی کے الفاظ سے فرق کر سکتے ہیں۔ مملکتی فرماں روائی وہ ہے جو خود اپنی مملکت کے اندر سلطنت کے قبضے میں ہے اور وہ اس پر عمل کرتی ہے۔ ورائے مملکتی فرماں روائی وہ ہے جو کسی ایسے علاقے یا مملکت کے اندر سلطنت کے قبضہ و عمل میں ہے جو خود اس کا علاقہ نہیں ہے

پانچواں ضمیمہ

بلکہ وہ یا تو کسی دوسری سلطنت کا علاقہ ہے یا کسی کی بھی مملکت وعلاقہ نہیں ہے، وراے ملکتی فرماں روائی انگریزی دستوری قانون کی زبان میں خارجی حد اختیار کہلاتی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے قانون خارجی حد اختیار بابت ۱۸۹۰ء کا موضوع بھی یہی ہے۔ اس خارجی اختیار سے مراد تاج کا وہ اختیار حکومت ہے جس کو وہ غیر ملک میں عمل میں لاتا ہے کیونکہ وہ علاقہ یا مملکت تاج کی ملک نہیں ہے، لہذا اس قسم کا اختیار تاج کے لئے غیر ملکی (خارجی) ہے اور ایسے علاقے کا کسی دوسری سلطنت کے علاقے میں واقع ہونا یا نہ ہونا کوئی لازمی امر نہیں ہے۔

برطانی قلمرو کے اندر تاج کا اختیار (حکومت و وضع قانون) یا فرمانروائی ملکتی ہے۔ برطانی محمیات کے اندر یہ فرماں روائی وراے ملکتی یا غیر ملکی ہے۔

پس محمیات کی تین قسموں کا امتیاز حسب ذیل طریقے پر ہو سکتا ہے:۔

۱۔ سلطنت ہائے محمیہ جن کے متعلق تاج بلا کسی غیر ملکی اختیار (حکومت و وضع قانون) صرف خارجی فرماں روائی کو عمل میں لاتا ہے اور اندرون ملک کا جملہ اقتدار حکمرانی خود اس سلطنت محمیہ کا مملکتی اختیار ہوتا ہے۔

۲۔ سلطنت ہائے محمیہ جن کے متعلق تاج نہ صرف خارجی فرماں روائی کو عمل میں لاتا ہے بلکہ کسی حد تک اپنے غیر ملکی اختیار حکمرانی سے بھی کام لیتا ہے۔ ملک کی اندرونی حکومت تاج کی وراے مملکتی فرماں روائی اور خود سلطنت محمیہ کی مملکتی فرماں روائی کے مابین منقسم ہوتی ہے۔

۳۔ استعماری محمیات جن کے متعلق تاج نہ صرف خارجی فرماں روائی کو عمل میں لاتا ہے بلکہ غیر ملکی اختیار حکمرانی سے بھی کام لیتا ہے اور جن میں کوئی مقامی حکومت ایسی نہیں ہوتی جو مملکتی فرماں روائی کے اعتبار سے تاج کے ہم مثل اختیار کو عمل میں لاوے۔

پس برطانوی محمیت کی تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ایسی مملکت یا علاقہ ہے جس کے متعلق تاج خارجی فرماں روائی عمل میں لاتا ہے اور اگر تاج انھیں کسی قسم کی اندرونی فرماں روائی سے کام لیتا ہے تو وہ صرف غیر ملکی یا خارجی حدود اختیار کے طریق پر نہ کہ برطانی قلمرو کی مانند مملکتی فرماں روائی کے

پانچواں ضمیمہ

طور پر ہوتا ہے۔

لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ غیر ملکی اختیار حکومت وغیرہ محمیات تک محدود نہیں ہے۔ اس کا عملدرآمد ایسے ممالک میں بھی ہو سکتا ہے جو تاج کی خارجی فرمانروائی کی حد کے اندر نہیں ہیں اور اس لئے برطانی شہنشاہی میں مطلقاً داخل نہیں ہیں۔ دوسرے دول یورپ کی شرکت میں تاج نے بذریعۂ معاہدہ اور دوسرے طریقے سے بعض سلطنتوں کے حدود ارضی میں کسی حد تک اندرونی اقتدار حکمرانی حاصل کر لیا ہے۔ یہ اس قسم کی سلطنتیں ہیں جن میں اُن کی ناکمل تہذیب وترقی کی وجہ سے برطانی اغراض کی حفاظت کے لئے اس قسم کے اختیار کی ضرورت ہے لیکن اُن کے متعلق اُس قسم کی کسی خارجی فرماں روائی کا دعویٰ نہیں کیا جاتا جیسی محمیات میں ہے۔ مثلاً چین کے اندر وہاں کی رہنے والی برطانی رعایا کے اوپر تاج اُس قسم کا اختیار وضع قانون و اختیار عدالتی عمل میں لاتا ہے اور اس وضع قوانین کا احکام باجلاس کونسل کی صورت میں ظہور ہوتا ہے۔ قوانین جو اس طرح وضع ہوتے ہیں اُن کا نفاذ اُن برطانی عدالتوں کے ذریعے سے ہوتا ہے جو مملکت چین میں اجلاس کرتی ہیں اور وہاں یہ عدالتیں ورائے مملکتی یا غیر ملکی اختیار سے کام لیتی ہیں۔

بیشک یہ غیر ملکی حدود اختیار کی سابق ترین شکل ہے اور اول اول اسی سے متعلق سنہ ۱۸۹۰ء کا غیر ملکی حدود اختیار کا قانون اور اس مقصد کے دوسرے سابقہ قوانین تیار کئے گئے تھے۔ تاج جس قسم کا اندرونی اختیار ملک چین میں یا استعمال کرتا ہے اور جو اختیار وہ بچوناالینڈ کی محمیت یا مصر و زنجبار کی محمیہ سلطنتوں کے اندر عمل میں لاتا ہے ان سب اختیارات میں از روئے قانون کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں تاج کے اقتدار کی قانونی بنا یکساں طور پر غیر ملکی حدود اختیار کے قانون کے اندر پائی جاتی ہے اور اس کا نفاذ اُن احکام باجلاس کونسل کے ذریعے سے ہوتا ہے جو اس قانون کے تحت میں جاری کئے جاتے ہیں۔

مذکورۂ بالا اختیارات کا اظہار حسب ذیل جدول کے ذریعے سے

پانچواں ضمیمہ

کیا گیا ہے :۔

- خارجی فرماں روائی
  - برطانی قلمرو پر
    - ریاست متحدہ (برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ)
    - برطانی مقبوضات
  - برطانی محمیات پر
    - غیر ملکی حدود اختیار کے بغیر
    - مع غیر ملکی حدود اختیار اور مقامی مملکتی فرمانروائی کے ہم مثل } سلطنت ہائے محمیہ
    - مع غیر ملکی حدود اختیار اور خالص مقامی مملکتی فرماں روائی کے } مستعمری محمیات
- اندرونی فرماں روائی
  - اندرون برطانی قلمرو } مملکتی حدود اختیار
  - اندرون برطانی محمیات
    - مقامی مملکتی فرماں روائی کے ہم مثل } سلطنتہائے محمیہ
    - خالص مقامی مملکتی فرمانروائی کے مانند } مستعمری محمیات
  - غیر ملکی حدود اختیار
    - اندرون سلطنت ہائے خود مختار مثلاً چین۔

اس بیان سے کہ برطانوی محمیت، برطانی مملکت نہیں ہے سلطنتہائے محمیہ کے معاملے میں مستعمری محمیات کے بالمقابل کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔ ان سلطنتوں میں اس محمیہ حکومت کی مملکت یا علاقہ ہے جو وہاں اندرونی مملکتی فرماں روائی کو عمل میں لاتی ہے نہ کہ تاج برطانیہ کی جو محض خارجی فرماں روائی اور کسی قدر غیر ملکی اختیار کو عمل میں لاتا ہے۔ اس قسم کی مملکت میں تاج کا حق ملکیت کا نہیں بلکہ حق نسبت جائداد غیر کا ہے۔ لیکن اس قول کا کیا مطلب ہے کہ برطانی مستعمری محمیت برطانی مملکت نہیں ہے؟ کوئی دوسری سلطنت ایسی نہیں ہے جس سے علاقہ زیر بحث کو متعلق سمجھا جاے۔ اس قسم کی محمیت کا

بانچواں ضمیمہ

جملہ اقتدار حکمرانی خواہ بیرونی ہو یا اندرونی تاج کے ہاتھ میں ہے۔ اس قسم کے حکمرانہ اختیار کی نوعیت و وسعت کے لحاظ سے مستعمری محمیت اور برطانی نوآبادی کے درمیان کوئی عملی یا واقعی فرق نہیں ہے۔ پس اگر کسی سلطنت کی مملکت کی صحیح و کافی تعریف یہ ہے کہ جس مملکت پر جو سلطنت بلا شرکت غیرے فرمانروائی اور اختیار عدالتی عمل میں لاتی ہے وہ اس کی مملکت ہے تو اس اعتبار سے محمیت نائجیریا اس حد تک برطانی علاقہ ہے جس حد تک ہانگ کانگ کی شاہی مستعمری ہے۔

اس دقیق مسئلے کا حل صرف اس امر کے تسلیم کرنے پر منحصر ہے کہ جس طرح اکثر تصورات قانونی کے متعلق امور موجود فی الواقع اور امور موجود فی القانون میں فرق کیا جاتا ہے اسی طرح مسئلۂ زیر بحث کی نسبت ان دونوں امور میں امتیاز کرنا چاہیے۔ از روئے واقعہ جس قدر برطانی علاقے ہیں وہ تمام از روئے قانون برطانی علاقے نہیں ہیں۔ برطانی مملکت واقعی وہ ہے جس میں تاج برطانیہ فی الواقع بلا شرکت احدے اقتدار حکمرانی عمل میں لاتا ہے۔ برطانی مملکت قانونی وہ ہے جسے ادعائے قانون ملک کے مقابلے میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ برطانی مملکت ہے۔ اگر قانون اس دعوے کو اس طرح تسلیم کرنے کی اجازت نہ دے تو جو اختیار تاج عمل میں لاتا ہے وہ از روئے قانون صرف خارجی یا دراے ملکی اختیار ہے، ملکی فرماں روائی نہیں ہے خواہ از روئے واقعہ اس میں اور اس اختیار میں جو برطانی مقبوضات میں نافذ ہوتا ہے کوئی فرق نہ ہو۔ قانون انگلستان کے بموجب کسی قطعۂ زمین کو برطانی مملکت کی حیثیت محض فرمانروائی اور اختیار کے واقعی عمل و نفاذ سے حاصل نہیں ہوتی، خواہ یہ فرماں روائی کتنی ہی کامل و بلا شرکت غیرے کیوں نہ ہو۔ حقیقی قانونی شرط مقدم تاج کا وہ فعل بالارادہ ہے جسے الحاق کہتے ہیں۔ قبل اس کے کہ از روئے قانونی کوئی مملکت برطانی مملکت ہو جائے، تاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس میں اپنے مخصوص شاہی امتیاز (حق و اختیار) کو عمل میں لانے کے لئے یہ قرار دے کہ وہ اس مملکت کو اپنے مقبوضات کے طور پر اور اپنی ملکی فرماں روائی کے تحت میں ملحق یا

پانچواں ضمیمہ

شامل کرے گا خواہ باضابطہ ایسا ہو یا لازمی مقدرات سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے، اور تاج محض یہ قرار دے کہ وہ اُس مملکت کے بارے میں صرف اس خارجی یا ورائے مملکتی اختیار کو عمل میں لائیگا جو قانونی نظریئے میں مملکتی فرماں روائی سے ممیز ہے، حالانکہ اصل میں اس کو اکثر مملکتی فرماں روائی سے ممیز کرنا ناممکن ہے پس وہ سبب خاص جس کی بنا پر مستعمری محمیت برطانی مملکت یا برطانی مقبوضہ نہیں ہے، صرف تاج اور قانون ملک کا بیان یعنی دعوی بلادلیل ہے چنانچہ ضرب المثل ہے کہ انسان اپنی خواہش کو عقل وحجت پر ترجیح دیتا ہے عملی وجوہ اور اسباب کی بنا پر جو کسی قدر قانونی اور کسی قدر سیاسی وبین الاقوامی نوعیت کے ہیں تاج خارجی مملکت پر اگرچہ اُس حد تک بیرونی فرماں روائی اور اندرونی اختیار کے عمل میں لانے پر رضامند ہو جاتا ہے جو واقعے میں کامل وخالص حکمرانی کے اختیار تک پہنچ جاتا ہے تاہم اُس کو برطانی علاقے میں ملحق کرنے نیز اُس کو برطانی علاقے کی حیثیت عطا کرنے سے انکار کرتا ہے۔

ایسے برطانی مقبوضے میں جو فی الواقع برطانی مملکت ہے مگر قانوناً ایسا نہیں ہے اور ایسے برطانی مقبوضے میں جو ازروئے واقعہ وقانون برطانی مملکت ہے بے شمار اور اہم قانونی فرق و اختلافات ہیں۔ اس مقام پر بطور توضیح صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ برطانی علاقے میں پیدا ہونے سے ہر ایک شخص کو برطانی قومیت کا حق ہو جاتا ہے، اور (بالفاظ عام) برطانی محمیت میں پیدا ہونے سے ایسا نہیں ہوتا علیٰ ہذا کسی علاقۂ غیر کے برطانی علاقے میں ملحق ہونے سے علاقۂ ملحقہ کی مقیم رعایا کو برطانی قومیت کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اسکے برخلاف برطانی محمیت کے قائم کرنیکا اثر یہ نہیں ہوتا کہ اُس ملک کے باشندوں کو برطانی شہریت کا حق حاصل ہو جائے ایسا ہی لوگوں کا خیال ہے کہ سلطنت برطانیہ میں کسی جدید مقبوضے کے اضافے سے جو کسی متمدن سلطنت سے فتح کیا گیا ہو اُس مقبوضے میں انگریزی قانون عام یعنی قانون غیر موضوعہ خود بخود رائج ہو جاتا ہے اور یہ اس قسم کے جدید مقبوضات کے حاصل ہونے کی تاثیر ہے اسکے برعکس کسی محمیت کے قیام سے ایسا نتیجہ نہیں نکلتا۔

آخر میں یہ اشارہ کر دینا بھی مناسب ہے کہ علاقۂ سلطنت یا حدود ارضی سلطنت کا

پانچواں ضمیمہ

قانونی تصور ملکیت سلطنت کے قانونی تصور سے جداگانہ اور ممیز شے ہے۔ بااین ہمہ یہ دونوں تصورات ہم مثل ہیں۔ متعدد قانونی اصول اور بہت سی قانونی اصطلاحات دونوں میں مشترک ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض زمینیں تاج سے متعلق ہیں یا تاج نے انھیں حاصل کیا ہے تو ہمارا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تاج کا علاقہ ہیں یا وہ تاج کی مِلک (وجائداد) ہیں۔ تصور اول کا تعلق پبلک قانون یعنی قانون متعلق سلطنت اور تصور دوم کا تعلق پرائیویٹ قانون یعنی قانون متعلق رعایا وسلطنت سے ہے۔ فرماں روائی یا اقتدار اعلیٰ کے حق کا موضوع لہٗ علاقہ ہے، اس کے برخلاف ملکیت یا (Dominium) کے حق کا موضوع لہٗ جائداد ہے۔ پس یہ ہو سکتا ہے کہ کسی قطعۂ زمین سے متعلق تاج کو یہ دونوں حق ایک ساتھ حاصل ہوں یا نہ ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ سرزمین تاج کے قبضے میں بحیثیت علاقے کے ہو مگر بحیثیت مِلک کے نہ ہو، یا بحیثیت مِلک کے ہو اور بحیثیت علاقے کے نہ ہو یا دونوں حقوق ایک ساتھ حاصل ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سلطنت کی قلمرو میں دوسری سلطنت کسی زمین پر علاقے کی حیثیت سے نہیں بلکہ مِلک کی حیثیت سے قابض ہو۔ ملکی فرمانروائی (یا فرمانروائی علاقہ) اور ملکیت کا یہ فرق ایک حد تک برطانی دستور کی جاگیری خصوصیات کی وجہ سے موہوم ہو گیا ہے۔ جاگیری قانون کے بموجب ابتداءً تمام انگلستان نہ صرف تاج کا علاقہ بلکہ اُس کی مِلک بھی تھا، اور جب یہ زمین رعایا کو عطا کی گئی تو اُس وقت بھی معطی لہم قانونی نظریے کی رو سے تاج کے محض دائمی پٹہ دار قرار پائے اور زمین کی قانونی ملکیت بدستور تاج کو حاصل رہی۔ اس لئے اس اصول کے لحاظ سے تاج جب کوئی نیا مستعمری مقبوضہ حاصل کرتا ہے اور اُس پر انگریزی قانون کے موافق حکمرانی کرتا ہے تو اس طرح کے حاصل کردہ استحقاق یا حقیت کا تعلق نہ صرف اُس علاقے سے ہوتا ہے بلکہ اسکی ملکیت سے بھی ہوتا ہے چنانچہ نیوزیلینڈ جب برطانی مقبوضہ ہو گیا تو وہ نہ صرف تاج کا علاقہ بن گیا بلکہ اُس کی مِلک بھی قرار پا گیا۔ اقتدار اعلیٰ اور ملکیت دونوں ایک ساتھ حاصل اور نافذ ہوئے۔ امریکی نوآبادیوں کی قدیم منشوری کمپنیوں کو تاج کی جانب سے جو زمین عطا ہوتی تھی وہ اس علاقہ داری اور ملکیتی دُہری حیثیت کی بنا پر عطا ہوتی تھی اور اسی حیثیت سے وہ کمپنیاں اُس پر قابض رہتی تھیں۔ لیکن یہ حقوق قابل افتراق بھی تھے۔

پانچواں ضمیمہ

یہ کمپنیاں اپنی زمین کو علیحدہ کر سکتیں اور اپنے علاقے کو قائم رکھ سکتی تھیں یا اپنے علاقے اور حقوق مالکانہ کو تاج کے حوالے کر سکتیں اور اپنی زمین اور اپنے حقوق مالکانہ کو قائم رکھ سکتی تھیں۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں برطانی محمیت میں زمین تاج کا علاقہ نہیں مگر یہ کل محمیت یا اُس کا کوئی ایک حصہ تاج کی زمین ہو سکتا ہے۔ اگر انگلستان کا قانون غیر موضوعہ کسی مستعمری محمیت میں نافذ کر دیا جائے تو بھی جاگیری قانون کے بموجب اُس محمیت کی تمام زمین تاج کے قبضے میں آجائیگی لیکن اس وجہ سے وہ محمیت برطانی علاقہ نہیں ہو جائے گی اور نہ وہ تاج کی قلمرو کی صورت میں مبدل ہو گی[1]

ختم شد

[1] محمیت کے اندر تاج کی ملکیت کے متعلق یہ معاملہ جنوبی روڈیشیا بابت ۱۹۱۹ء دیکھنا چاہیئے۔

صحت نامہ اصولِ قانون جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۲	۲۲	اس	اس کے
۱۳	۱۱	فیود	قیود
۱۴	۲	واث	وارث
۱۶	۷	منفہ د	منفرد
۲۸	۱۱	علی	علمی
۴۳	۲	اندزی	اندازی
۴۷	۲۵	Besitzess chutzes	Besitzess chutzes
۴۸	۱۳	تیولسی	مویشی
۷۴	۱۹	مسلس	مسلسل
۸۱	۲۳	تشد	تشدد
۸۶	۲	بلواسطہ	بالواسط
۸۹	۱۳	کا	کی
〃	۲۵	مصنوی	مصنوعی
۹۳	۱۵	جس جائداد	جس میں جائداد
۱۰۰	۳	ہوسلتی	ہوسکتی
۱۱۵	۱۰	ہیں	میں
۱۱۷	۱۷	حواس	جواس
۱۲۶	۳	ہم تصور	اہم تصور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۴۱	۵	کنرائے	کرائے
۱۶۶	۱۵	روماقی	رومانی
۲۰۴	۲۴	مہلوک	ہلاک شدہ
۲۱۵	۱۷	میں	متن
۲۱۸	۶	کرتے	کرنے
۲۱۹	۱۱	سرد ہوتا ہے	سرزد ہوتا ہے
۲۲۷	۱۷	اسمال	احتمال
۲۳۵	۱۲	رکھتا	رکھنا
۲۴۴	۲۰	داقع	واقف
۲۴۹	۲۴	منسوبہ	منصوبہ
〃	۲۵	الفالماس	الفاظ اس
۲۶۲	۲۰	قانون	قانونی
۲۶۴	۹	عمل	پر عملی
۲۶۵	۱۷	وجہ	وجہ سے
۲۶۶	۳	ورثا	ارثاً
〃	۱۹	زمین	اپنی زمین
۲۶۹	۱۲	تعزیری	تعزیری میں
۲۷۲	۲۲	اسم	رسم
۲۷۴	〃	انتقال	انتقام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۷۴	۸	نالشان	نالشات	۳۳۶	۹	اس کو اس کو	اس کو
۲۸۱	۱۹	ہے	ہیں	۳۶۲	۱۲	Delilo	Debitor
″	۲۲	معیاد تعزیر	معیار تعزیر	″	۱۸	Delitoring	Debitor
۲۸۳	۲۵	سنگینی	سنگین	۳۷۱	حاشیہ سطر ۳	ریوائزڈو	ریوائزڈ
۳۰۰	۲۲	مالکانت	مالکات	۳۷۹	۲	مصنف	صنف
۳۰۷	حاشیہ سطر ۴	ڈرویزگ	ڈرنبرگ	۳۸۰	حاشیہ سطر ۲	کمنٹریز	کمنٹریز
۳۱۰	″ ۱۷	ولز	ولیمز	۳۸۶	۱۳	اسمسٹ	اسمپسٹ
۳۱۲	۱۱	یکٹن	بکٹن	۳۸۹	۱۳	Gus	jus
″	حاشیہ سطر ۱	ویلمز	ولیمز	۳۹۰	۱۷	موضوحات	موضوعات
۳۱۳	۱۰	جٹیل	چٹیل	۳۹۳	۱۹	جیس پیر	جس پر
″	۲۰	فصل ۲۵۰	فصل ۱۵۷	۳۹۷	۴	بیّنہ	مُبیّنہ
۳۲۱	۱۱	طبع	تمتع	۴۰۲	۵	جس کو جو قانون	جس کو قانون
۳۲۳	حاشیہ سطر ۱	سبز	سینز	″	۱۵	جو	+
″	″ ″	tensis	teusis	″	۲۵	تمہید	تسمیہ
۳۲۶	حاشیہ سطر ۲	بٹود	ٹیوڈ	۴۰۳	۱۴	پہنچتا	پہنچنا
۳۴۴	۱۷	چارچ	چارج	۴۱۳	۱۶	فدے	ذریعے

صحت نامہ ضمیمہ جات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱	۱۰	تجدید	تحدید	۵۰	۸	لاتے	لانے
۲۲	۷	وفریق	فریق	۵۵	۱۸	ہوتے	ہونے
۴۷	۱۱	دونوں مل کر	دونوں کو ملا کر	۵۶	۲۴	ملکتی	ملکیتی

تمت

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس رفقا، مجلس انتظامی، تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کی مدت کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲۔ اساتذۂ جامعہ عثمانیہ و کلیات متحدہ و دیگر عہدہ داران جامعہ و اراکین دارالترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۳۔ طلبائے [illegible] دو کتابیں، بی۔ اے۔ اور انٹرمیڈیٹ کے طلبہ تین کتابیں، ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ و تحقیقاتی جماعتوں کے طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلبہ سے بحساب ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائے گا۔

۵۔ ہر طرح کی کتابیں گھر پر جاری کی جا سکیں گی مگر اس غرض کے لیے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر پر ذمہ داری عائد ہوگی۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان سیاہی یا پنسل سے نہ لگایا جائے۔

۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہیں کی جا سکیں گی۔ فقط